ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

﴿شرح اردو﴾

ابن ماجة

پسند فرمودہ

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ العالی

(استاذ حدیث دار العلوم دیوبند)

شارح

مفتی غلام رسول منظور القاسمی پھراوی

﴿ناشر﴾

زکریا بک ڈپو دیوبند سہارنپور (یوپی)

تفصیلات

کتاب کے جملہ حقوق ذوالفقار علی مالک زکریا بک ڈپو دیو بند کے نام محفوظ ہیں

نام کتاب: تکمیل الحاجہ شرح اردو ابن ماجہ (جلد اول)

نام شارح: مفتی غلام رسول منظور القاسمی پہراوتی

مصحح: حضرت مولانا ابوالکلام صاحب القاسمی شمسی تھلوی

کتابت: کمٹیک کمپیوٹرس، نزد کمال شاہ مسجد دیو بند فون: 24430

سن طباعت: صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مئی ۲۰۰۰ء

تعداد: گیارہ سو

فون نمبر: 01336 - 23223

فیکس نمبر: 01336 - 22922

باہتمام: ذوالفقار علی و نثار احمد

ناشر

زکریا بک ڈپو دیو بند سہارنپور (یوپی)

اس شرح کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ابھی نوجوان علماء میں علمی ذوق وشوق اور شغف موجود ہے وہ علم سے بیگانہ نہیں ہیں۔

لیکن بایں ہمہ اگر کوئی بھول چوک یا ترتیب مضمون میں ضعف یا افہام و تفہیم میں سقم نظر آئے تو قارئین سے التماس ہے کہ طعن و تشنیع اور تنقید کا نشانہ بنائے بغیر بغرض اصلاح مولف یا زکریا بک ڈپو کے منیجر کو مطلع فرمائیں صمیم قلب سے ان حضرات کے مشکور ہوں گے۔

حضرت حق جل مجدہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کے مراجع و ماخذ بھی غیب سے مہیا فرمادئے فالحمد لله علیٰ ذالك ورنہ ہماری طاقت سے باہر تھی کہ ہم اس قدر مراجع و ماخذ یکجا کرلیتے ان تمام مصنفین و مولفین اور شارحین کے لئے صمیم قلب سے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اللہ رب العزت انہیں اجر جزیل اور جنت الفردوس عطا کرے جن کی تصنیفات و تعلیقات اور شروحات سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔

اور ان ہم ان تمام دوست احباب کے بھی تہہ دل سے مشکور و ممنون ہے جنہوں نے اس شرح کی تکمیل میں کسی نہ کسی حیثیت سے شریک رہے خصوصا رفیق محترم حضرت مولانا ابو الکلام صاحب قاسمی سٹھلوی (سابق استاذ مدرسہ مرادیہ حوض والی مسجد، مظفر نگر) کے مشکور ہیں کہ مولانا موصوف نے مسودہ پر از اول تا آخر تنقیدی نظر ڈالی اور جگہ بجگہ مفید مشوروں سے نوازا، اور بعض مقامات پر مناسب حذف و اضافہ بھی کرتے رہے۔۔۔۔۔۔ نیز برادرم سید ندیم اطہر صاحب اور مولانا حسان احمد قاسمی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان مخلص دوستوں نے اپنی شبانہ روز جدوجہد اور جانفشانی کے ساتھ کمپیوٹر کتابت کے دشوار کن مرحلہ کو بآسانی طے کردیا، بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس خراج عقیدت و محبت کے حسین موقع پر بھائی نثار احمد اور بھائی ذوالفقار صاحب مالک زکریا بک ڈپو کا شکریہ ادا نہ کریں ان حضرات نے طباعت کا بیڑا اٹھایا، اور اب الحمدللہ تکمیل الحاجہ شرح اردو ابن ماجہ نہایت آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آگئی ہے۔ فالحمد لله علیٰ ذالك اولا و آخرا

العبد: غلام رسول غفرلہ پہراوی

خادم جامعۃ القرآن الکریم الخیریہ جھنڈاپور چاندپور روڈ، بجنور (یوپی) ۲۴۶۷۰۱

یکم محرم الحرام بروز جمعہ ۱۴۲۱ھ

حدیث رسول کے بغیر

قرآن کریم سمجھنا ناممکن

غلام رسول پھلرواوی

خالق کون و مکاں مالک ارض و سماء نے بنی نوع آدم کی رشد و ہدایت کے لئے ایک رسول مبعوث فرمایا اور ان پر ایک جامع اور مقدس کتاب نازل فرمائی، جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل اصولی اور اجمالی طور پر بیان فرما دیئے گئے ہیں اسلام نے بھی نوع آدم کی زندگی کے جس جس پہلو اور جن شعبوں کو اپنے دائرہ بحث میں لیا ہے، قرآن کریم نے ان میں سے کوئی ایسی چیز فروگذاشت نہیں کی جس کی اصل روح اور بنیادی تعلیمات کو اپنے مخصوص معجزانہ اسلوب بلیغ میں بیان نہ کر دیا ہو، قرآن کریم میں بعض مسائل کی ضروری جزئیات بھی بیان کی گئی ہیں مگر زیادہ تر مسائل میں قرآن نے صرف کلیات اور موٹے موٹے اصول بیان کر دیئے ہیں۔

قرآن مجید کا انداز بیان اور اسلوب نہایت بلیغانہ اور حکیمانہ ہے جس کی نظیر پورے کلام عرب میں نہیں ملتی ہے اس لئے قرآنی اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے اور ان کے اسرار و رموز سے واقف ہونے کے لئے صرف لغت کی کتابوں کا سہارا اور محاورات عرب کی جانکاری ہی کافی نہ تھی بلکہ ایک کامل معلم کی ضرورت تھی جو قرآنی کلیات و اصول کے تحت داخل ہونے والی تمام فروعات و جزئیات، اپنے اقوال و افعال سے واضح کرے اس کے مجملات کی تفصیل اور اصطلاحات کی تشریح کرے اور اس کے معجزانہ حقائق و معارف، مخفی رموز و اسرار سے روشناس کرائے اور امت کے لیے ایسے اصول و قواعد بھی بیان کر جائے جن کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے چنانچہ اسی مقصد عظیم کے لیے حضرت حق جل مجدہ نے نبی آخرالزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اپنے اقوال و افعال رہن سہن کے ذریعے قرآن کریم کے نکات کو واضح کر کے اور امت کے سامنے دستور ہدایت رکھ کر روپوش ہوگئے۔

وہ دستور ہدایت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب خود قرآن کریم سے معلوم کیجئے، قرآن کریم اس سوال کا جواب صرف ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات میں اس طرح دیتا ہے کہ منکرین حدیث کی تعمیر کردہ عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وما اٰتٰكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا (سورہ حشر ۷) اور جو دے تم کو رسول

سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو (شیخ الہند)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم (سورہ آل عمران آیت ۳۱) تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ پر چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے قل اطیعو اللہ واطیعو الرسول فان تولوافان اللہ لا یحب الکافرین (آل عمران آیت ۳۲) تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے (شیخ الہند) ان آیات کریمہ کے علاوہ دیگر بہت ساری قرآنی آیات وبینات موجود ہیں جو ہمیں اس سوال کا جواب دے رہی ہیں، مگر آیئے ذرا ہم آپ کو زبان رسالت سے بھی اس دستور ہدایت کی تعین کراتے چلیں، حضور سرور دو عالم ﷺ کا پاک ارشاد ہے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ (مشکوۃ ۳۱) حضرت مالک ابن انس سے مرسلا روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ دیں جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے، ایک اللہ کی کتاب (قرآن) دوسری اس کے رسول کی سنت ہے

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (مشکوۃ ۳۰) میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اس کو مضبوطی سے تھام لو اور داڑھوں سے خوب مضبوطی سے پکڑلو۔

سنت سے کیا مراد ہے ظاہر ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ کے تمام افعال واقوال ہیں جنہیں اصطلاح میں حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو بلاشبہ باجماع امت قرآن کریم کے بعد دین اسلام کے ماخذ کا دوسرا اہم حصہ ہے اس کے بغیر قرآن فہمی غیر ممکن بلکہ انسانی طاقت سے خارج ہے یہی وجہ ہے کہ لیل ونہار کی آمد ورفت کی وجہ سے افکار وخیالات میں تبدیلی آئی لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک ہر دور اور ہر زمانے میں قرآن کریم کے بعد حدیث رسول اور سنت نبوی کو اسلامی قوانین کا اہم ترین ماخذ ومصادر تسلیم کیا گیا ہے اور اس حقیقت کو صرف اپنوں ہی نے نہیں بلکہ غیروں نے بھی اعتراف کیا، اور بیک زبان ہو کر شہادت دی کہ احادیث نبویہ کا ذخیرہ جو صحیح ترین کتب میں موجود ہے وہ ہر طرح سے قابل اعتماد اور لائق حجت ہے۔

چنانچہ جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن" کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام قانون سازوں اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں جس کے حالات زندگی

محمد (ﷺ) کے حالات زندگی سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں،
اور ٹرینٹی کالج آکسفورڈ کے فیلو ریورنڈر باسورتھ اسمتھ اپنی کتاب "محمد اینڈ محمدزم" میں اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔
ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی ان کے ابتدائی احباب ان کے ساتھ تعلقات، ان کے روحانی جشن کے تدریجی طلوع یا اچانک ظہور کے متعلق ہم کیا جانتے ہیں ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے یہاں دھندلا پن اور راز نہیں، ہم محمد ﷺ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جتنا لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے نہ دوسروں کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے (خطبات مدراس ۲۷)
لیکن بایں ہمہ بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں کے ذہن ودماغ پر مغربی اقوام کا سیاسی نظریاتی تسلط بڑھا تو چند غیر مسلم مستشرقین اور ان کے پیروکاروں نے حدیث کی حجیت اس کی اسنادی حیثیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی سعی مذموم کی، قرآن کریم کا سہارا لیکر حدیث رسول کو نشانہ بنا کر تنقید وتشکیک کے کئی زہریلے تیر چلانے کی کوشش کی، جس کے شکار مغربی افکار وخیالات سے مرعوب ہو کر کئی مسلمان بھی ہو گئے اور مغربی اقوام کے افکارات کی آبیاری کرنے میں اہم کردار ادا کئے، چنانچہ ہندوستان میں یہ آواز سب سے پہلے سر سید احمد خاں، مصر میں طہٰ حسین، ترکی میں ضیاء لوگ الپ جیسے حضرات نے بلند کی ہے (درس ترمذی جلد ا ص ۲۵)
مغربی تہذیب وتمدن اور وہاں کے افکار ملحدانہ سے مرعوب ہو کر کم علم مسلمانوں میں ایسا طبقہ وجود میں آیا جو یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی بغیر تقلید مغرب کے حاصل نہیں ہو سکتی ہے لیکن دین اسلام کے بہت سے احکام اس راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اس لئے اس نے اسلام کو تحریف کرنے کا سلسلہ شروع کیا تا کہ اسے مغربی افکار کے مطابق بنایا جاسکے، مگر اس طبقہ کے مقاصد وارادے اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتے تھے جب تک کے حدیث رسول کو راہ سے نہ ہٹایا جائے کیونکہ حدیث میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق ایسی مکمل اور جامع ہدایات موجود ہیں جو مغربی افکار کے بالکل متصادم ہیں چنانچہ بعض لوگوں نے حدیث کی حجیت کا انکار کیا ہے اور بعض افراد نے حجیت حدیث کے علانیہ طور پر انکار کرنے کے بجائے پینترا بدل کر دوسری جہت سے حملہ کیا ہے جہاں کہیں کوئی حدیث اس کے مدعا کے خلاف نظر آئی، صحت کا انکار کر دیا خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی ہی کیوں نہ ہو اور ساتھ ہی کہیں کہیں اس بات کا اظہار بھی کیا جاتا رہا ہے کہ

حدیثیں دور حاضر میں حجت نہیں ہونی چاہئیے اس طرح رفتہ رفتہ مغربی افکار کو تقویت پہنچتی رہی اور مغربی نظریات کو سند جواز ملتی رہی۔

یہاں تک کہ یہ نظریہ کسی قدر منظم طور پر عبداللہ چکڑوالوی کی قیادت میں آگے بڑھا یہی اس فرقہ کا بانی بنا جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا تھا اور حدیث کا کلیۃً انکار کرتا تھا اس کے بعد اسلم جیراجپوری اور غلام احمد پرویز نے اس فتنے کی باگ ڈور سنبھالی اور اسے ایک مستقل نظریہ اور الگ مکتب فکر کی شکل دے دی اب یہ فرقہ اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے اور دوسرے حضرات اسے منکرین حدیث کہتے ہیں (درس ترمذی جلد ا ۲۵ المناظرہ ص ۱۰۹)

منکرین حدیث کی طرف سے اب تک تین نظریات سامنے آئے ہیں ہم اولا تینوں نظریات ذکر کرتے ہیں پھر اس کی تردید کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ

(ا) رسول اکرم ﷺ کی حیثیت (نعوذ باللہ) محض ڈاکیے کی سی ہے آپ کا فریضہ صرف قرآن پہنچانا تھا، اطاعت صرف قرآن کی واجب ہے آپ کی اطاعت من حیثیت الرسول نہ صحابہ پر واجب تھی نہ ہم پر واجب ہے (معاذاللہ) وحی صرف متلو ہے وحی غیر متلو یعنی حدیث کوئی چیز نہیں ہے قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی قطعا ضرورت نہیں۔

(۲) حضور اکرم ﷺ کے ارشادات اور اقوال صرف صحابہ کرام کے لیے حجت تھے ہمارے لئے حجت نہیں۔

(۳) سرکار دو عالم ﷺ کے ارشادات تمام بنی نوع آدم کے لئے حجت ہیں مگر موجودہ احادیث ہمارے پاس قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں اس لیئے ہم انہیں ماننے کے مکلف نہیں ہیں۔

یہ تھے اس فرقہ کے نظریات وعقائد اب ہم بالترتیب ہر ایک کا جائزہ لیتے چلتے ہیں تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے۔

نظریہ اولیٰ کی تردید:۔

منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کی اطاعت من حیث الرسول نہ صحابہ پر واجب تھی نہ بعد میں آنے والی امتوں پر واجب ہے اور وحی صرف متلو ہے غیر متلو کوئی وحی نہیں ہے قرآن کریم کے حکم کے بالکل خلاف ہے اور قرآنی حکم کے ساتھ کھلم کھلا بغاوت کرنا ہے۔ ہم یہاں چند آیات سپرد قلم کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ رسول اللہ کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ اور وحی غیر متلو یعنی حدیث رسول حجت ہے یا نہیں؟ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا

هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ يَتْلُوْاعَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ (سورہ جمعہ آیت ۲)

وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں کا پڑھکر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں، اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی (شیخ الہند)

حضرت امام شافعیؒ اپنی کتاب الرسالہ ص ۳۲ اور امام تفسیر حافظ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۸۴ پر فرماتے ہیں

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ أَيِ السُّنَّةَ قَالَهُ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ وَمُقَاتِلُ بْنُ حَيَّانَ وَأَبُو مَالِكٍ وَغَيْرُهُمْ وَقِيلَ الْفَهْمُ فِي الدِّينِ وَلَا مُنَافَاةَ (تفسیر ابن کثیر ۱ / ۱۸۴)

ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے یعنی سنت، اس کے قائل حضرت حسن، قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک وغیرہ ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد دین کی سمجھ ہے اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (نحل آیت ۴۴)

اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے (شیخ الہند)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ. (نساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا (شیخ الہند)

ان آیتوں سے آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں اور صاف ہے کہ رسول کی حیثیت محض (نعوذ باللہ) ڈاکیے کی طرح پیغام پہنچادینا نہیں تھی بلکہ آپ کا منصب تعلیم کتاب و حکمت اور تبیین و تشریح بھی تھا، اب سوال یہ ہے اگر آپ کے ارشادات و اقوال حجت شرعی نہیں ہیں تو کتاب و حکمت کی تشریح و تبیین کس طرح ہو سکتی ہے کیا کتاب اللہ کی تشریح کے وقت آپ کو اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی؟ ظاہر ہے کہ اس کے بغیر تعلیم ناممکن ہے تو جب تک آپ کے ارشادات حجت نہ ہوں تعلیم کتاب لاحاصل و بے سود ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ (شوریٰ ۵۱)

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچاوے اسکے حکم سے جو وہ چاہے۔ (شیخ الہند)

اس آیت میں ارسال رسول کے علاوہ "وحیا" ایک مستقل قسم کی ذکر کی گئی ہے یہی وحی غیر متلو ہے۔

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ (سورہ بقرہ ۱۸۷)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے سو معاف کیا تم کو اور در گذر کی تم سے

اس آیت میں لیالی رمضان میں جماع کرنیکو خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعد میں اس کی اجازت دی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس سے قبل حرمت جماع کا حکم آیا تھا حالانکہ یہ حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں لامحالہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعے تھا اور اس کی مخالفت کو قرآن نے خیانت سے تعبیر کیا، معلوم ہوا کہ وحی غیر متلو بھی اس طرح حجت ہے جس طرح وحی متلو حجت ہے۔

نظریہ ثانیہ کی تردید:۔

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ آپ کے ارشادات صحابہ کرام کے لئے حجت تھے، لیکن ہمارے لئے حجت نہیں یہ اس قدر بدیہی البطلان ہے کہ ہر ذی شعور اور تھوڑا سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان اس نظریہ کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیگا اس لئے اسکی تردید کیلئے چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا خلاصہ تو یہی نکلتا ہے کہ معاذ اللہ آپ کی رسالت ونبوت صرف عہد صحابہ تک مخصوص تھی بعد والوں کے لئے آپ نبی ورسول نہ تھے حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی صراحۃً تردید کرتی ہیں۔

قل یا ایھا الناس انی رسو ل اللہ الیکم جمیعا (سورہ اعراف ۱۸۵) تو کہہ اے لوگوں میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف (شیخ الہند)

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا (سورہ سبا ۲۸) اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کیواسطے خوشی اور ڈر سنانے کے لئے (شیخ الہند)

وما ارسلناك الا رحمة اللعالمین (سورہ انبیاء ۱۰۷) میں نے آپ کو سارے جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔

تبارك الذی نز ل الفر قان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا (سورہ فرقان ۱) بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندوں پر تا کہ رہے جہاں والوں کیلئے ڈرانے والا (شیخ الہند)

اس کے علاوہ یہاں عقلی طور پر ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ فہم قران کیلئے تعلیم رسول کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کو مبعوث کیوں کیا جاتا ہے؟ اور اگر ہے تو یہ عجیب بات ہے کہ فہم قران اور تعلیم کتاب کے لئے صحابہ کرام کو تو رسول کی حاجت تھی اور ہمیں نہیں ہے حالانکہ حضرات صحابہ نے نزول قرآن کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا اسباب نزول سے پوری طرح واقف تھے نزول قرآن کا ماحول، انکی نگاہوں کے سامنے تھا پھر بھی انہیں رسول کی حاجت تھی اور ہم ان سب سے محروم ہیں پھر بھی ہمیں حاجت نہ ہو؟

نظریہ ثالثہ کی تردید

اور منکرین حدیث کا یہ کہنا بالکل غلط اور ناقابل تردید ہے کہ ارشاد نبوی حجت تو ہیں مگر چونکہ ہم تک قابل

اعتماد ذرائع سے نہیں پہونچے ہیں اس لئے ہم ان کے ماننے کے مکلف نہیں ہیں۔

(۱) قرآن بھی ہم تک انھیں واسطوں اور ذریعوں سے پہونچا ہے جن واسطوں سے حدیث پہونچی ہے اب اگر یہ واسطے نا قابل اعتماد ہیں تو قرآن کریم سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے کیونکہ قرآن کریم کو انھیں حضرات نے ہم تک پہونچایا ہے جنھوں نے حدیثیں پہونچائی ہیں۔

(۲) اسکے جواب میں منکرین حدیث یہ کہدیا کرتے ہیں کہ قرآن کے حفاظت کی ذمہ داری انا له لحافظون کے ذریعہ خود رب العالمین نے لے لی ہے حدیث کے بارے میں حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں لی ہے لیکن اسکا جواب یہ ہے انا له لحافظو ن کی آیت بھی تو انھیں طریقوں اور واسطوں سے پہونچی ہے جو آپ کے نزدیک نا قابل اعتماد ہیں تو اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت اپنی طرف سے کسی نے نہیں بڑھائی۔

(۳) اس آیت میں حفاظت قرآن کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اور بالاتفاق اصولین قرآن نظم و معنی کے مجموعہ کا نام ہے اس لئے آیت مذکورہ صرف قرآن کی نہیں بلکہ معانی قرآن کے حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے اور معانی قرآن کی تعلیم کا مجموعہ حدیث ہے اس لئے حدیث بھی قرآن کی طرح الی یوم القیامہ محفوظ رہے گی۔

(۴) بعض منکرین حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا ہم ان واسطوں سے نہیں مانتے ہیں بلکہ اس کے اعجاز اور فصاحت بلاغت کی وجہ من جانب اللہ ہونا مانتے ہیں اور حدیث میں وہ اعجاز نہیں، اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز اسکے فصاحت بلاغت آج کل کے لوگوں کیلئے آیت تحدی بھی انہیں ذرائع سے پہونچی ہے جو آپ کے نزدیک نا قابل اعتماد ہیں اس لئے ممکن ہے کہ اس آیت کو محض اس لئے بڑھادی ہو کہ قرآن کریم کو لوگ من جانب اللہ سمجھیں۔۔۔۔۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز اس واقعہ کو تسلیم کر لینے پر موقوف ہے کہ آج تک کوئی شخص قران جیسا فصیح بلیغ کلام نہیں پیش کر سکا اور اس کا علم احادیث کے سواء کہاں سے حاصل ہو گا، پس معلوم ہوا کہ حدیث کی حجیت کے قائل ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اور اسکی حجت تسلیم کئے کوئی راہ مفر نہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ
لاہور

امام ابن ماجہ

فن حدیث کے ائمہ ستہ میں ابن ماجہ کا نام سب سے اخیر میں آتا ہے دوسرے آئمہ حدیث کی طرح امام ابن ماجہ نے بھی خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا اور اپنے بے شمار مداحین پیدا کئے امام ابوالقاسم تاریخ قزوین میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ آئمہ مسلمین کے ایک عظیم امام ثقہ شخصیت کے مالک اور اہل علم میں بے حد مقبول تھے۔ محدث خلیلی کہتے ہیں کہ وہ تفسیر، حدیث اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے خصوصاً علم حدیث میں تو وہ بہت بڑے ماہر اور حافظ گردانے جاتے تھے اور ان کے اقوال لوگوں کے لئے سند کا درجہ رکھتے تھے علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ قزوین کے ممتاز آئمہ میں شمار ہوتا تھا اسی طرح شمس الدین ذہبی، شہاب الدین، ابن حجر عسقلانی، ابن خلکان، ابن ناصر الدین اور دیگر مورخین اور ناقدین فن نے امام بن ماجہ کی علم حدیث میں امامت، رفعت شان وسعت نظر، حفظ حدیث اور ثقاہت کا اعتراف اور اقرار کیا ہے ان کی علمی اور فنی خدمات کو سراہا ہے اور شاندار طریقہ سے ان کے فضائل اور مناقب بیان کئے ہیں۔

نام ونسب:۔

امام ابن ماجہ کا پورا نام اس طرح ہے حافظ ابو عبداللہ بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی[1] حافظ لقب ہے، ابو عبداللہ کنیت، محمد نام، یزید آپ کے والد کا نام ہے اور ربعی، ربیعہ بن نزار کی طرف نسبت ہے۔ قبیلہ ربیعہ سے نسبت ولاء کی بناء پر ان کو ربعی کہا جاتا ہے جس طرح امام بخاری کو ولاء کی وجہ سے جعفی کہتے ہیں اور قزوینی قزوین کی طرف نسبت ہے جو عراق و عجم کا مشہور شہر ہے یہ ایران کے صوبہ آذربائیجان میں واقع ہے جو امام ابن ماجہ کا وطن ہے۔

ابن ماجہ میں فارسی لفظ ہے اور غالباً یہ لفظ ماہچہ کا معرب ہے ماجہ کے مصداق میں مورخین کا اختلاف ہے اور ان کی عبارات اس باب میں کافی مضطرب ہیں شاہ عبدالعزیز نے "بستان المحدثین" میں لکھا ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا اور عجالہ نافعہ میں لکھا ہے کہ یہ آپ کے والد کا لقب ہے بعض لوگوں نے یہ بھی

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۳۱

کہا ہے کہ یہ آپ کے دادا کا نام ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب ہے اور یہی اکثر علماء کی رائے اور قزوین کے مورخین کا مختار قول ہے اس لئے قواعد املاء کے مطابق اس لفظ کو اثبات الف کے ساتھ یوں لکھنا چاہیے محمد بن یزید ابن ماجہ تاکہ معلوم ہو کہ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے اور یزید کی صفت نہیں ہے اس لفظ کی املاء میں ملا علی قاری سے ایک تسامح واقع ہوا ہے کیونکہ انہوں نے ابن ماجہ کو یزید کا لقب اور محمد کی صفت قرار دینے کی باوجود یہ کہا ہے کہ اس لفظ کو بغیر الف کے لکھنا چاہیئے حالانکہ اس صورت میں ابن ماجہ کو الف کے ساتھ ہی لکھنا چاہیے، ملا علی قاری کہتے ہیں:۔

وابو عبد الله محمّد بن يزيد ابن ملجه باثبات الف ابن خطلة فلنه بدل من ابن يزيد ففى القلموس ملجه لقب والد محمّد بن يزيد صلحب السنن لاجده [1]

اور ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ کو اثبات الف کے ساتھ ابن ماجہ لکھنا خطاء ہے کیونکہ یہ ابن یزید سے بدل ہے یعنی محمد کی صفت ہے، قاموس میں ہے کہ ماجہ محمد بن یزید صاحب سنن کے والد کا لقب ہے نہ کہ دادا کا۔

امام نووی نے لفظ ابن لکھنے کا قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ اگر دو متناسل ناموں کے درمیان ابن آئے تو بغیر الف کے لکھا جاتا ہے جیسے عبد اللہ بن عمر یا عبد اللہ بن عباس اور اگر ابن دو متناسل ناموں کے درمیان نہ ہو بلکہ پہلے نام کی صفت ہو تو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، جیسے عبد اللہ بن عمرو ابن ام مکتوم میں ابن ام مکتوم یا عبد اللہ بن ابی ابن سلول میں ابن سلول کیونکہ پہلی مثال میں ام مکتوم، عبد اللہ بن عمرو کی اور دوسری مثال میں سلول، عبد اللہ بن ابی کی والدہ کا نام ہے اور ابن ام مکتوم، عبد اللہ بن عمرو کی اور ابن سلول عبد اللہ بن ابی کی صفت ہے [2]

ولادت اور حالات زندگی:۔

امام ابن ماجہ ۲۰۹ھ عراق عجم کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے [3] عام دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد علم حدیث کی طرف رجوع کیا۔ وطن اور بیرون وطن ہر جگہ روایت حدیث کو تلاش کیا اور دور دراز علاقوں میں جا کر علم حدیث حاصل کیا اس سلسلے میں انہوں نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے متعدد شہروں کا سفر کیا جن میں مکہ معظمہ مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور طہران کے نام قابل ذکر ہیں، امام ابن ماجہ کے اساتذہ اور شیوخ کے اوطان پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان اساتذہ سے حصول علم کی خاطر اور شہروں کا بھی سفر کیا ہوگا جن میں اصفہان، ہواز، ایلہ، بلخ، بیت المقدس، حران، دمشق، فلسطین، عسقلان، مرو اور نیشاپور کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔

---

[1] ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ المفاتیح جلد ۱ ص ۶۸ [2] امام ابو بکر زکریا محی الدین یحیٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۸ شرح مسلم علی حاشیہ مسلم جلد ۱ ص ۶۸ [3] امام ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ جلد ۲ ص ۳۰

اساتذہ:۔

امام ابن ماجہ کے اساتذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے جن میں چند حضرات کے اسماء یہ ہیں، محمد بن عبداللہ بن نمیر، جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن منذر الحزامی، عبداللہ بن معاویہ، ہشام بن عمار، محمد بن رمح اور داؤد رشید[1] ان کے علاوہ ابو بکر بن ابی شیبہ، نصر ابن علی الجہضمی، ابو مروان محمد بن عثمان، محمد بن یحییٰ نیشاپوری، احمد بن ثابت الجحدری، ابو بکر بن خلاد باہلی، محمد بن بشار، علی بن منذر، محمد بن عبد بن آدم، عباس بن عبد العظیم، احمد بن عبدہ، عبداللہ بن عامر بن زرارہ، ابو خیثمہ زہیر بن حرب، عثمان بن ابی شیبہ، عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان دمشقی، اسماعیل بن بشر بن منصور اور یحییٰ بن حکیم بھی ابن ماجہ کے مشہور اساتذہ میں شامل ہیں۔

تلامذہ:۔

امام ابن ماجہ سے فیض حاصل کرنے والے اور ان سے احادیث کی روایت کرنے والے حضرات کی بھی ایک طویل فہرست ہے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں، علی بن سعید بن عبداللہ الغدانی، ابراہیم بن دینار الجرشی الہمدانی، احمد بن ابراہیم القزوینی، ابو طیب احمد بن روح الشعرانی، اسحاق بن محمد القزوینی، جعفر بن ادریس، حسین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید القزوینی، محمد بن عیسیٰ الصفار، حافظ ابو الحسن علی بن ابراہیم بن سلمۃ القزوینی، ابو عمرو احمد بن محمد حکیم المدنی الاصبہانی۔[2]

تصانیف:۔

امام ابن ماجہ کی تین کتابیں یادگار ہیں (۱) سنن ابن ماجہ، اس کا تعارف بالتفصیل آرہا ہے (۲) تفسیر ابن ماجہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ **ولابن ماجه تفسير حافل**، اور امام سیوطی نے بھی الاتقان میں تیسرے طبقہ کی تفسیروں میں ابن ماجہ کی تفسیر کا شمار کیا ہے[3] لیکن اب یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے۔ (۳) التاریخ، یہ صحابہ سے لے کر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے حافظ ابن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں کہ میں نے قزوین میں اس کا ایک نسخہ دیکھا تھا لیکن اب یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے۔

وصال:۔

چونسٹھ سال زندگی گذار کر ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ پیر کے دن ابن ماجہ کا انتقال ہو گیا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا[4]۔ حافظ ابو الفضل مقدسی شروط الائمہ الستہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کے بھائی ابو بکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور دو بھائیوں نے مل کر آپ کو قبر میں اُتارا۔

متعدد شعراء نے آپ کی وفات پر دردناک مرثیے لکھے ہیں، محمد بن الاسود قزوینی کے مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں!

---

[1] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ جلد ۲ ص ۶۳۰ [2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲، تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۳۱ [3] حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الاتقان جلد ۲ ص ۱۹۰ [4] شاہ عبدالعزیز دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ بستان المحدثین ص ۲۹۹

لقد ادهی دعائم علم وضعضع رکنه فضوا ابن ملجه

ابن ماجہ کے وصال نے سریر علم کے ارکان اور ستون توڑ ڈالے ہیں

الا للہ ملجنت المنایا علینا من تحظم باابن ماجه

موت نے ابن ماجہ کو ہم سے چھپا کر زیادتی کی ہے اس کی فریاد بس اللہ ہی سے ہے

فمن یرجیٰ لعلم اولحفظ بشرح بین مثل بن ملجه

اب علم اور حفظ کے باب میں کس سے توقع کی جائے کہ وہ ابن ماجہ کی سی شرح کر سکے

ابا عبد الاله مفیت فرداً وماخلفت مثلك یاابن ملجه[1]

اے عبداللہ تم اپنے دور میں یگانہ اور منفرد تھے اور تم نے اپنے بعد اپنی نظیر نہیں چھوڑی۔

بعض مرثیوں کے اشعار حافظ ابن حجر نے بھی تہذیب التہذیب میں نقل فرمائے ہیں بہر حال ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابن ماجہ اپنے دور کی محبوب اور ہر دلعزیز شخصیت تھے اور قزوین میں ان کے لئے بے حد خلوص اور احترام پایا جاتا تھا۔

[1] شیخ علی سلیمان نور مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ ص
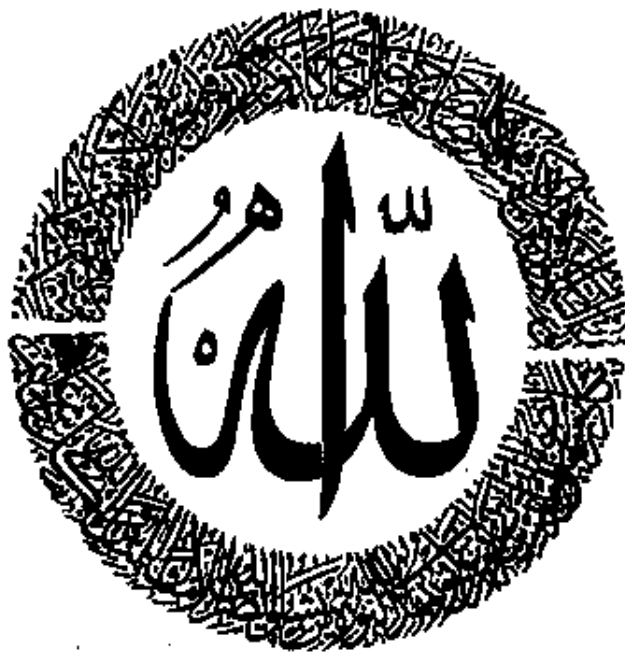
سنن ابن ماجہ

کتب صحاح ستہ میں جس کتاب کو سب سے آخر میں شمار کیا جاتا ہے وہ سنن ابن ماجہ ہے اس کتاب کو پانچویں صدی کے اخیر میں صحاح ستہ میں شامل کیا گیا ہے اس کے بعد ہر دور میں یہ کتاب اپنی اہمیت منواتی گئی صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح ابن حبان، سنن دارمی، دار قطنی اور دوسری کئی کتب ابن ماجہ سے بہتر تھیں لیکن ان کتب کو وہ قبول عام اور فروغ حاصل نہ ہوسکا جو سنن ابن ماجہ کو نصیب ہوا سنن نسائی کو قوت اور صحت اسناد کے لحاظ سے بعض مغاربہ نے بخاری و مسلم پر بھی ترجیح دی لیکن اس کے باوجود سنن نسائی پر حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں اس قدر کام نہیں ہوا جس قدر کام سنن ابن ماجہ کے حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں ہوا ہے۔

سنن ابن ماجہ کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ابن ماجہ نے یہ کتاب تصنیف کر کے حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی ایماحافظ ابوزرعہ کا یہ قول حرف بحرف صادق ہوا اور سنن ابن ماجہ کے فروغ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات کے چراغ دھندلا گئے۔

اسلوب:۔

سنن ابن ماجہ کو جس چیز نے عوام وخواص میں پذیرائی اور قبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسن انتخاب ہے ابواب کی فقہی رعایت سے ترتیب احادیث سے مسائل کے واضح استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور الجھن کے مطابقت نے بھی سنن ابن ماجہ کے حسن کو نکھارا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم سنن ابن ماجہ کے اسلوب کی چند خوبیاں اور خصوصیات پیش کررہے ہیں۔

(ا) امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں زیادہ تر ان احادیث کو روایت کیا ہے جو کتب خمسہ میں موجود نہیں ہیں علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں کہ امام ابن ماجہ اپنے اس اسلوب میں حضرت معاذ ابن جبل کے تابع ہیں ۔ کیونکہ وہ بھی انھیں حدیث کی روایت کرتے ہیں جو دوسرے صحابہ کے پاس نہیں ہوتی تھیں اور جس طرح حضرت معاذ کا یہ طریقہ کثرت افادہ کیلئے تھا اسی طرح امام ابن ماجہ نے بھی زیادتی افادہ کیلئے یہ طریقہ

ل امام عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۶۳۶

اختیار کیا اور اپنے اس اسلوب کو قائم رکھنے کیلئے انھوں نے اسانید کی صحت اور قوت کیطرف چنداں التفات

نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف الاسناد روایت بکثرت موجود ہیں۔

(۲) سنن ابن ماجہ میں ایک اہم انفرادیت اور خصوصیت یہ ہے کہ امام ابن ماجہ اپنی سنن میں کوئی

حدیث مکرر نہیں لائے اور یہ وہ خوبی ہے جو بقیہ کتب اصول میں سے کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ میں باقی کتب سنن کی بنسبت بہت زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے اسکے باوجود یہ

کتاب تمام ضروری مسائل اور احکام کی جامع ہے۔

(۴) زیادہ تر اس کتاب میں مسائل اور احکام کے متعلق احادیث ہیں فضائل اور مناقب کے متعلق

احادیث اس کتاب میں نہیں لائی گئیں۔

(۵) بعض مقامات پر امام ابن ماجہ حدیث کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کرتے ہیں مثلاً وہ ایک روایت ذکر کرتے ہیں:- **حدثنا ابو بکربن ابی شیبة ثنا ابن ابی غنیة عن الاعمش عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله انه سئل کان النبی صلی الله علیه وسلم یخطب قائما او قاعدا قال اوما تقرؤ وترکوك قائما** : اس حدیث کوذکر کرنیکے بعد ابن ماجہ لکھتے ہیں:- **قال ابو عبد الله غریب لا یحدث به الا ابن ابی شیبه وحده** ۔[1]

(۶) اگر کسی حدیث کے بارے میں لوگوں کو تشویش اور اضطراب رہا ہو تو امام ابن ماجہ اس حدیث کے ملنے کا ثبوت بھی ذکر کر دیتے ہیں، چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ میں انہوں نے اس روایت کے بعد ذکر کیا ہے۔

حدثنا محمد بن یحییٰ ثنی ابرا هیم بن مو سی انبانا عباد بن العوام عن عمر وبن ابراهیم عن قتادة عن الحسن عن الا حنف بن قیس عن العباس بن عبد المطلب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتزال امتی علی الفطرة مالم یوخروا المغرب حتی تشتبك النجوم :.اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد امام ابن ماجہ لکھتے ہیں:۔

قال ابو عبد الله ابن ملجه سمعت محمدبن یحییٰ یقو ل اضطرب الناس فی هذا الحدیث ببغدا د فذهبت انا وابو بکر الاعین الی العوام بن عباد بن العوم فلخرج الینا اصل لبیه فا ذا لحدیث فیه [2] خلاصہ یہ ہے کہ میں محمد بن یحیٰ سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے کہ بغداد کے لوگوں میں اس حدیث کے بارے میں کچھ اضطراب تھا پس میں اور ابو بکر اعین دونوں اس حدیث کی تحقیق کی

---

[1] امام ابو عبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۷۷ [2] امام ابو عبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۵۰

خاطر عباد ابن عوام کے صاحبزادے عوام کے پاس گئے انہوں نے اپنے والد عباد ابن عوام کا اصل نسخہ اکر دیکھا یا اس میں یہ حدیث موجود تھی۔

(۷) بعض روایات بعض شہروں کے محدثین کے ساتھ خاص ہوتی تھیں اور دوسرے شہروں میں اس کے راوی نہیں ہوتے تھے امام ابن ماجہ جب اس قسم کی روایت ذکر کرتے ہیں تو بتا دیتے ہیں کہ یہ فلاں شہر والوں کی روایت ہیں مثلا ایک روایت ذکر کرتے ہیں۔ حدثنا ابوعمیر عیسیٰ بن محمد النحاس وعیسیٰ بن یونس والحسین بن ابی اسری العسقلانی قالوا ثنا حمزۃ بن ربیعۃ عن ابن شوذب عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال اتی رجل یقاتل فیه الی رسول الله ﷺ الحدیث بطوله [۱] اس کے بعد ابن ماجہ لکھتے ہیں هذا حدیث الرحلین لیس الا عندهم یعنی یہ حدیث سوا اہل فسلطین کے اور کسی کے پاس موجود نہیں ہے۔

ثلاثیات ابن ماجہ:۔

کتب صحاح ستہ کے مصنفین میں سے صرف چار کو اپنی اپنی تصانیف میں ثلاثیات روایت کرنیکا شرف حاصل ہوا ہے امام بخاری نے اپنی صحیح میں مع مکررات کے بائیس ثلاثیات روایت کی ہیں امام ترمذی اور امام ابوداؤد اپنی سنن میں صرف ایک ثلاثی حدیث کو روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں پانچ ثلاثیات کو روایت کیا ہے اور یہ پانچوں روایات سند واحد سے مروی ہیں اور وہ سند یہ ہے۔ حدثنا جبارۃ بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم عن انس بن مالک اس سند کے ایک راوی جبارۃ بن مغلس ہیں جو امام ابن ماجہ کے شیخ ہیں، حافظ ابوزرعہ، ابن معین، ابن سعد اور بزاز وغیرہ محدثین نے ان کی سخت تضعیف کی ہے اور ان کی روایات کو منکر اور مضطرب قرار دیا ہے امام احمد بن حنبل کے سامنے جب ان کے صاحبزادے نے جبارۃ کی روایات کو پڑھا تو انہوں نے بعض روایات کو موضوع اور بعض کو کذب قرار دیا ہے تاہم بعض محدثین نے ان کی تعدیل اور تقویت بھی کی ہے ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ صدوق تھے اور انہوں نے عمداً کسی روایت میں جھوٹ نہیں بولا ہے۔ ابن عدی بھی کہتے ہیں کہ وہ عمداً روایات میں دروغ بیانی نہیں کرتے تھے البتہ وہ روایات میں غفلت سے کام لیتے تھے عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ وہ احفظ تھے اور روایت حدیث میں ہمیں سب سے زیادہ مطلوب تھے وہ مزید کہتے ہیں کہ اثرم نے ہمیں ان سے احادیث لکھنے کا امر کیا تھا [۲]

اور دوسرے راوی ہیں کثیر بن سلیم یہ جبارۃ کے شیخ ہیں اور افسوس یہ ہے کہ یہ ضعف میں ان سے بھی بڑھکر ہیں جبارۃ کی تو بعض حضرات نے تعدیل اور تقویت بھی کی ہے لیکن کثیر کی روایت کو کسی کا سہارا

---

[۱] امام ابو عبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۱۹۳ [۲] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ص ۵۸ تا ۵۹

نہیں ملا۔ عبداللہ بن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ کثیر بن سلیم جو صاحب انس ہیں انتہائی ضعیف راوی ہیں اس نے حضرت انس سے پانچ حدیثیں روایت کی تھیں جو بعد میں سو بن گئیں۔ یحیٰی بن معین ان کی احادیث لکھنے سے منع کرتے تھے۔ نسائی اور رازی نے انہیں متروک الحدیث، ابو زرعہ نے واہی الحدیث اور ابو حاتم نے انہیں ضعیف اور منکر الحدیث قرار دیا ابن حبان نے کہا کہ کثیر حضرت انس کی طرف نسبت کر کے احادیث وضع کیا کرتے تھے اسی طرح ابن عدی اور امام بخاری وغیرہ۔ دیگر محدثین نے بھی ان پر سخت جرح کی ہے اور ان کی تائید اور تقویت میں سب خاموش ہیں [۱]

بہر حال امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ثلاثیات روایت کر کے اپنی اہمیت تو منوائی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ روایات جبارہ اور کثیر کے ضعف کا شکار ہو گئیں اور یوں ان ثلاثیات کا کچھ وزن باقی نہیں رہا۔

شرائط:۔

امام ابن ماجہ رواۃ کے انتخاب میں وسیع المشرب ہیں اور ہر قسم کے راویوں کی روایت قبول کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ وہ اپنی سنن میں ایسی روایات لانا چاہتے تھے، جو دوسری کتب اصول میں موجود نہیں ہیں اسی شوق کی خاطر انہوں نے راویوں کے شدیدِ ضعف کو بھی برداشت کر لیا ہے۔

روایات ابن ماجہ کی فنی حیثیت:۔

سنن ابن ماجہ میں بکثرت ضعیف احادیث ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ **ففیه احادیث کثیرہ منکرہ** [۲] اس کتاب میں منکرات روایات بکثرت ہیں اور حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں، سنن ابن ماجہ عمدہ اور صاف کتاب تھی کاش اس کو چند ضعیف احادیث مکدر اور خراب نہ کرتیں اور جن ضعیف احادیث نے ابن ماجہ کی صفائی کو مکدر کر دیا ہے ان کی تعداد کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی نے حافظ ابو زرعہ کا قول نقل کیا ہے کہ شاید اس پوری کتاب میں تیس حدیثیں بھی ایسی نہ ہو گی جن کی اسناد میں ضعف ہو [۳] حافظ ذہبی سیر النبلاء میں حافظ ابو زرعہ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اور ابو زرعہ کا یہ بیان کہ اس میں تیس حدیثیں بھی شاید ضعیف الاسناد نہ ہوں، اگر صحیح ہو تو ان تیس حدیثوں سے ان کی مراد انتہائی کمزور ساقط روائتیں ہیں ورنہ ابن ماجہ کی جو احادیث قابل استدلال نہیں ہیں ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے [۴]

---

[۱] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲، تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۴۱۶ تا ۴۱۷ [۲] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲، تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۳۱ [۳] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۸۴۷ھ، تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۶۳۶ [۴] علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی توضیح الافکار جلد ۱ ص ۲۳۳

یہ صحیح ہے کہ ابن ماجہ میں ایک ہزار کے قریب ضعیف روایتیں موجود ہیں لیکن سنن ابن ماجہ میں صحیح روایات بھی بکثرت موجود ہیں بلکہ ناقدین فن نے تو سنن ابن ماجہ کی بعض روایات کو صحیح بخاری کی بعض روایات سے بھی راجح قرار دیا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے باب میں ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ امام بخاری نے باب ملجاء اذاقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة کے تحت شعبہ کی اسناد سے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں دو غلطیاں ہیں ایک تو یہ کہ اس میں یہ روایت مالک سے بیان کی ہے حالانکہ یہ روایت عبداللہ بن مالک سے ہے دوسرے یہ کہ اس روایت کی سند میں بحینہ کو مالک کی والدہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ عبداللہ کی والدہ ہیں مالک کی نہیں اور ابن ماجہ نے جس اسناد کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے اس میں یہ غلطیاں نہیں ہیں اسی طرح صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوسفیان کی موت کی خبر شام سے آئی حالانکہ ان کا انتقال مکہ میں ہوا تھا اس کے برخلاف سنن ابن ماجہ میں اس مضمون کی کسی روایت میں یہ بات نہیں ہے نیز صحیح بخاری میں ولید بن عقبہ پر شراب کی حد لگانے میں اسی کوڑوں کا ذکر ہے جبکہ فی الواقع ان کو چالیس کوڑے لگائے گئے تھے اس کے برعکس ابن ماجہ پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ ان کی روایات میں کوڑوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں جن تمام پر تفصیلی گفت گو صحیح بخاری کے باب میں کی جا چکی ہے۔

تعداد مرویات:۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ میں بتیس کتب ہیں اور ابوالحسن القطان بیان کرتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ میں ایک ہزار پانچ سو ابواب ہیں اور کل احادیث کی تعداد چار ہزار ہے[1]

سنن ابن ماجہ کا صحاح ستہ میں اعتبار:۔

پانچویں صدی کے اخیر تک صحاح کی بنیادی کتب میں صرف پانچ کتابوں کا شمار ہوتا تھا بعد میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ اپنی کتاب شروط الائمہ الستہ میں ابن ماجہ کی شروط سے بحث کی اور اس کو بھی بنیادی کتابوں کے ساتھ لاحق کر کے صحاح کی اصل چھ کتابوں کو قرار دیا۔ اس دور میں حافظ ابن طاہر کے معاصر محدث رزین بن معاویہ مالکی متوفی ۵۲۵ھ نے اپنی کتاب التجرید للصحاح والسنن میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی جگہ موطا امام مالک کو لاحق کر دیا اس کے بعد یہ اختلاف رہا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب موطا امام مالک ہے یا سنن ابن ماجہ، عام مغاربہ موطا کو ترجیح دیتے تھے اور مشارقہ سنن ابن ماجہ

---

[1] امام عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۶۳۶

کو فوقیت دیتے تھے لیکن متاخرین نے بہر حال سنن ابن ماجہ کے حق میں اتفاق کر لیا اور اب غالب اکثریت اسی طرف ہے صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہی ہے علامہ ابوالحسن سندھی مقدمہ شرح ابن ماجہ میں لکھتے ہیں **وغالب المتأخرين على انه سادس الستة .**

آٹھویں صدی ہجری میں یہ آواز بھی سنائی دی کہ صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی کا اعتبار ہونا چاہیئے چنانچہ حافظ صلاح الدین خلیل متوفی ۷۶۱ھ فرماتے ہیں، سنن ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی کو رکھنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کتاب میں سنن ابن ماجہ کی حدیث ضعیف، منکر اور خراب روایتیں کم ہیں اور مجموعی طور پر یہ کتاب سنن ابن ماجہ سے بہتر ہے[1] لیکن جمہور نے اس ترمیم میں ان کا ساتھ نہیں دیا اور آج مشرق و مغرب میں ہر جگہ اصول ستہ میں سنن ابن ماجہ ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

شروح وحواشی :۔

سنن ابن ماجہ کی شروح و حواشی کے سلسلہ میں کافی قابل قدر کام ہوا ہے جس سے اس کتاب کی افادیت، شہرت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ذیل کی سطور میں ہم چند شروح و حواشی کا ذکر کر رہے ہیں:۔

(۱) **شرح سنن ابن ماجه** : یہ سنن ابن ماجہ کے ایک حصہ کی شرح ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اس کو حافظ علاؤالدین مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے تالیف کیا ہے۔

(۲) **ملتمس اليه الحاجه على سنن ابن ماجه** : شیخ سراج الدین عمر بن علی متوفی ۸۰۴ھ کی شرح ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں ان احادیث کی شرح کی گئی ہے جو کتب خمسہ پر زائد ہیں۔

(۳) **الديباجه على سنن ابن ماجه** : یہ شرح شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری متوفی ۸۰۸ھ کی تالیف ہے۔ مصنف اس کتاب کی تحریر اور تبییض سے پہلے ہی وصال کر گئے تھے۔

(۴) **شرح ابن ماجه** : یہ کتاب حافظ برہان الدین حلبی متوفی ۸۴۱ھ کی تالیف ہے

(۵) **مصباح الزجاجه** : یہ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کا سنن ابن ماجہ پر ایک مختصر حاشیہ ہے[2]

(۶) **شرح سنن ابن ماجه** :۔ یہ شرح حافظ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ کی تالیف ہے۔

---

[1] شمس الدین سخاوی فتح المغیث جلد ۱ ص ۳۳ [2] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۰۰۴

(۷)**انجاح الحاجہ**:۔یہ شرح عبدالغنی بن ابی سعید حنفی دہلوی متوفی ۱۲۹۵ھ کی تالیف ہے۔

(۸)**کشف الحاجہ**: یہ شرح در حقیقت حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری کی ہے۔

(۹) **مصباح الزجاجہ**:اردو یہ ابن ماجہ کے سوالات کا حل ہے جس کو مولانا سعد قاسم سنبھلی نے ترتیب دی ہے۔

سنن ابن کے رواۃ:۔

حافظ عسقلانی نے سنن ابن ماجہ کے چھ راوی بیان کئے ہیں(۱)ابوالحسن بن القطان (۲) سلیمان بن یزید (۳)ابو جعفر محمد بن عیسیٰ (۴)ابو بکر حامد الابہری (۵) سعودن (۶)ابراہیم بن دینار[۱]

(ماخوذ تذکرۃ المحدثین)

---

[۱] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ، تہذیب جلد ۹ ص ۵۳۲
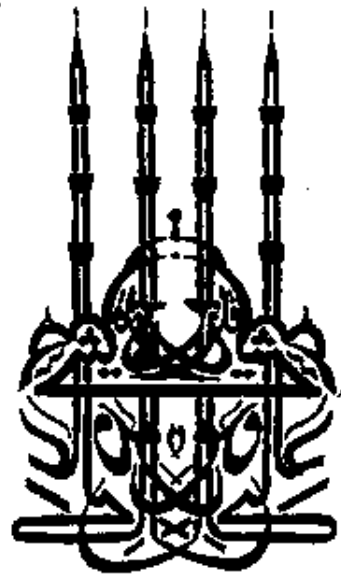
بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج بروز بدھ بتاریخ ۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۹۹ء بعد نماز ظہر بمقام مدرسہ مرادیہ مظفرنگر میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ابن ماجہ شریف کی شرح لکھنی شروع کرتا ہوں۔ یا اللہ تو بحسن وخوبی اختتام کو پہنچا اور قبولیت عام نصیب فرما اور بندہ حقیر سراپا تقصیر کے لئے زاد آخرت اور ذریعہ نجات بنا۔ آمین وما النصر الا من عند اللہ وما التوفیق الا باللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وصلى الله وسلم علىٰ سيدنا محمد واله وصحبه ومحبيه

ترجمہ:۔ شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ درود وسلامتی نازل کرے ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور ان کی تمام آل، ان کے تمام اصحاب اور ان سے محبت کرنے تمام لوگوں پر،

ابن ماجہ کا آغاز:

سلف صالحین اور اکثر مصنفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیف کو اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں تاکہ ابتداء قرآن کریم اور ارشاد رسول ﷺ كل امر ذی بال لم يبدأ بحمد الله فهو أقطع وفی رواية أجذم کے مطابق ہو جائے۔ لیکن امام ابن ماجہ کا یہ طرز آغاز بظاہر ارشاد نبوی اور طریقۂ سلف کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور ایک جلیل القدر محدث سے حدیث کے خلاف عمل بعید ہے پھر امام ابن ماجہ نے ایسا کیوں کیا؟ اس اشکال کا علماء مختلف جواب دیتے ہیں (۱) حدیث رسول میں ابتداء بالکتابت کو لازم قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ ابتداء بالحمد کی تلقین ہے خواہ یہ ابتداء بالحمد کوئی زبان سے کرلے یا کوئی لکھدے بہر دوصورت حدیث پر عمل ہو جائیگا تو عین ممکن ہے کہ آغاز کتاب سے پہلے صاحب کتاب نے زبان سے حمد وثنا کرلی ہو (۲) ابتداء کے متعلق احادیث مختلف ہیں، بعض حدیث میں بحمد للہ کا لفظ آیا ہے اور بعض میں بسم اللہ بعض میں بذکر اللہ کا لفظ آیا ہے اس اختلاف وتعارض کی وجہ سے حضرات محدثین نے ترجیح کا طریقہ اپنایا ہے تو ایسا بہت ممکن ہے کہ بسم اللہ والی روایت صاحب کتاب کے نزدیک راجح ہو اسلئے بسم اللہ سے آغاز کیا، (۳) بعض علماء نے کہا ہے کہ مصنف نے یہ طرز بدیع اپنا کر درحقیقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ کی پیروی کی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اپنے مکتوبات کو بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے [1]

ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے بسم اللہ کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیج کر درحقیقت اللہ تعالیٰ کا حکم یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پر عمل کیا ہے اور چونکہ آیت میں صلاۃ اور سلام دونوں کا

[1] استفاد مرقات شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۳ کشف الحاجہ ص ۲۸

لفظ آیا ہے اسی لئے صاحب کتاب نے بھی صلیٰ وسلم دونوں صیغے استعمال کئے ہیں، صلی وسلم کی تشریح و تحقیق آپ پیچھے کی کتابوں میں پڑھکر آئے ہیں اس لئے اس کی تحقیق یہاں قصداً فروگذاشت کی جاتی ہے۔

قولہ سیدنا ۔سادیسود ۔ن۔سیادۃ وسوددا شریف، بزرگ ہونا ۔سادفی قومہ سے ماخوذ ہے سید وہ شخص ہے جو اپنی قوم میں ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہو، سردار، سادہ جمع کما یقال ساد جوا الحزن بوفاۃ الشیخ وحیدالزماں الکیرانوی فی مدینۃ دیوبند سید کا اطلاق حضرت فاطمہؓ کی اولاد اور ان کی نسل سے جو لوگ ہیں ان پر ہوتا ہے [1]

لفظ سید کا استعمال خدائے ذوالجلال کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علامہ ابن منیر نے مصفی میں تین قول نقل کئے ہیں (۱) لفظ سید کا اطلاق خدا تعالیٰ پر نہیں کیا جاسکتا ہے (۲) اس کا اطلاق صرف خدا تعالیٰ پر کیا جاسکتا ہے کسی دوسرے پر نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا سیدنا کہہ کر پکارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السید ھو اللہ (۳) لفظ سید کا اطلاق خدا تعالیٰ اور غیر خدا سب پر کیا جاسکتا ہے اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعود اور ابن عمرو سے مروی ہے اور قرآن وحدیث اس پر ناطق ہے قال اللہ تعالیٰ :و سید او حصور ا ۔وھکذ والفیاسیدالباب وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔أنا سیدولدآدم ولا فخر:وقال أیضا قوموالی سیدکم۔ مذکورہ آیت مبارکہ اور احادیث نبویہ میں خدا تعالیٰ کے علاوہ کے لئے لفظ سید کا اطلاق ہوا ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ غیر خدا کے لئے اس کا اطلاق جائز ہے۔ کتاب الاذکار میں امام نحاس سے نقل کیا گیا ہے کہ لفظ سید اگر غیر معرف ہو تو غیر اللہ پر اسکا اطلاق جائز ہے ورنہ نہیں، مگر علامہ نووی فرماتے ہیں کہ معرف باللام کی صورت میں بھی غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز ہے واللہ اعلم بالصواب [2]

قولہ وآلہ: آل لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے اول لشکر اور اتباع کے معنی میں جیسے آل فرعون، دوم نفس کے معنی میں جیسے آل موسیٰ و آل ہارون و آل نوح، سوم اس کا اطلاق اہل بیت پر ہوتا ہے جیسے آل محمد، اور آل محمد سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور مال غنیمت میں سے خمس ہے اور وہ صرف بنی ہاشم ہیں حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا یہی مسلک ہے، مگر روافض اس سلسلہ میں اختلاف کرتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد صرف حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسن حسین رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ ایک مرتبہ ان پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر مبارک ڈال کر فرمایا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک آل محمد سے مراد آپ کی ازواج مطہرات اور جملہ اولاد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آل سے مراد ہر مومن متقی ہے اور یہی قول زیادہ اولیٰ ہے [3]

---

[1] مصباح اللغات ص ۴۰۵ [2] نیل الامانی لکنگوہی ص ۲۶ ج ۱ [3] مستفاد مصباح المعانی ص ۳ ج ۱

آل اور اصحاب میں فرق:

آل اور اصحاب کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے اور عموم خصوص من وجہ میں تین مادے ہوتے ہیں ایک مادہ اجتماع اور دو مادہ افتراق، چنانچہ بعض حضرات تو وہ ہیں جو آل نبی بھی ہیں اور انہیں شرف صحابیت بھی حاصل ہے جیسے حضرت علیؓ اور آپ کے خاندان کے وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے یہ تو مادہ اجتماع کی مثال ہوئی، اور بعض لوگ وہ ہیں جو آل نبی نہیں ہیں مگر صحابی ہیں جیسے حضرت سلمان فارسیؓ ،اور بعض وہ لوگ ہیں جو آل نبی ہیں مگر انہیں شرف صحابیت حاصل نہیں یہ دونوں مادہ افتراق کی مثال ہیں [۱]

صحابہ اور اصحاب میں فرق:

صحابہ اور اصحاب کے درمیان فرق یہ ہے کہ صحابہ باتفاق محدثین ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو اور ایمان ہی پر خاتمہ ہوا ہو مگر اصحاب کے معنی کے اندر عموم ہے کیونکہ اس کا اطلاق بسا اوقات رفقاء اور دوست احباب پر بھی ہوتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق ان نفوس قدسیہ پر بھی ہوتا ہے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے جیسا کہ علامہ سید شریف جرجانی نے اصحاب کی تعریف بایں الفاظ کی ہے۔ **الاصحاب من رای رسول الله صلی الله علیه وسلم .أوجلس معه مومنا به** [۲] یعنی اصحاب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو یا آپ کی بحالت ایمان صحبت اختیار کی ہو۔

درود و سلام کے متعلق علماء کے اقوال:

درود و سلام کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے آیا حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر درود و سلام پڑھنا واجب ہے یا فرض ہے یا مستحب ہے؟ امام جریر طبری فرماتے ہیں کہ آیت میں لفظ صلوا صیغہ امر ندب کے لئے ہے اس لئے حضور ﷺ پر درود خوانی مستحب ہے اور قاضی عیاض نے اس قول پر اجماع نقل کیا ہے مگر علامہ ابن عابدین شامی نے کہا ہے کہ آیت مبارکہ چونکہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہے اس لئے پوری زندگی میں ایک مرتبہ حضور اکرم علیہ السلام پر درود بھیجنا فرض ہے، اور قاضی عیاض وغیرہ کا یہ فرمانا کہ امر ندب کے لئے ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں جیسا کہ فارسی نے شرح دلائل الخیرات میں ذکر کیا ہے [۳]

پھر اس میں اختلاف ہے کہ جب جب آنحضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ہو ہر دفعہ آپ پر درود بھیجنا واجب ہے یا صرف ایک مرتبہ؟ حنفیہ میں سے امام ابوالحسن کرخی فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان عاقل و بالغ پر عمر

---

[۱] نیل الامانی ص ۹ ج ۱ الہامیہ ص ۱۰ [۲] کتاب التعریفات ص ۲۴ [۳] تنظیم الاشتات ص ۴۳ ج ۱

بھر میں ایک مرتبہ درود بھیجنا فرض ہے جب بھی اسم مبارک کا تکرار ہو درود واجب نہیں اسلئے کہ ہم حنفیہ کے نزدیک امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے لیکن حنفیہ ہی میں سے امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں جب جب بھی آپ کا اسم گرامی لیا جائیگا ہر بار درود واجب ہے کیونکہ حدیث میں اسم گرامی سنکر درود نہ پڑھنے والوں پر سخت وعید آئی ہے جو دلیل وجوب ہے اور یہی قول علامہ ابن الھمام کا بھی ہے اس لئے کہ درود کے واجب ہونے کا سبب نبی علیہ السلام کا ذکر ہے لہذا جب ذکر نبی پایا جائیگا درود واجب ہوگا [1]

ہاں اگر مجلس متحد ہو تو تکرار درود واجب نہیں ہے البتہ مستحب ضرور ہے اسی قول کو علماء نے راجح قرار دیا کما فی الفتح الملھم والبذل والتعلیق ۔ کیونکہ درود شریف کی فضیلت اور اس کا موجب اجر وثواب ہونا اور ہر وقت اپنی زبان کو درود سے تر رکھنا اور اس کا ایک بہت بڑی نیکی ہونا تو اس پر ساری امت کا اتفاق ہے اس میں کسی بھی صاحب ایمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا ہے درود شریف تو فطری طور پر ہر اس مسلمان کے دل وجان سے مترشح ہوگا جسے یہ احساس ہو کہ خدائے تعالیٰ کے بعد سب سے بڑے محسن ہمارے آپ ہی ہیں اور آپ کی محنتوں کی وجہ سے ہمیں ایمان کی لازوال نعمت نصیب ہوئی، جس کے دل میں جس قدر ایمان واسلام کی قدر اور نبی کی عظمت ہوگی اتنی ہی زیادہ درود کی کثرت کریگا اور شفاعت رسول کا مستحق ہوگا تو یہ اختلاف صرف درود کے وجوب اور فرض کے متعلق ہے درود کی کثرت کرنے اور فضیلت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ [2]

غیر انبیاء پر صلوۃ کا حکم:

حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا دوسروں کے لئے لفظ صلوۃ کا استعمال کرنا اور اللھم صل علی فلان ۔یاصلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے ساتھ صلوۃ جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں (۱) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ غیر انبیاء کے لئے بھی صلوۃ جائز ہے اس لئے کہ خود قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر انبیاء پر صلوۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً اولئك علیھم صلوات من ربھم ورحمة ، ھوالذی یصلی علیکم وملائکته ،اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ کے حق میں فرمایا اللھم اجعل صلواتك ورحمتك علی آل سعد بن عبادة۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی اہلیہ کی درخواست پر فرمایا صلی اللہ علیك وعلی زوجك ۔ان نصوص اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر انبیاء پر صلوۃ کا لفظ جائز ہے (۲) حضرت امام شافعیؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ غیر انبیاء کے لئے مستقلا صلوۃ کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے البتہ تبعاً جائز ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ پر صلوۃ وسلام

---

[1] تنظیم الاشتات ص ۳۴۴ ج ا شامی نعمانیہ ص ۳۴۷ ج ا، مستفاد ہدایہ ص ۱۱۲ ج ا، معارف القرآن ص ۲۲۴ ج ۷ [2] مستفاد معارف القرآن ص ۲۲۴ ج ۷، تنظیم الاشتات ص ۳۴۴ ج ا، شامی ۳۴۶، ۳۴۷ ج ا، تفہیم القرآن ص ۱۲۷ ج ۴

کے ساتھ آل واصحاب یا تمام مومنین کو شریک کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۳) علامہ ابن علان نے کہا کہ لفظ صلاۃ صرف معصوم کیلئے خاص ہے خواہ انبیاء ہوں یا ملائکہ دونوں کے لئے لفظ صلاۃ کا استعمال جائز ہے (۴) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صلوۃ صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ خاص ہے دیگر انبیاء کے لئے اس کا استعمال درست نہیں ہے مگر یہ قول محققین علماء کے نزدیک صحیح نہیں ہے، علماء محققین فرماتے ہیں جس طرح حضورؐ کے لئے لفظ صلوٰۃ استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح دوسرے رسولوں اور نبیوں پر اس کا استعمال جائز ہے، (۵) جمہور علماء کے نزدیک لفظِ صلوٰۃ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، چنانچہ امام بیہقی نے اپنی سنن کے اندر ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ لایصلی علی احد الا علی النبی صلی الله علیه وسلم لکن یدعیٰ للمسلمین والمسلمات بالا ستغفار۔ اور ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں امام نووی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مستقلاً غیر انبیاء پر صلوۃ کا استعمال کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ غیر انبیاء پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اہل حدیث کا شعار بن چکا ہے جس سے ہمیں بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ امام جوینی نے فرمایا کہ جو حکم صلوۃ کا ہے وہی حکم سلام کا بھی ہے کہ غیر نبی کے لئے اس کا استعمال درست نہیں، بجز اس کے کہ کسی کو خطاب کرتے وقت بطور تحیۃ السلام علیکم کہے یہ جائز اور مسنون ہے مگر کسی غائب شخص کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا یا لکھنا غیر نبی کیلئے جائز نہیں ہے حتی کہ فرشتے کے لئے بھی اس کا استعمال جائز نہیں بلکہ یہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، جس طرح لفظِ جل، وعلا، سبحانہ اور تعالیٰ خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں دوسروں پر اس کا اطلاق درست نہیں ہے۔ [۱]

مروجہ صلاۃ وسلام کا حکم:۔

آج کل اذانوں کے بعد لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ چند آدمی مل کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اس سلام اور درود کا شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ یہ متعدد وجوہ کی بنیاد پر بدعت ہے اس صلوٰۃ وسلام سے صحابہ تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا زمانہ خالی رہا، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے کبھی بھی اذانوں کے بعد مروجہ طریقہ سے صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھا حالانکہ وہ حضرات ہم سے زیادہ اسرار شریعت سے واقف اور ہم سے زیادہ شریعت پر عمل کرنے والے تھے اور ایک چھوٹی سی چھوٹی سنت پر عمل کرنے میں اپنے لئے دارین کی سعادت سمجھتے تھے اور اس کے لئے جانیں قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے تھے، علامہ ابن عابدین شامی کی تحقیق کے مطابق اس صلاوۃ وسلام کی ایجاد ماہ ربیع الثانی ۷۸۱ھ پیر کی رات کو ہوئی پھر رفتہ رفتہ دس

---

[۱] مستفاد معارف القرآن ص ۲۲۵ ج ۷ تفہیم القرآن جلد ۴ ص ۱۲۸ تنظیم الاشتات جلد ۱، ۳۴۳ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۴۰، خصائص کبریٰ للسیوطی جلد ۲ ص ۲۶۲ بحوالہ معارف القرآن۔

سال کے بعد تمام نماز کی اذانوں کے بعد اس کا رواج ہو گیا ہے اس لئے یہ طریقہ بدعت حسنہ ہے، علامہ ابن عابدین کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

التسليم بعد الاذان حدث في ربيع الاخرسنة سبع مائة واحدى ثمانين في عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشرسنين حدث في الكل الا المغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة الخ ۔ لے

بعد سلام پڑھنا ربیع الثانی ۷۸۱ھ پیر کی رات کو عشاء میں ایجاد ہوا پھر جمعہ کے دن، پھر دس سال کے بعد مغرب کے سوا تمام اذانوں میں اس کا رواج ہو گیا پھر اس میں دو مرتبہ ہونے لگا اور یہ بدعت حسنہ ہے

مگر ملا علی قاری شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ اذانوں کے بعد جو صلاۃ و سلام مروج ہے وہ اصل کے اعتبار سے مشروع ہے مگر کیفیت کے اعتبار سے ممنوع اور بدعت ہے اس لئے کہ مسجدوں میں شور و غل مچانا، آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو مکروہ ہے۔

فما يفعله المؤذنون الآن عقب الاذان من الاعلان بالصلاة والسلام مراراً أصله سنة والكيفية بدعة لان رفع الصوت في المسجد ولوبالنكرفيه كراهة۔ ٢ه

پس آجکل موذن حضرات اذان کے بعد صلاۃ و سلام کے ذریعہ بار بار جو اعلان کرتے ہیں اس کی اصل تو سنت ہے مگر کیفیت بدعت ہے اس لئے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو مکروہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مروجہ صلوۃ و سلام جو ہمارے دیار میں لوگ اذان کے بعد پڑھتے ہیں شرعاً بدعت ہے اور اس کے بدعت ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اس کو کسی درجے میں مندوب قرار دے بھی دیں تو کسی امر مندوب پر اصرار اور اس پر التزام ہو جانے سے وہ بدعت ہو جاتا ہے اور چونکہ ہمارے زمانے کے اہل بدعت نے اس کو ضروری قرار دیدیا ہے اور نہ پڑھنے والوں کو برا بھلا اور وہابی کہا جاتا ہے جو التزام مالا یلزم ہے جس سے احتراز ضروری ہے، ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

أن من أصر على امرمندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من أصر على بدعة أومنكر۔ ٣ه

جو شخص کسی مستحب چیز پر اصرار کرے اور اسکو پختہ کرلے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو اس کو شیطان لعین نے گمراہی کے پھندے میں پھانس لیا پس جو شخص کسی بدعت یا امر منکر پر اصرار کرے تو وہ بدرجہ اولیٰ شیطان کا شکار ہے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ آج کل جو صلوۃ و سلام کا رواج مسجدوں میں ہو گیا ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے اور لوگوں کو بھی اس سے روکنا چاہئے۔ تاکہ عوام بدعت و گمراہی میں نہ پھنسیں اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے تمام مسلمانوں کی بدعات و خرافات سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

لے شامی نعمانیہ ج ۱ ص ۳۶۲ ۔ ٢ه مرقات المفاتیح جلد ۲ ص ۱۶۱ ٣ه مرقات ص ۵۳ ج ۲

﴿۱﴾ باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم

کتاب الطہارت سے کتاب کا آغاز نہ کرنے کی وجہ:۔

امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب کا آغاز کتاب الطہارت سے کیوں نہیں کیا؟ جب کہ سنن میں یہی ہوتا ہے کہ احکام میں فقہی ابواب کے اعتبار سے حدیث کو ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ امام ابی داؤد اور امام نسائی وغیرہ نے اپنے سنن کا آغاز کیا۔ اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ ہر اہل علم اور مصنفین کا یہ طرز عمل رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات و تالیفات کا آغاز انہیں ابواب اور مضامین سے کرتے ہیں جو ان کے نزدیک نہایت مہتم بالشان اور انتہائی اہمیت کے حامل ہوں اور تبلیغ دین کے سلسلے میں اہم اور ضروری ہوں چنانچہ اکثر مصنفین نے اپنی سنن کا آغاز کتاب الطہارت سے کیا، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ اعمال عقائد پر دلالت کرتے ہیں اور اسلامی عمل میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل نماز ہے مگر چونکہ صحت نماز کیلئے طہارت شرط اور ضروری ہے اس لئے الشرط یتقدم علی المشروط کے پیش نظر انہوں نے کتاب الطہارت کو مقدم کیا، اور امام مسلم کے نزدیک تبلیغ دین میں مقصود اقوال نبی اور افعال رسول ﷺ کی اشاعت ہے مگر وہ اقوال اور افعال جن واسطوں سے ہم تک پہنچے ہیں ان واسطوں پر مکمل اعتماد اور ان کی ثقاہت اور انکے تدین وغیرہ کا علم نہ ہوگا تو ان کی پہنچائی ہوئی باتوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے لہذا امام مسلم نے ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم (رواه مسلم) کو مدنظر رکھتے ہوئے اسناد کی بحث کو مقدم کیا، تا کہ ہمارے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے درمیان جن واسطوں اور رواۃ کی کڑیاں ہیں ان کی ثقاہت، جلالت علم وورع وتقوی اور اعتماد کی وضاحت ہو جائے اور ان کی عظمت وفقاہت دل کے نہاں خانوں میں اتر جائے،

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح کو "باب كيف كان بدأ الوحى" سے شروع فرما کر درحقیقت وحی کی غیر معمولی اہمیت کی جانب لطیف اشارہ فرمایا اور بتادیا کہ تمام علوم شریعت کا منبع ومشرب وحی ہے اور دین اسلام کی بنیاد وحی الہی ہے اور تمام اصناف علوم عالیہ درحقیقت اس کی رہین منت ہیں۔ امام مالکؒ نے یہ سمجھا کہ ایمان کے بعد سب سے پہلی عبادت جو بندے پر عائد ہوتی ہے وہ نماز ہے اور نماز کو تمام ارکان اسلام میں ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے نماز ہی ایمان وکفر کے درمیان حد فاصل ہے اور طہارت اس کے لئے شرط بھی ہے لیکن نماز کے لئے وقت سبب ہے قبل از وقت نہ نماز فرض ہوتی ہے نہ ہی صحیح ہوتی ہے پھر وقت سے پیشتر نہ طہارت ضروری ہے اور نہ پانی کا طلب کرنا، دخول وقت کے بعد ہی طہارت بھی ضروری ہے اور طلب ماء بھی، اسلئے امام مالکؒ نے اپنی مؤطا کی مواقيت الصلوة سے ابتداء فرمائی اور قرآن حکیم کی آیت ان الصلوة

مکانت علی المومنین کتاباً موقوتا پر عمل کیا۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ سمجھا کہ کتاب تصنیف کی جارہی ہے احادیث رسول اللہ ﷺ جمع کرنے کے لئے اور علم پر عمل بھی ضروری ہے اور عمل عند اللہ وہی مقبول اور معتبر ہے جو اسوۂ رسول کے مطابق ہو اس لئے امام ابن ماجہ نے من یطع الرسول فقد اطاع الله۔ کے پیش نظر شرط اور مشروط کے معیار ہی کو بدل دیا اور انہوں نے اتباع سنت کو شرط اور پوری شریعت کو مشروط قرار دیا، اور وما اٰتکم الرسول فخذوه ومانهٰکم عنه فانتهوا اور لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة کے پیش نظر قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔ پر عمل اس طرح کیا کہ پہلے اتباع سنت اور تعظیم حدیث وغیرہ کے ابواب قائم کیے پھر اس کے بعد ایمان و عقائد کے ابواب ذکر کرتے ہوئے فضائل صحابہ اور اتباع خلفاء راشدین کا باب بھی قائم کیا، اور چونکہ احادیث میں بدعت کی بہت قباحت وشناعت بیان کی گئی ہے اور بدعت سے اجتناب کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے کہ سنت کے ساتھ بدعت کی آمیزش نہ ہو جائے اور سنت و بدعت میں کوئی خط امتیاز باقی نہ رہے تو پھر دین کی حقیقت ہی ختم ہو جائیگی اور حق و باطل کی تمیز اٹھ جائیگی، اور جادۂ مستقیم کی تعیین دشوار ہو جائیگی اس لئے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن کا آغاز اتباع سنت اور اجتناب عن البدعۃ سے کیا، تاکہ ہر مومن اپنے ہر عمل میں اس اصول کلی کو اپنا راہنما بنائے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ مناقب صحابہ کو بیان کر کے امام ابن ماجہ نے اس جانب ایک لطیف اشارہ کیا کہ ہم تک جن واسطوں اور جن ذرائع سے دین پہنچا ان کی ثقاہت، فقاہت، درایت اور روایت پر اعتماد ضروری ہے اور ان کو معیار حق جاننا لازم ہے اگر یہی ارباب فضل وکمال جو ستون دین ہیں خدانخواستہ مجروح ہوگئے اور ان سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر پوری شریعت کی بنیاد ہی متزلزل ہو کر رہ جائے گی، امام نے فضائل صحابہؓ کے بعد چند گمراہ فرقوں کا مختصر تذکرہ کیا ہے، اس طرح گویا امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب کا آغاز عجب شاندار طریقے سے کیا، اور ارشاد نبوی ما انا علیه وأصحابی کی دلچسپ اور نرالی تشریح کی ہے۔[1]

سنت کے لغوی معنی:۔

لفظ سنت کا مادہ سین اور دو نون ہیں اس مادہ کے اندر اصلی معنی ہیں جریان الشئی واطراده فی سهولة، یعنی کسی چیز کا بہنا اور آسانی کے ساتھ جاری ہونا چنانچہ یہ مادہ جہاں جہاں بھی موجود ہوگا ہر جگہ یہ بنیادی معنی ضرور پائے جائیں گے مثلاً (۱) سننت الماء- ن - سنا علی وجهی میں نے اپنے چہرے پر آہستہ آہستہ پانی بہایا، جو آسانی کے ساتھ بہتا چلا گیا، (۲) امض علی سَنَنِكَ وسُنَنِكَ اپنی روش پر چلتا رہ (۳) کہا جاتا ہے جاءت الریح علی سنائن. ہوا ایک ہی انداز پر چلتی رہی۔[2]

---

[1] مستفاد امداد الباری جلد ۲ ص ۳۱۱، کشف الحاجۃ ص ۲۹، مصباح الزجاجہ ص ۱۳، انجاح الحاجہ حاشیہ ا۔ [2] مقائیس اللغة لابن الفارس مادہ سنن۔

(۳) قرآن کریم میں اس کا استعمال متعدد مقامات پر ہوا ہے جس کے معنی ہیں عادت جاریہ، مثلاً فهل ینظرو ن الاسنت الاولین، فلن تجد لسنة الله تبدیلا .ولن تجدلسنة الله تحویلا[۱] اسی طرح پارہ چھبیس سورہ فتح میں سنت کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں عادت جاریہ، (۴) اور سنت کے مشہور ومعروف معنی ہیں مطلق طریقہ کے، خواہ وہ طریقہ محبوب ہو یا مذموم، چنانچہ علامہ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں۔ السنة فی اللغة الطریقة مرضیة کانت اوغیر مرضیة[۲] سنت لغت میں طریقہ کے معنی میں مستعمل ہے خواہ پسندیدہ ہو یا غیر پسندیدہ۔ اور خالد بن زہیر ہذلی کہتا ہے فلا تجزع عن من سنة انت سرتها فأول راض سنة من یسیرها تو ہرگز نہ گھبرا کسی ایسے طریقے سے جس پر تو چل رہا ہے کیونکہ کسی طریقہ کو سب سے پہلے وہی پسند کرتا ہے جو اس پر چلتا ہے۔

الغرض اس مادہ کے مختلف استعمال آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں ہر ایک کے اندر جاری ہونے اور چلتے رہنے کے معنی کسی قدر ضرور موجود ہیں اور یہ سب لغوی معنی ہیں۔

سنت کی اصطلاحی تعریف:۔

شریعت کی اصطلاح میں سنت کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے (۱) فن حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں سنت ان باتوں کو کہتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ سے مروی ہیں خواہ وہ آپ کے اقوال ہوں یا افعال یا آپ کی تقریرات ہوں، اور حضرات متقدمین کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال بھی سنت میں داخل تھے اور یہی علماء حنفیہ کی رائے تھی لیکن علماء متاخرین نے حضرت امام شافعی کے قول سے متاثر ہو کر صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال کو سنت سے خارج کردیا، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف فتح الباری شرح بخاری میں کتاب باب الاعتصام والسنة کے آخر میں رقمطراز ہیں۔

والمراد بالسنة ماجاء عن النبی صلی الله علیه وسلم من اقواله وافعاله وتقریره وماهم بفعله والسنة فی اصل اللغة الطریقة وفی اصطلاح الاصولیین والمحدثین ماتقدم (۳)

سنت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں یعنی آپ کے اقوال وافعال اور آپ کی تائیدات اور وہ تمام اشیاء جن کے کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا، اور سنت کے اصل لغوی معنی ہیں طریقہ، اور اصولیین اور محدثین کے نزدیک سنت کے وہی معنی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے،

علامہ ابو اسحاق مالکیؒ الموافقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ

---

[۱] القرآن پارہ ۲۲، سورہ فاطر۔ [۲] کتاب التعریفات ص ۱۱۸۔ [۳] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۴۵۔

يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولاً عن النبي صلى الله عليه وسلم على الخصوص مما لم ينص عليه في الكتاب العزيز (۱) سنت کا لفظ ان امور کے لئے بولا جاتا ہے جو نبی علیہ السلام سے منقول ہے قرآن پاک میں ان کو بیان کیا گیا ہو یا بیان نہ کیا گیا ہو۔

اور اصول فقہ کی مشہور و معروف اور داخل درس کتاب نور الانوار میں ملا جیون ارقام فرماتے ہیں۔

السنة تطلق على قول الرسول صلى الله عليه وسلم وفعله وسكوته وعلى اقوال الصحابة وافعالهم.(۲)

سنت کا اطلاق رسول اکرم ﷺ کے قول و فعل اور سکوت پر ہوتا ہے اور صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال پر بھی۔

سنت کے معنی علم فقہ کی اصطلاح میں:۔

علم فقہ کی اصطلاح میں سنت کا اطلاق احکام خمسہ (فرض واجب، سنت حرام اور مکروہ تحریمی) میں سے کسی ایک حکم پر ہوتا ہے چنانچہ حضرات فقہاء امت کے یہاں سنت وہ شرعی حکم ہے جو فرض اور واجب نہ ہو اور حضور اکرم ﷺ نے یا صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیا ہو چنانچہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے۔

والسنة لغة الطريقة ولو سيئة واصطلاحا الطريقة المسلوكة في الدين من غير لزوم. ۳

سنت کے لغوی معنی ہیں طریقہ اگر چہ برا ہو اور اصطلاح میں ایسے دینی طریقہ کو کہا جاتا ہے جس کو لازم قرار دیے بغیر اپنایا گیا ہو۔

اور دستور العلماء میں ہے

وفي الشرع هي الطريقة المسلوكة الجارية في الدين من غير افتراض ولا وجوب سواء سلكها الرسول عليه الصلوة والسلام أو غيره لمن هو علم في الدين ۴

اور شریعت میں وہ اپنایا ہوا رائج دینی طریقہ ہے جو نہ فرض ہو اور نہ واجب خواہ اس کو رسول اکرم ﷺ نے اپنایا ہو یا آپ کے بعد ایسی ہستی نے اپنایا ہو جو دین کے اندر ممتاز حیثیت کی حامل ہو۔ (یعنی صحابہ کرامؓ نے اپنایا ہو)

سنت کا اطلاق عرف شرع میں:۔

عرف شرع میں سنت کا اطلاق ان اقوال و افعال، عقائد، اخلاق، معاملات اور عادت پر ہوتا ہے جن کو آقا ﷺ نے اپنایا ہے اور سنت کے مقابلہ میں بدعت ہے چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ عليكم بسنتي وسنة

---

۱ الموافقات بحوالہ محاضرہ در ضرورت خاتمیت جلد ۲ ص ۲۲۔ ۲ نور الانوار ص ۱۷۹، کذا فی المرقات جلد ۱ ص ۲۱۴، وکذا فی کتاب التعریفات ص ۱۱۸۔ ۳ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵ ۴ دستور العلماء جلد ۲ ص ۱۸۳ بحوالہ محاضرہ ص ۲۳۔ کذا انظر کتاب التعریفات ص ۱۱۸

الخلفاء الراشدین کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

والسنة هی الطریق المسلوك فیشمل ذلك التمسك بما کا ن علیه هووخلفائه الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه هی السنة الکاملة، ولهذا کانَ السلف قد یمَا لا یطلقون اسم السنة الا ما یشمل ذالك کله[1]

سنت وہ طریقہ ہے جس کو اپنایا گیا ہو پس یہ ارشادِ نبوی ان عقائد اور اعمال واقوال کو مضبوطی سے پکڑنے کا نام ہے، جس پر حضور اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین عمل پیرا تھے اور یہی سنت کاملہ ہے یہی وجہ ہے کہ اسلاف زمانہ قدیم میں لفظ سنت کا اطلاق ایسے معنیٰ پر کرتے تھے جو ان سب باتوں کو شامل ہو۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی مالکیؒ سنت کے مختلف معانی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ویطلق أیضا فی مقابلة البدعة فیقال فلا ن علی سنة اذا عمل علی وفق ما عمل علیه النبی صلی الله علیه وسلم کان ذلك مما نص علیه فی الکتاب أولا، ویقال فلان علیٰ بدعة اذا عمل علیٰ خلاف ذلك ویطلق أیضا لفظ السنة علی ماعمل علیه الصحابة وجد ذلك فی الکتاب أو لم یوجد لکونه اتباعاً لسنة ثبتت عندهم لم تنقل الینا أواجتهاداً مجتمعاً علیه[2]

نیز سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے فلاں سنت پر عامل ہے جب وہ نبی اکرم ﷺ کے عمل کے مطابق عمل کرے چاہے وہ کام قرآن کریم میں صراحۃً منصوص ہو یا نہ ہو اور کہا جاتا ہے فلاں بدعت پر ہے جب وہ اس کے خلاف عمل کرے، نیز سنت کا لفظ اس پر بھی بولا جاتا ہے جس کو حضرات صحابہ کرامؓ نے کیا ہو، عام ازیں کہ وہ کام کتاب وسنت میں صراحۃً منصوص ہو یا نہ ہو کیونکہ وہ کام ایسی سنت نبوی کی اتباع کی وجہ سے ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت ہے اور ہم تک وہ منقول ہو کر پہنچ نہ سکی، یا متفق علیہ اجتہاد کی بنا پر ہوگا۔

الغرض سنت کے یہی معنیٰ شرعی ہیں اور بدعت کے مقابلہ میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی معنیٰ مراد ہوتے ہیں اور اس سے پہلے جو سنت کے معانی بیان کئے گئے ہیں وہ حضرات فقہاء کرام کی ایک مخصوص اصطلاح ہے۔

وجہ تسمیہ:۔

سنت کو سنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ امت میں رائج ہوتی ہے اور امت مسلمہ کے لئے زندگی گذارنے کے واسطے نسخہ حیات ہوتی ہے اور حضور اکرم ﷺ اور آپ کے مقدس صحابہ کرام رضوان اللہ

---

[1] جامع العلوم والحکم ص ۱۸۹ بحوالہ محاضرہ جلد ۲ ص ۲۴۔ [2] الموافقات جلد ۴ ص ۴ بحوالہ محاضرہ جلد ۲ ص ۲۴ ہکذا معجم لغۃ الفقہاء ص ۲۵۰

تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشادات واقوال، اخلاق ومعاملات اور عقائد واعمال، امت کے درمیان جاری ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلمان ان کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں لانے کی کوشش کرتا ہے اسی لئے سنت کو سنت کہتے ہیں۔

سنت کی قسمیں:۔

جن اعمال وافعال کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا ہے ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کو آپ نے بطور عبادت کیا ہے اور بعض افعال آپ کے وہ ہیں جنہیں آپ عادت کے طور پر کرتے تھے، جن افعال کو آپ بطور عبادت کرتے تھے ان کو شریعت کی اصطلاح میں سنن ہدیٰ کہا جاتا ہے جو درحقیقت تکمیل دین کے واسطے کیا جاتا ہے اور انکے ترک پر ملامت ہوتی ہے جیسے کہ اذان واقامت اسی طرح وضو کے اندر مضمضہ استنشاق بھی اور دیگر سنن رواتب ہیں، اور جن افعال واعمال کو آپ بطور عادت بشری انجام دیا کرتے تھے وہ بلاشبہ امت کیلئے مشعل ہدایت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو نہ کرے تو اسے ازروئے شرع ملامت نہ کی جائے گی جیسے آپ کو لوکی بہت پسند تھی یا آپ کا قیام وقعود اس طرح تھا، آپ کے موئے مبارک اس نوعیت کے تھے، آپ کا لباس اس طرح کا تھا، اور آپ لنگی کو محبوب جانتے تھے یہ وہ چیزیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عادت کے طور پر کرتے تھے اگر کوئی اس کو سنت قلب وجگر سے تسلیم کرتے ہوئے کسی طبعی مجبوری کی وجہ سے نہ اپنائے تو اسے عقاب وعتاب نہیں کیا جائے گا اور اسی کو سنت زوائد کہتے ہیں اسطرح گویا سنت کی دو قسمیں ہو گئیں (۱) سنن ہدیٰ جن کو سنن رواتب اور سنت موکدہ بھی کہتے ہیں (۲) سنن زوائد۔[۱]

اور ان دونوں کی تفصیل ابھی چند سطر پہلے گذر چکی ہے اعادہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔

یہاں سنت سے کیا مراد ہے؟

لیکن یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ یہاں اتباع سنت سے سنت کے دو معانی امام ابن ماجہؒ کے نزدیک ہو سکتے ہیں، (۱) ایک معنی تو اس جگہ سنت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ سنت بولکر صاحب کتاب نے دلائل اربعہ شرعیہ مراد لئے ہوں، اس وقت لفظ سنت رسول اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات سب کو شامل ہو گا کیوں کہ ان میں سے ہر ایک سے احکام شرعیہ کا ثبوت ہوتا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اقوال اور تقریرات سے دین کے احکام اخذ کئے جاتے ہیں خواہ وہ احکام از قبیل اباحت ہوں یا حرام یا مکروہ یا مستحب یا ندب، اور لوگوں پر اسکی اتباع بھی ضروری اور لازم ہو۔ (۲) سنت کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مصنف نے سنت بولکر نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے رائج طریقہ کو مراد لیا ہو اس صورت

---

[۱] کتاب التعریفات للجرجانی ص۱۱۸۔

میں یہ عنوان پوری شریعت اسلامیہ اور دین کے پورے احکام کو شامل ہوگا خواہ کتاب اللہ سے مستنبط ہوں یا حدیث رسول اللہ سے متخرج ہوں بہر صورت اس پر عمل کیا جائے گا اور اس کو اپنی زندگیوں میں لانیکی از حد کوشش کی جائے گی معنی اول کے اعتبار سے سنت دلیل ہے اور ثانی معنی کے اعتبار سے سنت مداول ہوگی۔

(۱) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِىْ شَيْبَةَ قَالَ ثَنَا شَرِيْكٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہرہؓ نے فرمایا، ارشاد فرمایا اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس چیز کا میں حکم کردوں اس کو پکڑلو، اور جس سے تم کو روک دوں اس سے باز رہو۔

تشریح حدیث:۔

یہ حدیث شریف قرآن کریم کی آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا سے ماخوذ ہے اور یہ آیت اگرچہ مال فئی کے متعلق نازل ہوئی مگر الفاظ آیت عام ہیں اس لئے صرف اموال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام شرعی احکام اس آیت کے ذیل میں داخل ہیں لہذا جناب رسول اللہ ﷺ جب کوئی مال یا کوئی حکم کسی کو دیں تو اسے فوراً لے لینا چاہیئے اور حکم کے مطابق عمل کے واسطے تیار ہونا چاہیئے۔ اور جن چیزوں سے منع کریں ان سے بلا چوں چرا رک جانا چاہیئے اس لئے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ ہم گناہگاروں کے لئے منبع ہدایت ہے جو فلاح و بہبودی کے لئے ضامن ہے آپ کی سنت جو ایک قانون الٰہی اور شریعت ہے اس پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے، قرآن کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم رسول ﷺ کے طریقۂ زندگی کو اپنائیں اور اسے اپنی زندگیوں میں لانے کی کوشش کریں، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنةلمن کان یرجوالله والیوم الآخر وانکروا الله کثیراً۔ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات مقدس میں حسین ترین نمونہ موجود ہے یعنی اس آدمی کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن سے خوف کرتا ہے اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہے۔[1]

جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم واجب الاطاعت ہے اسی طرح جن امور سے آپ نے منع فرمایا ان سے رکنا بھی واجب ہے اور ان کا کرنا دنیا و آخرت میں حرمان سعادت کا باعث ہے تو حدیث شریف میں تمام اوامر پر بجا آوری کا حکم اور تمام نواہی اور منکرات سے بچنے کی تاکید ہے جس طرح قرآن کریم کی آیت ما اتاکم اور ماںھاکم میں کلمہ ما عام ہونے کی وجہ سے تمام اوامر و نواہی کو شامل ہے خواہ

---

[1] کشف الحاجہ ۳۲ [2] معارف القرآن ج ۸ ص ۷۰ [3] کشف الحاجہ ۲۳۔

صراحتہ آپ نے کسی امر معروف کا حکم دیا ہو یا کسی امر منکر سے منع کیا ہو خواہ کسی امر کے مشاہدہ یا علم میں آنے کے بعد اس پر سکوت فرمایا ہو ان سب کو شامل ہے اسی طرح حدیث پاک کے اندر یہ تمام چیزیں بھی شامل ہوں گی لا (حدیث پاک میں أمر تکم کے مصداق دو ہو سکتے ہیں (۱) ما امر تکم کو بالکل عام مانا جائے تو اس صورت میں وجوب ندب اباحت وغیرہ تمام کو شامل ہوگا (۲) اور دوسری صورت یہ ہے کہ امر سے امر اصطلاحی مراد لیا جائے یعنی وجوب پر محمول کیا جائے اسلئے کہ امر مطلق خالی عن القرائن احناف کے نزدیک وجوب کے لئے ہوتا ہے اور قرائن کے وقت حسب قرائن امر کے معنی وجوب ندب اباحت وغیرہ میں سے کسی کو متعین کریں گے) اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک امر مطلق خالی عن القرائن ندب یا اباحت پر محمول ہوتا ہے اور ما نهيتكم کے اندر بھی یہی دو معنی مراد ہو سکتے ہیں کہ نہی سے مراد تحریمی اور تنزیہی دونوں ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نہی سے مراد صرف نہی تحریمی ہو نہ کہ تنزیہی، بہر حال جو بھی معنی مراد لئے جائیں خطاب اگر چہ حضرات صحابہ کرامؓ سے ہے مگر حکم باتفاق امت رہتی دنیا تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ہے اس لئے کہ شریعت کسی خاص زمانہ یا خاص طبقہ کے لئے نہیں بلکہ اس کا پیغام اور اس کی دعوت اور اس کے مسائل، اوامر و نواہی بالکل عالم گیر ہیں جو تمام لوگوں کے لئے برابر ہیں۔

(مگر یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حدیث میں ما أمرتكم سے مراد صرف امور دینیہ ہیں نہ کہ امور دنیوی کیوں کہ آپ نے حدیث تابیر میں خود وضاحت فرمادی ہے کہ أنتم أعلم بأمور دنياكم یعنی تم دنیاوی معاملات میں زیادہ واقف کار ہو لہٰذا اپنے صوابدید کے مطابق عمل کرو۔ میرے قول پر عمل لازم نہیں ہے اس لئے کہ میں اپنی عقل و سمجھ کی بنیاد پر کہتا ہوں۔ اور یہ بالکل درست ہی نکل جائے ضروری نہیں ہے اس لئے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔)

رجال حدیث:۔

ابو بکر بن ابی شیبہ کا شمار حضرات محدثین کے تیسرے طبقے میں ہوتا ہے ان کا نام عبد اللہ والد کا نام محمد دادا کا نام براہیم ہے ۲

شریک ابن عبد اللہ النخعی الکوفی پہلے شہر واسط کے قاضی رہے پھر اس کے بعد کوفہ میں منصب قضا پر متمکن ہوئے، یہ انصاف ور، فاضل عبادت گذار اور اہل بدعت پر نہایت ہی سخت تھے محدثین کے نزدیک ان کا شمار تیسرے طبقے میں ہوتا ہے جب سے یہ کوفہ میں قاضی بنے، قوت حافظہ کے اندر کمی آگئی تھی بہت غلطی کرتے تھے اسلئے محدثین نے انکے لئے صرف صدوق کا لفظ استعمال کیا جو بالکل ہلکا لفظ ہے ان کی وفات ۱۷۷ھ یا ۱۷۸

---

۱ کشف الحاجہ ص ۳۲ ۲ تقریب التہذیب ص ۲۹۰۔

ھ میں ہوئی۔[1]

سلیمان بن مہران الاسدی الکاہلی ابو محمد الکوفی یہ ثقہ اور حافظ ہیں فن قراءت سے واقفیت تھی صاحب ورع و تقویٰ صفت محدث تھے لیکن یہ کبھی کبھار تدلیس کرتے تھے ان کا شمار محدثین کے نزدیک پانچویں طبقے میں ہے اور ان کی وفات ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں ہوئی۔[2]

ابو صالح نام کے متعدد حضرات ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس نام کے انیس راوی گنائے ہیں یہاں ابو صالح سے کون مراد ہیں واللہ اعلم بالصواب۔[3]

ابو ھریرۃ یہ لقب ہے، یہ ایک معروف و مشہور صحابی ہیں، انھیں سے سب سے زیادہ روایتیں مروی ہیں ان کے نام اور ان کے والد کے نام کے متعلق شدید اختلاف ہے حافظ نے تقریب میں تقریباً انیس یا بیس اقوال شمار کرائے ہیں ستتر سال کی عمر میں ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں علی اختلاف الاقوال وفات ہوئی ہے۔[4]

(۲) حَدَّثَنَا اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الصَّبَاحِ قَالَ اَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَرُوْنِيْ مَاتَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَاِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَئٍ فَخُذُوْا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ وَاِذَانَهَيْتُكُمْ عَنْ شَئٍ فَانْتَهُوْا

ترجمہ حدیث:۔

حدیث بیان کی ہم سے ابو عبد اللہ نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے محمد بن صباح نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو جریر نے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابو صالح سے انہوں حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں ارشاد فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو متنبہ کرتے ہوئے) کہ جب تک میں کسی امر میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم مجھے چھوڑے رکھو (یعنی جس امر کو میں نے مطلق بیان کیا اس میں قیل و قال مت کرو، قیود و شرائط کے متعلق سوال نہ کرو) اس لئے کہ تم سے پہلے کے لوگ (لایعنی) سوال اور اپنے انبیاء کے متعلق اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے، پس جب میں کسی چیز کے متعلق حکم کروں تو اس کو قدرت کے مطابق تھام لو، اور جس چیز سے منع کروں اس سے باز رہو، (پہلے کے لوگوں کی طرح اس کی علت و سبب کی کھود کرید کے چکر میں مت پڑو۔)

تشریح حدیث:۔

یہ حدیث بھی پہلی والی حدیث کی طرح ہے پوری حدیث یہاں مذکور نہیں ہے، بلکہ حدیث کا بعض

---

[1] تقریب ص ۱۰۹ [2] تقریب ص ۱۰۲ [3] تقریب ص ۳۰۱ [4] تقریب ص ۳۱۶۔

حصہ یہاں مذکور ہے پوری حدیث مسلم شریف میں اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حج فرض فرمایا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حج کریں، ایک صحابی حضرت اقرع بن حابسؓ سوال کر بیٹھے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حج فرض ہے یا صرف اسی سال، وہ یہ سمجھے کہ جس طرح دیگر عبادات نماز روزہ اور زکوٰۃ اسباب کے تکرار سے مکرر ہوتی ہیں اسی طرح حج بھی ہر سال فرض ہوگا؟ یہ سوال آپ کو کچھ اچھا معلوم نہ ہوا تو اس وقت آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہدیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا پھر تم اس کے اوپر قدرت نہ رکھتے، اس لئے تم خواہ مخواہ سوال مت کرو اور لایعنی قیل و قال میں مت پڑو بسا اوقات لایعنی سوالات اور قیل و قال سے انسان مشقت اور تنگی میں مبتلا ہو جاتا ہے (جیسا کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے رویت باری، کلام، اور گائے کے اوصاف کے متعلق بلا وجہ شرائط کی تفتیش کر کے اپنے نبی کو بھی ایذا پہنچائی اور خود بھی پریشانی میں مبتلا ہوئے) اور جب ان کے نبی ان کے سوال کے بعد یا سوال سے پہلے کسی چیز کا امر فرماتے تھے تو وہ آپس میں اختلاف کرنے لگتے تھے جس کے نتیجے میں اللہ ان سے ناراض ہوا اور ہلاک و برباد کر دیا، اس لئے اے مومنوں تم ایسی چیز کا سوال مت کرو جو تمہاری ہلاکت و بربادی کا باعث بنے بلکہ جب میں تم کو کسی چیز کے بارے میں قیود و شرائط کے بغیر حکم دوں تو تم قیود و شرائط اور جزئیات میں پڑے بغیر اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو اور جن چیزوں سے روک دوں اس سے فوراً رک جاؤ![1]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث باب میں سوال کرنے سے روکا گیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون، یعنی تم کو کسی بات کا علم نہ ہو تو علم والے سے معلوم کرو نیز فرمایا گیا السوال نصف العلم سوالات کرنا آدھا علم ہے، بظاہر حدیث باب اور اس میں تعارض نظر آتا ہے، جواب یہ ہے کہ حدیث باب میں مطلق سوال کی قباحت و شناعت نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ لایعنی سوالات بے معنیٰ کھود کرید اور لغو تفتیش کی ممانعت کی گئی ہے کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو ناپسند فرماتے تھے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے امیر معاویہؓ کے پاس خط لکھتے ہوئے اسی عادت مبارک کا ذکر کیا تھا کہ انه كان ينهى عن قيل وقال وكثرة السوال [2] یعنی رسول اکرم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بے ضرورت سوال کرنے سے روکتے تھے نیز معروف و مشہور حدیث ہے ان اعظم المسلمين جرمامن سأل عن امر لم يحرم فحرم على الناس من أجله مسئلته [3] یعنی مسلمانوں کے لئے عظیم ترین جرم یہ ہے کہ وہ کسی چیز کے متعلق سوال کرے جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال کی وجہ سے لوگوں پر اس کو حرام کر دی گئی ہو۔ امام کرمانیؒ

---

[1] مستفاد مظاہر حق جدید جلد ۳ ص ۲۶۱ کشف الحاجہ ص ۳۴، مرقات جلد ۵ ص ۲۲۴۔ [2] بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۸۳۔
[3] بخاری شریف جلد ثانی ۱۰۸۲۔

بھی یہی علت بیان فرماتے ہیں امام بخاری نے بھی اس قسم کے سوالات کے متعلق ترجمۃ الباب باب مایکرہ من کثرۃ السوال ومالا یعنیہ قائم کیا ہے۔ضروری سوالات،علم کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی ممانعت حدیث میں نہیں ہے کیوں کہ ضروری سوالات صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے جیساکہ قرآن کریم میں کلالہ،انفال،اہلہ،محیض،اشہر حرم اور خمر کے متعلق سوالات مذکور ہیں۔

امام بغویؒ نے شرح السنۃ میں صراحت کی ہے کہ عام طور پر لوگ دو طرح کے سوالات کرتے ہیں ایک وہ سوالات جو بغرض تعلیم اور حصول علم کے لئے ہوں ایسے سوالات نہ یہ کہ صرف کرنا چاہیئے بلکہ اس طرح کے سوالات کرنا اور مسائل شرعیہ معلوم کرنا واجب اور ضروری ہے اور فاسئلوا أهل الذکر میں اسی قسم کے سوال کرنے کا حکم ہے اور اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے جیساکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ العلم خزائن ومفاتیحها السوال یوجر فیه أربعة السائل والعالم والمستمع والمحب لهم[۱] علم درحقیقت ایک خزانہ ہے جس کی کنجیاں سوال ہیں اس لئے تم سوالات کیا کرو اس سے چار آدمیوں کو ثواب ملتا ہے،(۱)سوال کرنے والے کو،(۲) عالم کو،(۳) سننے والے کو،(۴) ان سے محبت کرنے والے کو،مذکورہ بالا ہماری تشریح سے یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح بالکل آشکارہ ہوگئی کہ حدیث باب اور فاسئلو أهل الذکر،نیز حسن السوال نصف العلم میں از روئے عقل ونقل کوئی تعارض نہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حدیث باب میں امرتکم کے ساتھ ما استطعتم کی قید لگائی گئی اور نہیتکم میں کیوں نہیں اس قید کو ملحوظ رکھا گیا؟ حضرت مولانا ساجد صاحب علامہ سیوطیؒ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے اس کی حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ امور منہییات سے بچنے کے لئے محض فقدان صلاحیت ہی کافی ہے مزید برآں کسی اور صلاحیت کی ضرورت نہیں ہے اس کے برخلاف اوامر کی بجاآوری کے لئے نفس صلاحیت کے علاوہ مزید ایک اور طاقت کی حاجت ہے یعنی علی الفعل اور فاعلہ للفعل،اس لئے امرتکم کے ساتھ استطعتم کی قید لگائی گئی اور نہیتکم کے ساتھ نہیں لگائی گئی [۲]

رجال حدیث:۔

علامہ حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں ابو عبداللہ نام کے ۲۴ محدثین گنائے ہیں یہاں کون مراد ہیں واللہ اعلم [۳]

محمد بن الصباح نام کے دو محدث ہیں ایک کے والد کا نام سفیان الجرجری ہے یہ راوی صدوق ہیں طبقات محدثین میں دسویں طبقے میں ان کا شمار ہوتا ہے ان کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی اس نام کے دوسرے محدث محمد بن الصباح الدولابی ابو جعفر البغدادی ہیں ثقہ اور حافظ ہیں انکا شمار بھی دسویں طبقے میں ہوتا ہے [۴]

---

[۱] احیاء العلوم جلد ۱ ص ۱۶ بحوالہ کشف الحاجہ ۳۶۔ [۲] کشف الحاجہ ص ۲۳۔ [۳] تقریب التہذیب ص ۳۰۳۔ [۴] تقریب ص ۲۲۲

جریر نام کے حافظ نے نومحدث شمار کرایا ہے یہاں کون ساجریر مراد ہے واللہ اعلم ۔[1]

(۳) حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ ثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ وَوَکِیْعٌ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی، اور جس شخص نے میری نافرمانی کی اس نے (حقیقت میں) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

تشریح حدیث:۔

حدیث پاک کا مقصد یہ ہے کہ میں منجانب اللہ مبلغ بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں وارسلناك للناس رسولا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میری سنت کی اتباع پر موقوف ہے جو شخص میری سنتوں کی پیروی کرتا ہے اور اس کے مطابق اپنی نشست وبرخاست اور لیل ونہار گذارتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں میری سنت کو ملحوظ رکھتا ہے تو ایسا شخص فی الواقع اللہ تعالیٰ کا مطیع اور حقیقی معنیٰ میں فرماں بردار ہے اور جس نے میری سنتوں سے اغماض بصر کیا، میرے طریقے سے روگردانی کی، میرے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی میں نہیں لایا اور میری نافرمانی کی، اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔[2]

بخاری شریف کی ایک روایت میں عصانی کی تشریح بہت وضاحت کے ساتھ آئی ہے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كل امتى يدخلون الجنة الا من أبىٰ.قالوا من يأبىٰ قال من اطاعنى دخل الجنة ومن عصانى فقد ابىٰ [3]۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی مگر ہاں جس نے انکار کیا، حضرات صحابہ کرامؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ کس نے انکار کیا، آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائیگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا، اس حدیث پاک سے فرمودات رسول سے اعراض کرنے والوں کا انجام بھی معلوم ہوا، شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری علامہ طیبی کا قول اس حدیث کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ اگر امت سے مراد امت دعوت ہے تو عدم دخول جنت سے عدم دخول دائمی ہوگا کیونکہ کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اگر امت سے امت اجابت مراد لیں تو عدم دخول جنت سے مراد دخول اولی ہوگا یعنی مومنین میں سے جس

---

[1] تقریب ص ۴۲۔ [2] کشف الحاجہ ۲ [3] ۳۶ بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۸۱۔

نے سنت سے اعراض کیا اور شریعت کے حکم کے مطابق اپنی زندگی نہیں گذاری وہ اپنے اعمال سیئہ کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہوگا ابن الملک نے کہا اگر امت اجابت مراد ہو تو حدیث پاک میں مستثنیٰ منقطع ہوگا اور اگر امت دعوت مراد ہو تو مستثنیٰ متصل ہوگا۔

یہ حدیث بھی قرآنی آیت سے ماخوذ ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع الله ومن تولى بعد ذالك فما أرسلناك عليهم حفيظا۔ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی تو ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر نگہبان نہیں بنایا ہے کہ وہ زبردستی لوگوں کو منوائیں اور عمل کروائیں وماأنت عليهم بمصيطر آپ ان لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ آپ زبردستی منوائیں آپ کا کام صرف لوگوں کو احکام خداوندی بتا دینا ہے عمل کرنا نہ کرنا ان کا کام ہے آپ پریشان مت ہوئیے۔ آیت مبارکہ میں صرف ایجابی پہلو کو زیر بحث لیا گیا ہے مگر حدیث پاک میں ایجابی اور عدمی دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مقصود ان تمام آیات اور احادیث سے صرف اور صرف یہ ہے کہ رسالت بالکل محقق ہو چکی ہے جو میرا کہنا مانیگا وہی اللہ کا مطیع اور فرماں بردار بندہ ہے اور جو میرا مطیع نہیں ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی سرکش ہوگا۔

رجال حدیث:۔

ابو بکر بن شیبہ کے متعلق گفتگو ابھی دو حدیث قبل گذر چکی ہے،

حافظ نے تقریب میں ابو معاویہ نام کے چھ محدث شمار کرائے ہیں مگر کون سا معاویہ مراد ہے، واللہ اعلم [۲]

وکیع نام کے تین راوی ہیں مگر یہاں کون سا وکیع مراد ہیں واللہ اعلم [۳]

(٤) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ ثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ اِبْنُ عُمَرَ اِذَا سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثاً لَمْ يَعْدُهُ وَلَمْ يَقْصُرْ دُوْنَهُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو جعفرؒ سے مروی ہے کہ ابن عمرؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتے تھے تو اس کے اندر نہ تجاوز کرتے تھے اور نہ ہی کوتاہی کرتے تھے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۲۱۷ [۲] تقریب ص ۳۱۴ [۳] تقریب ۲۷۱۔

سے کوئی حدیث سنتے تھے، آپ کا کوئی حکم، کوئی طریقہ کوئی اسوہ حسنہ سامنے آتا تھا تو اس پر بلا افراط و تفریط
میانہ روی کے ساتھ عمل کرتے تھے نہ اس میں افراط اور غلو سے کام لیتے اور نہ ہی تفریط کرتے تھے جو شریعت
میں مذموم ہے (یا أهل الكتاب لا تغلوا في دينكم ۔اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو مت کرو) ہر
حدیث پاک میں جو بات جس انداز میں ہوتی تھی اس پر اس طرح عمل کرتے تھے نہ اس میں زیادتی کرتے تھے
اور نہ ہی کمی کرتے، سنت رسول پر عمل کرنے کے اس درجہ عاشق تھے، کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی
درخت کے نیچے آرام فرمایا ہے تو ابن عمرؓ کا جب اس درخت کے پاس سے گذر ہوتا تھا تو اس کے نیچے آرام
فرماتے تھے کہ رسول اللہ نے اس کے نیچے آرام فرمایا، اس لئے آرام کر رہا ہوں۔ اگر آپؐ کسی جگہ بول و براز
کے لئے بیٹھے تو ابن عمرؓ بھی اتباع رسول میں وہاں بیٹھتے اگرچہ حاجت نہ ہوتی تھی چنانچہ اس قسم کی روایت ابن
عمر کی اتباع سنت کے متعلق مسند احمد اور بزار میں موجود ہے [1]

دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ابن عمر حضور اکرم ﷺ سے کوئی قرآنی آیت کی تفسیر سنتے تھے تو
اسکی تبلیغ واشاعت میں تجاوز نہ کرتے تھے کہ اپنی طرف سے کوئی قول آمیزش کردیں اور نہ اس میں کمی کرتے تھے
کہ جتنا سنا اس سے کم بیان کردیں، بلکہ جس طرح سنتے تھے اسی طرح من وعن بیان کرتے تھے [2]

رجال حدیث:۔

محمد بن عبد اللہ بن نمیر الہمدانی الکوفی، کنیت ابو عبد الرحمان ہے ثقہ حافظ فاضل ہیں دسویں طبقات میں
سے ہیں وفات [3] ۲۳۴ھ میں ہوئی [4] زکریا بن عدی الحبطی بعض نے کہا زکریا بن حکیم ضعیف راوی ہیں ساتویں
طبقات میں سے ہیں [5] عبد اللہ بن مبارک المروزی بنی حنظلہ کے غلام تھے ان کی ثقاہت وفقاہت دونوں مسلم ہیں
آٹھویں درجے کے راوی ہیں [6] محمد بن سوقہ الغنوی کنیت ابو بکر الکوفی ہے عبادت گذار اور ثقہ راوی ہیں پانچویں
درجہ کے رواۃ میں شمار ہوتا ہے [7] ابو جعفر نام کے تقریباً چودہ راوی ہیں مگر یہاں کون جعفر ہیں واللہ اعلم [8] ابن
عمر، ان کا نام عبد اللہ ہے حضرت عمر خلیفہ دوم کے لڑکے ہیں۔

(۵) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ الدِّمَشْقِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى بْنِ سُمَيْعٍ
حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَفْطَسُ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْجُرَشِيِّ
عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَقْرَ وَنَتَخَوَّفُهُ فَقَالَ اَلْفَقْرَ تَخَافُونَ وَالَّذِي
نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُصَبَّنَّ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا صَبًّا حَتّٰى لَا يُزِيغَ قَلْبَ أَحَدِكُمْ إِزَاغَةً

---

[1] انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ ص ۸۔ [2] مستفاد تقریر مولانا ریاست علی بجنوری [3] تقریب ص ۲۲۵ [4] تقریب ص ۸۲ [5] ۱۴۰
[6] تقریب ص ۲۲۲۔ [7] تقریب ۲۹۲۔

اِلَّا هِيَهٖ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ قَالَ اَبُوْ الدَّرْدَاءِ صَدَقَ وَاللّٰهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَنَا وَاللّٰهِ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم لوگ تنگ دستی کا تذکرہ کر رہے تھے اور فقر و فاقہ سے ہم لوگ ڈر رہے تھے (ہماری اس حالت کو دیکھ کر) آپ نے فرمایا کیا تم فقر و فاقہ سے خوف کر رہے ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے (عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ) تم پر دنیا کی ایسی ریل پیل ہو گی کہ دنیا کے علاوہ کوئی چیز تمہارے قلوب کو مائل نہ کر سکے گی (دنیاوی و مادی منفعت کے بغیر کوئی کام نہ کر سکو گے) خدا کی قسم میں نے تم کو ایک روشن (اسلامی، دینی) ماحول میں چھوڑا کہ جس کے شب و روز یکساں ہیں، (یعنی جس طرح دن کے اجالے میں کوئی ظلم و ستم نہیں ہوتا اسی طرح رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی ظلم نہیں ہوتا سب انسان مامون رہتے ہیں) حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ کہا آپ علیہ السلام نے ہمیں ایسے ماحول میں چھوڑا جس کے رات دن بالکل برابر ہیں۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرام فقر و فاقہ کے متعلق آپس میں تذکرہ کر رہے تھے اور محتاجگی زبوں حالی سے خوف کھا رہے تھے کیوں کہ کاد الفقر ان یکون کفرا فقر و تنگ دستی انسان کو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے اسی لئے حضورؐ فقر و فاقہ سے پناہ بھی مانگتے تھے تو صحابہ کرامؓ آپس میں اس کا تذکرہ کر رہے تھے کہ دریں اثنا حضور انور ﷺ جلوہ گر ہوئے اور ہم لوگوں کی یہ حالت دیکھکر ارشاد فرمایا کیا تم فقر و فاقہ سے ڈر رہے ہو، اور اس کا تذکرہ کر رہے ہو، سو اس سے ڈرنے کے بجائے کثرت مال اور دولت کی ریل پیل سے ڈرنا چاہئے کیوں کہ کثرت مال اور دولت کی افراتفری فقر و فاقہ سے زیادہ مضر اور نقصان دہ ہے چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال[1] ہر امت کے لئے ایک آزمائش تھی اور میری امت کی آزمائش مال کی فراوانی ہے جب دولت کی ریل پیل ہوتی ہے تو انسان دولت کے نشہ میں خدا کو بسا اوقات بھول جاتا ہے اور ذکر الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے دوسروں پر ظلم و زیادتی اور تکبر کرنے لگتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ ہم جیسا کوئی نہیں، اسی لئے قرآن کریم نے اولاد و اموال کو فتنے

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲ ص ۵۷ قدیم نسخہ۔

سے تعبیر کیا ہے انما اموالکم واولادکم فتنة اس لئے تمہیں فقر وفاقہ سے خوف کرنے کے بجائے کثرت مال سے خوف کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ دنیا تم پر ریل پیل ہو جائے گی اور جاہ ومنصب، دولت وثروت سے تم کو اس قدر نوازا جائیگا کہ کوئی زکوٰۃ وصدقات لینے والا نہ رہیگا اموال زکوٰۃ وصدقات لئے پھروگے مگر کوئی لینے کو تیار نہ ہوگا اس وقت تمہارے قلوب کو دنیا کے علاوہ کوئی چیز مائل نہ کرسکے گی، ایک حدیث میں فرمایا گیا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فوالله لا الفقر اخشىٰ عليكم ولكن أخشىٰ عليكم ان تبسط عليكم الدنيا كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها وتهلككم كما اهلكتهم[1]

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بخدا میں تم لوگوں پر فقر کا اندیشہ نہیں کرتا ہوں مگر ہاں میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تمہارے اوپر دنیا بچھادی جاوے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر بچھادی گئی تھی پھر تم اس کے چکر میں پڑ جاؤ جس طرح وہ چکر میں پڑے پھر تم ہلاک کردیئے جاؤ جیسا کہ وہ ہلاک کردیئے گئے۔

الغرض مال کی کثرت بعدرحمت خداوندی کا ذریعہ ہے اور فقر تقرب الٰہی کا باعث ہے دوسری بات یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ یہ فرمانا چاہتے ہوں کہ آج تم فقر سے خوف کررہے ہو مگر بہت جلد وہ زمانہ آنے والا ہے کہ روم وفارس اور ایران کی سلطنت کے اموال تمہارے قدموں تلے ہوں گے اس وقت تمہاری آزمائش کی گھڑی ہوگی اس لئے فقر سے مت ڈرو، دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح کثرت مال اچھی چیز نہیں ہے اسی طرح کثرت فقر بھی اچھی نہیں کادالفقر أن يكون كفراً لہذا تم کو دونوں ہی کی کثرت سے ڈرنا چاہیئے اور تم صرف ایک کی کثرت سے ڈر رہے ہو حضور اکرم ﷺ نے انہیں دوسری چیز کی کثرت کی جانب توجہ دلادی جو اول سے زیادہ مضرت رساں تھی[2]

وأيم الله لقد تركتكم اس جملہ کا ماقبل سے تعلق یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی روشن تعلیمات سے مال کی کثرت فقر کی کثرت اور ان دونوں کے فوائد ونقصانات سے متعلق تمام احکامات کی وضاحت کردی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے ایسی روشن تعلیمات، ایسے پاکیزہ احکام اور ایسا نمونہ چھوڑا جو زہد وقناعت، فقر وفاقہ اور دولت وثروت پر مشتمل ہے اس میں ہر فرد بشر امیر وغریب، فقیر ومسکین کے لئے ایک عظیم عملی نمونہ ہے اب جو شخص جس حالت میں بھی ہو اس کے احکام، سیرت نبوی اور عہد رسالت سے اخذ کرسکتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۴۰ [2] مصباح الزجاجہ ص ۱۹

علی مثل البیضاء ۔ حضرات محدثین نے اس جملے کی دو تشریح کی ہے ایک یہ کہ لفظ مثل کو زائد تسلیم کیا جاوے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ علیہ السلام نے حضرات صحابہ کرامؓ کے قلوب ایمانی کی مدح وسرائی فرمائی ہے کہ میری پیغمبرانہ تعلیم کی بدولت تمہارے قلوب اس طرح مزکی اور مصفی ہو چکے ہیں کہ اب اس میں کفر و نفاق کی گندگی نہیں آسکتی ہے ایمان اس قدر راسخ ہو چکا ہے مصائب و آلام کے کوہ ہمالیہ اور فرحت و مسرت کے بے قابو لمحات بھی تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتے اب تم رنج و غم خوشی و مسرت کے امتزاج کے وقت بھی اللہ ہی کے مطیع اور فرماں بردار ہوگے۔ دوسری تشریح یہ کی گئی ہے کہ لفظ مثل زائد نہیں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے قلوب کو اس صاف وشفاف زمین سے تشبیہ دی ہے جو ہر طرح کے نشیب و فراز اور گھاس پھوس سے بالکل صاف ہو کے دن کا اجالا اور رات کی تاریکی بھی اس پر اثرانداز نہ ہو سکے، اور دن ورات برابر چمکتی دمکتی رہے ، صاحب سنن المصطفیٰ لکھتے ہیں کہ ارض بیضاء سے مراد قلوب نہیں ہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے ماننے والی امت کو تشبیہ دی گئی اب مطلب یہ ہوگا کہ دین اسلام کی فطری اور سیدھی سادی تعلیمات پر عمل کرنا اتنا ہی آسان اور سہل ہے جتنا ارض بیضاء پر رات ودن چلنا آسان ہے یہی قول اصح ہے۔ [1]

حدیث کا تعلق باب اتباع السنۃ سے اس طرح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت امیری نہیں بلکہ فقیری ہے اور امت کے لئے عافیت و سلامتی بھی اسی میں ہے کہ اپنے نبی کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لے اور زہد و قناعت کرتے ہوئے کثرت مال سے دور رہے امام ابن ماجہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جب امت اتباع سنت چھوڑ دے گی تو وہ فقر و فاقہ کو حقیر سمجھے گی اور مال کی کثرت کے فتنوں کا شکار ہو جائیگی نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ صاف اور واضح راستہ صرف اتباع سنت ہے جو بھی سنتوں پر عامل ہوگا کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور سنتوں سے انحراف گمراہی کیلئے پیش خیمہ ہے اس لئے امت کو فلاح و بہبودی کے لئے اتباع سنت کرنی چاہئے

هیه کسی چیز کے مل جانے کے بعد مزید طلب کرنا اور دیدے۔ [2]

رجال حدیث:۔

ہشام ابن عمار بنون مصغر السلمی الدمشقی ان کی پہلے زمانے کی مرویات اصح ہیں معروف خیاط سے ان کا سماع ثابت ہے مگر معروف خیاط ثقہ راوی نہیں ہیں اور ہشام ابن عمار کے بارے میں حافظ نے صدوق کا لفظ استعمال کیا ہے۔ [3]

---

[1] کشف الحاجۃ ص ۳۹، مصباح الزجاجہ ص ۱۹ انجاح الحاجہ حاشیہ بر ابن ماجہ، [2] مصباح الزجاجہ ص ۲۰۔ [3] تقریب ص ۲۶۷۔

محمد بن عیسیٰ بن سمیع یہ نویں طبقے کے راوی ہیں حدیث بیان کرتے ہوئے غلطی کر جاتے تھے اور تدلیس بھی کرتے تھے۔ ۱

ابراہیم بن سلیمان افطس دمشقی ثقہ راوی ہیں مگر یہ ارسال کرتے تھے آٹھویں طبقے کے راوی ہیں ۲ ولید بن عبدالجرشی ثقہ راوی ہیں۔ ۳ جبیر بن نفیر ثقہ اور جلیل القدر راوی ہیں آٹھویں درجے میں ان کا شمار ہے ۴ ابو درداء کنیت ہے نام عویمر بن زید ابن قیس الانصاری ہے بعض نے ان کا نام عامر بتلایا ہے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے کنیت ہی سے مشہور ہیں ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی رسول ہیں۔ ۵

(٦) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْصُوْرِيْنَ لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت معاویہ بن قرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ نصرت الٰہی سے موید موجود رہے گی کہ جو ان کو ذلیل سمجھتے ہیں وہ قیامت تک انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے،

تشریح حدیث:۔

نبی کریم ﷺ کی امت میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت اس روئے زمین پر رہے گی جنھیں سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کے نتیجے میں تائید ایزدی حاصل رہے گی اور نصرت خداوندی اس کے ساتھ ہر وقت شامل حال رہے گی اتباع سنت خلوص وللّٰہیت اور غیبی مدد کی وجہ سے ان کی شان یہ ہوگی کہ ان سے اعراض کرنے والے اور جماعت حقہ کے مخالفین ان کو ہر طرح سے ایذاء رسانی کی کوشش کریں گے مگر اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے لاکھ حربہ استعمال کریں مگر قیامت تک انہیں گزند نہیں پہنچا سکے گے انھیں صفحہ ہستی سے مٹا نہیں سکیں گے۔

لاتزال طائفة: طائفة میں جو تنوین ہے اس میں مختلف احتمالات ہیں (۱) تنوین برائے تقلیل ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نصرت خداوندی سے موید لوگ بہت کم ہونگے شِرْذِمَةٌ قَلِيْلَةٌ کا حقیقی مصداق ہوں گے (۲) تنوین برائے تعظیم ہو اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ جماعت نہایت عظیم المرتبت عالی ہمت اور انتہائی اعلیٰ ارفع مراتب پر متمکن ہوگی اس کی شان ہی بالکل انوکھی اور نرالی ہوگی

۱ تقریب ص ۲۳۱ ۲ تقریب ص ۱۳ ۳ تقریب ص ۱۷ ۴ تقریب ص ۴۱ ۵ تقریب ص ۲۰۰۔

(۳) تنوین برائے تکثیر ہو اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ جماعت عدد کے اعتبار سے اگرچہ کم نظر آئے گی مگر کیفیت کے اعتبار سے بہت ہوں گے ان میں سے ایک آدمی عام لوگوں میں سے ہزار آدمی پر بھی بھاری ہوگا بڑی بڑی قومیں اور زبردست طاقتیں بھی ان کے سامنے ٹک نہ سکیں گی۔

احتمالات ثلاثہ میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینے کے بجائے بیک وقت تینوں معنی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے، اور جب تینوں احتمالات کو لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ نہایت قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود دنیاوی اور اخروی دونوں اعتبار سے باعظمت اور عالی المرتبت کے مالک ہوں گے کہ ہزاروں انسان بھی ان کا مقابلہ کسی طرح نہ کر سکیں گے ا۔

طائفہ کے مصداق میں شراح حدیث کے اقوال:۔

طائفہ کا مصداق متعین کرنے مین محدثین کی مختلف رائیں ہین علامہ شبیر احمد عثانی فرماتے ہیں کہ ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کا محمل و مصداق متعین کیا ہے چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس طائفہ سے مراد اہل علم ہیں ۲ امام ترمذی علیہ الرحمہ علی ابن مدینی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اہل حدیث ہیں ۳ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ان لم یکونوا أهل الحديث فلا أدری من هم ۴ قاضی عیاض المالکی امام احمد بن حنبل کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں انما أراد احمد أهل السنة والجماعة ومن يعتقد مذهب أهل الحديث ۵ امام نووی فرماتے ہیں کہ طائفہ سے مراد ممکن ہے کہ مومنین کے مختلف گروہ ہوں جو اپنی اپنی جگہ اللہ کے قوانین کو نافذ کر رہے ہیں ان کا ایک مقام میں ہونا ضروری نہیں، دنیا کے مختلف گوشے اور مختلف خطے میں یہ جماعت ہو سکتی ہے خواہ فقیہ ہوں یا محدث غازی ہوں یا مجتہدین سب ہی اس طائفہ کے مصداق ہیں۔۶ علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اس کے مصداق مجاہدین فی سبیل اللہ ہین وجہ اسکی یہ ہے کہ حدیث کے دوسرے طرق میں يقاتلون على الحق کی وضاحت ہے ۷ امام ابن ماجہ نے باب اتباع السنۃ میں یہ حدیث درج کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ طائفہ سے مراد متبعین سنت ہیں، خواہ کوئی بھی جماعت ہو ۸ علامہ سیوطی نے امام بخاری کے قول کی توثیق کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ اہل علم سے مراد مجتہدین ہیں ۹

طائفہ کے متعلق لفظی اختلاف:۔

امام قرطبی نے کہا ہے کہ طائفہ کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے، مزید انہوں نے کہا کہ انسانوں کی جماعت پر ہوتا ہے امام جوہری ابن عباس کا قول نقل کرتے ہیں کہ طائفہ کا اطلاق ایک اور اس سے زائد پر ہوتا ہے

---

۱ کشف الحاجہ ص ۴۰ مصباح الزجاجہ ص ۲۱ ۲ بخاری شریف ج ۲، ۱۰۸۷ ۳ بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۸۷ کا حاشیہ ۴ مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۴۳ ۵ مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۴۳ ۶ انجاح الحاجہ بر ابن ماجہ ص ۲ مسلم شریف جلد ۲، ۱۴۳ ۷ فیض الباری جلد ۱ ص ۱۷۱ ۸ مصباح الزجاجہ ص ۲۲ ۹ کشف الحاجہ ص ۳۰

مجاہد سے منقول ہے کہ طائفہ کا مصداق ایک ہزار ہے امام اسحٰق ابن راہویہ فرماتے ہیں کہ طائفہ کا اطلاق مادون الالف پر ہوتا ہے [۱]

حتیٰ تقوم الساعة

سوال:۔ یہ حدیث بظاہر اس حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے کہ جس میں فرمایا گیا لا تقوم الساعة الا علیٰ اشرار الخلق کہ جب قیامت برپا ہو گی تو اس وقت صرف برے ہی لوگ ہوں گے اور اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ قیام ساعت تک اس جماعت کو نصرت خداوندی اور تائید ایزدی حاصل رہے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جماعت صالحین اسوقت تک باقی رہے گی یہاں تک کہ قرب قیامت میں ایک آندھی چلے گی جس سے تمام مومنین کی روح قبض کر لی جائے گی پھر اس کے بعد اشرار قسم کے لوگ رہ جائیں گے اور ان پر قیامت برپا ہوگی بعض حضرات نے قیام ساعت سے مراد طائفہ منصورہ کی ذاتی موت لی ہے کیونکہ جو شخص مر جاتا ہے اس پر قیامت آجاتی ہے من مات و قعت علیه القيامة [۲]

اس کی تائید بخاری وغیرہ کی ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں حتی یاتی امر الله کا لفظ آیا ہے۔

رجال حدیث:۔

محمد بن بشار بن عثمان البصری ثقہ راوی ہیں دسویں طبقات میں سے ہیں [۳]

محمد بن جعفر نام کے دو راوی ہیں (۱) محمد بن جعفر بن زبیر بن العوام (۲) محمد بن جعفر بن زیاد الورکانی ہیں دونوں ثقہ ہیں [۴]

شعبہ نام کے تین راوی ہیں ایک شعبہ بن حجاج، الورد العتکی، ثقہ حافظ اور متقن ہیں امیر المومنین فی الحدیث تھے دوسرے شعبہ بن دینار الکوفی ہیں ان کے بارے میں لا بأس به استعمال کیا گیا ہے تیسرے شعبہ بن دینار الہاشمی ہیں ان کا قوت حافظہ ٹھیک نہیں تھا اس لئے صرف صدوق کا لفظ بولا گیا [۵]

معاویہ بن قرۃ بن ایاس بن ہلال المزنی ابوایاس ثقہ ہیں تیسرے درجہ کے راوی ہیں [۶]

(۷) حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ ثَنَا اَبُوْ عَلْقَمَةَ نَصْرُبْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ عُمَيْرِبْنِ الْاَسْوَدِ وَكَثِيْرِبْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِىْ قَوَّامَةٌ عَلىٰ اَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهَا مَنْ خَالَفَهَا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بیشک اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہر وقت

---

[۱] انجاح الحاجہ بر حاشیہ ابن ماجہ ص ۲ [۲] مستفاد من حاشیہ علی ابن ماجہ ص ۲ [۳] تقریب ص ۴۱۶ [۴] تقریب ص ۴۱۶ [۵] تقریب ص ۱۰۹ [۶] تقریب ص ۲۴۹

ایک ایسی جماعت باقی رہے گی جو اللہ کے احکام پر قائم رہے گی مخالفین ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

تشریح حدیث:۔

(جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیث شریف میں وہی مضمون بیان فرمایا جو اس سے پہلے والی حدیث میں مذکور ہے کہ رہتی دنیا تک ایک جماعت ایسی ہوگی جو قوانین ربانی اور احکام خداوندی کے پیروکار ہوگی اور اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام کو نافذ کرے گی اور اسکے لئے ہر طرح سے قربانیاں پیش کرے گی لوگ اس کی ایذارسانی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے مگر یہ ان کی کوشش کارگر نہ ہوگی بلکہ خود خائب وخاسر اوندھے منہ گریں گے اور اللہ سر بلندی، کامیابی، سرخروئی آخر انجام میں اسی جماعت کو دیگا اور اس جماعت کی تین خصوصیات ہوں گی۔

اول تفقه فی الدین دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرے گی اور علوم اسلامیہ مسائل شرعیہ میں گہرائی وگیرائی حاصل کرے گی۔

دوم قتال عن الحق اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے دشمن اسلام سے قتال کرے گی۔

سوم تسلسل تاریخ یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لیکر آج تک اس کی مکمل تاریخ موجود ہوگی اسکا پورا نسب نامہ موجود ہوگا)۔۔۔۔۔ لہٰذا بعض غیر مقلدین اس حدیث کو لیکر آنکھ میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں جو درست نہیں ہے کیونکہ غیر مقلدین کی پیدائش ہندو پاک میں ۱۲۴۶ھ میں ہوئی اس سے قبل ہندو پاک میں اس فرقہ کا نام ونشان تک بھی نہیں تھا اور امام احمد بن حنبل نے طائفہ کا جو مصداق اہل حدیث قرار دیا اس سے مراد اہل حدیث بالرائے ہے اس زمانہ میں دو الگ الگ اصطلاح رائج تھی اول اصحاب الحدیث یا اہل حدیث اور اس سے مراد وہ لوگ ہوتے تھے جو حدیث کے حفظ وفہم اور اس کی اتباع وپیروی کے نیک جذبات سے سرشار ہوں اور اصحاب الحدیث اہل حدیث کا جو معنیٰ غیر مقلدین کی طرف سے سمجھا اور سمجھایا جارہا ہے کہ ترک تقلید ہے سو فیصد غلط ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ الحنبلی لکھتے ہیں:۔

ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين علىٰ سماعه او كتابته او روايته بل نعني بهم كل من كان احق ومعرفته و فهمه ظاهرا وباطنا و اتباعه ظاهراً و باطنا و كذلك اهل القرآن[1]

ہم اہل حدیث سے صرف وہی لوگ مراد نہیں لیتے ہیں جو محض اس کو سننے یا لکھنے یا روایت کرنے والے ہیں بلکہ ہم اہل حدیث سے ہر وہ شخص مراد لیتے ہیں جو اس کے حفظ ومعرفت کا اہل ولائق اور اسکے ظاہر وباطن کو سمجھنے والا اور اسکے باطن وظاہر پر عمل کرنے والا ہو یہی معنیٰ اہل قرآن کے بھی ہیں۔

علامہ حافظ محمد ابن ابراہیم الوزیر المتوفی ۸۴۰ھ تحریر فرماتے ہیں کہ:

---

[1] نقض المنطق ص ۱۸ اطبع القاہرہ ۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء۔ بحوالہ طائفہ طائفہ منصورہ ص ۵۲

إذمن المعلوم أن أهل الحديث اسم لمن عني به وا نقطع في طلبه (الى أن قال) فهو لاء هم أهل الحديث من أيّ مذهب كانوا (الى ان قال) وقد نكرائمة الحديث ما يقتضي ذلك فانهم مجمعون علىٰ ان ابا عبد الله الحاكم بن البيع من ائمة الحديث مع معرفتهم انه من الشيعة[1]

کیونکہ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اہل حدیث ہر اس شخص کا نام ہے جس نے تحصیل حدیث کا اہتمام کیا اور اس کی طلب میں یکسو ہو گیا (پھر فرمایا) پس یہ حضرات اہل حدیث ہیں جس مذہب سے بھی اس کا تعلق ہو (پھر فرمایا) خود ائمہ حدیث کے بیان سے اسکا ثبوت ملتا ہے کیونکہ وہ اس امر پر متفق ہیں کہ امام حاکم ائمہ حدیث میں سے ہیں حالانکہ محدثین جانتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے۔

ان تفصیلات سے یہ بات آشکارہ ہو گئی کہ ہر وہ شخص اصحاب الحدیث اور اہل حدیث ہے جس نے تحصیل اور طلب حدیث کا اہتمام کیا ہو اور اسکے حصول کے لئے سعی اور کوشش کی ہو خواہ وہ حنفی ہو یا مالکی یا شافعی یا حنبلی حتیٰ کے شیعہ ہی کیوں نہ ہو وہ بھی اہل حدیث میں داخل ہیں نہایت تعجب خیز بات ہے کہ غیر مقلدین نے یہ کیونکر سمجھ لیا ہے کہ اہل حدیث اور ترک تقلید دونوں مترادف ہیں جس کے لئے وہ تقریراً تحریراً اساراز ور صرف کرتے ہیں اور جہاں بھی لفظ اہل حدیث آتا ہے اپنے اوپر منطبق کر کے پھولے نہیں سماتے اور اپنی کڑی بلا وجہ ان حضرات سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے میں کہوں گا کہ جتنے کالے سب جامن نہیں ہوتے ہیں بلکہ بعض بینگی بھی ہوتی ہیں لہٰذا مارے گھٹنا پھوٹے سر کی طرح خواہ مخواہ اپنے اوپر فٹ نہ کیجئے۔ والله الموفق وهو المستعان

رجال حدیث:۔

۔یحیٰ بن حمزة بن واقد الحضرمی ابو عبد الرحمٰن الدمشقی ثقہ ہیں ان کا تعلق آٹھویں طبقہ سے ہے [2]

حافظ نے ابو علقمہ نام کے چار راوی شمار کرائے ہیں مگر ابو علقمہ نصر بن علقمہ کا تذکرہ نہیں کیا [3]

عمیر بن الاسود یہ عمرو بن اسود ہیں باب عمر کے تحت حافظ نے ثقہ قرار دیا ہے [4]

کثیر بن مرة الحضرمی الحمصی صحابہ میں سے ہیں [5]

(۸) حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ ثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا الْجَرَّاحُ بْنُ مَلِيْحٍ ثَنَا بَكْرُ بْنُ زُرْعَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاعِنَبَةَ الْخَوْلَانِيَّ وَكَانَ قَدْ صَلَّى الْقِبْلَتَيْنِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

---

[1] طائفہ منصورہ ص ۵۳ [2] تقریب ۲۷۴ [3] تقریب ۳۰۷ [4] تقریب ۱۹۳ [5] تقریب ۲۱۲

وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَايَزَالُ اللّٰهُ يَغْرِسُ فِيْ هٰذَاالدِّيْنِ غَرْساً لِيَسْتَعْمِلَهُمْ فِيْ طَاعَتِهٖ

ترجمہ حدیث:۔

بکر بن زرعہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعنبۃ الخولانی کو فرماتے ہوئے سنا (جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی) کہ وہ فرمارہے تھے کہ میں نے اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی ہمیشہ اس دین اسلام میں پودا لگاتا رہیگا پودہ لگانا، جس کو وہ اپنی طاعت میں استعمال کریگا،

تشریح حدیث:۔

ابوعنبہ خولانیؓ قدیم الاسلام صحابی رسول ہیں تحویل قبلہ سے قبل ہی مشرف باسلام ہوگئے تھے اسی لئے انہوں نے بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں طرف نماز پڑھی ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کا قول نقل کرتے ہیں کہ (اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی مسلسل اس دین میں پودا لگاتا رہیگا اور اور نخلستان اسلام کی آبیاری کرتا رہیگا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ہر زمانے میں دین کے خدام پیدا فرماتا رہیگا اور جب وہ مرجائیں گے تو دوسرے کو پیدا فرمائیگا اور یہ سلسلہ الی یوم القیامہ جاری رہیگا جس طرح ایک باغ باں ایک پیڑ لگاتا ہے تو اس کے ختم ہوجانے کے بعد دوسرا پیڑ لگاتا ہے اسی طرح اللہ تعالی اس دین کی حفاظت کے لئے خادم پیدا کرتا رہتا ہے جب مرجاتا ہے تو پھر دوسرا خادم اس کی جگہ پیدا فرماتا ہے،)

دوسری توجیہ اس کی یہ بھی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالی ہر صدی میں ایک مجدد کو پیدا فرماتا ہے اور جب وہ مرجاتا ہے تو پھر ایک صدی کے بعد دوسرا مجدد پیدا فرماتا ہے جو دین کو نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور ہر طرح کے رسوم و بدعات سے دین کو پاک کرتا ہے اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے چنانچہ مشکوۃ شریف میں ہے۔

إن الله عزوجل يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجددلها دينها رواه ابوداؤد[1]

بیشک اللہ بھیجتا ہے اس امت میں ہر سو سال کے شروع میں ایسے آدمی کو جو اس کے دین کو (بدعات و خرافات اور رسم رواج سے) پاک کرتا ہے اس حدیث شریف کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

ان المراد بمن يجدد ليس شخصاً واحدابل المراد به جماعة[2] بیشک مجدد سے مراد صرف فرد واحد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایک جماعت ہے۔

الغرض یہ بھی معنی مراد لے سکتے ہیں، اسی احتمال کی جانب مولانا ساجد صاحب نے بھی کشف الحاجہ میں اشارہ کیا ہے[3]

اب رہی یہ بات کہ اس حدیث شریف کو امام ابن ماجہ نے باب اتباع السنة کے تحت کیوں ذکر کیا،

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۳۶ [2] مرقات جلد ۱ ص ۳۰۲۔ [3] کشف الحاجہ ص ۱۴۔

اس کا باب سے کیا تعلق ہے؟ اس کے بارے میں مولانا اسعد قاسم سنبھلی رقمطراز ہیں کہ ۔۔۔ مذکورہ حدیث کو امام ابن ماجہ نے باب اتباع السنۃ کے تحت اسلئے ذکر کیا کہ اطاعت باری تعالی مشروط اور اسکی ادائیگی کے لئے اتباع سنت لازمی شرط ہے اور کوئی بھی جماعت اللہ کی اطاعت کا فریضہ جب ہی انجام دے سکے گی جب وہ اتباع سنت اور اطاعت رسول کی تمام منازل طے کر چکی ہو آیات قرآنی، قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی، من یطع الرسول فقد اطاع الله، وماآتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا وغیرہ آیات اسکی حکمت پر صریح دلالت کر رہی ہیں نیز نبی اکرم ﷺ نے خود اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله۔

لہٰذا اس بات پر تمام متقدمین ومتاخرین فقہاء اور محدثین ومفسرین علماء حق متفق ہیں، کہ اطاعت خداوندی کے لئے اتباع سنت اولین شرط ہے اور اس کے بغیر اطاعت خداوندی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا تو اللہ تعالی اس جماعت کو اتباع کی توفیق مرحمت فرما کر اپنی اطاعت میں استعمال فرمائیں گے۔[۱]

محمد سے محبت سے دین حق کی شرط اول — اسی میں ہو اگر خالی تو سب کچھ نامکمل ہے

رجال حدیث:۔

جراح بن ملیح نام کے دو راوی ہیں دونوں صدوق ہیں اور آٹھویں طبقے میں سے ہیں [۲] بکر بن زرعہ خولانی شامی مقبول راوی ہیں پانچویں طبقے کے ہیں ان کا نام بعض نے ابو عنبہ خولانی بعض نے عبداللہ بعض نے عمار لکھا ہے ایک جماعت نے صحبت رسول کا انکار کیا ہے اور کبار تابعین میں داخل کیا ہے۔[۳] امام ابن ماجہ نے ان سے صرف یہی روایت کی ہے۔

(۹) حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِبْنِ كَاسِبٍ ثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ نَافِعٍ ثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ اَرْطَاةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ مُعَاوِيَةُ خَطِيْباً فَقَالَ اَيْنَ عُلَمَاءُ كُمْ اَيْنَ عُلَمَاءُ كُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلَّا وَطَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرُوْنَ عَلَى النَّاسِ لَايُبَالُوْنَ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ نَصَرَهُمْ.

ترجمہ حدیث:۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ خطبہ دینے کے واسطے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہاں ہیں تمہارے علماء کہاں ہیں تمہارے علماء، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی مگر اس حال میں کہ میری امت میں سے ایک جماعت لوگوں پر غالب رہے گی

[۱] ماخوذ از مصباح الزجاجہ ص ۲۳ [۲] تقریب ص ۴۲ [۳] تقریب ۳۶۔

اور یہ جماعت ان لوگوں کی پروا نہ کرے گی جو انہیں ذلیل سمجھتے ہیں اور نہ ان لوگوں کی پروا کرے گی۔ جو ان کی مدد کرتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔

أین علماء کم این علماء کم، تمہارے علماء کہاں ہیں کدھر ہیں تمہارے علماء جو میری اس بات کی تصدیق کریں جو آگے بیان کرنے جارہا ہوں۔ ظاهرون علی الناس الخ دلائل و براہین کے میدان میں ہمیشہ یہ جماعت اپنے مخالفین پر غالب رہے گی علامہ ابن حجر عسقلانی کی رائے یہ کہ ظاهرون علی الناس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ مشہور معروف ہوں گے پوشیدہ نہ ہوں گے، لایبالون من خذلهم۔یعنی جو لوگ ان کی مدد و نصرت ترک کردیں گے اس کی قطعا پروا نہ کریں گے، بلکہ اپنے مخالفین و معاندین سے بے نیاز ہوں گے۔

رجال حدیث:۔

یعقوب بن حمید بن کاسب المدنی نزیل مکہ۔صدوق راوی ہیں بسااوقات وہم ہو جاتا تھا[1] حجاج بن ارطاۃ بن ثور بن ہبیرۃ النخعی صدوق ہیں بہت زیادہ غلطی اور تدلیس کیا کرتے تھے ساتویں طبقے میں ان کا شمار ہوتا ہے[2] عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص صدوق راوی ہیں پانچویں طبقے میں ان کا شمار ہوتا ہے[3] معاویہ بن الحکم السلمی اور معاویہ بن حیدۃ بن معاویہ بن کعب القشیری دونوں صحابی رسول ہیں[4]

(۱۰) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ بَشِيْرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ عَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہر وقت ایک جماعت حق پر قائم رہے گی جن کی مدد کی جائے گی مخالفین و معاندین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے تاآں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم نہ آجائے۔

تشریح حدیث:۔

حتی یأتی امر الله عز وجل امام قرطبی نے کہا کہ حتی یأتی امر الله سے مراد قیام ساعت ہے اسکی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، امام نووی اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حتی یاتی امر

---

[1] تقریب ۳۸۳ [2] تقریب ص ۵۰ [3] تقریب ص ۱۹۴ [4] تقریب ۳۴۹۔

اللہ سے مراد وہ ہوا ہے جو قیامت کے قریب چلے گی جس سے تمام مومنین کی روح پرواز کر جائے گی اس وقت پوری زمین مسلمانوں سے خالی ہو جائے گی رہی وہ حدیث جس میں تقوم الساعة کا لفظ آیا ہے اس کی تاویل یہ ہوگی کہ تقوم الساعة سے مراد وہ علامت اور نشانیاں ہیں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گی۔ پھر دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہ رہے گا۔ [1]

رجال حدیث:۔

محمد بن شعیب بن شابور الاموی صدوق ہیں نویں طبقے کے راوی ہیں [2]

سعید بن بشیر نام کے دو راوی ہیں سعید بن بشیر الازدی ضعیف راوی ہیں اور سعید بن بشیر الانصاری مجہول الحال ہیں [3] قتادہ نام کے فن حدیث میں تین راوی آتے ہیں اول قتادہ بن دعامۃ بن السدوسی، ثقہ راوی ہیں دوم قتادہ بن فضیل بن قتادہ الجرشی متبول راوی ہیں، سوم قتادہ بن نعمان بن زید بن عامر الانصاری صحابی رسولؐ ہیں بدر میں شہید ہوئے ہیں [4] ابو اسماء الرحبی کنیت ہے نام عمرو بن مرثد ہے بعض نے عبداللہ نام بتایا ثقہ راوی ہیں تیسرے طبقہ کے ہیں۔ الرحبی رحبہ کوفہ میں ایک گاؤں ہے اسکی جانب منسوب ہے [5] ثوبان نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں اور صحابی رسولؐ ہیں اس کے بعد آپ شام تشریف لے گئے تھے [6]

(۱۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعِيْدٍ ثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ قَالَ سَمِعْتُ مُجَالِداً يَذْكُرُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِي ﷺ فَخَطَّ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَسَارِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ فِي الْخَطِّ الْاَوْسَطِ فَقَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثم تَلَاهٰذِهِ الآيَةَ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک لکیر کھینچی پھر دو لکیریں اپنے دائیں جانب اور دو لکیریں اپنے بائیں جانب کھینچی پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ درمیان والے خط پر رکھا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی وان هذا صراطي مستقيما الخ بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسکی اتباع کرو اور مختلف راستوں کی اتباع مت کرو ورنہ وہ تمہیں میرے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

---

[1] استفادہ حسن حاشیہ ابن ماجہ [2] تقریب ص ۲۲۲ [3] تقریب ص ۹۰ [4] تقریب ص ۲۰۸ [5] تقریب ص ۱۹۲ [6] تقریب ۴۰

تشریح حدیث:۔

فخط خطين عن يمينه الخ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو صراط مستقیم کے مفہوم کو سمجھانے کے لئے اولاً ایک سیدھی لکیر کھینچی اس کے بعد دو لکیریں دائیں جانب اور دو لکیریں بائیں جانب کھینچیں اور درمیان والی لکیر پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا کہ یہی صراط مستقیم ہے اور یہی معتدل شاہراہ ہے اور دائیں بائیں جانب کی لکیروں سے افراط و تفریط و غلو کی وضاحت فرمائی، آپ ﷺ کی تعلیمات و عقائد، اخلاق و اعمال اور اوامر و نواہی ایک واضح اور معتدل دین ہے نہ ان میں افراط ہے اور نہ ہی تفریط بلکہ معتدل دین ہے اسی لئے اس دین اسلام کے ماننے والوں کو امت وسط کے لقب سے قرآن نے ذکر کیا، وكذلك جعلنكم امة وسطا تو حدیث شریف میں بطور مثال خط وسط کھینچ کر صراط مستقیم کی وضاحت فرمائی گئی ہے اور دائیں بائیں لکیریں کھینچ کر افراط و تفریط کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس جماعت اور جس امت میں افراط و تفریط پیدا ہو جائے تو اسکے لئے راہ راست پر رہنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے جیساکہ جبریہ نے افراط سے کام لیکر مسئلہ قدر میں غلو کیا تو بندہ کو مجبور محض قرار دے دیا، قدریہ نے اس میں غلو کیا تو بندہ کو قادر مطلق قرار دیدیا اور مسئلہ قدر کا انکار کر بیٹھے، الغرض جتنے بھی فرقے رونما ہوئے اسی افراط و تفریط کا نتیجہ ہے لہٰذا صحیح روش وہی ہے جو اتباع سنت کی ہے ملا قاری شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں۔

وفيه اشارة إلى أن سبيل الله وسط ليس فيه تفريط ولا افراط بل فيه التوحيد والاستقامة ومراعاة الجانبين فى الجادة و سبل اهل البدع مائلة الى الجوانب وفيها تقصير و غلو وميل وانحراف وتعدد واختلاف كالقدرية والجبرية والخوارج والروافض والمعطلة والمشبهة[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہی معتدل ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ اس میں توحید و استقامت ہے اور اس راہ میں دونوں پہلو کی رعایت ہے اور اس کے برخلاف اہل بدعت کا راستہ مختلف جانب مائل ہے جس میں افراط و تفریط میل کجی اور متعدد اختلافات ہیں جیسے قدریہ، جبریہ، خوارج، روافض، معطلہ اور مشبہ فرقے شامل ہیں۔

ولا تتبعوا السبل الخ صراط مستقیم اور سنت والی راہ کو چھوڑ کر شیاطین کی ڈگر پر مت چلو کیونکہ شیطان کی راہ شرک و بدعت، رسوم و خرافات اور دیگر خرابیوں پر مشتمل ہوتی ہے جو انسان کو ہلاکت و بربادی کے غار میں لا گراتی ہے اس لئے صراط مستقیم کو اپنانا چاہئے اور سنت والی راہ پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے جو

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۲۴۴ وانظر التفصيل الى التعليق الصبيح لكاندهلوى ص جلد ۱ ص ۱۲۸ و شرح السنة جلد ۱ ص ۱۹۶

آدمی کو کامیابی وکامرانی کے اوج ثریا پر پہنچاتی ہے۔

صراط مستقیم پہچاننے کی کسوٹی:۔

اب سوال یہ ہے کہ ہر جماعت اور ہر فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم جس دین پر قائم ہیں وہی صراط مستقیم ہے تو صحیح معنی میں صراط مستقیم پہچاننے کا کیا طریقہ ہے اور شریعت نے اس کے لئے کیا معیار متعین کیا ہے جس سے ہم پہچان سکیں کہ یہی حقیقت میں صراط مستقیم ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صراط مستقیم پہچاننے کی کسوٹی اور معیار خود سرکار دو جہاں ﷺ نے متعین فرمادیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور وہ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے صحابہ نے سوال کیا وہ کون سا فرقہ خوش قسمت ہے یارسول اللہ، آپ نے فرمایا ما انا علیہ و اصحابی[1] جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلے گی وہ جماعت جنت میں جائے گی جس نے میری سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا اور بدعت سے دور رہا اور اعتقاد و عمل دونوں درست ہیں وہی ناجی ہیں باقی سب ناری ہیں، لہٰذا جو جماعت اس معیار پر اترے گی وہ ناجی ہوگی چاہے جو بھی ہو۔

ایک دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں اختلاف امتی رحمۃ، میری امت کا اختلاف رحمت ہے اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف کوئی بری چیز نہیں ہے جبکہ و اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقو ا اسی طرح ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم، ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف وافتراق شرعاً ممنوع اور رحمت خداوندی سے دوری کا باعث ہے اس تعارض کو دفع کرتے ہوئے حضرت مفتی شفیع صاحب دیوبندی ثم الپاکستانی لکھتے ہیں۔

وہ اختلاف جس کو قرآن میں عذاب الٰہی اور رحمت خداوندی سے محروم فرمایا گیا ہے وہ ہے جو اصول و عقائد میں ہو یا نفسانی اغراض وہویٰ کی وجہ سے ہو، اس میں وہ اختلاف رائے داخل نہیں جو قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصول اجتہاد کے ماتحت فروعی مسائل میں فقہاء امت کے اندر قرن اول سے صحابہ و تابعین میں ہوتا چلا آرہا ہے جس میں فریقین کی حجت قرآن وسنت اور اجماع ہے اور ہر ایک کی نیت قرآن و سنت کے احکام کی تعمیل ہے (الیٰ قولہ) ایسے ہی اختلاف کو ایک حدیث میں رحمت فرمایا گیا ہے جامع صغیر بحوالہ نصر مقدسی وبیہقی وامام الحرمین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ[2]

---

[1] ترمذی قدیم نسخہ جلد ۲ ص ۸۹ [2] تفصیل دیکھئے معارف القرآن جلد ۳ ص ۹۰،۹۱،۹۲ نیز ص ۳۶۳

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہے مخالفت، دوسرا ہے اختلاف، قرآنی آیات میں مخالفت تنازع، رسہ کشی کو ممنوع قرار دیا گیا اور حدیث میں اختلاف کو مشروع بلکہ محمود قرار دیا گیا ہے مخالفت و تنازع میں نفس کا دخل ہوتا ہے اس لئے ممنوع ہے اور اختلاف میں نفس کا دخل نہیں ہوتا ہے اسی لئے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب اتباع السنہ کے تحت کیوں ذکر فرمایا؟ باب سے حدیث بالا کی کیا مناسبت ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ مصنف نے اس باب کے تحت اس حدیث کو اس لئے ذکر فرمایا کہ اتباع سنت ہی صراط مستقیم اور معتدل شاہراہ ہے اور وہی جماعت اس خط وسط پر گامزن رہ سکتی ہے جو سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو اور جو جماعت سنت نبوی کو تھامے ہوئے ہو وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتی ہے تو باب اور حدیث میں گہرا ربط موجود ہے۔

رجال حدیث:۔

ابو سعید کنیت ہے عبداللہ بن سعید بن حصین الکندی ہے کندہ کی جانب منسوب ہے ثقہ راوی ہیں [1]

ابو خالد الاحمر کنیت ہے ان کا نام سلیمان بن حیان الازدی ہے صدوق راوی تھے مگر غلطی بھی کرتے تھے [2]

حافظ نے مجالد نام کے تین راوی شمار کرائے ہیں مگر اس جگہ کون مجالد مراد ہے واللہ اعلم [3]

جابر بن عبداللہ ابن عمرو بن حرام الانصاری ایک جلیل القدر صحابی ہیں انیس غزوات میں شریک رہے [4]

---

[1] تقریب ص ۱۳۱ [2] تقریب ص ۹۹ [3] تقریب ۲۲۰ [4] تقریب ص ۴۰۔

(۲) بَابُ تَعْظِيْمِ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰه ﷺ

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اتباع سنت کے بعد تعظیم حدیث کا باب اس لئے باندھا کہ جب آدمی رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کریگا اس پر عمل پیرا ہوگا تو اس کے لئے لازم اور ضروری ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کے اقوال وافعال، تقریرات و تحریرات اور ان تمام چیزوں کو محبوب سمجھے اور انکی تعظیم کرے جن کو آقاء نے پسند کیا ہے کیونکہ آپ کا ہر قول وفعل وحی الٰہی ہے وما ينطق عن الهوىٰ إن هو الا وحي يوحى ۔ گفتہ او گفتہ اللہ بود، گرچہ از حلقوم عبداللہ بود، جس طرح قرآن کریم وحی الٰہی ہے اسی طرح حدیث بھی وحی الٰہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث رسول وحی غیر متلو ہے مضامین دونوں کے منجانب اللہ ہیں، لہٰذا قرآن کریم کی تعظیم جس طرح ایک مسلمان کے لئے جزو ایمان ہے اسی طرح حدیث کی تعظیم بھی لازم اور ضروری ہے اور حدیث رسول کی تعظیم نہ کرنے والے کی ملامت اور لعن طعن کی جائے گی۔ اور اس سے معارضہ کرنے والے کی تعزیر کی جائے گی۔ امام ابن ماجہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ تعظیم وتکریم حدیث شریف کی ضروری ہے اتباع سنت صرف اعضاء جوارح سے عمل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے اسکی تعظیم بھی ضروری ہے ورنہ یہ عمل کہ لسان وقلب میں موافقت نہ ہو اعضاء تو عمل کئے جارہے ہیں مگر دل میں اسکی تعظیم وتوقیر نہیں ہے تو وہ عمل عنداللہ مقبول نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کی منافقت ہے اس لئے امام نے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ سنت پر عمل کرنے جارہے ہو اور آپ کی سنت پر عمل کرنے کے متعلق حدیثیں بھی آچکی ہیں مگر یاد رکھنا یہ صرف ظاہری عمل نہ ہو بلکہ دل سے اسکا ادب واحترام بھی کرنا ورنہ تمہارا یہ عمل رائیگاں ہو جائے گا۔

(۱۲) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ ثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ حَدَّثَنِىْ الْحَسَنُ بْنُ جَابِرٍ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ الْكِنْدِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يُوْشِكُ الرَّجُلُ مُتَّكِئاً عَلٰى اَرِيكَتِهِ يُحَدِّثُ بِحَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِىْ فَيَقُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاه وَمَاوَجَدْنَا فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاه اَلاَ وَاِنَّ مَاحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِثْلُ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت مقدام بن معد یکرب ؓ کندی سے روایت ہے کہ بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ آدمی اپنے آراستہ و پیراستہ تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا اور میری حدیث میں سے کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو وہ کہیگا کہ ہمارے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے جس چیز کو ہم نے اس کے اندر حلال پایا اس کو حلال سمجھا اور جس چیز کو ہم نے اس میں حرام پایا اس کو حرام سمجھا، (حضور ﷺ نے فرمایا) خبردار، جس چیز کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ ایسے ہی حرام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہو۔

تشریح حدیث:۔

یہ حدیث غزوہ خیبر کے موقعہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی اور یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا، اس میں بعض لوگوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو زمینیں قبضے میں نہیں آئی ہیں ان کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں، یا نہیں؟ تو اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ایک تقریر کی اور اس میں فرمایا کہ بہت جلد مستقبل قریب میں ایک زمانہ آنے والا ہے کہ کچھ عیش پرست، دنیا کے طالب، جاہ و منصب کے حریص اپنی عیش پرستی اور جاہ و منصب کے نشے میں مست و مگن ہو کر اپنے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوں گے اور ان کے سامنے میری حدیث پیش کی جائے گی تو یہ کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے سامنے اللہ کی کتاب قرآن کریم موجود ہے اس کے بعد ہمیں کسی اور کتاب، حدیث وغیرہ کی ضرورت نہیں، ہم جو کچھ اس میں حلال پائیں گے اس کو حلال سمجھیں گے اور جو کچھ اس میں حرام پائیں گے صرف اسی کو حرام قرار دیں گے حدیث ہمارے لے حجت نہیں، رسول کا قول و فعل ہمارے لئے دلیل شرعی نہیں ہمارے لئے کتاب اللہ کافی اور وافی ہے اللہ کے رسول نے اس بھیانک فتنے سے صحابہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا، خبردار خبردار، آگاہ رہو، میں نے جو کچھ حرام قرار دیا اور میری حدیث پاک سے جس چیز کی حرمت ثابت ہے وہ ویسی ہی حرام ہے جیسے کہ کتاب اللہ کا حرام کردہ حرام ہے اس لئے سن لو میری حدیث سے اعراض مت کرنا اس سے روگردانی مت کرنا کیوں کہ حدیث بھی قرآن کی طرح منزل من اللہ ہے اسی کےلئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قرآن دیا گیا اور ساتھ ہی اس جیسی ایک اور چیز دی گئی، اور وہ حدیث ہی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

حجیت حدیث:۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری شارح مشکوۃ لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ احادیث رسول سے اعراض کرنا اس سے روگردانی کرنا اس سے ثابت شدہ احکام پر عمل نہ کرنا اس۔ کے ساتھ معارضہ کرنا اسکی حجیت کا انکار کرنا در حقیقت قرآن کریم کی آیت کا انکار ہے اس لئے کہ آپ وہی بات بتاتے تھے جو

آپ پر وحی کی جاتی تھی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے تھے قرآن حکیم کی شہادت کے مطابق آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام اقوال خواہ از قبیل اوامر ہوں یا نواہی سب کا ماخذ وحی الٰہی ہی ہے خواہ وہ وحی متلو اور جلی ہو یا وحی غیر متلو م اور خفی ہو چنانچہ ارشاد ربانی ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ۔دوسری جگہ ارشاد ہے قل ما یکون لی ان ابد له من تلقائی نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔ تیسری جگہ ارشاد ہے ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا۔ چوتھی جگہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔ ان آیات و بینات سے معلوم ہوا کہ حدیث رسول اور آپ کے ارشادات و فرمودات پر عمل کرنا مثل قرآن واجب ہے۔

والمعنیٰ لا یجوز الا عراض عن حدیثه علیه الصلاة والسلام لان المعرض عنه معرض عن القرآن قال تعالیٰ وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھلکم عنه فانتھوا وقال تعالیٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ واخرج الدارمی عن یحییٰ بن کثیر قال کان جبریل ینزل بالسنة کما ینزل بالقرآن[1]

اور مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کی حدیث سے اعراض جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے اعراض کرنا حقیقت میں قرآن سے روگردانی کرنا ہے اللہ تعالی نے فرمایا کہ جو کچھ تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ نیز فرمایا کہ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا ہے جو بھی کہتا ہے وحی الٰہی کے مطابق کہتا ہے اور یحییٰ بن کثیر سے امام دارمی نے نقل کیا ہے کہ جبریلؑ سنت لیکر اسی طرح نازل ہوتے تھے جس طرح قرآن لیکر آتے تھے۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ احادیث رسول میں غور و خوض کرنے سے تین طرح کی حدیثیں سامنے آتی ہیں اول وہ احادیث جن میں بعینہ وہی حکم ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے دوم وہ احادیث مبارکہ جن میں کسی مجمل کی تفسیر یا کسی مبہم کی ایضاح ہوتی ہے ان دونوں قسموں میں آپ کی اطاعت کا کوئی خاص معنی نہیں ہوتا ہے کیونکہ احادیث میں یہ احکام نہ بھی ہوتے جب بھی قرآن کریم میں مذکور ہونے کی وجہ سے عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور وہ احکام واجب الاطاعت ہوتے، اور اطیعو اللہ کے تحت درج ہوتے، سوم وہ احادیث پاک ہیں جن میں وجوب و مندوب اور حلت و حرمت کے ایسے احکام مذکور ہیں جن کے بیان سے قرآن ساکت ہے تو ایسے ہی احکام کے واجب الاطاعت ہونے کے لئے قرآن نے اطیعو الرسول کا حکم دیا اگر یہ قسم ثالث واجب الاتباع نہ ہو تو پھر خاص اطاعت رسول کا کوئی مصداق ہی نہیں نکلتا۔ پس معلوم یہ ہوا کہ اطیعوا الله واطیعواالرسول کی پوری آیت پر عمل اس وقت ممکن ہے جب تینوں قسم کے احکام پر عمل

[1] مرقات شرح مشکوۃ ج ا ص ۲۳۶۔

کیا جائے لہذا احدیث سے الگ ہو کر قرآن پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے [1]

امام ابن ماجہ نے اس جگہ اس حدیث کو لا کر خوارج اور اصحاب ظاہر یہ کی تردید کی ہے جو قرآن کے ظاہری نصوص کو لے کر حدیث سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سب کچھ قرآن ہی کو سمجھ لیا جس کے نتیجہ میں وہ گمراہی کے ایسے غار میں جاگرے جہاں سے نکلنا انھیں مشکل ہو گیا ملا علی قاری امام خطابی کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔

قال الخطابی ذکره رداعلی ماذهب الیه الخوارج واصحاب الظواهر فانهم تعلقوا بظواهر القرآن وترکو السنة التی تضمنت بیان القرآن فتحیروا وضلوا [2] امام خطابی نے کہا کہ اسکا یہاں ذکر کرنا ان لوگوں پر رد کے لئے ہے جو اس کے قائل ہیں خوارج اور اصحاب ظواہر میں سے چنانچہ یہ لوگ قرآن کی ظاہری نصوص سے چمٹ گئے اور اس سنت کو بالائے طاق رکھدیا جس کا ثبوت قرآن کریم کے بیان سے ہوتا ہے پس یہ لوگ حیران اور گمراہ ہوئے۔

ان ہی نصوص اور تشدیدات اور تغلیظات کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ حدیث کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور اپنی رائے اور قیاس کو مرجوح قرار دیتے تھے اگرچہ قوی ہی کیوں نہ ہو اور آنے والی نسل کے لئے امام صاحب یہ فرما کر چلے گئے اذا صح الحدیث فهومذهبی جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

نشأ من غضب عظیم علی من ترک السنة والعمل والحدیث استغناء بالکتاب فکیف بمن رجح الرأی علی الحدیث کذاذکره الطیبی ولذا رجح الامام الاعظم الحدیث ولوضعیفا علی الرأی ولوقویا [3]

آپ کا یہ ارشاد اس شخص کے لئے نہایت ہی غضب وغصہ میں صادر ہوا جو کتاب سے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے سنت اور عمل بالحدیث کو چھوڑتا ہے پس اس شخص کا کیا حال ہو گا جو حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دیتا ہے جیسا کہ امام طیبی نے ذکر کیا اسی وجہ سے امام اعظم ابو حنیفہ حدیث کو راجح قرار دیتے تھے اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اپنی رائے اور قیاس پر اگرچہ قوی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ان ہی باتوں کا حکم دیتے تھے جو قرآن کریم سے سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپؐ کے قلب اطہر پر نازل فرماتے تھے اپنی طرف سے کوئی بات ہر گز نہ فرماتے تھے۔

قال الشافعی کل ماحکم به رسول الله صلی الله علیه وسلم فهومما فهمه من القرآن الکریم الی ان قال جمیع ماتقوله الائمة شرح للسنة وجمیع السنة شرح للقرآن وقال مانزل

---

[1] اعلام الموقعین بحوالہ حاشیہ ترجمان السنہ ص ۱۲۵ مستفاد کشف الحاجہ ص ۳۱ [2] مرقات شرح مشکوۃ جلد ۱، ۲۲۷ [3] مرقات جلد ۱ ص ۲۲۷

باحد من الدین نازلۃ إلا وھی فی کتاب اللہ تعالی [۱]
امام شافعی نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فیصلہ یا حکم صادر فرمایا وہ وہی ہے جو قرآن سے سمجھا (پھر فرمایا) وہ تمام مسائل جنہ ائمہ کرام بیان کرتے ہیں وہ حقیقت میں سنت کی تفسیر ہے اور پوری سنت قرآن کی تفسیر ہے اور نیز فرمایا کہ دین کا کوئی احکام نازل نہ ہوے مگر وہ قرآن میں موجود ہیں۔

الغرض ان تمام تفصیلات وتشریحات سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث رسول سے ثابت شدہ احکام پر عمل کرنا اسی طرح واجب اور ضروری ہے جس طرح قرآن کریم سے ثابت ہونے والے احکام پر عمل واجب اور لازم ہے حدیث و قرآن کے درمیان تباین کی نسبت سمجھنا سوائے حماقت کے اور کچھ نہیں ایسے ہی لوگ حدیث سے دست بردار ہو کر دنیاو آخرت کے خسارے اور رسوائی کو مول لیتے ہیں اللہ تعالی ہماری حفاظت فرمائے۔ (امین)

رجال حدیث

زید بن الحباب نام ہے ابو الحسین کنیت ہے خراسان وکوفہ میں مقیم رہے اگرچہ اصلا خرسان کے تھے یہ صدوق ہیں مگر سفیان ثوریؒ سے حدیث نقل کرنے میں غلطی کرتے تھے [۲] معاویہ ابن صالح نام کے دو راوی ہیں ایک معاویہ ابن صالح بن مدیر الحضرمی ہیں جو اندلس کے قاضی تھے یہ صدوق روای ہیں ان کو وہم کی بیماری تھی ساتویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں دوسرے معاویہ بن صالح بن ابی عبید اللہ الاشعری ہیں دمشق کے باشندے تھے صدوق راوی ہیں [۳]

الحسن بن جابر اللخمی شہر کندہ سے تعلق رکھتے تھے مقبول راوی ہیں ان کا شمار تیسرے درجہ کے راویوں میں ہوتا ہے [۴] مقدام بن معدیکرب بن عمرو الکندی مشہور ومعروف صحابی ہیں بعد میں شام چلے گئے تھے ۸۷ھ میں وفات ہوئی اکیانوے سال کی عمر پائی۔ [۵]

(۱۳) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فِيْ بَيْتِهٖ أَنَا سَأَلْتُهُ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ ثُمَّ مَرَّ فِي الْحَدِيْثِ قَالَ أَوْزَيْدِبْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِاللهِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئاً عَلَى أَرِيكَتِهٖ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِمَّا أَمَرْتُ بِهٖ أَوْنَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَا أَدْرِي مَاوَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللهِ إِتَّبَعْنَاهُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

---

[۱] مرقات شرح مشکوۃ جلد اص ۳۴۰ـ [۲] تقریب ص ۸۵ـ [۳] تقریب ص ۲۴۹ [۴] تقریب ص ۵۳ـ [۵] تقریب ۲۵۳

تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ تم مزین و مرصع تخت شاہی پر ٹیک لگائے بیٹھے ہو (اور پھر) اس کے پاس آئے وہ بات جس کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں منع کیا، پس وہ کہے کہ میں نہیں جانتا، جن باتوں کو ہم نے کتاب اللہ میں پایا، اس کی پیروی کی،

تشریح حدیث:۔

قوله لا ألفين ۔الفيت الشئ سے ماخوذ ہے آخر میں نون موکد ہے اور یہ جملہ لا اجدن کے معنی میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں تم لوگوں کو اس حالت میں دیکھنا ہرگز نہیں چاہتا ہوں اس میں مبالغہ مقصود ہے جس طرح فرمان باری ہے۔ لا تموتن إلا وانتم مسلمون ۔اس کا مطلب یہ ہے دین اسلام پر اس طرح مضبوطی سے قائم ودائم رہو کہ تمہاری موت بھی اسلام اور ایمان کی حالت میں آئے اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ اور پوری امت کو متنبہ فرمایا کہ حدیث سے معارضہ ومجادلہ مت کرنا بلکہ جو بھی میرا فرمان تمہارے سامنے آئے اس کو بلا چوں وچرا مان لینا اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردینا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تم صرف کتاب اللہ پر بھروسہ کر بیٹھو اور اس کے علاوہ میری حدیث کو پس پشت ڈالدو۔ بلکہ احترام حدیث پر قائم رہو بقیہ اس حدیث کی تفصیل سابق حدیث میں گذر چکی ہے وہاں مراجعت کرلی جائے۔

قَالَ أَوْزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ۔اس سے مقصود راوی کے شک کو بیان کرنا ہے کہ راوی نے سالم ابو نصر سے معلوم کیا ہے یا زید ابن اسلم سے

رجال حدیث:۔

نصر بن علی بن صهبان جهضمی ثقہ راوی ہیں ساتویں طبقے میں ان کا شمار ہوتا ہے [۱] سفیان ابن عیینہ بن ابی عمران، کنیت ابو محمد ہے اولا کوفہ میں مقیم تھے پھر مکہ تشریف لے گئے آپ نہایت ثقہ راوی ہیں آپ کا شمار فقیہ امام اور حجت میں کیا جاتا ہے مگر آخری عمر میں قوت حافظہ میں ضعف آگیا تھا بسا اوقات یہ ثقہ راویوں سے تدلیس بھی کرتے تھے، [۲] سالم ابن ابی نضر یہ امیہ کے لڑکے ہیں [۳]۔ زید بن اسلم العدوی اصلاً کوفہ کے باشندے تھے پھر مقام رہا میں اقامت پزیر ہوگئے تھے ثقہ راوی ہیں چھٹے طبقے کے ہیں [۴] عبد اللہ بن ابی رافع نام کے دو راوی ہیں اور دونوں ثقہ ہیں ایک حضرمی ہیں دوسرے مخزومی ہیں، عبد اللہ ابی رافع مخزومی تیسرے طبقے کے ہیں اور عبد اللہ بن رافع الحضرمی چوتھے طبقے کے ہیں [۵]

(١٤) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ مُحَمَّدُبْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ

---

[۱] تقریب ص ۳۶۱ [۲] تقریب ص ۹۶ [۳] تقریب ص ۸۷ [۴] تقریب ص ۸۴ [۵] تقریب ص ۱۲۸

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

تشریح حدیث:۔

من احدث فی أمرنا هذا: اس حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ نے بدعت اور احداث فی الدین کی قباحت اور شناعت بیان فرمائی ہے جب دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اسکے تمام اوامر و نواہی، احکام و قوانین اور تمام اعمال صالحہ مکمل ہو چکے پھر اس کے بعد دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا بدعت اور قابل رد ہے (احداث سے کیا مراد ہے؟ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ مرقات کے اندر قاضی کا قول نقل کیا ہے کہ احداث سے مراد وہ رائے اور قیاس ہے جو نہ کتاب اللہ میں ہو نہ ہی سنت رسول ﷺ میں ہو اور نہ ہی ان سے متخرج و مستنبط ہو تو وہ نا قابل قبول ہے علماء نے لکھا ہے کہ ایسے احداث کی تردید واجب ہے۔)

قال القاضی المعنی من احدث فی الاسلام رأیاً لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر اوخفی ملفوظ اومستنبط فهو مردود علیه وقیل فی وصف الا مربهذا اشارة الی ان أمرالاسلام کمل وانتهی وشاع وظهر (الی ان قال) فمن حاول الزیادة فقد حاول امراغیر مرضی الخ[1]

قاضی نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ جس نے دین اسلام میں ایسی رائے کو شامل کیا جو کتاب و سنت سے ظاہراً باطناً ملفوظاً مستنبط نہ ہو تو وہ مردود ہے اور کہا گیا کہ امر کو اس کے ساتھ متصف کرنے میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ احکام اسلام مکمل، شائع اور ظاہر ہو چکے (پھر کہا) پس جس نے اس کے بعد زیادتی کی کوشش کی اس نے ناپسندیدہ امر کی کوشش کی ہے۔

(حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ احداث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کتاب و سنت اور اثر و اجماع کے خلاف ہوں اور لاریب ایسا احداث قابل مذمت اور مردود ہے لیکن اگر کسی نے اچھی چیز کو ایجاد کیا مثلاً مدرسہ بنوالیا، مسافر خانے بنوائے تو یہ فعل مذموم نہیں بلکہ محمود ہے حدیث میں بھی محمود قرار دیا گیا من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها[2] اس مضمون کی جانب مخالف کو دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا

---

[1] مرقات جلد ۱، ۲۱۵ [2] نظر باختلاف الالفاظ ابن ماجہ جلد ۱ ص ۱۸۔

ہے ومن سن سنة سيئة فعمل بها كان عليه وزرها ووزر من عمل بها لا ينقص اومن زاهم شيئاً[۱] ملا علی قاری حضرت امام شافعی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال الشافعي رحمه الله ماأحدث ممايخالف الكتاب اوالسنة اوالا ثر اوالاجماع فهو ضلالة وما احدث من الخير مما لا يخالف شيئاً فليس بمذموم[۲]

حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اثر یا اجماع کے خلاف جو چیز ایجاد کی گئی وہ گمراہی ہے اور جو چیز خیر میں سے ایجاد کی گئی جو کسی کے مخالف نہیں وہ مذموم نہیں۔

(الغرض ان تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرنا اور اس پر ثواب سمجھ کر عمل کرنا جو عہد نبوت اور مشہود لہا بالخیر کے دور میں نہ ہو وہ مذموم ہے اس کی پوری تفصیل باب اجتناب البدع والجدل میں انشاء اللہ آئے گی یہاں بس اتنا سمجھ لیجئے کہ دین میں کسی ایسے امر کا ایجاد کرنا جس کی اجازت اللہ یا رسولؐ نے نہ دی ہو وہ مذموم ہے کیونکہ یہ شخص پس پردہ اس بات کا مدعی ہے کہ رسول جس دین کو لیکر آئے وہ مکمل نہیں اس کے احکام و مسائل اور اعمال کامل نہیں ہیں جو ایک خطرناک گناہ ہے[۳])

اب رہا یہ سوال کہ حدیث کا باب سے کیا تعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف کا باب سے اس طرح تعلق ہے کہ حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ دیکھو میں نے جو کچھ فرمادیا اور جو کتاب و سنت یا اس کے موافق پاؤ تو اسی پر عمل کرو اسی کی تعظیم کرو اسکے خلاف قیاس آرائی سے کام مت لو اگر شریعت کے خلاف کوئی کام کروگے اور اسے دین میں داخل کرنے کی کوشش کروگے تو مقبول نہ ہوگا بلکہ اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔

رجال حدیث:۔

محمد بن عثمان بن خالد اموی عثمانی آپ کی کنیت ابو مروان ہے اولاً آپ مدینہ منورہ کے باشندے تھے پھر بعد میں مکہ میں قیام پذیر ہوگئے یہ صدوق راوی ہیں[۴]

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن ابن عوف الزہری کنیت ابو اسحٰق ہے آپ مدینہ منورہ کے باشندے تھے بعد میں بغداد تشریف لے گئے ثقہ راوی ہیں[۵]

القاسم بن محمد نام کے متعدد رواۃ ہیں حافظ نے تقریب میں پانچ اسماء شمار کرائے ہیں[۶]

(۱٤) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ

---

[۱] ابن ماجہ ص ۱۸ [۲] مرقات جلد ۱ ص ۲۱۶ [۳] اس حدیث کی تفصیل دیکھئے راہ سنت ص ۷۲ تا ۷۷ فتح الباری جلد ۵ ص ۳۲۱ السراج المنیر جلد ۳ ص ۳۲۰، شرح القاصد جلد ۲ ص ۲۷۱۔ [۴] تقریب ص ۲۲۸ [۵] تقریب ص ۱۳ [۶] تقریب ص ۲۰۸

عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَمْنَعُوْا اَمَةَ اللهِ أَنْ يُصَلِّيْنَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ ابْنٌ لَهُ اِنَّا لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ فَغَضِبَ غَضَباً شَدِيْداً وَقَالَ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَتَقُوْلُ اِنَّا لَنَمْنَعُهُنَّ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے مت روکو اس پر ان کے لڑکے نے کہا میں تو ضرور روکوں گا راوی کا کہنا ہے اس پر عبداللہ بن عمر سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ میں رسول اللہ کی حدیث تجھ سے بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے میں ضرور منع کروں گا تو (یہ جرأت کیسی؟)

تشریح حدیث:۔

لا تمنعوا اماء الله ان يصلين في المسجد عبداللہ ابن عمر نے حضور کی حدیث بیان فرمائی کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو اس پر ان لڑکے بلال نے کہا ہم تو ضرور منع کریں گے تو عبداللہ غضب وغصہ سے بھڑک اٹھے اور فرمانے لگے کہ میں تمہارے سامنے اللہ کے رسول کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس کی مخالفت کرتے ہو کہ ہم ضرور منع کریں گے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ خدا کے رسول کے ارشاد کے سامنے تم اپنا سر خم کر دیتے مگر تم نہایت دلیری سے کہتے ہو ضرور منع کریں گے اس سے باز آجاؤ اور عورتوں کو جانے کی اجازت دیدو۔

اس حدیث اور اس جیسی چند حدیثیں اور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکا نہیں جائے گا بلکہ انہیں کھلے عام اجازت دیدی جائے گی اب ذیل میں ان حدیثوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ جن سے عورتوں کے لئے مسجدوں میں جاکر نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

عن سالم بن عبد الله عن ابيه النبي ﷺ قال اذاستا ذنت امرأة احدكم فلا يمنعها [1]

سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی عورت تم سے (مسجد جانے کی) اجازت طلب کرے تو اسے مت روکو

لا تمنعوا نساء كم المساجد [2]

اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ منع کرو

لا تمنعوا اماء الله مساجد الله وليخرجن تفلا ت [3]

[1] بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۲۰ مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۸۳ [2] ابوداؤد شریف جلد ۱ ص ۸۴ [3] مسند امام احمد جلد ۵ ص ۱۹۲ جامع المسانید والسنن لابن کثیر جلد ۴ ص ۵۴۱۔

اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو اور انھیں ترک زینت کے ساتھ نکلنا چاہیئے۔

لا تمنعوا النساء حظو ظهن من المساجد اذا استاذنكم[۱]

عورتوں کے حصوں کو مساجد سے نہ روکو جب کہ وہ اجازت طلب کریں۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مسجدوں سے نہیں روکا جائے گا بلکہ انہیں کھلے عام مسجدوں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے گی جیسا کہ عامل بالحدیث کے مدعیان حضرات کہتے پھرتے ہیں۔ مگر اہل علم خوب جانتے ہیں کہ عہد رسالت میں عورتوں کے لئے مسجد میں جانے کی اجازت میں یہ فائدہ مضمر تھا کہ عورتیں مسجد میں حاضر ہو کر نماز پڑھنی سیکھیں اور آنحضرت ﷺ کے افعال اور نقل و حرکت کو دیکھیں اس لئے مردوں کو حکم ہوا کہ مسجد میں آنے سے نہ روکیں نیز وہ زمانہ خیر القرون کا تھا فتنوں کا دور دورہ نہیں تھا اس لئے اجازت تھی مگر آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب فتنے شروع ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا

لوأدرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل[۲]

اگر آپ ان چیزوں کو پالیتے جو آجکل عورتوں نے ایجاد کر رکھی ہیں تو انھیں ضرور مسجدوں سے روک دیا جاتا جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا۔

نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے

عن أم سلمةؓ عَنِ النبي ﷺ أنه قال صلوة المرأة في بيتها خير من صلوتها في حجرتها وصلوتها في حجرتها خير من صلوتها في دارها وصلوتها في داره خير من صلوتها خارج[۳]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی نماز جو اندرونی کمرہ میں ہے وہ بیرونی کمرہ کی نماز سے بہتر ہے اور بیرونی کمرے کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے گھر کے صحن کی نماز گھر سے باہر کی نماز سے بہتر ہے۔

اس کے علاوہ بہت ساری حدیثیں اور ہیں جو صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ عورتوں کے لئے مسجد جانا ممنوع ہے اب سوال یہ پیدا ہوا کہ حدیثیں دونوں طرح کی ہیں تو کس پر عمل کریں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن حدیثوں سے خروج نساء کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں زمانہ خیر پر اور جن حدیثوں سے خروج نساء الی المساجد کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب حالات خراب ہوں فتنہ میں پڑنے کا

[۱] مشکوۃ شریف ص ۹۷ [۲] بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۲۰۔ [۳] کنز العمال جلد ۷ ص ۶۷۶ مسند احمد جلد ۶،۱۷ [۳] رواہ الطبرانی جلد ۲۵ ص ۱۴۸ حدیث ۳۵۶ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۳۳ ابو داؤد جلد ۱ ص ۸۴ مشکوۃ شریف ص ۹۶ ہکذا انظر معجم الکبیر للطبرانی جلد ۹ ص ۲۹۵۔

اندیشہ ہو تو اس صورت میں رد کا جائے گا لہذا دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

سوال اسی روایت کے بعض طرق میں آیا ہے فما کلمه عبد الله حتى مات[1] عبد اللہ کی وفات ہو گئی اور اپنے لڑکے سے بات چیت نہیں کی جب کہ دوسری حدیث میں ہے لا یحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاث لیال۔ کسی مسلمان کے لئے روا نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے پھر عبد اللہ نے حدیث کے خلاف کیوں کیا؟

جواب: عبد اللہ نے خلافِ حدیث عمل نہیں کیا بلکہ الحب فی الله والبغض فی الله پر عمل کیا ہے ابن عبد البر نے فرمایا کہ اگر قطعِ تعلق کسی اسلام کی وجہ سے ہو تو روا ہے ورنہ نہیں اور جو قطع تعلق حرام ہے وہ یہ کہ اس میں نفس کا دخل ہو دنیاوی غرض مقصود ہو۔

رجال حدیث:۔

محمد بن یحیٰی بن عبد اللہ بن خالد بن فارس بن ذوئب الذہلی النیساپوری نہایت قابل قدر راوی ہیں آپ زبردست حافظ حدیث تھے وفات ۲۵۸ھ میں ہوئی[2]

حافظ نے معمر نام کے تقریباً ۱۳ اسماء شمار کرائے ہیں یہاں کون مراد ہے واللہ اعلم اسی طرح سالم نام کے تقریباً ۳۳ راوی ہیں ان میں سے یہاں کون مراد ہے واللہ اعلم

(۱۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمُهَاجِرُ الْمِصْرِيُّ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَبْدَاللهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمَا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَارَسُولَ اللهِ ﷺ إِنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ يَازُبَيْرُ اِسْقِ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجُدُرِ قَالَ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللهِ إِنِّي لَأَحْسَبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذٰلِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً

ترجمہ حدیث:۔

عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن زبیر نے ان سے بیان کیا کہ قبیلہ انصار کے ایک آدمی نے

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۴۹۷۔ [2] تقریب ص ۳۲۷۔

پتھریلے علاقہ کی سنگ ستانی نالیوں کے متعلق حضرت زبیرؓ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھگڑا کیا، (جن سے کھجور کے باغات سیراب کئے جاتے تھے) چنانچہ انصاری نے کہا پانی چھوڑ دو تاکہ بہے حضرت زبیرؓ نے انکار کیا، دونوں کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا آپ ﷺ نے فرمایا زبیر تم پانی سے سیراب کرلو پھر اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑ دو، انصاری صحابی غضب ناک ہو کر بول پڑے کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ کا یہ جانبدارانہ فیصلہ اسی لئے ہے نا؟ کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں (یہ سن کر) آپ کا چہرہ انور بدل گیا پھر فرمایا زبیر تم سیراب کرلو پھر پانی روک لو یہاں تک کہ پانی مینڈھوں تک پہنچ جائے راوی کا کہنا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی فلا وربك لا یومنون قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ وہ لوگ اس وقت تک پکے مومن نہیں ہو سکتے ہیں جب تک کہ اپنے مختلف فیہ مسائل میں آپ سے فیصلہ نہ کرائیں اور پھر اس فیصلہ پر اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کو پوری طرح تسلیم نہ کرلیں۔

تشریح حدیث:۔

ان رجلا من الانصاری یہ انصاری شخص کون تھا اس میں اختلاف ہے چنانچہ ابن ماجہ کے محشی نے لکھا ہے کہ یہ شخص منافق تھا قبیلۂ انصار سے تعلق رکھتا تھا اس لئے حدیث میں رجلا من الانصاری کہہ دیا گیا، اسی کے قائل قاضی بھی ہیں، بعض لوگوں نے لکھا ہے یہ شخص یہودی تھا مگر یہ قول ناقابل التفات ہے بخاری کے محشی نے لکھا ہے کہ یہ آدمی انصاری تھا اور مسلمان تھا غزوہ بدر میں شریک بھی ہوا مگر اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے محشی بخاری نے وضاحت کی ہے کہ یہ منافق تھا [۱]

حافظ ابن حجر نے بڑے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ اسکا بدری ہونا ثابت نہیں ہے [۲]

حافظ نے شارح مشکوٰۃ علامہ تورپشتی کا قول نقل کیا ہے کہ سلف کی یہ عادت نہیں رہی کہ وہ نصرت کے ساتھ منافقت کو متصف کرتے ہوں اس لئے اسے مسلمان ہی شمار کرنا چاہیئے اس کے غصہ کو ایک لغزش تصور کرنا چاہیئے اور یہ بات بعید بھی نہیں ہے اس لئے کہ صحابہ معصوم نہیں ہیں ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے [۳]

فی شراج الحرة شرجة کی جمع ہے ش کے فتح کے ساتھ، پانی بہنے کی نالی، مگر عموماً اس کا اطلاق سنگلاخ خطہ سے نشیبی علاقہ کی طرف بہنے والی نالیوں کو کہتے ہیں جن سے عموماً نشیبی علاقے سیراب کئے جاتے ہیں حرۃ مدینہ منورہ میں ایک مشہور جگہ کا نام ہے شرج الحرۃ اس لئے کہہ دیا گیا کہ چونکہ یہ نالی حرۃ میں واقع تھی [۴]

---

[۱] بخاری شریف جلد ۱ ص ۳۱۷ حاشیہ ۱۲ کذا حاشیہ ابن ماجہ ص ۱۱۔ [۲] فتح الباری جلد ۸ ص ۵۰۔ [۳] فتح الباری جلد ۸ ص ۵۰۔
[۴] فتح الباری جلد ۸ ص ۵۱۔

فغضب الانصاری جب مخاصمہ کی پیشی رسول اللہ ﷺ کے دربار میں ہوئی تو آپ ﷺ نے اولاً حضرت زبیرؓ بن عوام کو حکم دیا کہ ایثار کریں کہ اپنے باغات سیراب کرنے کے بعد اسکے باغات میں بھی پانی جانے دیں مگر انصاری اس فیصلہ پر رضامند ہونے کے بجائے کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ کا جانبدارانہ فیصلہ اس لئے تو ہے تاکہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں یہ سن کر حضور اکرم ﷺ کا چہرہ انور بدل گیا اور آپؐ نے فرمایا زبیر باغات کو سیراب کرو اور اس کا پانی روک لو یہاں تک کہ پانی دیواروں تک پہونچ جائے اب یہاں چند سوالات ہیں۔ اول یہ کہ آپؐ نے یہ فیصلہ انصاری کے خلاف غصہ کی حالت میں صادر فرمایا جب کہ قاضی کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے پھر آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟۔

اس سوال کا جواب امام خطابی نے یہ دیا ہے کہ بحالت غضب جو فیصلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اس کی علت خطا اور غلطی کا ہونا ہے کہ کہیں غصہ کی حالت میں غلط فیصلہ صادر نہ کر دے مگر چونکہ حضور ﷺ اس غلطی سے پاک ہیں اس لئے آپ کا فیصلہ کرنا اس حالت میں بالکل درست ہے۔

قال الخطابی وغیرہ وانما حکم ﷺ علی الانصاری فی حال غضبہ مع نھیہ أن یحکم الحاکم و ھو غضبان لان النھی معلل بما یخاف علی الحاکم من الخطاء وا لغلط والنبی ﷺ مامون لعصمتہ من ذلک حال السخط [۱]

امام خطابی وغیرہ نے فرمایا نبی کریم ﷺ نے انصاری کے خلاف غصہ کی حالت میں فیصلہ صادر کیا باوجود کہ حاکم کے لئے غصہ کی حالت میں فیصلہ صادر کرنا ممنوع ہے اس لئے کہ اس کی علت یہ ہے کہ حاکم کہیں غلط فیصلہ نہ کر دے اور نبی کریم ﷺ اپنی عصمت کی وجہ سے ناراضگی کی حالت میں بھی غلطی سے محفوظ ہیں لہٰذا آپ کا فیصلہ کرنا بھی جائز ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ کو منصب رسالت و نبوت سے قطع نظر ایک قاضی و حاکم کی حیثیت سے دیکھا جائے تو کیا کسی قاضی کے لئے یہ روا ہے کہ ایسا فیصلہ کرے جس سے دوسرے فریق کا حرج کثیر ہو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اصلاً سیرابی کا حق صرف حضرت زبیرؓ ہی کا تھا مگر حضور ﷺ نے شفقت علی الناس کے خیال سے زبیر سے فرمایا کہ اپنا باغ سیراب کرنے کے بعد اس کو سیراب کرنے دو مگر انصاری شخص نے اس کی قدر نہ کی بلکہ الٹا غصہ ہو گیا تو حضور ﷺ نے پورا حق حضرت زبیرؓ کو دے دیا اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت نہیں ہے [۲]

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب اس انصاری شخص نے حضور ﷺ کی شان واجب الاحترام میں گستاخی کی تو

---

[۱] فتح الباری جلد ۸ ص ۴۵۲۔ [۲] مستفاد کشف الحاجہ ص ۵۱۔

پھر حضور اکرم علیہ السلام نے کیوں سزا نہ دی؟ اور کیوں اسکی تعزیز نہیں فرمائی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے لوگوں کی دلداری کی وجہ سے صاحب واقعہ سے کچھ نہیں فرمایا جس طرح بہت سارے منافقین کو آپ نے کوئی تعزیر نہ فرمائی، کیونکہ اگر اسکی تعزیر کی جاتی تو لوگ کہتے کہ دیکھو حضور اپنے اصحاب ہی کی تعزیر کرتے ہیں انہیں بھی سزا دیتے ہیں اس طرح اسلام سے لوگ دور ہو جاتے اس لئے اس مصلحت کی وجہ سے تعزیر نہ فرمائی[1]

اگر اس طرح کے کلمات کوئی آج حضور کیا، شریعت مطہرہ کی شان میں کہہ دے تو علماء نے کہا کہ وہ کافر ہو جائے گا اس پر مرتدین کے احکام جاری کئے جائیں گے اور امام قرطبی فرماتے ہیں اسے زندیق سمجھتے ہوئے قتل کر دیا جائے گا[2]

حدیث پاک میں جس انصاری کا تذکرہ ہے اس کے متعلق صاحب کشف الحاجہ نے متعدد قرائین و قیاس سے ثابت کیا ہے کہ یہ شخص مسلمان تھا اور یہی بات درست بھی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم[3]

حتیٰ یحکموك آیت مبارکہ میں تحکیم سے مراد مقدمہ پیش کرنا ہے حکم اصطلاحی شرعی مراد نہیں ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام تو حکم منجانب اللہ متعین ہیں ہم بنائیں یا نہ بنائیں اسی لئے حضرت تھانویؒ نے اس آیت کا ترجمہ نہایت نرالا کیا ہے کہ پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ انکے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو ان میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ نہ کرائیں الخ اور آپ کی وفات کے بعد باہمی اختلافات و نزاعات کا فیصل قرآن و حدیث اور اس سے مستخرج کئے گئے فقہی مسائل ہیں اس آیت کے شان نزول کے متعلق حاشیہ ابن ماجہ مطالعہ کیجئے۔ نیز فتح الباری ص ۴۵۱ ج ۸ دیکھئے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ حدیث شریف کا باب مذکور سے کیا تعلق اور کیا مناسبت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف اور باب میں گہری مناسبت موجود ہے وہ یہ ہے کہ امام ابن ماجہ اس حدیث کو لا کر بتا رہے ہیں کہ حدیث رسولؐ کے سامنے اور آپکے فیصلے کے خلاف چوں و چرا ہرگز نہ کرنی چاہئے بلکہ رسول خدا علیہ السلام کے فیصلے کو آنکھ بند کر کے تسلیم کرنا چاہئے اور اس کی عظمت دلوں میں بیٹھانی چاہئے ورنہ خلاف کرنے کی صورت میں حضور علیہ السلام کی ناراضگی کا سبب بنے گا جیسا کہ انصاری کے ساتھ ہوا۔

رجال حدیث:۔

محمد بن رمح مصر کے باشندے ہیں ثقہ راوی ہیں ان کا شمار دسویں طبقہ میں ہوتا ہے وفات ۲۴۲ھ میں ہوئی[4] لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن الفہمی کنیت ابوالحارث ثقہ راوی ہیں شعبان ۱۷۵ھ میں وفات ہوئی[5]

---

[1] فتح الباری جلد ۸ ص ۵۳ ۔ [2] فتح الباری جلد ۸ ص ۴۵۳ ۔ [3] کشف الحاجہ ص ۵۲ ۔ [4] تقریب ص ۳۲۰ ۔ [5] تقریب ص ۲۱۳ ۔

شہاب نام کے پانچ راویوں کاذکر حافظ نے تقریب میں کیا ہے لے مگر یہاں کون سے شہاب مراد ہیں واللہ اعلم۔

عروہ بن زبیر بن عوام بن خویلد الاسدی صحابی رسولؐ ہیں حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے لڑکے ہیں ثقہ ہیں دوسرے طبقہ میں ان کا شمار ہوتا ہے ان کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ ۲

عبداللہ بن زبیر بن العوام القرشی الاسدی آغاز اسلام میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے مہاجرین میں آپ کا شمار ہے ۷۳ھ میں وفات ہوئی۔ ۳

(۱۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ ثابت الْجُحْدَرِیُّ وَاَبُوْعُمَرَ وَحَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَا ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِیُّ ثَنَا اَیُّوْبُ عَنْ سَعِیْدِبْنِ جُبَیْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهُ کَانَ جَالِساً اِلیٰ جَنْبِهٖ اِبْنُ اَخٍ لَّهٗ فَخَذَفَ فَنَهَاهُ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهیٰ عَنْهَا وَقَالَ وَاِنَّها لَا تَصِیْدُ صَیْداً وَلَا تَنْکِیْ عَدُوّاً وَاِنَّهَا تَکْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَیْنَ قَالَ فَعَادَابْنُ اَخِیْهِ یَخْذِفُ فَقَالَ اُحَدِّثُكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهیٰ عَنْهَا عُدتَ ثم تَخْذِفُ لَا اُكَلِّمُكَ اَبَداً۔

ترجمہ حدیث:۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مغفل کا بھتیجا ایک مرتبہ ان کے بغل میں بیٹھا ہوا تھا، بھتیجے نے ایک کنکری اٹھا کر پھینکی عبداللہ بن مغفل نے اسے روکا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس (حقیر) سی کنکر سے کوئی شکار نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی دشمن کو زخم پہنچ سکتا ہے البتہ دانت توڑ سکتا ہے آنکھ پھوڑ سکتی ہے سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ اتنے میں پھر دوبارہ ان کے بھتیجا نے کنکری پھینکی تو عبداللہ بن مغفل نے کہا کہ میں تم سے رسول کی حدیث بیان کرتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور تو دوبارہ کنکری پھینکنے لگا میں تجھ سے کبھی نہیں بولوں گا۔

تشریح حدیث:۔

وقال انها لا تصید صیداً

آنحضرت ﷺ نے اس جملے سے کنکری پھینکنے سے روکنے کی یہ حکمت بیان فرمائی اس معمولی کنکری سے نہ تو شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی دشمن کو گزند اور تکلیف پہنچ سکتی ہے ہاں البتہ اس سے یہ نقصان ہوگا

---

۱ تقریب ص ۱۱۰۔ ۲ تقریب ص ۱۷۸۔ ۳ تقریب ص ۱۲۹۔

کہ وہ کسی راہ چلتے ہوئے مسافر کا دانت توڑ دے یا کسی کی آنکھ پھوڑ دے، جس سے بلا وجہ کسی بنی آدم کو ایذا پہنچے کی جو شرعاً روا نہیں ہے اس لئے خود کو لہو ور فضول کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔

لا اکلمك ابداً اس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کسی رجل مومن سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھنا اس سے باتیں نہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ جیساکہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ لا یحل لمسلم ان یهجر أخاه فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض ویعرض هذا [1] پھر عبداللہ بن مغفل نے قسم کیوں کھائی کہ میں تجھ سے کبھی بھی بات نہیں کرونگا؟ اس اشکال کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ حدیث باب اور مسلم شریف کی حدیث مذکور میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق اس وقت حرام اور ناجائز ہے جب اس کا سبب کوئی دنیاوی کدورت وعداوت ہو اور خواہش نفس کا دخل ہو لیکن اگر قطع تعلق کا سبب کوئی دنیاوی عداوت وکدورت نہیں ہے بلکہ امر دینی ہے جیساکہ حدیث باب میں ہے تو ترک تعلق جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے الحب فی الله والبغض فی الله کا صحیح مصداق ہے علماء امت اس امر پر متفق ہیں کہ کسی امر منکر پر نکیر کرنے کے لئے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا جاسکتا ہے جیساکہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر کعب بن مالک ہلال ابن امیہ اور انکے ساتھیوں سے ترک کلام کو نہ صرف روا قرار دیا بلکہ آپ نے ہدایت فرمادی تھی کہ ان سے کوئی کلام نہ کرے اور نہ ہی کوئی تعلق رکھے لہذا صحابی کے اس عمل پر کوئی اشکال نہیں۔ [2]

اب یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ حدیث شریف کا باب ہذا سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف کو امام ابن ماجہ نے اس لئے ذکر کیا کہ تعظیم حدیث کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان بڑے شوق ورغبت اور تعظیم واحترام سے حدیث سنے اور اس پر عمل کرے اور ہفوات ولغویات سے اجتناب کرے حضرت عبداللہ بن مغفل اپنے بھتیجے پر اس لئے ناراض ہوئے کہ اس کے سامنے حدیث بیان کی گئی پھر بھی عمل نہ کیا جو تعظیم کے خلاف تھا توان کے قول أحدثك ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عنها ثم عدت تخذف ترجمۃ الباب ہے

رجال حدیث:۔

احمد بن ثابت الجحدری کنیت ابو بکر ہے بصرہ کے باشندے تھے صدوق راوی ہیں دسویں طبقے میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۲۵۰ھ میں وفات ہوئی [3]

عبدالوہاب ابن عبدالمجید بن الصلت الثقفی نام ہے کنیت ابو محمد ہے آپ کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا ہے موت سے تین سال پہلے قوت حافظہ بگڑ گیا تھا ۱۹۴ھ میں وفات ہوئی [4] سعید بن جبیر الاسدی ثقہ راوی ہیں

---

[1] مسلم شریف جلد ۲، ۳۱۶ [2] مزید تفصیل ملاحظہ ہو مرقات جلد ۹ ص ۲۱۷، بذل المجہود جلد ۵ ص ۳۶۱، ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۳۳ کا حاشیہ، بخاری جلد ۲ ص ۸۹۷، تکملہ فتح الملہم جلد ۳ ص ۲۱۰، فیض الباری جلد ۴ ص ۹۱، نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۳۱۶، ترمذی جلد ۲ ص ۱۵ [3] تقریب ص ۱۵ [4] تقریب ص ۲۱۷

اور ان کی فقاہت بھی علماء کے نزدیک ثابت ہے وفات ۱۹۵ھ میں ہوئی [۱] عبداللہ بن مغفل ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے دست رسول پر بیعت کی تھی بصرہ میں مقیم ہوگئے تھے وہیں ۵۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی [۲]

(۱۷) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي بُرْدُ بْنُ سِنَانٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ قَبِيصَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ الْأَنْصَارِيَّ النَّقِيبَ صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ غَزَا مَعَ مُعَاوِيَةَ أَرْضَ الرُّوْمِ فَنَظَرَ إِلَىٰ النَّاسِ وَهُمْ يَتَبَايَعُوْنَ كِسَرَ الذَّهَبِ بِالدَّنَانِيْرِ وَكِسَرَ الْفِضَّةِ بِالدَّرَاهِمِ فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَأْكُلُوْنَ الرِّبَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَبْتَاعُوْا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ لَا زِيَادَةَ بَيْنَهُمَا وَلَا نَظِرَةَ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ لَا أَرَىٰ الرِّبَا فِيْ هٰذَا إِلَّا مَاكَانَ مِنْ نَظِرَةٍ فَقَالَ عُبَادَةُ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتُحَدِّثُنِيْ عَنْ رَأْيِكَ لَئِنْ أَخْرَجَنِيَ اللّٰهُ لَا أُسَاكِنُكَ بِأَرْضٍ لَكَ عَلَيَّ فِيْهَا إِمْرَةٌ فَلَمَّا قَفَلَ لَحِقَ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَا أَقْدَمَكَ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ وَمَا قَالَ مِنْ مُسَاكَنَتِهِ فَقَالَ ارْجِعْ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ إِلَىٰ أَرْضِكَ فَقَبَّحَ اللّٰهُ أَرْضًا لَسْتَ فِيْهَا وَأَمْثَالُكَ وَكَتَبَ إِلَىٰ مُعَاوِيَةَ لَا إِمْرَةَ لَكَ عَلَيْهِ وَاحْمِلِ النَّاسَ عَلَىٰ مَاقَالَ فَإِنَّهُ هُوَ الْأَمْرُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوقبیصہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت انصاریؓ جو اپنی قوم کے سردار اور حضور ﷺ کے ساتھی ہیں حضرت معاویہؓ کے ساتھ بلاد روم (جہاد کے لئے گئے) تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ سونے کے ٹکڑے کو دینار کے بدلے میں خریدتے ہیں اور چاندی کے ٹکڑے کو دراہم کے بدلے میں خریدتے ہیں حضرت عبادہ بن صامت نے فرمایا اے لوگو تم سود کھاتے ہو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے میں خرید و فروخت مت کرو مگر برابر سرابر ان میں کوئی زیادتی یا کمی نہ ہو اور نہ ہی ادھار ہو یہ سن کر معاویہ نے ان سے کہا اے ابوالولید اس میں ربا میرے سمجھ میں نہیں آتا مگر ہاں جس میں ادھار کا معاملہ ہو، حضرت عبادہ نے فرمایا کہ میں تم سے اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم مجھ سے اپنی رائے بیان کرتے ہو، اگر اللہ نے مجھے سلامتی کے ساتھ یہاں سے نکالا تو میں

---

[۱] تقریب ص ۹۰۔ [۲] تقریب ص ۱۴۳۔

تمہارے ساتھ اس مقام پر نہیں رہوں گا جہاں تمہاری حکومت ہو گی، چنانچہ جب بلاد روم سے واپس ہوئی تو مدینہ منورہ چلے گئے (وہاں) حضرت عمر بن الخطابؓ نے دریافت کیا کہ ابوالید تم کیوں چلے آئے، حضرت عبادہ نے حضرت عمرؓ سے سارا واقعہ کہہ سنایا لیکن حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہنے کا تذکرہ نہیں کیا (کہ میں معاویہ کے ساتھ نہیں رہ سکتا) حضرت عمر نے فرمایا ابوالید اپنے وطن ہی چلے جاؤ کیوں کہ جہاں تم اور تم جیسا آدمی نہ ہو گا وہاں کا حال خدا برا کرے گا اور حضرت عمر نے معاویہ کے نام ایک خط لکھا کہ تمہارا کوئی حکم عبادہ پر نہیں چل سکتا، اور لوگوں کو وہی بات بتاؤ جو حضرت عبادہ نے کہی ہے اس لئے کہ مسئلہ یہی ہے۔

تشریح حدیث:۔

وهم يتبايعون كسر الذهب بالدنانير الخ جب حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت امیر معاویہ کے ہمراہ جہاد کے لئے بلاد روم گئے تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ لوگ سونے چاندی کے ٹکڑوں کو دنانیر ودراہم کے عوض میں خرید وفروخت کرتے ہیں جو از روئے شرع ربا ہے جو کہ حرام ہے چنانچہ حضرت عبادہ نے ان لوگوں کو سودی کاروبار سے روکا اور ایک حدیث سنائی کہ حضور ﷺ نے سونے کو سونے کے بدلے میں کمی زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا اور ادھار بیع سے بھی منع فرمایا، حضرت امیر معاویہ نے اس پر حضرت عبادہ سے کہا اس میں میری سمجھ کے مطابق ربا نہیں ہونا چاہیے، حضرت عبادہ نے فرمایا کہ میں نے تو تم سے حدیث بیان کی ہے تم اپنا قیاس پیش کرتے ہو تمہیں تو حدیث کے سامنے سر خم کر دینا چاہیے چہ جائیکہ تم معارضہ کرتے ہو۔

لا تبتاعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل الخ

حدیث پاک کے اندر اشیاء ستہ میں فضل وزیادتی کے ساتھ خرید وفروخت کو حرام قرار دیا گیا ہے اسی طرح اسکی ادھار بیع کو بھی ناجائز قرار دیا گیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا انہی اشیاء ستہ میں ربا منحصر ہے یا معلول بعلت ہے؟ تو اس سلسلے میں ہند وپاک کے نوایجاد فرقہ غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ ان ہی چھ چیزوں میں ربا اور سود ہے اور اصحاب ظواہر کے نزدیک حرمت ربا صرف اشیاء ستہ کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ کسی اور میں سود کا تحقق نہ ہو گا جمہور اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ یہ معلول بعلت ہے ان ہی چھ چیزوں میں ربا منحصر نہیں، اب سوال یہ ہے کہ وہ علت کیا ہے؟ اس بارے میں حضرات ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے

علت ربا کے متعلق ائمہ کے مذاہب:۔

جمہور کے نزدیک ربا معلول بعلت ہے مگر ربا کی علت کے استخراج میں علماء کا اختلاف ہے حضرت امام

اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک رباکی علت کیل مع الجنس ہے اور سونے چاندی میں وزن مع الجنس ہے، لہذا جو چیز موزونی ہے جیسے تانبا پیتل لوہا وغیرہ اس کو باہم جنس کے ساتھ کی زیادتی سے خرید وفروخت کرنا حرام ہوگا اسی طرح جو چیز ناپ کر فروخت کی جاتی ہے خواہ کچھ بھی ہو اسکی بھی کمی زیادتی کے ساتھ بیع ناجائز ہوگی ۔امام شافعی کے نزدیک رباکی علت سونے چاندی میں ثمنیت ہے لہٰذا جو چیزیں شرعاً ثمن میں شمار نہیں ہوتی ہیں جیسے لوہا پیتل تانبا اس کی بیع کی زیادتی کے ساتھ حرام نہ ہوگی اور بقیہ چار چیزوں میں ان کے یہاں علت طعم ہے لہذا جس کے اندر بھی طعم کے معنیٰ موجود ہوں گے اس میں امام شافعیؒ کے نزدیک ربا ہوگا خواہ اس کو تلذذ کے طور پر یا تفکہ یا غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو امام مالکؒ کے نزدیک علت ربا اقتیات اور ادخار ہے لہذا جن چیزوں کو بطور قوت استعمال کیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کی جاتی ہے ان میں ربا متحقق ہوگا کیوں کہ حضور اکرم ﷺ نے لفظ بر (گندم) کے ذریعہ قوت پر تنبہ کیا، کیوں کہ لوگ اس کو بطور روزی استعمال کرتے ہیں اور تمر سے اشارہ ادخار کی طرف فرمایا ہے حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق علت ربا اشیاء اربعہ میں مطعوم ہونا ہے اور سونے چاندی میں علت ربا وزن اور کیل ہونا ہے [1]

ان بحثوں کے بعد یہاں ایک بات یہ رہ جاتی ہے کہ حدیث شریف کا باب سے کیا تعلق ہے ترجمۃ الباب کا ثبوت کس طرح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے حدیث اور باب کے اندر گہرا تعلق ہے کیونکہ جب حضرت عبادہ نے حدیث سنائی تو معاویہ نے اس پر اپنی رائے پیش کی حالانکہ تعظیم حدیث اس بات کی متقاضی تھی کہ حدیث جب سامنے آگئی تو بلا تردد اس پر یقین کر لیتے مگر ایسا نہیں کیا جس پر حضرت ابو عبادہ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اور فرمایا أحدثك عن رسول الله ﷺ وتحدثني عن رأيك اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

ابا الولید حضرت عبادہ کی کنیت ہے۔

رجال حدیث:۔

یحیٰ بن حمزۃ بن واقد نام ہے کنیت ابو عبد الرحمان ہے دمشق کے رہنے والے تھے قبیلہ حضرم سے تعلق رکھتے تھے اسی لئے آپ کو حضرمی کہا جاتا ہے آپ ثقہ راوی ہیں [2]

برد بن سنان سمرقندی مجہول راوی ہیں [3]

اسحاق بن قبیصہ بن ذویب الخزاعی الشامی حدیث کو مرسل بیان کیا کرتے تھے مگر صدوق میں ان کا شمار ہے چھٹے درجے کے راوی ہیں [4]

---

[1] دیکھئے مرقات جلد ۶ ص ۶۰ بدائع الصنائع جلد ۴ ص ۴۰۱ زکریا۔ تنظیم الاشتات جلد ۲ ص ۱۳۲، اشرف الہدایہ جلد ۸ ص ۳۵۶ تا ص ۳۵۸۔ [2] تقریب ص ۲۷۴۔ [3] تقریب ص ۴۳۔ [4] تقریب ص ۲۱۔

عبادہ بن صامت بن قیس الانصاری الخزرجی بدری صحابی ہیں کنیت ابوالولید ہے آپ مدینہ کے باشندے تھے۔ آپ کی وفات ۳۴ھ میں مقام رملہ میں ہوئی۔[1]

(۱۸) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ ثَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ اَنْبَأَ عَوْنُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَظُنُّوْا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلَّذِيْ هُوَ اَهْنَاهُ وَاَهْدَاهُ وَاَتْقَاهُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جب میں تم سے نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث بیان کروں تو تم رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے وہی معنی سمجھو جو آپ کے مناسب اور آپ کی ہدایت اور ورع و تقوی کے شایان شان ہو۔

تشریح حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقصد اس سے یہ ہے کہ بعض مرتبہ کلام ایسا ہوتا ہے کہ اپنی نوعیت اور سیاق و سباق کے اعتبار سے مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہے یا کلام عموم و اشتراک یا اجمال و تفسیر کا محتمل ہوتا ہے تو ایسے وقت اس کے وہی معنی مراد لئے جائیں جو حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی کلیات و جزئیات سے ہم آہنگ ہوں اور آنحضرت ﷺ کے مزاج عالی اور شان کے مطابق ہو، ذو وجہیں یا مختلف المعانی کلام کے ایسے معنی ہر گز مراد نہ لی جائیں جو مزاج شریعت اور تعلیمات نبوی ﷺ کے مخالف ہوں بلکہ ایسے موقع پر آپ کی پوری حیات طیبہ اور تعلیمات کی روشنی میں ان کے معانی متعین کی جائیں، کیوں کہ ایسا بہت ہوا ہے کہ ایک امر کو ایک جگہ مطلق بیان کیا گیا دوسری جگہ مقید بیان کیا گیا، مشترک و مؤول اور مجمل کو دوسری جگہ مفسر بیان کیا گیا ہے کہیں آپ نے اپنے قول سے وضاحت فرمائی کہیں آپ نے اپنے فعل سے وضاحت فرمائی لہذا اصول شریعت کو سامنے رکھکر ان کے معانی کی تعیین کی جائے گی۔ فرقہ ضالہ کی طرح نہیں کہ اپنی من پسند مزاج شریعت کے خلاف جو چاہیں متعین کرلیں۔ اور ناجائز فائدہ اٹھاتے رہیں،۔ جس طرح فرقہ مرجیۂ نے من قال لااله الا الله دخل الجنة کے عموم کی وجہ سے اعمال صالحہ کے فوائد اور اس سے ترقی درجات اور اعمال خبیثہ کی مضرتوں سے انکار کردیا اور یہ کہا کہ لاالہ الااللہ کے کہہ لینے کے بعد عمل کی ضرورت نہیں۔ جنت کا ٹھیکدار بن چکا ہے چاہے عمر بھر گناہ کبیرہ اور فسق و فجور میں مبتلا رہے۔ اس کے برخلاف خوارج و معتزلہ نے لا ایمان لمن لا امانة.لیس منا. لاسهم فی الاسلام کے عموم وجہ سے

[1] تقریب ۱۲۳

مرتکب ہیں، وقطعی کا انکار تد ... روایات اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے اشتراک کی وجہ سے شیعوں نے اس سے حضرت علیؓ کے بلا فصل امام ہونے پر استدلال کیا ہے اور حضرت علیؓ کے لئے وہ تمام تصرفات ثابت کیا جو حضور کے لئے ثابت ہیں جو شریعت اسلامی کے مزاج کے بالکل متصادم اور متضاد تفسیر ہے(۱) اہل سنت کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں کسی کو دوست بناؤں اور کسی سے محبت کروں تو حضرت علیؓ بھی میری اتباع اور پیروی میں اس کو دوست بنائیں گے دوسرا مطلب یہ کہ جو مجھے اپنا دوست بنائیگا علیؓ اس کو دوست بنائیگا۔

اسی طرح أنت مني بمنزلة هارون من موسىٰ الا لانبي بعدي ۔ کے اجمال کی وجہ سے روافض امامیہ نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت برحق سے انکار کیا، اور حضرت علیؓ کے لئے خلافت بلا فصل کو ثابت کرنے کی کوشش ہے جو بالکل غلط ہے مغالطہ بازی پر محمول ہے کیونکہ اگر اپنی عدم موجودگی میں کسی کو نائب مقرر کرنا ہی خلافت کبریٰ کی دلیل ہے تو پھر حضرت ام مکتوم اور دیگر صحابہ کرامؓ بھی خلافت کے مستحق ہوئے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے بارہا انہیں اپنا نائب مقرر کیا، اور حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا خلافت بلا فصل کی دلیل ہے جیساکہ شیعوں کا خیال ہے تو پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر بھی خلافت کے مستحق ہوں گے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو عیسیٰؑ کے ساتھ اور حضرت عمر فاروقؓ کو موسیٰ اور نوحؑ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ حضرت ہارون کی تشبیہ سے کہیں زیادہ برتر ہے[۲] لہٰذا اس دلیل سے یہ حضرات بھی خلافت کبریٰ کے مستحق ہوئے تو پھر شیعہ حضرات ان کی خلافت کے منکر کیوں ہیں؟ انصاف! انصاف! انصاف!

رجال حدیث:۔

محمد بن خالد بن کثیر الباہلی کنیت ابو بکر ہے شہر بصرہ کے باشندے تھے ثقہ راوی ہیں [۳]

یحییٰ بن سعید نام کے حافظ پانچ اسماء شمار کرائے ہیں، [۴] مگر یہاں کون ہیں واللہ اعلم

شعبہ نام کے چار راوی ہیں حافظ نے تقریب میں ان کی تفصیل بیان کی ہے [۵] مگر یہاں کون مراد ہے واللہ اعلم محمد بن عجلان المدنی صدوق راوی ہیں [۶]

عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی، کنیت ابو عبد اللہ ہے آپ کا شمار ثقات میں ہوتا ہے۔[۷]

---

[۱] مرقات جلد ۵ ص ۵۷۳ [۲] تفصیل ملاحظہ ہو بخاری جلد ا ص ۵۲۶ حاشیہ مسلم نووی جلد ۲ ص ۲۷۸، مرقات جلد ۵ ص ۵۶۳، الکوکب الدری ص ۳۲۵، مشکوۃ جلد ۲ ص ۵۶۳۔ [۳] تقریب ص ۲۷۵ [۴] تقریب ص ۲۷۵ [۵] تقریب ص ۱۰۹ [۶] تقریب ص ۲۲۹ [۷] تقریب ص ۲۰۰ [۸] تقریب ص ۱۴۲۔

عبداللہ بن مسعود غافل نام ہے ابو عبدالرحمان کنیت ہے آپ کے بیشار فضائل ہیں آپ کا شمار کبار صحابہ اور فقہاء صحابہؓ میں ہوتا ہے سابقین اولین میں سے ہیں حضرت عمر نے کوفہ کا گورنر متعین فرمایا تھا مدینے میں آپ کی وفات ہوئی [1]۔

(۱۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْ الْبُخْتَرِيْ عَنْ اَبِيْ عَبْدِالرَّحمنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اِذَا حَدَّ ثْتُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حَدِيْثاً فَظُنُّوْا بِهِ الَّذِى هُوَاَهْنَاهُ وَاَهْدَاهُ وَاَتْقَاهُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں تو تم وہی معنی سمجھو جو آپؐ کی شان کے لائق ہو اور آپ کی ہدایت اور ورع و تقوی کے مطابق ہو

اهناه۔ افعال۔ اهناء دنیا هنا یهنئی ض الرجل ۔خوش گوار ہونا۔س۔بہ خوش ہونا تفعیل۔ مبارک بادی دینا۔اهداه، هدى يهدى ۔ض ۔هداية۔راہنمائی کرنا۔افتعال۔اهتداء ہدایت پانا۔اتقاه تقی یتقی ض۔س ۔تقیً تقاۃ۔پرہیز کرنا هكذا من افتعال ۔

حدیث شریف کی مکمل تشریح اوپر والی حدیث میں گذر چکی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

رجال حدیث:۔

محمد بن بشار بن عثمان البصری بخاری مسلم کے راوی ہیں ثقہ ہیں مرہ نام کے دو راوی ہیں ایک عمرو بن مرۃ الجملی جو ثقہ ہیں دوسرے عمرو بن مرۃ الجہنی جو صحابی ہیں غالباً یہاں عمرو بن مرہ الجملی مراد ہیں [2] سعید بن فیروز نام ہے ابوالبختری کنیت ہے کوفہ کے باشندے تھے ثقہ ہیں [3] ابو عبدالرحمان کنیت ہے ان کا عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ ہے کنیت ہی سے مشہور ہیں ثقہ ہیں [4]

(۲۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ ثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْفُضَيْلِ ثَنَا الْمَقْبُرِيُّ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ لَا أَعْرِفَنَّ مَايُحَدِّثُ اَحَدُكُمْ عَنِّى الْحَدِيْثَ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ فَيَقُوْلُ اِقْرَاءِ قُرْآناً مَا قِيْلَ مِنْ قَوْلٍ حَسَنٍ فَاَنَا قُلْتُهٗ.

ترجمہ حدیث:۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے

---

[1] تقریب ص ۲۱۶۔ [2] تقریب ۱۹۶ [3] تقریب ص ۹۴۔ [4] تقریب ص ۱۲۷۔

اس بات کا علم نہ ہونے پائے کہ تم میں سے کوئی میری جانب سے حدیث بیان کرے اور سننے والا اپنے مزین تخت پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھکر کہہ رہا ہو کہ قرآن پڑھو (تاکہ مطابقت کریں اور پھر جانچیں) آپ نے فرمایا جو بات کہی جائے تو سمجھ لو کہ میں نے ہی اسے کہا ہے۔

تشریح حدیث:۔من قول حسن فانا قلته۔

شیخ عبدالغنی مجددی اس جملے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای مانقل عنی من قول حسن فالقائل أنا [1]

مطلب یہ ہے کہ جو بھی بھلی اور اچھی بات تم سے کہی جائے تو اسکا قائل حقیقت میں میں ہی ہوں۔ ارشاد نبوی کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی آدمی ایسی بات بتا رہا ہے جو تمام ادیان سابقہ اور مذاہب باطلہ سے اعراض اور ارکان اسلام کی وضاحت سے متعلق ہے اس میں فاسد خیالات گندی سوچ و فکر کفر و شرک اور رسوم بدعات کا شائبہ بھی نہیں ہے وہ بات شریعت محمدی کے اصول پر پورے طور سے آرہی ہے ذرہ برابر بھی شریعت سے الگ نہیں ہے تو اسکی تصدیق و تسلیم میں شک کرنا اسکو قرآن کے خلاف جاننا دنیاداروں اور ہوی پرستوں کا کام ہے اس لئے کہ جب ایک بات رسول کی طرف بسند صحیح ثابت ہے تو یقیناً وہ حسن معانی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہوگی قرآن مجید سے اسکے تعارض و تصادم کا سوال نہیں اٹھتا پھر اس کو قبول کرنے میں تذبذب ہرگز نہ ہونا چاہئے، حضرت امام زہری نے لکھا ہے کہ فیه دلیل علی انه لا حاجة بالحدیث الی ان یعرض علی الکتاب وانه مهما ثبت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان حجة بنفسه [2] کہ جو مسئلہ حدیث پاک سے ثابت ہوا سے کتاب اللہ پر پیش نہیں کیا جائیگا کیونکہ جب اس کا ثبوت حدیث پاک سے ہو چکا ہے تو وہ بذات خود حجت شرعی ہے کیونکہ آنحضور ﷺ نے قرآن ہی کے اجمال وابہام کی تشریح اپنے اقوال وافعال سے فرمائی ہے تو ان میں تعارض کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور جہاں بظاہر نصوص کے اندر تعارض نظر آتا ہے وہ فی الحقیقت تعارض نہیں بلکہ ہمارے ذہنوں کا بگاڑ اور خرابی ہے اور کم علمی کی دلیل ہے۔

بعض لوگوں نے ماقیل من قول حسن فانا قلته کو متکئی کا قول قرار دیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ٹیک لگانے والا متکبر شخص جس کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جائیگی تو وہ کہے گا کہ لاؤ اس کو اصول قرآن کریم میں جانچیں اور معیار قرآن کریم پر پرکھیں، اگر قرآن کریم کی رو سے عمدہ اور صحیح ہے تو اسے مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے تو یہ شخص گویا حدیث کی حجیت میں متردد ہے اس لئے یہ قابل مذمت بھی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منکرین حدیث کی رد میں ہے اور اس کی طرف ایک لطیف

---

[1] انجاح الحاجة علی ابن ماجہ ص ۴ [2] شرح السنہ جلد اص ۲۰۱ بحوالہ مصباح الزجاجہ ص ۳۶۔

اشارہ ہے۔ لااعرفن ۔دوسری حدیث میں لا الفین کالفظ ہے

سوال۔حدیث شریف کی باب سے کیا مناسبت ہے امام نے کس مناسبت سے یہاں ذکر کیا؟

جواب!امام نے اس حدیث کو اسلئے باب کے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں سے خبردار کیا اوران لوگوں سے ناراضگی کااظہار فرمایاجو صحیح حدیث آجانے کے بعد قبول کرنے میں تردد کرتے ہیں اور قرآن کریم پر پیش کر کے جانچتے ہیں حالانکہ تعظیم حدیث کاتقاضا تو یہ تھا کہ اسے بلاچوں وچرافوراًقبول کرلیتے ذرہ برابر بھی تردد نہ کرتے لیکن اگر کوئی اس میں تردد کریگا تو حضور ﷺ کی ناراضگی کو مول لیگا۔

رجال حدیث:۔ علی بن المنذر صدوق ہیں ۱؎

محمد بن فضیل بن غزوان الضبی نویں درجے کے راوی ہیں محدثین نے صدوق قرار دیا ہے۔۲؎

سعید بن کیسان ابن ابی سعید المقبری،کنیت ابوسعد ہے اور والد کی کنیت ابوسعید ہے ۳؎

(۲۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ عُبَادِبْنِ اٰدَمَ ثَنَااَبِیْ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ عَمْرٍعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ

(۲۲) ح وَحَدَّثَنَا هَنَّادُبْنُ السَّرِیُّ ثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَیْمَانَ ثَنَا مُحَمَّدُبْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ لِرَجُلٍ یَاابْنَ اَخِیْ اِذَا حَدَّثْتُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلاَ تَضْرِبْ لَهُ الاَمْثَالَ

(۲۳) قَالَ اَبُوْ الْحَسَنِ ثَنَا یَحْیٰی بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْکَرَابِیْسِیُّ ثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْجَعْدِعَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ مِثْلَ حَدِیْثِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوسلمہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ایک شخص سے فرمارہے تھے کہ بھتیجے جب میں کوئی حدیث حضوراکرم ﷺ کی تم سے بیان کروں توتم مقابلہ میں مثال مت بیان کرو۔ابوالحسن (ابن ماجہ کے راوی) نے بھی عمروبن مرہ کی روایت میں حضرت علیؓ کی حدیث کے مثل بیان کیا،

تشریح حدیث:۔

فلاتضرب له الا مثال۔ حضرت ابوہریرۃؓ کا یہ ارشادپاک اس وقت کا ہے جب آپ نے ایک صحابی عبداللہ ابن عباس سے یہ فرمایا تھا کہ ممامست النار سے وضوٹوٹ جاتاہے جس سے ابن عباسؓ نے یہ سمجھا کہ شاید نقض وضو کی علت حرارت ہے لہذا آپ کے ارشاد کے مطابق گرم پانی سے وضوٹوٹ جانا چاہئے

۱؎ تقریب ص۱۸۶ ۲؎ تقریب ص۳۲۱ ۳؎ انجاح الحاجہ ص۴ تقریب ص۹۴۔

اور گرم پانی کے استعمال کے بعد دوبارہ وضو کرنا چاہئے، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ابن عباس سے فرمایا کہ بھتیجے جب میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں تو تم قیاس ونظائر مت پیش کیا کرو چوں کہ یہ چیزیں احترام حدیث کے خلاف ہیں۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل امام ترمذی نے باب الوضوء مما غیرت النار کے تحت لکھا ہے تفصیل ملاحظہ ہو!

سوال امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو یہاں کیوں ذکر فرمایا؟ باب اور حدیث میں کیا مناسبت ہے؟ جواب امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو لا کر اشارہ کر دیا کہ آدمی کے سامنے جب کوئی حدیث بیان کی جائے تو وہ اپنی عقل کی کسوٹی پر نہ پرکھے، اور حدیث کے سامنے اپنی عقل کی بات نہ لائے، نظائر وامثال بیان نہ کرے کیوں کہ یہ احترام حدیث، اور رسول کے اقوال کی تعظیم کے خلاف ہے تو حدیث میں یا ابن اخی اذا حدثتك عن رسول الله ﷺ فلا تضرب له الامثال ہی ترجمۃ الباب ہے۔

رجال حدیث:۔

محمد بن عباد ابن آدم الہذلی بصرہ کے رہنے والے تھے آپ کا شمار مقبول راویوں میں ہوتا ہے [۲]

محمد بن عمرو نام کے حافظ نے تقریبا ۲۲ راویوں کو شمار کیا ہے یہاں کون مراد ہے واللہ اعلم [۳]

ابو سلمہ نام کے متعدد راوی ہیں خدا جانے یہاں کون مراد ہیں۔ ہناد بن السری بن یحیٰ بن السری التیمی ثقہ راوی ہیں [۴] عبدۃ بن سلیمان کے احوال معلوم نہ ہو سکے۔ ابو الحسن کنیت ہے اس کنیت سے بہت سے راوت مشہور ہیں [۵] یحیی بن عبد اللہ الکرابیسی کی حالت احقر کو مل نہ سکی،

علی بن الجعد بن عبید الجوہری البغدادی ثقہ راوی ہیں [۶]

[۱] ترمذی قدیم جلد ۱ ص ۱۲ [۲] تقریب ص ۲۲۳ [۳] تقریب ص ۲۳۰ [۴] تقریب ۲۶۷ [۵] تقریب ص ۲۹۴ [۶] تقریب ص ۱۸۲

sirajulhaqasri73@gmail.com

(۳) بَابُ التَّوَقِّي فِي الْحَدِيثِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ

روایت حدیث نہایت عظیم الشان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر نزاکت بھی رکھتی ہے اس میں ذرہ برابر بھی کوتاہی لاابالی پن بے توجہی اور لغزش سے وعید کا مستحق بن جاتا ہے اسلئے اس وادی پر خار میں قدم نہایت ہی سنبھال سنبھال کر اور پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے حدیث شریف کی روایت کرنے میں رسول اکرم ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں انتہائی تیقظ مغزی اور حزم واحتیاط کی ضرورت ہے ورنہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث من كذب على متعمداً فليتبؤ مقعده من النار کے تحت داخل ہو جائیگا اسی لئے حضرات محدثین اور مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست فیض یافتہ حضرات صحابہ کرام روایت حدیث میں بڑی احتیاط برتتے تھے جب وہ کوئی حدیث روایت کرتے تھے تو ان کا قلب کانپ اٹھتا تھا کہ کہیں جھوٹی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے، صحابہ کرامؓ کثرت رویت سے خود بھی احتیاط کرتے تھے اور حتی المقدور بچتے تھے اور لوگوں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کرتے تھے چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عبدالعزیز بن صہیبؓ حضرت انس بن مالک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ مجھے کثرت کے ساتھ حدیث بیان کرنے سے روکا کرتے تھے، اسی طرح بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ سے معلوم کیا گیا کہ آپ دوسرے لوگوں کی طرح حدیث کثرت سے کیوں نہیں بیان کرتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بنیاد پر حضرت زبیر نے اپنے لئے قلت تحدیث کو اختیار کیا، اسی طرح حضرات شیخین ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ باوجود کہ آنحضور کے ساتھ طویل زمانہ تک رہے سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے اٹھنا بیٹھنا ساتھ ہوتا تھا آپ دونوں آنحضور ﷺ کی ہر نقل وحرکت، قول وفعل سے بخوبی واقف تھے مگر اس کے باوجود ان حضرات کی روایتوں کو انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے۔

سوال۔ لیکن یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ جب روایت حدیث کا میدان اسقدر تنگ ہے، کثرت تحدیث جب اتنی اہم اور نزاکت کی حامل ہے تو حضرات صحابہ میں سے بعض سے سینکڑوں اور ہزاروں روایتیں کیوں منقول ہیں۔؟

جواب، یہ ہے کہ ان حضرات نے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ روایت کو چھان پھٹک کر کے غایت درجہ کی تفتیش وتلاش کی بنا پر اپنے اوپر اعتماد تھا حضرت ابوہریرہؓ کا مشغلہ ہی صرف روایتوں کا یاد کرنا تھا، دوسرا جواب یہ کہ بہت زیادہ روایت ان صحابہ سے مروی ہے جنکی عمریں بہت زیادہ لمبی ہوئیں اور بوقت ضرورت لوگ ان سے معلوم کرتے تھے تو یہ حضرات کتمان علم کی وعید سے بچنے کے لئے بیان فرمادیا کرتے تھے اس طرح رفتہ رفتہ قطرہ قطرہ دریا شود ان حضرات کی مرویات بہت زیادہ ہو گئیں جیسا کہ حضرت انس کے

بارے میں آتا ہے کہ یہ کثرت تحدیث سے بہت زیادہ گریز کرتے تھے مگر اس کے باوجود ان کا شمار کثیر الروایات صحابہ میں ہیں۔

ابن ماجہ یہ باب قائم کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پہلے باب میں تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ کا امر تھا اور اس کے ساتھ معارضہ کرنے والوں کے حق میں تغلیظ تھی اب اس باب میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حدیث شریف کے بیان میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے جو چاہو نبی کی طرف منسوب نہ کردو بلکہ حدیث کو پوری طرح پرکھ کر ناپ تول کر بیان کرو تاکہ مستحق وعید سے بچ سکو۔

(٢٤) حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِبْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا مُعَاذٌ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ ثَنَا مُسْلِمُ الْبَطِيْنُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَمْرِوبْنِ مَيْمُوْنٍ مَاأَخْطَانِيْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ عَشِيَّةَ خَمِيْسٍ اِلاَّ اَتَيْتُهُ فِيْهِ قَالَ فَمَا سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ بِشَيْئٍ قَطُّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ عَشِيَّةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَنَكَسَ قَالَ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَهُوَ قَائِمٌ مُحَلَّلَةً إِزَارَقَمِيْصِهِ قَدِاغْرَوْرَقَتْ وَانْتَفَخَتْ اَوْ دَاجُهُ قَالَ أَوْدُوْنَ ذٰلِكَ أَوْ فَوْقَ ذٰلِكَ أَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ أَوْ شَبِيْهًا بِذٰلِكَ

ترجمہ حدیث:

حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے یہاں ہر جمعرات کی شام کو حاضر ہوتا، اسمیں کبھی ناغہ نہ ہوا، میں نے انکو کبھی یہ کہتے نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کہنے لگے قال رسول اللہ ﷺ، (یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے (یہ کہکر) سر جھکالیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے انکو دیکھا کہ کھڑے تھے (اور انکے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئیں تھیں) انکی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئیں، اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور کہہ رہے تھے کہ آیا اس سے کم یا اس سے زائد یا اس کے قریب یا اسکے مشابہ

تشریح حدیث: ماأخطاني ابن مسعود عشية خمسين الخ۔

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرو بن میمون عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے کبھی غیر حاضری نہیں کرتے، ان سے مسائل شرعیہ معلوم فرماتے تھے مگر حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ عبدابن مسعود سے میں نے اس دوران یہ کبھی کہتے نہیں سنا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا اس درجہ وہ کثرت تحدیث اور حضور کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے اس درجہ خوف کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ کی طرف غلط بات منسوب ہو جائے، اسی غایت درجہ کی احتیاط کی بنیاد پر کبھی انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، لیکن عمرو بن میمون ایک دن کا واقعہ

نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا قال رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول نے فرمایا پھر تو ان پر خوف و ہراس کے کوہ ہمالیہ ٹوٹ پڑا اور سر کو جھکا لیا، عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے انکی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبداللہ بن مسعود کھڑے ہیں اور ان کے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہیں آنکھیں اشکبار ہیں آنسوں سے ڈبڈبائی ہوئی ہیں اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی ہیں اسی حالت میں فرمارہے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس سے کم بیان کیا، یا اس سے زائد بیان کیا، یا قریب قریب اسی طرح بیان کیا یا اسی کے مشابہ بیان کیا۔

الغرض صحابہ کرامؓ روایت حدیث کے سلسلے میں نہایت محتاط تھے اس شدت احتیاط کی وجہ سے حدیث بیان کرنے والوں سے شہادتیں طلب کرتے تھے قسمیں لیا کرتے تھے تب کہیں جا کر تصدیق کرتے تھے حضرت عمر فاروقؓ کی شدت احتیاط کا واقعہ بخاری میں منقول ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے طلب اجازت کے واسطے تین مرتبہ سلام کیا لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو آپ لوٹ آئے، حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ اشعریؓ آئے تھے تو بلوایا پھر معلوم کیا تم کیوں لوٹ گئے تھے ابو موسیٰ اشعری نے جواب میں فرمایا چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا اذا سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع جب کسی کے پاس جاؤ تو تین مرتبہ سلام کرو اگر جواب نہ ملے تو واپس لوٹ آؤ یہ سن کر حضرت عمر نے سخت لب و لہجہ میں فرمایا کہ واللہ لتقیمن بینة علیه أمنکم احد سمعه من النبی ﷺ اگر یہ حدیث ہے تو شہادت پیش کرو کہ کسی اور نے سنی ہے ورنہ پھر نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ، حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ابو موسیٰ اس حال میں آئے کہ انکا چہرہ فق تھا رنگ اڑا ہوا تھا اور ہم لوگ محو گفتگو تھے ہم نے ان سے معلوم کیا، ابو موسیٰ خیریت تو ہے؟ کیا پریشانی ہے؟! انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں میں سے کسی نے یہ حدیث رسول اللہ سے سنی ہے اتفاق کی بات ہے کہ سبھوں نے تصدیق کی کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ سے سنی ہے پھر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شہادت پیش کی تو حضرت عمرؓ نے اطمینان کا اظہار کیا اور فرمایا، لم اتهمك ولكن احببت أن تثبت میں تم پر غلط بیانی کا الزام نہیں لگاتا میں نے صرف یہ چاہا کہ بات بالکل پختہ ہو جائے [1] حدیث شریف اور باب کے درمیان مناسبت بالکل عیاں ہے عیاں راچہ بیاں۔

رجال حدیث:۔

معاذ بن معاذ نصر بن حسان العنبری کوفہ کے باشندے تھے آپ کی کنیت ابو المثنی ہے یہ نہایت ہی ثقہ اور متقی روای ہیں [2]

عبداللہ ابن عون، اس نام سے فن اسماء رجال میں دو راوی ہیں ایک عبداللہ بن عون بن ارطبان ابو عون

---

[1] بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۲۲، مستفاد فن اسماء الرجال اسیر ادروی ص ۲۹ [2] تقریب ص ۱۴۸

کی ... تک خدمت کی ہے ۱؎

باقی راویوں کا ذکر گذر چکا ہے اور دوطول لاطائل ہے۔

(۲۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ ثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ

(۲۷) ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَيْلٰی قَالَ قُلْنَا لِزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ حَدِّثْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كَبِرْنَا وَ نَسِيْنَا وَالْحَدِيْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَدِيْدٌ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے زید بن ارقم سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنایئے، اس پر زید ابن ارقم نے کہا ہم بوڑھے ہوگئے اور بھول گئے اور حضور علیہ السلام کی حدیث بیان کرنے کا معاملہ سخت ہے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب و مقصود بالکل آفتاب نیم روز کی طرح ظاہر ہے کہ بر بنائے شدت احتیاط حضرت زید بن ارقم روایت حدیث سے پہلو تہی کر رہے ہیں بوڑھاپے اور نسیان کا عذر پیش کر رہے ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو سمجھا رہے ہیں کہ میرا قوت حافظہ درازی عمر کی وجہ سے مضمحل ہو چکا، نسیان کی بیماری لاحق ہو گئی اس حالت میں حدیث بیان نہیں کر سکتا، یہاں آ کر ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت انس بن مالکؓ کا او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام کہنا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فوق ذلك او دون ذلك او قريبا ذلك کہنا اس بات کی جانب مشیر ہے کہ زبان نبوت سے نکلے ہوئے الفاظ من وعن بسا اوقات صحابہ نہیں ادا کرتے تھے بلکہ روایت بالمعنی کرتے تھے تو اب سوال یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق یہ جاننا چاہیئے کہ روایت بالمعنی ائمہ اربعہ، حضرات فقہاء، اور بعض محدثین کے یہاں جائز ہے بشرطیکہ مضمون میں کسی طرح سے بھی نقص پیدا نہ ہو اور اسی طرح کسی بھی حیثیت سے روایت بالمعنی کے وقت زیادتی بھی نہ ہو بلکہ ترجمہ جلاء و خفاء میں اصل کے ہی مطابق ہو، بعض علماء کرام روایت بالمعنی کے عدم جواز کے قائل ہیں مگر مختلف دلائل کی روشنی میں قائلین جواز ہی کا قول صحیح ہے اب ہم ذیل میں روایت بالمعنی کے جواز پر پانچ دلیلیں ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

۱؎ تقریب ص ۲۹

دلیل اول:۔ احکام شرعیہ، تعلیمات نبویہ کی تشریح و توضیح غیر عربی میں کرنے کی شرعاً اجازت دی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بے شمار زبانوں میں مسائل، فضائل، احکام، اخلاق اور تعلیمات کے متعلق اسلامی کتب موجود ہیں تو جب غیر عربی میں شرح کی اجازت ہو سکتی ہے تو عربی زبان میں روایت بالمعنی کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

دلیل ثانی:۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایک ہی واقعہ کو ایک ہی قصے کو جو ایک ہی مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہوا، سنا اور اس کو مختلف الفاظ میں نقل کیا اور اس پر کسی نے بھی رد و قدح اور جرح نہیں کی ہے جو جواز کی دلیل ہے اگر روایت بالمعنی کا جواز نہ ہوتا تو صحابہ کرامؓ ہرگز روایت بالمعنی نہ کرتے اور اگر بالفرض والحال کرتے بھی تو دوسرے صحابہ کرامؓ فوراً اس کی دار و گیر کرتے اور روکتے، مگر صحابہ کرامؓ روایت بالمعنی کرتے تھے پھر بھی کسی نے نکیر نہیں کی جو جواز کی بین دلیل ہے۔

دلیل ثالث:۔

حضور اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے واذا اصبتم المعنی فلا باس (اگر تم مضمون کو صحیح طور پر ادا کر دو تو کوئی مضائقہ نہیں) بھی روایت بالمعنی کے جواز کی دلیل ہے۔

دلیل رابع:۔

عمرو بن میمون والی روایت جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا فوق ذلك اودون ذلك اوقریباً من ذلك او شبیهاً بذالك بھی جواز کی دلیل ہے کیونکہ ان جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود حدیث بیان کرتے وقت زبان نبوی ﷺ سے نکلے ہوئے الفاظ کی رعایت نہ کر سکے تھے بلکہ بالمعنی بیان کر دیئے تھے اس لئے اس طرح فرما رہے ہیں، معلوم ہوا کہ روایت بالمعنی جائز ہے ورنہ عبداللہ ابن مسعود یہ جرأت نہ کرتے،

دلیل خامس:۔

ہر ذی علم اور صاحب علم و فن سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے جو حدیثیں نقل کی ہیں اسکی کتابت و تدوین باضابطہ طور سے نہیں ہوئی تھی بلکہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ سے حدیثیں سن کر یاد کرتے تھے اور حتی الوسع بلفظہ یاد کرتے تھے اور اسے ذہنی طور پر محفوظ رکھتے تھے پھر ایک طویل زمانے کے بعد کتابت حدیث شروع ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس میں کسی نہ کسی حیثیت سے بعض الفاظ میں فرق آئیگا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اسی طرح لکھا جو جواز کی دلیل ہے۔ واضح رہے کہ اس دلیل سے حدیث سے بے اعتمادی ظاہر

کرنا گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں، کیونکہ عربوں کے غیر معمولی حافظہ کی داستانیں تاریخ کے صفحات میں آج بھی موجود ہیں پس اس دلیل کو حدیث سے بے اعتمادی کی دلیل نہ بنائی جائے۔[۱]

الغرض بوقت ضرورت جب بلفظہ یاد نہ ہو بلکہ صرف اس کے معانی و مفاہیم یاد ہوں تو روایت بالمعنی کی اجازت ہے اور روایت بالمعنی کرنا درست ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے لا یکلف الله نفساً الا وسعها مگر جس کو الفاظ حدیث بعینہ یاد ہوں تو اسکے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں۔

رجال حدیث:۔

عبدالرحمان بن مہدی بن حسان العنبری نہایت ہی ثقہ اور اسماء الرجال اور حدیث کے ماہر تھے امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ علم والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔[۲]

عبدالرحمان بن ابی لیلی الانصاری المدنی ثم الکوفی ثقہ راوی ہیں[۳]

زید بن ارقم بن قیس الانصاری الخزرجی مشہور صحابی رسول ہیں اللہ تعالی نے ان کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے سورہ منافقین نازل فرمادی تھی[۴]

(۲۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ ثَنَا اَبُو النَّضْرِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي السَّفَرِ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُولُ جَالَسْتُ ابْنَ عُمَرَ سَنَةً فَمَا سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئاً۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن ابی سفر روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شعبی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی مجلس میں ایک سال شریک رہا مگر کبھی میں نے ان کو رسول اکرم ﷺ کی حدیث بیان کرتے نہیں سنا۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی تشریح خود واضح ہے اور باب سے مناسبت بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ روایت حدیث سے حتی الامکان بچتے تھے حتی کہ سال سال تک اپنی زبان سے کوئی حدیث بیان نہیں فرماتے تھے کہیں کوئی غلط بات رسول اکرم ﷺ کی جانب منسوب نہ ہو جائے، لہذا حدیث بیان کرنے میں دلیری اور جرأت سے کام نہ لینا چاہیے بلکہ اپنے مآل کو سوچ لینا چاہیے اس کے بعد بیان کرنا چاہیے۔

---

[۱] مستفاد کشف الحاجہ ص ۶۱۔۶۲ [۲] تقریب ص ۱۵۸ [۳] تقریب ص ۱۵۷ [۴] تقریب ص ۸۴

رجال حدیث:۔

محمد بن عبداللہ ابن نمیر الہمذانی نام ہے کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے ثقہ اور حافظ میں ان کا شمار ہے۔ [۱]

ابوالنضر۔ کنیت ہے نام انکا اسحٰق بن ابراہیم بن یزید ہے دمشق کے رہنے والے تھے صدوق ہیں بلا سند ان کی تضعیف کی گئی ہے۔ [۲]

عبداللہ بن ابی السفر الثوری الکوفی ثقہ ہیں مروان کے دور خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ [۳]

(۲۹) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيْمِ الْعَنْبَرِيُّ ثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَنْبَأَ نَا مَعْمَرٌ عَنْ ابْنِ طَاوٗسٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ بْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اِنَّا كُنَّا نَحْفَظُ الْحَدِيْثَ وَالْحَدِيْثُ يُحْفَظُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا اِذَا رَكِبْتُمُ الصَّعْبَ وَالذَّلُوْلَ فَهَيْهَاتَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ اپنے والد طاؤس سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ حدیث یاد کرتے تھے اور حدیث رسول کریم ﷺ سے یاد کی جاتی تھی لیکن جب تم لوگ ہر اچھی اور بری پر سواری کرنے لگے تو بہت دور ہو گیا۔

تشریح حدیث:۔

الصعب: خراب اور قابل نفرت اونٹ، صَعُبَ. ك. صعوبة عليه الامر دشوار ہونا الجمل سواری چھوڑ دینے کی وجہ سے سرکش ہونا۔ اور اصطلاح میں ہر ناکارہ اور بے بنیاد شیٔ کو صعب کہتے ہیں الذلول ج، اذلة وذلل ۔ عمدہ اور دلکش اونٹ، اور اصطلاح کے اندر ذلول ہر عمدہ اور بہترین شیٔ کو کہتے ہیں فاذا رکبتم الصعب والذلول فهيهات اس جملے کا مطلب یہ کہ جب لوگوں نے حدیث کے معاملہ میں رطب ویابس میں امتیاز ملحوظ نہیں رکھا بلکہ ہر طرح کی احادیث، منکر، ضعیف اور موضوع بیان کرنا شروع کر دیا اور اپنے مدعا کے اثبات کیلئے جعلی اور موضوع حدیثوں کو لوگوں میں پھیلانا شروع کر دیا تو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دوری ہی کو بہتر سمجھا کیوں کہ ان روایتوں کی تصدیق و تکذیب دونوں ہی خطرناک تھا،

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں حضرت مجاہد کی ایک روایت نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بشیر بن کعب العدوی حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور حدیث روایت کرنی شروع کر دی آپ بالکل خاموش رہے نہ ان کی طرف کان لگایا نہ رخ کیا بے نیازی کے ساتھ تشریف فرما رہے تو بشیر عدوی نے کہا کہ ابن عباس میں تو آپ کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ حدیثوں کو قابل التفات

---

[۱] تقریب ص ۲۲۵ [۲] تقریب ص ۱۹ [۳] تقریب ص ۱۳۱

ہی نہیں سمجھتے اور لاپرواہی برتے ہیں تو ابن عباس نے کہا شروع زمانے میں جب ہم کسی کی زبان سے قال رسول اللہ ﷺ سنتے تو ہماری نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتیں اور پوری توجہ اور ہمہ تن گوش ہو کر حدیث سننے لگتے تھے لیکن جب سے لوگ ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں بیان کرنے لگے اس وقت سے ہم نے یہ اصول مقرر کر لیا کہ جب تک ہم خوب پرکھ نہیں لیتے ہیں حدیثیں نہیں لیتے ہیں [1]

حضرت ابن عباس کی جو روایت یہاں مذکور ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد نبویؐ میں حدیثوں کو یاد کرنیکا اہتمام تھا اور حضرات صحابہ کرام خود نبی سے آپ کے اقوال، مواعظ، ادعیہ اور نصیحتوں کو باقاعدہ طور سے یاد کرتے تھے۔ اور عہد رسالت میں جو بھی قول وفعل آپ کی طرف منسوب ہوتا تھا صحابہ کرامؓ اس کے متعلق براہ راست حضور ﷺ سے رجوع کرتے تھے اور اسکی تحقیق وتفتیش کرتے اور دربار رسالت سے فیصلہ ہو جانے کے بعد اس کو حضور ہی سے یاد کرتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ من كذب عليّ متعمداً الخ کے مصداق بن جائیں،

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب التوقي في الحديث کے تحت ذکر کیا ہے ان دونوں میں مطابقت ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں شدت احتیاط برتنی چاہیے، اور من يقل على مالم اقل فليتبوؤا مقعده من النار کو سامنے رکھتے ہوئے صرف وہی حدیثیں بیان کی جائیں جو اچھی طرح محفوظ اور ازبر ہوں اور ان احادیث کی تشہیر سے کلی اجتناب کرنا چاہیے جن میں ذرا برابر بھی شک وشبہ اور تردد پایا جاتا ہو تو اس حدیث شریف میں اذا ركبتم الصعب والذلول فهيهات ہی ترجمۃ الباب ہے اور اس جملہ سے حضرت ابن عباس لوگوں کو احتیاط فی الحدیث پر ابھار رہے ہیں اور توقی فی الحدیث کی تلقین کر رہے ہیں۔

رجال حدیث:۔

عباس بن عبد العظیم بن اسماعیل العنبری ابو الفضل نہایت ہی ثقہ ہیں [2]

عبد الرزاق نام کے چار راویوں کا تذکرہ حافظ نے تقریب میں کیا ہے، اول الذکر صدوق ہیں ثانی الذکر متروک الحدیث ہیں ثالث الذکر بھی صدوق ہیں رابع الذکر ثقہ ہیں مگر یہاں کون مراد ہے لا اعلم واللہ اعلم [3]

معمر نام سے فن اسماء رجال میں بہت راوی ہیں تفصیل ملاحظہ ہو [4]

ابن طاوس، عبد اللہ بن طاوس بن کیسان الیمانی ابو محمد عبادت گذار ثقہ راوی ہیں

(۳۰) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ قُرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ بَعَثَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى الْكُوفَةِ وَشَيَّعَنَا فَمَشَى

---

[1] مسلم شریف جلد ا ص ۱۰ [2] تقریب ص ۱۲۳ [3] تقریب ص ۱۶۰ [4] تقریب ص ۲۵۱۔

مَعَنَا إلى مَوْضِعٍ يُقَالُ لَهُ صِرَارٌ فَقَالَ أَتَدْرُوْنَ لِمَا مَشَيْتُ مَعَكُمْ قَالَ قُلْنَا لِحَقِّ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلِحَقِّ الانْصَارِ قَالَ لٰكِنِّى مَشَيْتُ مَعَكُمْ لِحَدِيْثٍ أَرَدْتُ اَنْ أُحَدِّثَكُمْ بِهٖ فَأَرَدْتُ اَنْ تَحْفَظُوْهُ لِمَمْشَايَ مَعَكُمْ اِنَّكُمْ تَقْدِمُوْنَ عَلىٰ قَوْمٍ لِلْقُرْآنِ فِي صُدُوْرِهِمْ هَزِيْزٌ كَهَزِيْزِ الْمِرْجَلِ فَاِذَا رَأَوْكُمْ مَدُّوْا اِلَيْكُمْ اَعْنَاقَهُمْ وَقَالُوْا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ فَأَقِلُّوْا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ثُمَّ اَنَا شَرِيْكُكُمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت قرظہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ ہم کو حضرت عمر بن الخطاب نے کوفہ روانہ کیا، اور مقام صرار تک بطور مشایعت ہمارے ساتھ آئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں آیا، ابن کعب کہتے ہیں میں نے کہاں حضور اکرم ﷺ کی صحبت اور انصار کے حق کی وجہ سے، حضرت عمر نے فرمایا (ہاں یہ وجہ بھی ہے) لیکن (اس وقت) ایک خاص حدیث کی وجہ سے تمہارے ساتھ آیا ہوں جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس ساتھ چلکر آنے کی وجہ سے یاد رکھو گے، (تو سنو) عنقریب تم ایک ایسی قوم کے پاس پہونچنے والے ہو، جن کے دلوں میں قرآن کریم کے حصول کے لئے کھولتی ہانڈی کی طرح جوش ہو گا جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو وہ (فرط محبت و عقیدت سے) تمہارے سامنے اپنی گردنوں کو بڑھائیں گے اور (خوشی سے کہیں گے کہ تم اصحاب محمد ﷺ کے فیض یافتہ ہو حدیثیں سناؤ) تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی حدیث کم سے کم بیان کرنا، پھر قلت روایت کے سلسلے میں میں تمہارا شریک ہوں۔

تشریح حدیث:۔

قلنا لحق صحبة رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ۔

جب حضرت قرظہ بن کعب کو حضرت عمر نے کوفہ کا والی بنا کر روانہ کیا تو مقام صرار تک ان کے ساتھ رخصت کرنیکی غرض سے آئے پھر معلوم کیا اے قرظہ بن کعب کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آیا؟ قرظہ نے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت اور حق انصار کی وجہ سے آپ ہماری مشایعت فرمارہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ بات تو ہے ہی اس کے علاوہ میں تم سے ایک حدیث بیان کرنے کی غرض سے آیا ہوں تاکہ اس مشایعت کی وجہ سے حدیث یاد رہے، دیکھو تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جنھوں نے ابھی نیا نیا اسلام قبول کیا ان کے دلوں میں قرآن کے حصول کیلئے کھولتی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش وولولہ ہوگا انکا دل قرآنی علوم کے حصول کے لئے موجزن ہوگا جب تم انکے پاس پہنچو گے تو وہ فرط

عقیدت و محبت اور شوق و جذبہ میں آکر تمہاری طرف گردنیں بڑھائیں گے اور فرط مسرت سے کہیں گے کہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کی درسگاہ سے فیض یافتہ ہیں آپ نے تو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہے لہذا ہمیں آپ کی حدیثیں سناؤ تو اس وقت میں میری نصیحت یاد رکھنا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کم سے کم بیان کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو میری اتباع کرلی ہے کیوں کہ میں بھی حدیث کم ہی بیان کرتا ہوں۔

فأقلو الرواية

اس حکم سے حضرت عمر بن الخطاب کے سامنے تین مقاصد تھے، (۱) جس قوم کے پاس تم جارہے ہو اس قوم میں پیغمبرؐ اور احادیث نبویہ کی محبت اور دینی شوق و جذبہ بہت ہے اگر تم ان کے سامنے کثرت روایت کروگے اور ان سے حدیثیں خوب بیان کروگے تو اسکی اہمیت ان کے قلوب سے ختم ہو جائے گی کیونکہ جس چیز کی کثرت و بہتات ہوتی ہے اس کی قدر و منزلت فطری طور پر لوگوں کی نظروں سے کم ہو جاتی ہے اس لئے تم کثرت تحدیث سے کام نہ لینا ہے، ورنہ احادیث کی محبت میں کمی اور اسلام سے الفت میں کمی کے ذریعہ ہو جاؤ گے۔ اس لئے صرف ضروری حدیث بیان کرنا۔ (۲) دوسرا مقصد یہ تھا کہ جس قوم کے پاس تم جارہے ہو وہ ابھی علوم قرآن اور اسکی تحصیل میں مصروف ہیں اور ان کے لئے ابھی یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ فی الحال قرآن کریم ہی کی طرف متوجہ رہیں۔ تاکہ وہ اپنے اوپر عائد کردہ فرائض سے واقف ہو سکیں اگر اس وقت ان کے سامنے حدیثیں کثرت سے بیان کروگے تو وہ ان ہی احادیث کی جانب جھک پڑیں گے اور قرآن کریم سے پہلوتہی کرلیں گے، اور یہ کثرت تحدیث غفلت قرآن کا سبب بن جائے گی، اس لئے ایسے مواقع پر کثرت سے حدیث سنانا مناسب نہیں ہے ہاں ضروری حدیثیں سنادی جائیں، (۳) تیسرا مقصد یہ ہے جس قوم کے پاس تم پہنچ رہے ہو وہ ابھی نو مسلم ہے ابھی اسکی مکمل تربیت بھی نہیں ہو سکی ہے اسلام کے مزاج اور اصول و مبادیات سے لاعلم ہے تو ممکن ہے کہ تمہاری کثرت تحدیث ہضم نہ کرسکے اور حدیث شریف کا معنی غلط سمجھ کر فتنہ میں مبتلا ہو جائے۔

اس لئے کثرت روایت سے گریز کرنا ہاں واضح اور غیر مبہم حدیث بوقت ضرورت سنا دینا[1]

ثم انا شریککم:۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میرا بھی طرہ امتیاز قلت روایت ہے اور اسی کی میں اسوقت تم کو نصیحت کر رہا ہوں تو اگر تم نے میری اس نصیحت پر عمل کیا، اور قلت روایت کو اختیار کیا تو گویا تم نے میری اتباع کی، اور قلت روایت میں ہم دونوں شریک ہوئے۔

سوال۔ اس روایت سے کتمان علم کا جواز معلوم ہوتا ہے جبکہ قرآنی نصوص ان الذین یکتمون

---

[1] مصباح الزجاجہ ص ۴۳

ما انزلنا من البینات والھدی الخ اوراحادیث مبارکہ من سئل عن علم یعلمہ فکتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من النار۔نیز بلغوا عنی ولو اٰیۃ اسی طرح الا فلیبلغ الشاھد الغائب سے کتمان علم کی حرمت معلوم ہوتی ہے تو بظاہران دونوں میں تعارض نظر آتا ہے؟

جواب:۔ بلاشبہ اشاعت دین اوراحکام اسلام کی تبلیغ ضروری ہے اور کتمان علم حرام ہے مگر کسی شرعی اور دینی مصلحت کی وجہ سے محتاط رویہ اپنانا کتمان علم میں داخل نہیں ہوگا،چنانچہ امام خطابیؒ کے حوالے سے صاحب مصباح الزجاجہ نے لکھا ہے کہ کتمان علم اسی وقت صادق آئیگا جب کوئی شخص ارکان اسلام،احکام شرع اور مسائل دریافت کرے یا کسی چیز کے حرام وحلال مباح اور مکروہ کے متعلق سوال کرے پھر نہ بتایا جائے،اورامام سیدؒ نے فرمایا کہ کتمان علم کی وعیدیں صرف ان علوم ومسائل سے تعلق رکھتی ہیں جن مسائل کے روزمرہ عوام سامنا کرتی ہیں رہے وہ علوم جو غیر ضروری ہیں اسکے نہ بتانے سے کتمان علم کی وعید میں داخل نہ ہوگا اور حضرت عمرا سی غیرضروری احادیث کے بیان سے روک رہے ہیں لہذا کوئی اشکال ہی نہیں۔

اس اشکال کا دوسرا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ کتمان علم جب لازم آتا ہے جب حضرت عمر بالکلیہ حدیث کے بیان سے روکتے اور مسائل شرعیہ کے بیان سے صراحۃً منع کردیتے حالانکہ یہاں ایسی بات نہیں ہے فی نفسہ بیان کی اجازت کے ساتھ ساتھ قلت روایت کی ترغیب کسی مصلحت کی بنیاد پر دے رہے ہیں لہذا حضرت عمرؓ کا ارشاد کتمان علم میں داخل نہ ہوگا۔

تیسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ کسی چیز کی کثرت ہی زلات اور لغزش کا ذریعہ ہوتا ہے حضرت عمر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ کہیں تم ان لوگوں کے جوش وخروش کو دیکھکر خوب حدیثیں بیان کرنے لگو اور حضور ﷺ کی طرف باتیں منسوب کرنے لگو اور خدانخواستہ وہ روایت حضورؐ کی نہ ہو،تو پھر وبال جان بن جائے گی اس لئے ذرا احتیاط کرنا اور حدیثیں کم بیان کرنا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تو انہیں اشاعت اسلام اور فرمان نبوی کی تبلیغ کے لئے روانہ ہی کررہے ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر کتمان علم کا حکم دیں بلکہ اس امر سے مقصود علوم نبویہ کی ترویج پر ابھارنے اور تبلیغی فریضہ انجام دینے کا شوق وجذبہ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ احتیاطی پہلو کی جانب توجہ دلارہے ہیں کہ مسائل دینیہ سے تو لوگوں کو واقف کرانا اوران کے سوالات کا جواب تشفی بخش دینا مگر اپنے اس قول کو نبی کی طرف منسوب نہ کرنا اگرچہ فی نفسہ رسول ﷺ ہی کا قول کیوں نہ ہو ہاں ضرورت شدیدہ اور ناگزیر حالت میں حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں [1]

سوال:۔ حدیث شریف کا باب سے کیا تعلق ہے اور ترجمۃ الباب کیا ہے؟

---

[1] مصباح الزجاجہ

جواب:۔ اس حدیث میں چونکہ حدیث کے بیان کرنے میں احتیاطی پہلو اپنانے کی تلقین کی ہے اسی لئے امام ابن ماجہ نے اس باب کے تحت اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے اقلوا الروایة ہی ترجمۃ الباب ہے

رجال حدیث:۔

احمد بن عبدة بن موسیٰ الضبی ثقہ راوی ہیں بصرہ کے باشندے تھے کنیت ابو عبداللہ ہے احمد بن عبدة الاملی کنیت ابو جعفر صدوق ہیں۔[1]

حماد بن زید بن درہم الازدی کنیت ابو اسماعیل ہے آپ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں اور فقاہت بھی آپ کی مسلم ہے۔[2]

قرظہ بن کعب بن ثعلبہ الانصاری صحابی رسول ہیں عراق کی فتح کرنے میں شریک تھے،[3]

عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن عبداللہ بن قرط ابن رزاح ابن عدی بن کعب القرشی العدوی مشہور صحابی اور خلیفہ دوم ہیں ان کے بے شمار فضائل ہیں ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں وفات پائی آپ کی مدت خلافت ساڑھے دس سال ہے[4]

(۳۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ صَحِبْتُ سَعْدَبْنَ مَالِكٍ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَمَا سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِحَدِيْثٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعد بن مالک کے ہمراہ مدینہ سے مکہ تک رہا مگر میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کرتے نہیں سنی۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب خود الفاظ حدیث سے واضح ہے مگر یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ فما سمعته یحدث کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بالکل حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ بلاوجہ حدیث بیان نہیں کرتے تھے البتہ طالب حدیث کی غایت رغبت اور شدتِ شوق کے وقت بیان کرتے تھے،

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے باب التوقی کے تحت اسلئے ذکر کیا ہے کہ اس میں حضرت سعدؓ بن مالکؓ کی روایت حدیث میں احتیاط کا ذکر ہے فما سمعته یحدث عن النبی ﷺ بحدیث واحد ترجمۃ الباب ہے۔

رجال حدیث:۔

محمد بن بشار کا تذکرہ حدیث (۶) کے تحت گذر چکا ملاحظہ کرلیں۔

---

[1] تقریب ص ۸ [2] تقریب ص ۶۳ [3] تقریب ص ۲۰۹ [4] تقریب ص ۱۸۹۔

احمد بن زید کا تذکرہ ابھی حدیث (۳۰) کے تحت گزرا ہے

یحییٰ بن سعید کا تذکرہ حدیث (۲۰) کے تحت گذر چکا ہے ملاحظہ فرمالیں۔

سائب بن یزید بن ثمامہ الکندی صحابی ہیں حجۃ الوداع میں شریک تھے ان سے بہت کم روایت مروی ہے[۱]

سعد بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری الخدری کنیت ابو سعید ہے[۲]

(٤) باب التغليظ فى تعمد الكذب على رسول الله ﷺ

اس باب میں امام ابن ماجہ ان روایات کو لائیں گے جن میں کذب علی النبیؐ کی قباحت وشناعت، اور جھوٹی حدیثیں اختراع کرنے والے کے لئے وعیدیں ہوں گی کذب خواہ کسی بھی نوعیت سے ہو مطلقا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے مگر حضور اکرم ﷺ پر کذب اور اختراع پردازی تو اکبر الکبائر اور کذب اعظم ہے اس بارے میں تفصیلی گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کذب کی تعریف اور اس میں جو اختلاف ہے اس کو قلم بند کیا جائے۔

کذب کی تعریف اور اس میں اختلاف:۔

كَذَبَ يَكْذِبُ ض كَذِباً وَكِذْ باً. جھوٹ بولنا، جان بوجھ کر غلط خبر دینا کذب کی اصطلاحی تعریف میں اہل سنت اور معتزلہ اور دوسرے گمراہ فرقوں کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ اہل سنت والجماعت کذب کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

واما الكذب فهو عند المتكلمين من اصحابنا الاخبارعن الشئ على خلاف ماهو عمدا كان اوسهواً هذامذهب اهل السنة[۳] بہرحال کذب تو ہمارے اصحاب متکلمین کے نزدیک کسی چیز کے بارے میں خلاف واقعہ کی خبر دینا ہے خواہ یہ خبر دینا عمداً ہو یا سہواً اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

محدث جلیل، عالم کبیر، فقیہ بے مثل، حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مد ظلہ العالی، کذب کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

والكذب الاخبارعن الشئ على غيرهو عليه وان لم يتعمداً لكن التعمدشرط الاثم[۴]

اہل سنت کے نزدیک کذب خلاف واقعہ بات بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ عمداً ہو یا سہواً اگر چوں کہ بھول چوک میں گناہ نہیں ہوتا اسلئے حدیث میں متعمداً کی قید لگائی گئی ہے۔

اس کے برخلاف معتزلہ کذب کی تعریف میں خلاف واقعہ خبر دینے کے ساتھ عمداً کی قید لگانے کو لازم

---

[۱] تقریب ص ۸۷ [۲] تقریب ص ۸۹ [۳] مسلم شرح نووی جلد ا ص ۸ [۴] فیض القدیر جلد ۵ ص ۲ بحوالہ مصباح الزجاجہ ص ۳۶

سمجھتے ہیں قالت المعتزلة شرطه (الکذب)العمدیة[۱] معتزلہ کذب کی تعریف میں عمداً کی قید لگانے پر مصر ہیں اس صورت میں حدیث شریف میں متعمداً کی قید قید احترازی ہوگی اتفاقی نہیں۔اور اگر قید اتفاقی مان لی جائے تو ایسی صورت میں حدیث جمہور کی موئید ہوگی،اور جن روایتوں میں متعمداً کی قید نہیں ہے بلکہ مطلق ہے اس کو مقید ہی پر محمول کریں گے کیوں کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ بھول چوک سے جھوٹ بولنے پر مواخذہ نہیں ہوگا کذب والی ساری احادیث عمد ہی پر محمول ہوں گی[۲]

ترغیب وترہیب کے متعلق وضع حدیث کا حکم:۔

مذہب اسلام کے اندر کذب مطلقاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی جانب کذب منسوب کرنا تو اکبر الکبائر اور سنگین گناہ ہے چاہے احکام شرعیہ میں ہو یا ترغیب وترہیب میں، فرقہ کرامیہ اور روافض کے نزدیک کسی عمل پر شوق دلانے یا آخرت سے خوف پیدا کرنے کے لئے وضع حدیث جائز ہے مگر یہ قول جمہور امت کے خلاف ہے۔

الثالثة انه لا فرق فی تحریم الکذب علیه وسلم بین ماکان فی الاحکام ومالا حکم فیه کا لترغیب والترهیب والمواعظ وغیره ذالك فكله حرام من اكبرالكبائر واقبح القبائح باجماع المسلمین الذین یعتدبهم فی الاجماع خلافا لكرامية الطائفة المبتدعة فی زعمهم الباطل انه یجوز وضع الحدیث فی الترغیب والترهیب وتابعهم علی هذا كثیرون من الجهلة الذین ینسبون انفسهم الی الزهدالخ[۳]

تیسری قسم یہ ہے کہ کذب علی النبی کے حرام ہونے میں احکام اور غیر احکام جیسے ترغیب وترہیب اور وعظ ونصیحت سب کے لئے حرام ہے اکبر الکبائر اور سنگین گناہ ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے جن کا اجماع معتبر ہے نو ایجاد فرقہ کرامیہ کا اختلاف ہے وہ اپنے زعم فاسد سے کہتے ہیں کہ بسلسلہ ترغیب وترہیب وضع حدیث جائز ہے اور بعض نام نہاد جاہل متصوفین نے بھی انکی اتباع کرتے ہوئے وضع حدیث کو ترغیب وترہیب کے لئے جائز کہا ہے۔

اور اس فرقہ ضالہ کی غلط فہمی کی بنیاد غالباً لفظ علیٰ ہے جو کبھی ضرر کے معنی دیتا ہے اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ نبی کریم ﷺ کے خلاف وضع حدیث تو حرام اور ممنوع ہے مگر ترغیب وترہیب کے واسطے اور فضائل کے ابواب میں وضع حدیث جائز ہے لہٰذا من کذب علی متعمداً الخ سے ترغیب وترہیب کے بابت وضع حدیث کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ مگر یہ قول قطعاً صحیح نہیں ہے لفظ علیٰ ہر جگہ ضرر کے لئے

---

[۱] مسلم شریف شرح نووی جلد ۱ ص ۸ [۲] مسلم شریف جلد ۱ ص ۸ ، مستفاد کشف الحاجہ ص ۶۵ [۳] مسلم شریف نووی جلد ۱ ص ۸ ہکذا امداد الباری جلد ۲ ص ۱۵۰، مفتاح الحاجہ ص ۵

نہیں آتا ہے اور قرآن وحدیث اس پر ناطق ہے صلو اعلیه وسلموا تسلیما۔اللهم صلی علی محمدالخ اسلئے لفظ علی کی وجہ سے وضع حدیث للترغیب والترہیب پر استدلال بالکل درست نہیں ہے۔
اور بعض لوگ اپنے زعم باطل سے اسی روایت کے دوسرے طرق سے استدلال کرنے کی جسارت کی ہے الفاظ حدیث اس طرح ہیں،من کذب علی متعمداً لیضل به الناس فلیتبوأ مقعده من النار،ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص قصداً جھوٹ بولے اور اس کے پیش نظر لوگوں کو گمراہ کرنا ہو تو ایسے آدمی کے لئے حدیث میں وعید آئی ہے اس حدیث کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا مقصد جھوٹ بولنے سے لوگوں کو گمراہ کرنا نہ ہو تو ایسے شخص کیلئے وعید نہیں ہے لہٰذا ابواب فضائل اور ترغیب والترتیب کے بابت وضع حدیث جائز ہے؟
مگر دلیل کے اس بیت عنکبوت کو متعدد دلائل سے ختم کیا جاسکتا ہے اس استدلال فاسد کا ضعف تو چند وجوہ بالکل نمایاں ہے (۱) سب سے عمدہ جواب یہ ہے لیضل به الناس کا جملہ راوی کی زیادتی ہے پیغمبرؐ کی حدیث ہونا ثابت ہی نہیں ہے اور اس جملہ کے صحیح نہ ہونے پر تمام حفاظ حدیث اور محدثین کا اجماع ہو چکا ہے قوله لیضل به الناس زیادة بلطلة اتفق الحفاظ علی ابطالها وانها نعرف صحیحه بحال،لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں [۱]
(۲) اگر بالفرض یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کے قول سے ہونا ثابت بھی ہو جائے تو لیضل به الناس تاکید کے لئے ہے تعلیل کے لئے نہیں،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن اظلم ممن افتریٰ علی الله کذباً لیضل الناس کے اندر لام برائے تعلیل نہیں بلکہ برائے توکید ہے اور یہ جواب امام ابو جعفر طحاوی کا ہے الثانی جواب ابی جعفر الطحاوی انهالو صحت لکانت للتاکید لقوله تعالی ومن اظلم ممن افتریٰ علی الله کذباً لیضل به الناس [۲]
[۳] لیضل الناس کالام بیان علت کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ لام صیرورۃ اور عاقبت کے لئے ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ وضع حدیث خواہ احکام میں ہو یا ترغیب وترہیب میں اپنے انجام اور مآل کے اعتبار سے گمراہی ہی ہے خیر اور ہدایت نہیں،
الثالث ان اللام فی لیضل لیست لا م التعلیل بل هی لام الصیرورة والعاقبة ومعناه ان عاقبة کذبه ومصیره الی الاضلال به کقوله تعالی فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدواً وحزناً [۳]
ان تمام توجیہات وتشریحات اور مفاہیم سے قطع نظر کر کے بھی غور کیا جائے تو عقل بھی یہ فیصلہ

---

[۱] نووی علی المسلم جلد ا ص ۸ [۲] نووی علی مسلم جلد ا ص ۸ [۳] نووی علی مسلم جلد ا ص ۸ انعام الباری جلد ۲ ص ۵۴

کرتی ہے کہ کذب علی النبی اور وضع حدیث مطلقاً حرام اور ممنوع ہو کیوں کہ اگر وضع حدیث اور کذب علی النبی کا سدباب کلیۃً نہ کیا جائے تو ہر آدمی حسب موقع اور بوقت ضرورت اپنے مطلب کی حدیث وضع کر کے رسول کی جانب دھڑ لے سے منسوب کردے گا پھر یہ کہ اسلام تمام احکام و فضائل کے اعتبار سے مکمل اور جامع مذہب ہے الیوم اکملت لکم دینکم۔ ثواب اور گناہ کے تمام کام حضور ﷺ نے لوگوں کو بتادیئے ہیں پھر اپنی طرف سے اگر کوئی وضع کرتا ہے تو گویا وہ پس پردہ نبوت کا مدعی اور دین اسلام کی جامعیت کا انکار کرتا ہے اس لئے کسی بھی اعتبار سے وضع حدیث ہرگز روا نہیں ہے۔

(۳۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ وَعَبْدُاللهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ وَاِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى قَالُوْا ثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میرے بارے میں جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف کے اندر چھ مباحث ہیں (۱) متن حدیث کا درجہ (۲) فلیتبوأ مقعدہ من النار کی تشریح (۳) حدیث شریف کا مصداق (۴) حضور کے خلاف عمداً جھوٹ بولنے والے کا کفر و عدم کفر کے متعلق اقوال (۵) واضع حدیث کے قبول توبہ و عدم قبول توبہ کے متعلق علماء کی رائیں، (۶) وضع حدیث کی روایت توبہ کے بعد قبول ہوگی یا نہیں؟

یہ چھ مباحث اس حدیث کے تحت آتے ہیں جن کو ہم علی الترتیب بیان کررہے ہیں۔

متن حدیث کا درجہ:۔

امام بخاریؒ نے اس باب کے تحت، بخاری جلد اول ص ۲۱ پر پانچ احادیث الگ الگ صحابہ سے بیان کی ہیں جنکی ترتیب حسب ذیل ہے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ حضرت انسؓ حضرت مسلمہؓ حضرت ابوہریرہ اور ان روایت کی ترتیب میں شاندار طریقہ اختیار فرمایا۔ علامہ نوویؒ حافظ ابن حجر، علامہ بدرالدین عینی اور علامہ قسطلانی وغیرہ اور دوسرے بہت سے علما نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث نہایت صحیح اور قوی تر ہے اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ حدیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہے بلکہ محدثین کی جماعت نے اسکو لفظاً بھی متواتر کہا ہے اس لئے کہ یہ روایت صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہے امام ابوبکر بزاز نے اپنی مسند میں لکھا

ہے کہ یہ حدیث چالیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہے امام ابو بکر صیرفی نے رسالۃ الشافعی کی شرح میں لکھا ہے کہ ساٹھ سے زیادہ صحابہ کرامؓ سے یہ روایت مرفوعاً منقول ہے اور بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے باسٹھ صحابہ کرامؓ سے یہ روایت مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اور امام ابوالقاسم بن عبدالرحمن مندہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے رواۃ کو جب شمار کیا گیا تو ستائیس تک پہنچ گئے علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اسکے رواۃ دو سو صحابہ کرامؓ ہیں علامہ عینی اور حافظ نے ان صحابہ کرام کے اسماء کو بھی شمار کیا ہے الغرض یہ حدیث نہایت اہم اور قوی تر ہے اور اس کے اسناد نہایت اعلیٰ درجے کے ہیں[1]

فلیتبوأ مقعده من النار کی تشریح

بعض علماء حدیث نے فلیتبو أ کی تشریح فلینزل سے کی ہے اور بعض نے فلیتخذ منزله من النار سے کی ہے امام خطابیؒ نے فرمایا کہ فلیتبو أمباءة الابل سے ماخوذ ہے ای اعطلنها پھر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ دعاء بلفظ امر ہے یعنی بواہ الله ذلك اور کچھ کا کہنا ہے کہ یہ امر خبر ہے جس کے معنی لستو جب ذلك کے ہوں گے یعنی اس نے کذب علی النبی بول کر اپنے اوپر جہنم واجب کر لی ہے اور خبر ہونا ہی زیادہ اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعض روایتوں میں بنی له بیت فی النار کا لفظ آیا ہے جو صراحۃً خبر ہے۔[2]

حدیث شریف کا مصداق و مفہوم۔

امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ حدیث شریف کا مفہوم و مصداق یہ ہے کہ کذب علی النبی اتنا بڑا سنگین گناہ ہے اگر ایسے شخص کو بدلہ دیا جائے تو یقیناً اس کا بدلہ جہنم ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادیں یہ بھی ممکن ہے بلکہ متوقع ہے لہذا واضع حدیث کے بارے میں قطعی طور پر دخول نار کا فیصلہ کرنا غلط اور کم علمی کی دلیل ہوگی ایسے ہی دیگر اہل کبائر کے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں ان کے بارے میں بھی حتمی طور پر دخول جہنم کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے ہاں جو کفر و شرک کی حالت میں مر گیا اور اس کا کفر و شرک پر مرنا یقینی ہے تو دخول نار کا فیصلہ کر سکتے ہیں جیسے ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ اور اگر واضع حدیث یا کسی بھی مرتکب کبائر کو دخول نار کی سزا دی گئی تو یہ دائمی سزا نہ ہوگی بلکہ اپنے برے اعمال اور کالے کرتوت کی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے ضرور خلاصی ہوگی بشرطیکہ ایمان پر موت ہوئی ہو۔[3]

واضع حدیث کے کفر و عدم کفر کے متعلق اقوال:۔

لاریب کذب علی النبی قصداً مطلقاً حرام اور اکبر الکبائر ہے لیکن مع ھذا جمہور اہل سنت کے نزدیک کفر نہیں ہے ہاں اگر کوئی کذب علی النبی اور وضع حدیث کو حلال سمجھے تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی جمہور اسی

---

[1] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۸، فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۱ الدر والباری جلد ۲ ص ۳۹ [2] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۱، ومستفاد کشف الحاجہ ص ۶۷ [3] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۸ کشف الحاجہ ص ۶۷

کے قائل ہیں مگر امام الحرمین کے والد بزرگوار ابو محمد جوینی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے اور مجتہد مطلق ہونے کے مدعی تھے ان کا فتویٰ یہ ہے کہ عمداً کذب علی النبی اور جان بوجھ کر حدیث وضع کرنے والا کافر ہے کیونکہ یہ اللہ پر بہتان باندھنا ہے اور غیر دین کو دین بنانا ہے۔

امام الحرمین کے والد بزرگوار ابو محمد جوینی اپنے درس میں بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ من کذب علی رسول الله ﷺ عمداً کفر واریق دمه [۱] اور متاخرین میں سے شیخ ناصر الدین ابن المنیر مالکی اور انکے چھوٹے بھائی شیخ زین الدین بن المنیر بھی اسی کے موئید ہیں [۲] لیکن جمہور نے ان حضرات کے قول کو تسلیم نہیں کیا بلکہ ابو محمد جوینی کے صاحبزادے امام الحرمین نے اپنے والد کی تردید کی ہے کہ ان کا قول اصول اسلام کے خلاف تھا [۳]

واضع حدیث کی توبہ:۔

کسی کے بارے میں کذب علی النبیؐ اور وضع حدیث ثابت ہو جائے تو اس کے متعلق شیخ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ اسکی روایت قابل قبول نہ ہو گی بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے مجروح ہو گیا اعلیٰ درجے کا فاسق ہو گیا مگر چوں کہ یہ گناہ بہر حال کفر و شرک کے برابر نہیں ہے اس لئے جمہور فرماتے ہیں کہ جب توبہ و ندامت سے کفر و شرک کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو وضع حدیث اور کذب علی النبی کے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے بعض علماء نے کہا کہ کذب علی النبی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہو گی اسلئے کہ دیدہ دانستہ نبی ﷺ پر کذب گوئی اکبر الکبائر ہے اور توبہ جو ناواقفیت میں گناہ ہوتے ہیں اسکے لئے ہے انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون الخ مگر یہ قول نہ قابل التفات ہے اور جمہور امت کے خلاف ہے صحیح بات یہی ہے توبہ قبول ہو جائیگی [۴]

توبہ کے بعد قبول روایت:۔

مگر قبول توبہ کے بعد اس کی روایت قبول ہو گی یا نہیں؟ اس کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ واضع فی الحدیث کی روایت توبہ کے بعد بھی قبول نہ ہو گی اگر چہ وہ خالص توبہ ہی کیوں نہ کر چکا ہو امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کے شیخ ابو بکر حمیدی اور فقہاء شافعیہ میں سے ابو بکر صیرفی کا یہی مسلک ہے اور علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے مگر امام نووی نے ان اقوال پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کافر کی شہادت بعد الاسلام قابل قبول ہے تو واضع حدیث کی صحیح توبہ کرنے کے بعد روایت کیوں قبول نہ ہو گی التائب من الذنب کمن لا ذنب له لہذا توبہ کے بعد اس کی روایت کا قبول نہ کرنا قواعد شرعیہ کے خلاف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ توبہ کے بعد اس کی روایت قبول ہو گی [۵]

---

[۱] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۸، امداد الباری جلد ۲ ص ۵۱ کشف الحاجہ ص ۷، ۶ مفتاح الحاجہ ص ۵ [۲] امداد الباری جلد ۲ ص ۵۱ [۳] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۸، مرقات جلد ۱ ص ۲۶۶ [۴] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۸ امداد الباری جلد ۲ ص ۵۱ [۵] نووی مسلم جلد ۱ ص ۸

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے اوپر عمداً جھوٹ بولے تو چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

رجال حدیث:۔

زہیر بن حرب بن شداد ابو خیثمہ النسائی نہایت ثقہ ہیں ان سے امام مسلم نے تقریباً ایک ہزار یا اس سے زائد روایتیں نقل کی ہیں [۱]

ہشیم بن بشیر ابن قاسم بن دینار السلمی ثقہ راوی ہیں لیکن تدلیس اور ارسال کرتے تھے [۲]

زبیر نام کے حافظ نے تقریباً تیرہ اسماء گنائے ہیں مگر شاید یہاں زبیر ابن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب ابو عبداللہ القرشی الاسدی مراد ہیں یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں [۳]

جابر بن عبداللہ بن عمر بن حرام الانصاری ثم السلمی صحابی رسول ہیں انیس غزوات میں شریک رہے مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔ [۴]

(۳۶) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص میرے بارے میں جھوٹ گھڑے گا جسے میں نے نہیں کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

رجال حدیث:۔

محمد بن بشر بن بشیر الاسلمی الکوفی، صدوق راوی ہیں [۵]

محمد ابن عمرو اس نام کے کثیر راوی ہیں یہاں کون مراد ہیں واللہ اعلم ابو سلمہ نام کے متعدد راوی ہیں یہاں مراد ابو سلمہ بن سفیان المخزومی ہیں جن کا نام عبداللہ ہے [۶]

(۳۷) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى التَّيْمِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى هَذَا الْمِنْبَرِ إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيثِ عَنِّي فَمَنْ قَالَ عَلَيَّ فَلْيَقُلْ حَقًّا أَوْ صِدْقًا وَمَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

---

[۱] تقریب ص ۹۲ [۲] تقریب ص ۳۶۷ [۳] تقریب ص ۸۱ [۴] تقریب ص ۸۱ [۵] تقریب ص ۲۰۰ [۶] تقریب ص ۳۱۹ [۷] تقریب ص ۳۹۹

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ اپنے آپ کو میری جانب سے کثرت تحدیث سے بچاؤ جو شخص میرے بارے میں بیان کرے وہ حق اور سچ کہے اور جس نے میرے بارے میں ایسا جھوٹ گھڑا جسے میں نے نہیں کہا تھا تو وہ اپنا ٹھکانہ چاہئے کہ جہنم بنالے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی تشریح اور باب سے مناسب بالکل ظاہر ہے حدیث شریف میں کثرت تحدیث سے بچنے کی تاکید ہے۔

رجال حدیث:۔

یحیی بن یعلی التیمی الکوفی ثقہ راوی ہیں [۱]

حافظ نے محمد بن اسحاق نام کے چھ راوی ذکر کئے ہیں مگر یہاں کون سے راوی مراد ہے واللہ اعلم [۲]

معبد بن کعب بن مالک الانصاری السلمی مقبول راوی ہیں [۳]

ابو قتادۃ معروف مشہور صحابی ہیں غزوہ احد میں شریک ہوئے اس کے علاوہ دیگر غزوات میں شریک ہوئے ۵۴ھ میں وفات ہوئی [۴]

(۳۸) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالاَ ثَنَا غُنْدَرٌ ثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ اَبِیْ صَخْرَةَ عَنْ عَامِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَيْرِبْنِ الْعَوَّامِ مَالِیْ لاَ اَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَمَا اَسْمَعُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَفُلاَ نًا وَفُلاَنًا قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اُفَارِقْهُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلٰكِنِّیْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے زبیر بن العوام سے کہا کہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو حضور ﷺ کی حدیث بیان کرتے اس طرح نہیں سنتا ہوں جس طرح ابن مسعود اور فلاں فلاں سے سنتا ہوں تو حضرت زبیر نے فرمایا کہ جب سے میں اسلام لایا حضور ﷺ کی رفاقت نہیں

---

[۱] تقریب ص ۳۷۹ [۲] تقریب ص ۲۱۳ [۳] تقریب ص ۲۵۰ [۴] تقریب ص ۳۱۰

چھوڑی۔ لیکن میں نے حضور ﷺ کو ایک بات کہتے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر کذب بولے گا اس کو چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

تشریح حدیث:۔ اما انی لم افارقه

حضرت زبیر نے فرمایا کہ میرے حدیث نہ بیان کرنے وجہ یہ نہیں ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت اختیار نہیں کی بلکہ میں توجب سے حلقہ اسلام اور دامن رسول ﷺ سے وابستہ ہوا ہوں اس وقت سے کبھی مفارقت اختیار نہیں کی ہے لیکن ہاں میں نے اپنے مصاحبت کے دوران حضور اکرم ﷺ کی زبان سے ایک کلمہ سنا تھا کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اسلئے میں روایت کم بیان کرتا ہوں اور احتیاط برتتا ہوں تاکہ کذب علی النبی ﷺ کہیں سرزد نہ ہو جائے۔

رجال حدیث:۔

غندر۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ غندر محمد بن جعفر الہذلی لقب ہے یہ لقب ابن جریج نے ان کو دیا تھا غندر ثقہ راوی ہیں بخاری مسلم میں ان کی روایت موجود ہے[۱] جامع بن شداد المحاربی کنیت ابو صخرہ ہے ثقہ راوی ہیں[۲] عامر بن عبداللہ بن زبیر العوام الاسدی کنیت ابوالحارث ہے آپ نہایت ثقہ راوی اور عبادت گذار تھے[۳]

(۳۹) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر قصداً جھوٹ بولے تو چاہیئے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

رجال حدیث:۔

علی بن مسہر الکوفی القرشی ثقہ راوی ہیں[۴] مطرف ابن طریق الکوفی کنیت ابو عبدالرحمن یا ابو بکر ہے ثقہ راوی ہیں[۵] سعد بن مالک بن سنان الانصاری صحابی ہیں[۶]

---

[۱] نووی علی مسلم جلد ا ص ۷ تقریب ص ۲۱۷ [۲] تقریب ص ۶۱ [۳] تقریب ص ۱۳۰ [۴] تقریب ص ۱۸۶ [۵] تقریب ص ۲۳۷ [۶] تقریب ص ۸۹

(۵) باب مَنْ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَ یُرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ

اس باب کے تحت بھی امام ابن ماجہ ان روایات کو لائیں گے جن میں نبی کریم ﷺ کی جانب غلط بات منسوب کرنے پر وعید آئی ہے اور دونوں بابوں کا مقصد بھی ایک ہی ہے یعنی حدیث بیان کرنے اور آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں جسارت اور بے باکی سے کام نہ لیا جائے بلکہ جس روایت کو بیان کی جائے اس کی سندوں کو خوب جانچ پرکھ کر کے جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ رسول ﷺ کی حدیث ہے پھر اسے بیان کی جائے، باقی کلام گذشتہ باب کے ذیل میں ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۰) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ ثَنَا عَلِیُّ بْنُ ھٰشِمٍ عَنْ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ الْحَکَمِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ حَدِیْثاً وَھُوَ یُرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُالْکَاذِبَیْنِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری جانب سے کوئی بات بیان کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ بات جھوٹ ہے تو ایسا شخص دو جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

تشریح حدیث:۔

یری شیخ محی الدین النووی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کو بضم الیاء اور بفتح الیاء دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے مگر جب معروف یری پڑھیں گے تو اس صورت میں یہ یعلم کے معنی میں ہوگا اور افعال قلوب میں سے ہوگا جو علم ویقین کا معنی دیتا ہے بعض علماء نے اسی قراءت کو اختیار کیا ہے اور یری بضم الیاء بصیغہ مجہول پڑھا جائے تو اس وقت یہ یظن کے معنی میں ہوگا اور یہ مطلق افعال میں سے ہوگا بہر حال اس کو بصیغہ معروف پڑھا جائے یا بصیغہ مجہول، مطلب یہ ہے کہ راوی روایت کو جھوٹ جانتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کرتا ہے یا روایت کے جھوٹی ہونے کا گمان ہے پھر بھی نبی ﷺ کی جانب منسوب کرنے میں تامل نہیں کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا ورنہ نہیں یعنی روایت فی نفسہ جھوٹی ہے مگر راوی کو معلوم نہیں ہے پھر اسے روایت کر دیتا ہے تو اس صورت میں گناہ گار نہ ہوگا[1]

فھو احد الکاذبیں الکاذبین کے اندر بھی دو قراءت علماء محدثین نے نقل کی ہیں ایک اس کو بکسر الباء بفتح النون بصیغہ جمع پڑھا جائے قاضی عیاض نے بصیغہ جمع ہی اس کو پڑھا ہے اور یہی مشہور بھی ہے اس

---

[1] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۷، مرقات جلد ۱ ص ۲۶۶

صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جو شخص حدیث کو جھوٹی جانتے ہوئے روایت کرے وہ واضعین حدیث ہی کی طرح جھوٹوں میں کا ایک ہے اور گناہ میں دونوں شریک ہیں۔ابو نعیم اصفہانی نے اپنی کتاب المستخرج علی صحیح مسلم میں الکاذ بین ، بفتح الباء و کسر النون بصیغہ تثنیہ نقل کیا ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہو گا جھوٹی روایت بیان کرنے والا دو جھوٹوں میں کا ایک ہے پہلا وہ شخص جس نے یہ حدیث بنائی ہے اور دوسرا وہ راوی ہے جو اس جھوٹ کو فروغ دے رہا ہے۔ مگر حتمی طور پر کسی ایک صیغے کی تعیین نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ ابو نعیم نے مغیرہ والی روایت میں خود شک ظاہر کیا ہے کہ تثنیہ کا صیغہ ہے یا جمع کا۔ا۔شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ القلم احد اللسانین۔و الخال احد ابوین۔حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ انجاح الحاجہ علی ابن ماجہ میں ایک اور مفہوم نقل کیا ہے کہ کاذبین کے مصداق دو خاص اشخاص ہیں یعنی مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی، جو نبوت کے مدعی تھے مگر اس زمانے کے اکابر صحابہ نے اسے کیفر کردار تک پہنچادیا، تو اس راوی کو ان دونوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے اوپر نزول وحی کے مدعی تھے اور اس جھوٹے راوی نے بھی اپنی کذب بیانی اور دروغ گوئی میں غیر وحی کو وحی میں شامل کرنا چاہا۲

رجال حدیث:۔

علی بن ہاشم بن مرزوق الہاشمی الرازی صدوق راوی ہیں ۳ دسویں طبقات میں سے ہیں

ابو لیلیٰ بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ابن اسہل الانصاری المدنی ثقہ راوی ہیں چوتھے طبقات میں سے ہیں ۴ واضح رہے کہ ابو لیلیٰ الانصاری جن کے والد کا نام عبد الرحمٰن ہے وہ صحابی ہیں غزوہ احد میں شریک ہوئے اور اس کے علاوہ دیگر غزوات میں بھی شریک رہے حضرت علیؓ کے عہد خلافت تک زندگی پائی ابو لیلیٰ الکندی تو ثقہ ہیں مگر ابو لیلیٰ الخراسانی مجہول راوی ہیں ۵

(۴۱) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثنا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ ثنا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ.

ترجمہ حدیث:۔

سمرہ بن جندبؓ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی حدیث

---

۱ نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۲ مرقات جلد ۱ ص ۲۶۶ ۲ امداد الباری جلد ۲ ص ۵۲ حاشیہ ابن ماجہ ص ۵ ۳ تقریب ص ۱۸۷ ۴ تقریب ص ۳۱۱ ۵ تقریب ص ۳۱۲

بیان کرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک ہے (تشریح حدیث گزر چکی ہے)

رجال حدیث:۔

وکیع بن الجراح بن ملیح الروسی ثقہ راوی ہیں۔ وکیع بن عدس ابو مصعب مقبول راوی ہیں اور وکیع بن محرز بن وکیع صدوق راوی ہیں مگر یہاں کون سا مراد ہے واللہ اعلم[۱] سمرہ بن جندب بن ہلال الفزاری صحابی رسول ہیں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی[۲]

(٤٢) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْحَکَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَوٰی عَنِّیْ حَدِیْثًا وَهُوَ یُرٰی اَنَّهٗ کَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری جانب سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ اس کو جھوٹ سمجھتا ہے تو وہ دو جھوٹوں میں کا ایک ہے (تشریح حدیث گذر چکی ہے)

رجال حدیث:۔

عثمان بن ابی شیبہ محمد کے بیٹے ہیں[۳]

محمد بن فضیل ابن غزوان الضبی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے کوفہ کے باشندے ہیں ان پر تشیع کا الزام لگایا گیا ہے مگر یہ فی نفسہ صدوق ہیں[۴]

(٤٣) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِكَ اَنْبَاَ الْحَسَنُ بْنُ مُوْسَی الْاَشْیَبُ عَنْ شُعْبَةَ مِثْلَ حَدِیْثِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ۔

(٤٤) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ مَیْمُوْنِ بْنِ اَبِیْ شَبِیْبٍ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ بِحَدِیْثٍ وَهُوَ یُرٰی اَنَّهٗ کَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میرے بارے میں کوئی حدیث بیان کرے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں کا ایک ہے (تشریح حدیث شروع میں گذر چکی ہے)

رجال حدیث:۔

محمد بن عبدک کا کاف تصغیر کے واسطے ہے فارسی زبان میں کاف تصغیر کے لئے آتا ہے[۵]

---

[۱] تقریب ص ۲۷۱ [۲] تقریب ص ۱۰۳ [۳] تقریب ص ۱۷۵ [۴] تقریب ص ۲۳۱ [۵] حاشیہ ابن ماجہ ص ۵

الحسن بن موسیٰ کنیت ابو علی البغدادی شہر موصل کے قاضی تھے آپ ثقہ ہیں[1]

حبیب ابن ثابت بن قیس الاسدی الکوفی زبردست فقیہ تھے ثقہ ہیں مگر بہت زیادہ تدلیس اور ارسال کیا کرتے تھے[2]

میمون ابن ابی شبیب الربعی ابو النصر الکوفی صدوق راوی ہیں[3]

مغیرہ ابن شعبہ ابن مسعود بن معتب الثقفی مشہور صحابی ہیں صلح حدیبیہ میں مشرف باسلام ہوئے[4]

(٦) بَابُ اِتِّبَاعِ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

صحابہ کرام وہ مقدس اور قدسی صفات جماعت ہیں جن کی مدح و تعریف خود زبان نبوت سے ہوئی، اور جن کے ایمان وایقان ورع و تقویٰ اور خشیت الٰہی کی شہادت قرآن نے دی، جنھیں رضائے الٰہی کا پروانہ اسی دنیا میں دیدیا گیا وہ تمام کے تمام باتفاق امت اس لائق ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے، ان کے اخلاق و شمائل، اعمال و افعال اور اوصاف حمیدہ کو مشعل راہ بنایا جائے، حدیث پاک میں اصحابي كالنجوم بأيهم إقتد يتم اهتد يتم. میں اسی جانب اشارہ ہے کہ تمام صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تم جس کو بھی اپنا راہنما بناؤ گے جس کے بھی نقش قدم پر چلو گے وہ کامیاب اور ہدایت یاب ہو جاؤ گے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کی سب آقائے دو عالم ﷺ کی کمال تربیت اور کمال تہذیب کی بات تھی کہ تہذیب و تمدن سے عاری اجڈ مزاج عربو ں کو اپنے قول و فعل اور اخلاق فاضلہ، تربیت کاملہ سے ایسا بنادیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے تقویٰ و طہارت باطنی خشیت وللہیت، حسن عمل، ثبات علی الدین کی تعریف فرمائی اور انہیں دلائل اور احکام شرعیہ میں ایک خاص مقام عطا کیا، اور ان کے اقوال و اعمال، اور فیصلے کو امت کے لئے حجت قرار دیا، اور ان کے دامن سے وابستہ ہونے کی تاکید فرمائی، اور ان کی اتباع کو باعث فلاح دارین اور نجات اخروی قرار دیا گیا۔ مگر یہ بات بھی حقیقت ہے کہ تمام صحابہ یکساں درجے کے نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے تمام صحابہ نے اپنی اپنی فطری قابلیت اور لیاقت کے اعتبار سے علوم نبوت سے استفادہ کیا اور مشکوٰۃ نبوت سے فیض حاصل کیا اسی فرق مراتب کی وجہ سے جمہور کا اتفاق ہے کہ خلفاء اربعہ تمام صحابہ میں افضل اور اعلم تھے و ران میں بھی سیدنا ابو بکرؓ کی جو فضیلت ہے وہ سیدنا عمرؓ کی نہیں اور جو سیدنا عمر فاروقؓ کی فضیلت ہے وہ حضرت عثمان غنیؓ کی نہیں اور حضرت عثمان غنیؓ کی جو فضیلت ہے وہ حضرت علیؓ کی نہیں، الغرض مجموعی اعتبار سے خلفاء راشدین تمام صحابہ سے افضل ہیں اسی لئے پیغمبرؐ نے ان حضرات کی اتباع کو لازم قرار دیا صحابہ کے حق میں زبان درازی سے منع فرمایا، خصوصاً خلفاء اربعہ کی شان اقدس میں نازیبا کلمات بکنے سے روکا گیا جیسا کہ

---

[1] تقریب ص ۷۲ [2] تقریب ص ۶۳ [3] تقریب ۲۵۹ [4] تقریب ۲۵۳

حدیث باب سے باحسن طریق معلوم ہو جائے گا امام ابن ماجہ نے اس باب کو قائم کر کے بتادیا کہ دین اسلام کے مبلغ اعظم یہی حضرات ہیں اگر یہ مستند الیہ اور معتمد قرار پائیں گے تو دین اسلام کی ساری بنیادیں مضبوط ہوں گی اور اگر کہیں یہی اساطین اسلام مجروح ہو گئے اور ان کے اقوال واعمال اور فیصلوں کو حجت قرار نہ دیا گیا تو پھر دین کی بنیاد ہی متزلزل ہو کر رہ جائے گی، اور قرآن وحدیث کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے ہاتھ دھونا پڑیگا اس لئے ان پر کلی طور پر اعتماد کیا جائے اور ان کے فیصلے کو گلے سے لگایا جائے اور ان کی پیروی کو لازم کیا جائے۔

(٤٤) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَحْمَدَبْنِ بَشِيْرِبْنِ ذَكْوَانَ الدِّ مَشْقِيُّ ثَنَا الْوَلِيْدُبْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْعَلَاءِ يَعْنِيْ اِبْنَ زَبْرٍ حَدَّثَنِي يَحْيَ بْنُ ابى الْمُطَاعِ قَالَ سَمِعْتُ الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ يَقُوْلُ قَامَ فِيْنَا رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَظْتَ مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ فَاعْهَدْ اِلَيْنَا بِعَهْدٍ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْداً حَبَشِيًّا وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِىْ اِخْتِلَافاً شَدِيْداً فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَالْاُمُوْرَ الْمُحْدَثَاتِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت یحییٰ ابن ابو مطاع نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرباض بن ساریہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہو کر ہمیں ایک موثر نصیحت فرمائی جس سے قلوب گھبرا اٹھے اور آنکھیں نمناک ہو گئیں، پس آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہم سے کسی رخصت کرنے والے اور الوداع کہنے والے کی طرح (سوزو گداز اور موثر انداز میں) وعظ فرمایا لہٰذا آپ ہم سے کوئی عہد لے لیں آپ نے فرمایا کہ تمکو لازم ہے کہ اللہ سے ڈرو اور امیر کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو خواہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اور عنقریب تم لوگ میرے بعد زبردست اختلاف دیکھوگے (تو اس وقت دیکھو) تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اسے اپنی داڑھوں سے مضبوطی سے تھامنا اور تمہیں دین میں ہر نوایجاد چیز سے اجتناب کرنا اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

تشریح حدیث:۔ فوعظنا موعظة بليغة الخ

حضرت عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اور نہایت سوزو گداز اور موثر انداز میں وعظ فرمایا جس طرح جدائی اور فرقت کے وقت کوئی سوزو گداز انداز میں

ڈوبی نصیحت کرتا ہے، پیغمبر کی اس نصیحت کی وجہ سے ہمارے دل دہل گئے آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آپ سے کہا گیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے تو ایسی موثر نصیحت فرمائی کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے جدا ہونے والے ہیں اسلئے آپ ہم سے کچھ عہد و پیان لے لیجئے تو آپ نے فرمایا

علیکم بتقویٰ اللہ والسمع والطاعة ان عبداً حبشیاً۔

ملاعلی قاریؒ شارح مشکوٰۃ اس جملے کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی سے ڈرو اور معصیت و نافرمانی سے اجتناب کرو اور تقوی اختیار کرو سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر کو بجالایا جائے اور جملہ منہیات سے اجتناب کیا جائے، اور ہر وقت خوف الٰہی دل میں موجود ہو اسلئے کہ طبرانی شریف کی حدیث میں ہے اتق اللہ حیث ماکنت کے الفاظ آئے ہیں (جہاں کہیں بھی رہو اللہ سے ڈرو۔ اور تقوی اختیار کرو) صاحب مرقات نے اس حدیث کو جوامع الکلم میں سے شمار کیا ہے[1]

مزید حضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو تمہارے اوپر کوئی بھی امیر مقرر ہو اسکی بات کو سننا اس کی اطاعت کرنا ہے خلیفۃ المسلمین کی باتوں کو سننا اور اس کے حکموں کی اطاعت کرنا، اگرچہ تمہارے اوپر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر مقرر کر دیا جائے یعنی چاہے کتنا ہی ادنی درجے کا آدمی تمہارے امیر مقرر ہو پھر بھی اسکی اطاعت کو لازم جاننا اس سے اعراض مت کرنا۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین غلام بھی بن سکتا ہے جبکہ دوسری حدیث شریف میں ہے کہ الائمة من قريش، کہ خلیفۃ المسلمین قریش میں سے ہوگا تو ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب۔ اس کا جواب ملاعلی قاری نے مرقات میں یہ دیا ہے کہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ لوگوں کو امیر کی اطاعت پر ابھار رہے ہیں یعنی اگر بالفرض والمحال کوئی بالکل ادنی نسب و حسب والا آدمی تم پر حاکم بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت سے بھی گریز نہ کرنا بلکہ اسکی اطاعت کو بھی اپنے اوپر لازم جاننا، یہ مطلب نہیں کہ واقعتاً تم پر عبد حبشی امیر مقرر ہو جائیگا دوسرا جواب ملاعلی قاری نے یہ دیا ہے کہ یہ بطور مثال ذکر کرتا ہے وقیل هذا وارد على سبيل الحث والمبالغة على طاعة الحكام لا التحقيق .وقيل ذكر على سبيل المثل[2] حدیث میں عبد حبشی سے مراد ہر قسم کے گھٹیا اور ادنی درجے کا آدمی ہے خواہ ہندی ہو یا زنجی ہو یا ترکی،

وسترون من بعدی اختلافا شديداً۔

اس سے ان تمام فتنوں کی جانب اشارہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے روپوش ہو جانے کے بعد رونما ہوئے کہ لوگ مختلف جماعتوں میں بٹ گئے الگ الگ عقیدے گھڑ لئے ہوئی پرست اور اہل بدعت روز بروز جنم لینے لگے

---

[1] مرقات جلد اص ۲۴۱ [2] مرقات جلد اص ۲۴۲۔

بادشاہوں میں اختلاف ہو گیا جس سے بیشمار معاصی وجود میں آئے یہاں تک کہ نااہلوں کو ملک کی باگ ڈور سپرد کر دی گئی۔ جس کے نتیجے میں طرح طرح کے اور نوع بنوع فتنے اور نت نئے اختلاف معرض وجود میں آئے تو ایسے وقت میں مسلمانوں کے لئے ایک زبردست ابتلاء اور آزمائش ہوتی ہے نہ انہیں نگلتے بنتا ہے نہ اگلتے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں میری سنت اور میرے نقش قدم پر چلنے والے صحابہ کرامؓ کی سنت خصوصاً خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا ان کے عمل کو معیار اور حجت بنانا۔ فرمایا

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔

خلفاء راشدین کے دو معنی ہیں ایک عام اور خالص لغوی معنی جس کے تحت وہ تمام حضرات آجائیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ اور آپ کی حیات طیبہ کو اپنے لئے مشعل ہدایت بنایا ہو اور ان کی خلافت خلافت علی منہاج النبوۃ ہو اس تشریح کی وجہ سے خلفاء اربعہ کے علاوہ دیگر حضرات مثلاً ائمہ اربعہ مجتہدین یا ائمہ عادلین جیسے عمر بن عبد العزیز وغیرہ بھی شامل ہو جائیں گے یہ بعض علماء کا قول ہے [۱]

دوسرا معنی خاص اور اصطلاحی ہیں مگر اسمیں یہ اختلاف ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے کون کون خلفاء راشدین میں آتے ہیں چنانچہ ملا علی قاری، علامہ تورپشتی صاحب مفتاح الحاجہ علامہ شیخ محمد علوی، علامہ سعد الدین تفتازانی، علامہ ادریس کاندھلوی اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدین سے مراد خلفاء اربعہ ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب ہیں اور اسی ترتیب سے ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا خلفاء راشدین میں نہیں آتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا الخلافة بعدی ثلثون سنة کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی۔ اور یہ تیس سال حضرت علیؓ کی خلافت پر مکمل ہو چکے ہیں، اسی لئے یہی چار خلفاء حدیث پاک میں مراد ہیں [۲]

شیخ عبد الغنی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بن علیؓ کی خلافت بھی اس میں داخل ہے اور خلفاء سے خلفاء خمسہ مراد ہیں اور علماء کی ایک جماعت اس کی بھی قائل ہیں کیونکہ الخلافة بعدی ثلثون کے تحت حضرت حسن کی بھی خلافت آتی ہے اور ان کے عہد خلافت کو ملا کر ہی تیس سال پورے ہوتے ہیں اس لئے یہی قول اصح ہے کہ خلفاء سے خلفاء خمسہ مراد ہیں [۳]

یہاں یہ بات خوب واضح رہے کہ حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے بعد خلفاء پیدا ہوں گے ہی نہیں بلکہ ان حضرات کے بعد بھی خلفاء ہوں گے چنانچہ حدیث شریف میں ہے یکون فی امتی اثنا عشر خلیفة لہذا یہاں پر خاص طور پر خلفاء اربعہ یا خلفاء خمسہ کا ذکر کرنا ان کی عظمت شان۔ تصویب

---

۱ استفاد کشف الحاجہ ص ۲۰ انجاح الحاجہ ص ۵ مرقات جلد ۱ ص ۲۲۳ ۲ مرقات جلد ۱ ص ۲۳۲ تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۱۰۲ شرح عقائد نسفی ص ۱۴۹ مصباح الزجاجہ ص ۵۳ ۳ مصباح الزجاجہ ص ۱۵۳ انجاح الحاجہ ص ۵

رائے اوران کے تفوق مرتبہ کو بیان کرنا مقصود ہے اسی وجہ سے راشدین مہدیین ان کی صفت لائے اوران کی ثنا خوانی فرمائی [۱]۔ اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفاء کی سنت کو کیوں ملا کر ذکر کیا ہے؟ علماء امت نے اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہے ایک یہ کہ حضور اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ حضرات خلفاء اربعہ میری سنت سے استنباط کر کے فیصلہ کریں گے مسائل بتائیں گے اور اسمیں ان سے غلطی نہ ہوگی۔ ومن هذا الباب قتال ابی بکر بمالغی الزکوة دوسرے یہ کہ حضور اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ میری بعض سنتیں میرے زمانے میں اتنی شائع نہ ہوں گی جتنی ان حضرات کے زمانے میں ہوں گی ومن هذاالباب منع عمرؓ عن بیع امهات الاولاد کمافی تعلیق الصبیح والاشعة اللمعات اسی لئے اپنی سنت کے ساتھ ملا کر ان حضرات کی سنتوں کا ذکر ہے۔ [۲]

حضرت ابو بکر صدیق کا زمانہ خلافت دو سال تین ماہ دس دن ہے حضرت عمرؓ فاروق کا زمانہ خلافت دس سال چھ ماہ دس رات ہے [۳]

عضو علیها بالنواجذ.

عض یعض عضیضاً س. کاٹنا، دانتوں سے پکڑنا، نواجذ ناجذة کی جمع ہے بمعنی ڈاڑھ، یہ بلوغ اور کمال عقل کے بعد نکلتی ہے عض بالنواجذ کے معنی ہیں ڈاڑھوں سے کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا، ڈاڑھوں میں اور دانتوں کے مقابلہ میں زیادہ قوت ہوتی ہے اس سے حضور اکرم ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو ہر ممکن اپناؤ اور سخت سے سخت آزمائش کے وقت بھی اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گویا کہ ہر ممکن حد تک سنت کو اپنانے اور اسکی اتباع کی ترغیب دی گئی ہے۔

ایاك والامور المحدثات.

اور اس جملہ سے ہر ان نوایجاد باتوں سے رکنے کی تاکید فرمائی جو اصول دین کے خلاف ہوں اور مزاج شریعت کے متضاد ہوں کیونکہ جو چیز اصول دین کے خلاف اور مذاق شرع سے متصادم ہو اور اس کی اصل کسی بھی نوعیت سے خیر القرون کے زمانے میں موجود نہ ہو پھر اس کو دین سمجھ کر عمل کیا جائے تو یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور راہ راست سے گم گشتگی کا ذریعہ ہے جو انسان کو توبہ جیسی نعمت سے محروم اور جہنم تک پہنچا دیتی ہے ہاں اگر وہ امور ایسے ہیں جو اصول دین کے خلاف نہ ہوں بلکہ شرعی اصول اسلامی قوانین اور مذاق شریعت سے ہم آہنگ ہوں تو وہ امور بدعت نہیں کہلائیں گے اسی طرح وہ تمام علوم عالیہ جو کتاب و سنت کے معانی و مفاہیم اور اس کے فوائد و اسرار اور اس کے مقصد تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ہیں وہ بھی بدعت کے ذیل

---

[۱] مستفاد تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۱۰۲ مرقات جلد ۱ ص ۲۴۳ [۲] مستفاد تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۱۰۲ مرقات جلد ۱ ص ۲۴۴ [۳] مرقات جلد ۱ ص ۲۴۲

میں نہیں آئیں گے جیسے صرف نحو علم کلام وغیرہ، محدثات وبدعات کی ہم پوری تفصیل اگلے باب میں اجتناب البدع والجدل میں کریں گے فانتظروا انی معکم من المنتظرین ۔

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان دمشقی، صدوق راوی ہیں [۱]۔ ولید بن مسلم ابن شہاب العنبوی کنیت ابوبشر البصری ثقہ راوی ہیں [۲]

یحیٰی بن ابی المطاع القرشی الاردنی۔ صدوق ہیں [۳]

عرباض ابن ساریہ اسلمی مشہور صحابی ہیں اصحاب صفہ میں سے ہیں [۴]

(٤٥) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَنْصُوْرٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ السَّوَاقُ قَالاَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو السَّلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ الْعِرْبَاضَ ابْنَ سَارِيَةَ يَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ هٰذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا قَالَ قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لاَ يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلاَّ هَالِكٌ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اِخْتِلاَفاً كَثِيْراً فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْداً حَبَشِيّاً فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ حَيْثُ مَا قِيْدَ انْقَادَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبدالرحمن بن عمرو سلمی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرباض بن ساریہؓ کو فرماتے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو ایک نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھیں بہنے لگیں اور دل دہل گئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ وعظ تو کسی رخصت کرنے والے کا سا معلوم ہوتا ہے تو آپ ہم سے کس بات کا عہد لیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو ایک روشن ماحول میں چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن ہی کی طرح روشن ہے اس سے صرف ہلاک ہونے والا ہی شخص بھٹک سکے گا تم میں سے جو شخص زندہ رہیگا وہ عنقریب زبردست بہت زیادہ اختلافات کو دیکھیگا (تو ایسے خطرناک اور ابتلاء کے وقت سلامتی اسی میں ہے) کہ تم میری واضح اور متعارف سنتوں اور خلفاء راشدین کی سنتوں پر مضبوطی سے جمے رہنا اور امیر کی اطاعت ضرور لازم پکڑ لینی چاہیئے امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو (اطاعت امیر اس لئے ضروری اور لازم ہے کہ) مومن نکیل والے

---

[۱] تقریب ص ۱۴۴ [۲] تقریب ص ۷۰۲ [۳] تقریب ص ۷۸ [۴] تقریب ۱۷۸

اونٹ کی طرح ہے اس کو جس طرف لے چلو چل پڑتا ہے۔

تشریح حدیث: ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها

حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی تک جتنے نبی رسول مبعوث کئے گئے وہ سب کے سب کسی خاص قبیلہ کسی خاص قوم اور کسی مخصوص امت کے لئے مبعوث کئے گئے تھے اس لئے اسی کے اعتبار سے اس کے لائے ہوئے دین کی تشریح، توضیح بھی کی گئی لیکن جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کسی خاص کنبے قبیلے کے لئے نہیں گئی بلکہ آپ کی بعثت مبارکہ نسل انسانی کی اس پوری جماعت کیلئے کی گئی ہے جو الی یوم القیامۃ اس روئے زمین پر جنم لے گی ارسلت إلی الناس کلفة۔ اور آپ کا لایا ہوا دین اور احکام خداوندی پوری جماعت انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے اس لئے آپ کی شریعت کو اتنا محفوظ، اتنا جامع مکمل اور اس کی ہر ہر شق کو اتنا واضح اور مشرح کر دیا گیا اور احکام ربانی کے تمام گوشوں کو ایسا اجاگر کیا گیا اور آپ کے اسوہ حسنہ سے قانون الٰہی کی ایسی بین تفسیر کر دی گئی کہ اب اس میں کسی بھی طرح اجمال و خفا کا شائبہ بھی نہیں ہے اور دین اسلام کے تمام اصول و مبادیات، علوم و معارف، رموز اشارات کی ایسی دل لگتی، وضاحت کر دی گئی کہ ہر ذی عقل امن پسند اسے قبول کئے بغیر نہ رہ سکے گا اور اب پیغمبر کا لایا ہوا دین اس قدر واضح ہو چکا ہے اسکی رات بھی دن ہی کی طرح اجالی ہے کہ اس سے صرف وہی شقی اور بدقسمت روگردانی کریگا جسکی قسمت میں ہلاکت و بربادی مقدر ہو چکی ہے اور وہ روز اول سے محروم القسمت اور شقی ہے۔

لغت میں بیضاء ابیض کا مونث ہے یوم بیض قمری اعتبار سے تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کی راتوں کو بولا جاتا ہے ان راتوں میں ظلمت اور تاریکی قطعاً نہیں ہوتی ہے بآسانی آدمی چل لیتا ہے اس سے اسلام کی نہایت وضوح میں تشبیہ دینی مقصود ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں دن سے زمانہ نبوت کو تشبیہ دی گئی ہو اور رات سے مابعد النبوت کے زمانے کو تشبیہ دی گئی ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد بھی دین میں کسی قسم کا خفا اور اجمال باقی نہ رہیگا۔

فسیری اختلافاً کثیراً

قتل عثمان ہی سے اختلافات انتشارات اور فتنے شروع ہو گئے پھر جنگ جمل جنگ صفین اور خوارج روافض سے بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں جو اسی اختلافات کا مظہر ہے۔

فانما المومن کالجمل الانف حیث ما قید انقاد

اس سے مومن کامل کی شان اور اطاعت شعاری کو بتانا مقصود ہے کہ مومن کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو اطاعت بندگی کے لئے سپرد کر دے اور رضاء الٰہی جدھر لے چلے ادھر چلنے میں گریز نہ کرے جس طرح اونٹ اپنی تواضع اور انکساری کی وجہ سے ہر کسی کے ہاتھ میں اطاعت شعار ہوتا ہے جہاں چاہتا ہے لے چلتا ہے نہ اسے اپنے جسم جثہ کا خیال ہوتا ہے نہ ہی طاقت و توانائی پر غرور۔ اس سے ایک لطیف اشارہ یہ ملتا ہے کہ

جس طرح اونٹ دیگر سواری جانوروں کے خلاف ہر نشیب و فراز میں برابر منقاد ہوتا ہے اسی طرح مومن کو چاہئے کہ ہر خوشی و غم کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار رہے۔

رجال حدیث:۔

اسحاق بن ابراہیم بن داؤد السواق البصری۔ صدوق راوی ہیں۔[1]

عبدالرحمان بن مہدی حسان العنبری کنیت ابو سعید ہے بہت زبردست عالم اور ثقہ ہیں [2] معاویہ بن صالح کا تذکرہ گذر چکا ہے،

ضمرۃ بن حبیب بن صہیب الزبیدی الحمصی کنیت ابو عتبہ ہے یہ ثقہ راوی ہیں [3] لیکن ضمرۃ بن حبیب المقدسی مجہول راوی ہیں۔ عبدالرحمان بن عمرو عتبۃ السلمی السامی مقبول راوی ہیں۔[4]

(٤٦) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْمِسْمَعِيُّ ثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً فَذَكَرَ نَحْوَهٗ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت موثر انداز میں وعظ فرمایا، (تشریح حدیث گذر چکی ہے)

رجال حدیث:۔

یحییٰ بن حکیم بن صفوان امیہ، مقبول راوی ہیں[5]

عبدالملک بن الصباح المسمعی، صدوق راوی ہیں[6]

ثور بن یزید الحمصی، ثقہ راوی ہیں[7]

خالد بن معدان الکلاعی الحمصی کنیت ابو عبداللہ۔ ثقہ راوی ہیں[8]

---

[1] تقریب ص ١٩ [2] تقریب ص ٢١٥٨ [3] تقریب ص ١١٦ [4] تقریب ص ٢٠٦ [5] تقریب ص ١٥٦ [6] تقریب ص ٢٧٤ [7] تقریب ص ٦٣ [8] تقریب ص ٨٤٠ تقریب ص ٧٠

(۷) باب اجتناب البدع والجدل

امام بن ماجہؒ اس باب میں ان احادیث کو لائیں گے جو رسوم وبدعات کی قباحت وشناعت اور اس سے رونما ہونے والے فساد کو بیان کریں گے اس لئے باب شروع کرنے سے پہلے بدعت کی حقیقت اور اس کی تعریف کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ سنت وبدعت کے درمیان باہم امتیاز کرنا آسان ہو جائے اس لئے معلوم ہونا چاہئے کہ جو فعل قرآن کریم وحدیث اجماع اور قیاس شرعی سے ثابت نہ ہو اور وہ اسوۂ رسول کے خلاف ہو اور اس کو دین کے اندر داخل کیا جائے اس پر جزو دین سمجھکر عمل کیا جائے تو وہ کام شرعاً مذموم اور مردود ہوگا۔

بدعت کے لغوی معنی:۔

ب۔د۔ع۔ کے بنیادی اور لغوی معنی دو ہیں۔(ا) کسی چیز کو بغیر سابق نمونہ کے بنانا اور شروع کرنا بولتے ہیں ابدعت القول میں نے انوکھی بات کہی، ابدعت الفعل میں نے نیا کام شروع کیا اور ارشاد خداوندی ہے بدیع السموات والارض ۔اللہ تعالی نے آسمان وزمین کو بغیر سابق نمونہ کے پیدا کیا نیز ارشاد ہے ماکنت بدعاً من الرسل میں کوئی انوکھا رسول نہیں امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

البدعة کل شئی عمل علی غیر مثال سبق[۱] بدعت ہر وہ نئی چیز ہے جو سابق نمونہ کے بغیر بنائی گئی ہو۔
مشہور امام لغت ابو الفتح ناصر الدین بن عبد السید المطرازی الحنفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں۔

البدعة اسم من ابتدع الامر اذا ابتداه واحدثه [۲] بدعت ۔ابتدا کا اسم ہے اور ابتدع الامر کے معنی میں ہیں ابتداء اور ایجاد کرنا۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی المتوفی (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں

بدعة بالکسر الحدث فی الدین بعد الاکمال او ما ستحدث بعد النبیؐ من الاھواء والاعمال [۳] بدعت با کے کسرہ کے ساتھ ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو تکمیل دین کے بعد نکالی گئی ہو یا وہ چیز جو آپ کے بعد خواہشات اور اعمال کی شکل میں ظہور پذیر ہو،

بدعت۔دین میں کوئی نئی بات یانئی رسم نکالنا،نیا دستور یانیا رسم ورواج، سختی، ظلم، جھگڑا، فساد، شرارت،[۴] البدعة۔بدعت بغیر [illegible] نمونہ کے بنائی ہوئی چیز، دین میں نئی رسم۔وہ عقیدہ یا عمل جسکی کوئی اصل قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ملے[۵]

(۲) کسی چیز کا ختم ہو جانا تھک جانا۔بولتے ہیں اَبْدَعَتِ الرَّاحِلَةُ تو نٹنی تھک گئی اور ہلاک ہو گئی، حدیث

---

[۱] مرقات جلد اص ۲۱۶ نووی شرح مسلم ص ۲۸۵ [۲] المغرب جلد اص ۳۰ بحوالہ المصباح الواضح ص ۶ سنہ [۳] قاموس جلد ۳ ص ۳ [۴] فیروز اللغات ص ۱۹۳ [۵] مصباح اللغات ص ۲

شریف میں ہے۔

إِنَّ رجلا اتاه فقال يا رسول الله انى أُبْدِعَ بى فاجملنى[1] ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میری اونٹنی ہلاک ہو گئی پس آپ مجھے سواری عنایت فرمائیے۔

بدعت کے اصطلاحی معنی:۔

بدعت کے اصطلاحی معنی علماء امت نے مختلف الفاظ سے بیان کئے ہیں مگر وہ صرف تعبیرات کا فرق ہے تمام تعریفات کا خلاصہ ایک ہی ہے، ذیل میں ہم چند تعریفات لکھتے ہیں امام نووی شارح مسلم بدعت کے اصطلاحی معنی لکھتے ہیں کہ

(۱) وفى الشرع احداث مالم يكن فى عهد رسول الله ﷺ[2] شرع میں بدعت ایسی چیز ایجاد کرنا ہے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نہ تھی۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی بدعت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

(۲) البدعة ما احدث ولم يكن له اصل فى الشرع[3] بدعت وہ چیز ہے جو نئی شروع کی گئی ہو اور اس کی اصل شریعت میں نہ ہو۔

علامہ بدر الدین عینی الحنفی (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں۔

(۳) والبدعة فى الاصل احداث أمر لم يكن فى زمن رسول الله ﷺ[4] بدعت اصل میں ایسی نو ایجاد کردہ چیز کو کہتے ہیں جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو۔

ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے حضرت امام شافعی کا قول نقل کرتے ہوئے بدعت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

(٤) قال الشافعیؒ احدث مما يخالف الكتاب او السنة او الاثر او الاجماع فهو ضلالة[5] حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو چیز کتاب اللہ، یا سنت رسول اللہ یا آثار صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ایجاد کی گئی وہ گمراہی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ بدعت کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

(۵) المراد بالبدعة ما احدث ممالا اصل له فى الشريعة يدل عليه[6] بدعت سے مراد ایسی نئی چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے،

علامہ ابو اسحاق شاطبی بدعت کی تعریف کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

(٦) البدعة طريقة فى الدين مخترعة تضاهى الشريعة يقصد بالسلوك عليها ما يقصد بالطريقة الشريعة[7] بدعت دین میں گھڑا ہوا وہ طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر عمل کرنے کا

---

[1] ابوداؤد شریف کتاب الادب جلد ۲ [2] مرقات جلد ا ص ۲۱۶ [3] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۵۳ [4] عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۳۵۶ [5] مرقات جلد ا ص ۲۱۶ [6] جامع العلوم ص ۱۹۳ [7] الاعتصام جلد ا ص ۲۰، بدعت کی تعریف، مفردات القرآن ص ۳۶، تاج العروس جلد ۵ ص ۲۰۷، تکمیر الاشباہ جلد ا ص ۹۹، تعلیم الاسلام حصہ چہارم ص ۱، فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند ۱۸

مقصد وہی ہو جو شرعی طریقہ کا ہوتا ہے (یعنی دارین کی کامیابی کے قصد سے اس پر عمل کیا جائے)
ذکر کردہ تمام تعریفوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جسکے جواز کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو یعنی ادلہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز پر ناطق نہ ہو۔ علامہ نووی حافظ بدرالدین عینی نے جو یہ کہا کہ بدعت ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود زمانہ رسالت میں نہ ہو، تو اس وجود سے مراد وجود شرعی ہے نہ کہ وجود خارجی، اور وجود شرعی نام ہے جواز کی دلیل موجود ہونے کا پس جس چیز کا جواز آپ کے قول و عمل یا تقریر صراحۃً یا اشارۃً ثابت نہ ہو سکے، اس کا وجود تا قیامت نہیں ہو سکتا ہے اور جن امور کا جواز آپ کے اقوال وافعال اور تقریرات سے ثابت ہے اس کا شرعی وجود عہد رسالت میں ہو چکا ہے چاہے اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو لہذا حافظ بدرالدین عینی اور امام نووی کی بیان کردہ تعریف کا حاصل بھی یہی ہے کہ بدعت ایسے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی دلیل شرعی موجود نہ ہو،

بدعت کی قسمیں:

امام نووی شارح مسلم اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے بدعت کی پانچ قسمیں فرمائی ہیں بدعت واجبہ، بدعت مندوبہ، بدعت مباحہ، بدعت محرمہ، بدعت مکروہ۔

بدعت واجبہ:۔ جیسے علم نحو صرف وغیرہ سیکھنا کتاب وسنت کو سمجھنے کیلئے، اسی طرح اصول فقہ اصول کلام کی تدوین اور تمام فرق باطلہ کی تردید کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ تمام باطل فرقوں سے شریعت کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے

بدعت مندوبہ:۔ تصنیف و تالیف مدارس اسلامیہ کا اجراء صلاۃ تراویح مع الجماعۃ وغیرہ وغیرہ سب بدعت مندوبہ ہیں۔

بدعت مباحہ: کھانے پینے رہنے سہنے میں لذت حاصل کرنا بلڈنگیں بنانا وغیرہ سب کے سب بدعت مباحہ ہیں۔

بدعت محرمہ، جیسے فرقہ جبریہ۔ قدریہ۔ خوارج مجسمہ معطلہ کرامیہ جہمیہ وغیرہ کے عقائد و خیالات ہیں۔

بدعت مکروھہ:۔ جیسے فخر و مباحات کیلئے مسجدوں کو سجانا اور انھیں مزین کرنا اور قرآن کریم کو آراستہ کرنا وغیرہ وغیرہ[1]۔

---

[1] نووی علی مسلم جلد ا ص ۲۸۵ مرقات جلد ا ص ۲۱۶ تنظیم الاشتات جلد ا ص ۹۹

بدعت کی تقسیم شرعی

بدعت شرعی کی دو قسمیں ہیں۔(۱) بدعت اعتقادی، (۲) بدعت عملی،

بدعت اعتقادی:۔

اعتقادی بدعت یہ ہے کہ کوئی جماعت یا کوئی شخص ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو حضور اکرم ﷺ اور سلف صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوں جیسے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں عالم الغیب، مختار کل حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ رکھنا اعتقادی بدعت ہے اسی طرح تمام فرق باطلہ کے عقائد یا اعتقادی بدعت میں آتے ہیں۔

بدعت عملی:۔

بدعت عملی یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو مگر ایسے اعمال اختیار کرے جو آنحضور اکرم ﷺ اور سلف صالحین سے منقول نہ ہوں۔ جیسے مزاروں کو پختہ بنانا ان پر قبے تعمیر کرنا اور قبروں پہ چراغاں روشن کرنا۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی نے بدعت شرعی کی ایک اور تقسیم کی ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، (۱) بدعت حقیقی (۲) بدعت اضافی ۔۔ بدعت حقیقی تو یہ ہے کہ جو اصول شریعت کے بالکل خلاف ہو جیسے حضور اکرم ﷺ کو عالم الغیب مختار کل، نور جاننا، مزار وغیرہ کو پختہ بنانا ۔۔ بدعت اضافی وہ ہے کہ جو من وجہ جائز ہو اور من وجہ ناجائز ہو یعنی فی نفسہ تو امر محمود اور جائز ہو مگر کیفیات و قیودات کی وجہ سے ناجائز ہو جیسے مروجہ میلاد مروجہ فاتحہ، تیجا، ساتواں، دسواں، اور چالسواں فی نفسہ تو جائز ہے مگر دنوں کی تعیین ایصال ثواب کیلئے بدعت ہے۔[۱]

بدعت کی قباحت و شناعت:۔

حدیث نبوی میں جس طرح سنت کے فضائل بہت زیادہ ہیں اور اس پر عمل کرنے والے کیلئے طرح طرح کی بشارتیں ہیں اسی طرح بدعات و خرافات کی قباحت و شناعت بھی احادیث میں بہت زیادہ بیان کی گئی ہے چنانچہ آنحضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ

(۱) من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام رواه البيهقي في شعب الايمان [۲]

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو بے شک اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔

حضرت غضیف بن الحارث الثمالی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

(۲) ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خير من احداث بدعة [۳]

---

[۱] محاضرات علمیہ برد رضاخانیت جلد ۲ ص ۳۲،۳۱ [۲] مشکوۃ ص ۳۱ [۳] مشکوۃ شریف ص ۳۱

جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو اسکی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے پس ایک چھوٹی سی سنت پر عمل کرنا کوئی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے

حضرت حسان سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

(۳) ماابتدع قوم بدعة فی دینه الا نزع الله من سنتهم مثلها لایعید ها الیهم الی یوم القیمة رواه الدارمی[۱]

جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت گھڑلیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بقدر اس سے سنت چھین لیتا ہے پھر تاقیامت اس سنت کو اس کی طرف نہیں لوٹاتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

(۴)لایقبل الله لصاحب بدعة صوما ولا صلوة ولا صدقة ولاحجا ولا عمرة ولا جهاداً ولاصرفا ولا عدلاً یخرج من الاسلام کماتخرج الشعرة من العجین[۲] اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ نہ نماز نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت اور نہ ہی کوئی نفل عبادت قبول فرماتا ہے وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

(۵)من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد[۳] جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔

ان ارشادات نبویؐ سے ہر ذی فہم آدمی بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ بدعت شریعت کی نگاہ میں کتنی مبغوض اور مذموم چیز ہے اور کس قدر قابل نفرت اور واجب الترک چیز ہے رہا یہ سوال کہ بدعت اس قدر مذموم اور مبغوض کیوں ہے وہ کیا عوامل واسباب ہیں جن کی وجہ سے بدعت مبغوض شمار کیا گیا ہے۔

بدعت کی وجوہ قباحت:۔

اس موضوع پر علماء امت نے طویل کلام کیا ہے ہم یہاں علی وجہ الاختصار چند وہ اسباب لکھتے ہیں جن کی وجہ سے بدعت کو اس قدر مذموم کہا گیا ہے۔

سبب اول:۔ بدعت کے منحوس ہونے کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انسان بدعت کی تاریکی کی وجہ سے سنت کی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور بدعت کی تاریکی اور ظلمت لوگوں کو سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث شریف سے بھی معلوم تھا۔

---

[۱] مشکوۃ ص ۳۱ [۲] ابن ماجہ ص ۶ [۳] بخاری شریف جلد ۱ ص ۳۷۱ مسلم شریف جلد ۲ ص ۷۷

سبب ثانی، بدعت کے علاوہ انسان جو بھی گناہ کرتا ہے وہ اسے گناہ سمجھ کر کرتا ہے اور اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میرا یہ فعل غلط ہے اس پر ندامت کے آنسو بہاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے مگر بدعت ایسا خطرناک گناہ ہے کہ اس کے کرنے والے اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں اس لئے ان کو غلطی کا احساس تک بھی نہیں ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرتے دم تک توبہ نصیب نہیں ہوتی ہے اور بغیر توبہ کے مر جاتا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ :

ان الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة رواه الطبراني في الاوسط [1] (اللہ تعالی نے بدعتی لوگوں سے توبہ اٹھالی ہے)

سبب ثالث :۔ اسلام اور اس کے جملہ احکام کامل و مکمل ہو جانے کے بعد، قرب ورضاء کے تمام طریقے آجانے کے بعد اگر کوئی شخص دین میں کوئی نیا طریقہ ایجاد کرتا ہے تو گویا وہ پس پردہ یہ دعوی کرتا ہے کہ نعوذ باللہ دین محمدی ناقص ہے اور آپ نے احکام خداوندی کی تبلیغ میں خیانت کی، قرب ورضاء کے جو راستہ مجھے معلوم ہے وہ نبی اور صحابہ کو بھی معلوم نہیں تھا اور وہ اپنی فہم کو نبی کی فہم و فراست پر ترجیح دیتا ہے، ابن ماجشون کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ من ابتدع في الاسلام بدعة يراها حسنة فقد زعم ان محمداً ﷺ خان الرسالة لان الله يقول اليوم اكملت لكم دينكم فما لم يكن يومئيذ دينا فلا يكون اليوم دينا [2] جو شخص اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اسکو اچھا سمجھتا ہے تو وہ گمان کرتا ہے کہ محمد عربی ﷺ نے احکام الہی کی تبلیغ میں خیانت کی کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا پس جو بات اس وقت دین میں نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی ہے،

سبب رابع :۔ بدعت کے اس قدر مبغوض و منحوس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بدعت سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے جو لوگ بدعت اور دین میں نئی بات ایجاد کرتے ہیں وہ در حقیقت اسلام کے روشن چہرے کو بگاڑتے ہیں اور دین میں تحریف و تغیر کرتے ہیں۔۔ حدیث شریف میں ہے۔

اني فرطكم عليّ الحوض من مرعلي شرب ومن شرب لم يظمأ ابداليردنّ اقوام اعرفهم ويعرفونني ثم يحال بيني وبينهم فلقول انهم مني فيقال انك لا تدري مااحدثوابعدك فاقول سحقاسحقالمن غيربعدي متفق عليه [3]

بیشک میں تمہارا پیش رو ہونگا حوض کوثر پر جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیے گا اور جو اس کا پانی پیے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا یقینا کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہونگا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور انکے درمیان آڑ کر دی جائیگی تو میں کہونگا یہ تو میرے آدمی ہیں، مجھے جواب ملیگا آپ کو

[1] مجمع الزوائد جلد اص ۱۸۹ [2] الاعتصام جلد اص ۴۹ [3] مشکوۃ ص ۴۸۸

معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیاایجاد کیا تھا تو میں کہونگا خدا کی پھٹکار خدا کی پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بدعت ایجاد کرنے سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے اس لئے شریعت کی نگاہ میں بدعت اس قدر خطرناک اور موذی ہے۔

معاشرے میں بدعت کے در آنے کے اسباب:۔

اب یہ سوال کہ وہ کیا عوامل اور محرکات ہیں؟ جن کی وجہ سے معاشرے میں بدعات در آتی ہیں اور لوگ اس کے زہریلے اثرات سے ایسے طور پر متاثر ہوتے ہیں کہ انہیں احساس تک بھی نہیں ہوتا ہے اس سلسلے میں علماء امت نے مختلف وجوہات و اسباب بیان کیے ہیں۔ ہم ذیل میں کچھ رقمطراز کرتے ہیں۔

جہالت:۔

امت میں بدعات کے پھیلنے کا سب سے اہم سبب علوم دینیہ سے بعد قرآن وحدیث سے ناواقفیت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جہالت سے تعبیر کر لیجئے، بدعت میں گوناگوں ظاہری خوبی اور نمائش ہوتی ہے علم سے بے بہرہ آدمی اس کی ظاہری خوبی اور نمائش حسن کو دیکھکر اس کا دلدادہ ہو جاتا ہے اور اس کی اندرونی خرابیوں کا ادراک نہیں کرپاتا ہے۔

تقلید آباء:۔

بدعات پھیلنے کا دوسرا اہم سبب تقلید اباء ہے قرآن وحدیث کے تقاضوں کو چھوڑ کر اپنے اباء واجداد کو جس روش پر پایا اسکو ذریعہ نجات سمجھنا اور اس کے طور واخلاق کو اپنانا اور اباء پرستی پر جمے رہنا بھی بدعت پھیلنے کا ایک اہم سبب ہے۔

شہرت پسندی:۔

رسوم وبدعات کے شیوع کا تیسرا سبب حب جاہ، شہرت پسندی کا جذبہ ہے یہ ایک نفسیاتی مرگ اور روگ ہے کہ آدمی ہر نوایجاد چیز کو بشرطیکہ اس میں ظاہری زیب وزینت کر دی گئی دوڑ کر اچک لیتا ہے پھر یہ آگے چل کر بدعت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

مداہنت فی الدین:۔

بدعت در آنے کی چوتھی وجہ مداہنت فی الدین ہے یعنی غلط اور منکر باتوں پر نکیر نہ کرنا چشم پوشی اور اغماض بصر سے کام لینا دنیوی مصلحت، بعض کی مصلحت کی وجہ سے امور منکرہ پر روک ٹوک نہ کرنا بھی رسوم وبدعات پھیلنے کا اہم سبب ہے کیوں کہ اس چشم پوشی اور سکوت کو عوام جواز پر محمول کرے گی اس لئے علماء کو ہر امر منکر پر نکیر کرنا ضروری ہے۔

اتباع ہوئی:۔

بدعت پھیلنے کا ایک اہم ذریعہ خواہش نفس کی اتباع ہے دنیا میں جتنی گمراہ قومیں وجود میں آئی ہیں ان کا سبب واحد اتباع ہوئی ہے کہ من چاہی چیز کو دین میں شامل کرلیں۔[۱]

بدعات کو پہچاننے کے لئے اصول:۔

بدعت کی تعریف و تقسیم، اور بدعت پھیلنے کے اسباب و محرکات کے بعد ذیل میں چند اصول بیان کئے جارہے ہیں تاکہ سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کرنا آسان ہو، اور ہم ان اصولوں کی روشنی میں جان سکیں کہ یہ امر بدعت ہے اور یہ بدعت نہیں ہے۔

(۱) جس فعل کا محرک اور سبب قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اس کے باوجود وہ کام نہ کیا گیا ہو تو بعد میں ایسا کام کرنا بدعت ہے،

(۲) شریعت اسلام نے جن چیزوں کو مطلق رکھا ہے ان میں اپنی طرف سے قیودات لگانا بدعت ہے

(۳) جو کام فی نفسہ مندوب اور مستحب ہو، مگر اس کا ایسا التزام کرلینا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ہدف ملامت بنایا جانے لگے تو وہ کام مستحب کے بجائے بدعت بن جاتا ہے۔

(۴) جو کام بذات خود تو جائز ہو مگر اس کو اپنانے میں کفار و فجار اور گمراہ فرقوں کے ساتھ مشابہت لازم آئے تو پھر اس کام کو کرنا ناجائز اور بدعت ہوگا، ان کل سنة تكون شعاراً اهل البدعة تركها اولى [۲]

(۵) وہ مطالبات شرعیہ جس کی روح اور قالب دونوں منجانب شرع متعین ہوں اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنا یا اضافہ کرنا بدعت ہوگا[۳]

(۴۷) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ وَأَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالَا ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ مَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى ثُمَّ يَقُوْلُ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْأُمُوْرِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ دَيْناً أَوْ ضَيَاعاً فَعَلَيَّ وَإِلَيَّ

۱؎ مستفاد [illegible] جلد ۲ ص ۱۰، ۱۲ ۲؎ مرقات جلد ۳ ص ۶۳ ۳؎ [illegible] جلد ۱ ص [illegible] ۔ مرقات جلد ۱ ص ۲۱۶، [illegible] ص ۹۸۲

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی آواز بلند ہو جاتی اور غصہ اتنا سخت ہو جاتا گویا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ دشمن کی فوج صبح آ پہنچی اور شام آ پہنچی اور فرماتے ہیں کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا اور اپنی دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطی کو ملائے ہوئے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ امابعد، بہترین امور اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت محمدؐ کی سیرت ہے اور بدترین امور دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور فرماتے کہ جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے اہل کیلئے اور جس نے قرض اور اولاد صغار چھوڑی تو قرض اور بچوں کی کفالت میرے ذمہ ہے۔

تشریح حدیث:۔ قولہ احمرت عیناہ

جناب رسول اللہ ﷺ جب وعظ فرماتے تھے تو آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز نہایت بلند ہوتی اور غصہ ایسا تیز ہوتا کہ معلوم ہوتا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں، اس کی علماء امت نے مختلف حکمتیں لکھی ہیں۔

(۱) مخاطب اور حاضرین کی غفلت بے اعتنائی کو ختم کرنے اور ان میں دینی جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے آپ نہایت بلیغ انداز میں تقریر فرماتے تھے جس کی وجہ آپ کی نگاہ مبارک سرخ ہو جاتی، آواز بلند ہو جاتی تاکہ لوگ خوب غور اور انہماک کے ساتھ آپ کی باتوں کو سنیں۔

(۲) دوسری حکمت علماء نے یہ لکھی ہے کہ جب آپ ﷺ وعظ کے لئے تشریف فرماں ہوتے تھے تو دوران وعظ آپ پر خوف الٰہی خشیت باری کے آثار چھا جاتے تھے اور اعضا جسم متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے اسی وجہ سے آنکھیں بھی سرخ ہو جاتی تھیں۔

(۳) انبیاء علیہم السلام کی حیثیت ترجمان کی سی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اسی لئے جب آپ خطبہ دیتے تھے تو اوامر و نواہی، عذاب و بشارت وغیرہ مضامین کیوجہ سے اور خداوند قدوس کے قہر و جلال کے تصور کی وجہ سے آپ کی ایک شان پیدا ہو جاتی تھی جسکی وجہ سے چہرۂ انور کا رنگ بدل جاتا، آنکھیں سرخ ہو جاتیں، اور لوگوں کو اسطرح خوف دلاتے، انہیں اس طرح ڈراتے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کسی لشکر اور فوج کو ڈرا رہے ہیں کہ اب حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہیں کہ نامعلوم کس وقت کیا ہو جائے اس لئے تم کو ایسا کرنا ہے اور ایسا نہیں کرنا ہے تمہارے ایمان کے دشمن تمہارے اوپر عنقریب حملہ آور ہوں گے اور تم اب شام و صبح خطرات کی زد میں ہو۔

صبحکم ومساکم

اس سے مقصد لوگوں کے اندر تیقظ اور بیداری پیدا کرنا ہے انہیں آفات و خطرات اور آنے والے بھیانک

فتنوں سے چوکنا کرنا ہے یعنی معلوم نہیں کہ صبح تم پر کون سی مصیبت نازل ہواور پتہ نہیں کہ شام کو تمہارا کیا انجام ہو، حدیث شریف کے اندر بعثت انا والساعة کالفظ یہ بتلارہاہے کہ یہ جملہ اسی سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہیکہ قیامت اتنی قریب آچکی ہے کہ بس صبح وشام میں بالکل قائم ہی ہونے والی ہے اسلئے منکرات ومعصیات سے توبہ کرنی چاہئے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ زندگی کے لمحات میسر کرے اس کو غنیمت جاننا چاہئے۔

بعثت انا والساعة کهاتین .

اس کے ذریعے حضور اکرم ﷺ نے قرب قیامت کو بیان کیا کہ میرے اور قیامت کے درمیان بالکل اتناہی فاصلہ ہے جتناکہ سبابہ اور وسطی انگلیوں کے درمیان ہے آپ ﷺ کی تشریف آوری ہی قیامت کی سب سے بڑی نشانی ہے کیوں کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور کوئی رسول اللہ آنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی امت آنے والی ہے یہی امت قیامت تک رہے گی، حدیث شریف کهاتین کالفظ میں وجہ شبہ دوباتوں میں ہوسکتی ہے (۱) مقارنت (۲) مقاربت۔ اگر تشبیہ مقارنت میں دینی مقصود ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ اور قیامت کے درمیان نہ تو کوئی نبی آئیگا اور نہ ہی کوئی امت آئے گی بلکہ وجود مبارک ہی قیامت کی علامت ہے اور تشبیہ مقاربت میں مقصود ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ قیامت بالکل قریب ہے اور میرے اور قیامت کے درمیان اتناہی مختصر فاصلہ ہے جتنا سبابہ اور وسطی کے درمیان فاصلہ ہے اور یقرن بین اصبعیه کا جملہ غمازی کر رہاہے کہ مقاربت ہی کا معنی مراد لینا راجح ہے۔

فان خير الامور كتاب الله

خیر امور کی دو تشریح کی گئی ہے ایک متعلق کے اعتبار سے یعنی تمہارے لئے جو کتاب مشعل راہ بن سکتی ہے دنیا و آخرت کی سعادت سے تمہارے دامن کو بھر سکتی ہے وہ کتاب الٰہی ہے جو ایک آفاقی اور عالمگیر ابدی قانون ہے جس کے قوانین اور ضابطے بالکل اپنی جگہ اٹل ہیں جو تمام اقوام کو ہدایت کی طرف بلاتی ہے، دوسری تشریح نفس الامر اور حقیقت واقعہ کے اعتبار سے کی گئی ہے یعنی موجودہ امور میں بہترین امور قرآن کریم ہے اور خیر الامور اور خیر الہدیٰ کے مجموعہ سے مراد دین اسلام ہے یعنی بہترین دین دین اسلام ہے ان الدين عند الله الاسلام۔

وخيرى الهدى هدى محمد

الہدیٰ۔ ہ کے فتحہ اور دال کے سکون کیساتھ معنی سیرت طریقہ اور الہدیٰ کا اطلاق صرف طریقہ حسنہ پر ہوتا ہے حافظ نے فتح الباری میں فرمایا کہ الہدیٰ بضم الہاء وفتح الدال بھی درست ہے۔[1]

مطلب یہ ہے تمام سیرتوں میں سب سے جامع مکمل اور شاندار سیرت جناب نبی کریم ﷺ کی مبارک

[1] مرقات جلد ا ص ۲۱۶، مصباح اللغات ص ۹۸۳

سیرت ہے اور تمام اقوام عالم کیلئے یہی سیرت قابل عمل اور لائق تقلید ہے اور تمام انسانوں کے لئے آپ کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے جس میں عبادت، ریاضت، زہد و قناعت، تقوی و طہارت، سیاست، زراعت، تجارت اسی طرح امیر، غریب، فقیر بادشاہ، معلم و مربی الغرض ہر ایک کیلئے مکمل اور ہر قسم کے افراد کی زندگی کے لئے سیرت محمدی پورا سامان فراہم کرتی ہے اور صحیح معنوں میں انسان چین و سکون کی زندگی سیرت نبوی سے وابستہ ہو کر ہی گذار سکتا ہے اس سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو کر زندگی بسر کرنا غیر ممکن ہے حضور اکرم ﷺ کا یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے جو بہت سے معانی و مفاہیم کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

من ترك مالا فلاهله ومن ترك دينا اوضياعا فعلي والي

امام نووی فرماتے ہیں کہ ضیاع ض کے فتحہ کے ساتھ عیال کے معنی میں ہیں ابن قتیبہ نے کہا کہ یہ ضاع یضیع کا مصدر ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے نہایت کم عمر اور کم سن اولاد چھوڑی ہے جسے سہارے کی ضرورت ہو اسکے بغیر وہ ضائع ہو جائے [۱] علامہ سید انور شاہ کشمیری اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک بھی تقریباً یہی معنی ہیں حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس نے مرنے کے بعد مال و دولت چھوڑی وہ تو اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی مگر جس نے قرض لیکر وفات پائی، یا چھوٹے چھوٹے معصوم بچے چھوڑ کر انتقال کیا تو قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور اس کے بچوں کی تربیت اور کفالت میرے اوپر ہے یہ جملہ آنحضرت ﷺ کی رافت و شفقت اور سخاوت کی بے نظیر مثال ہے لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مقروض کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی مال نہ ہو تو اس کے قرض کی ادائے گی امیر المسلمین پر واجب ہے؟ یا یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے؟ اس کے متعلق علماء کرام کی دو رائیں ہیں بعض علماء نے کہا کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی امیر المسلمین پر مسلمان میت کے قرض کی ادائیگی واجب نہیں ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جملہ قاضی اور امیر المسلمین پر واجب ہے کہ مسلمان میت کے قرض کی ادائے گی کا انتظام کرے، [۲]

ہم نے شر الامور محدثاتها کی تفسیر و تفصیل قصداً چھوڑی ہے کیوں کہ اس کا ذکر اقسام بدعت اور تعریف بدعت کے ذیل میں باب کے شروع میں آچکا ہے۔

رجال حدیث:۔

احمد بن ثابت الجحدری ابو بکر البصری صدوق ہیں [۳]

عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت الثقفی کنیت ابو بکر ہے ثقہ راوی ہیں موت سے قبل قوت حافظہ میں ضعف آگیا تھا [۴]

(٤٨) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ الْمَدَنِيُّ ثَنَا اَبُوْ عُبَيْدٍ ثَنَا اَبِيْ عَنْ

[۱] مسلم جلد ا ص ۲۸۵ [۲] نووی علی مسلم جلد ا ص ۲۸۵ [۳] تقریب ص ۵ [۴] تقریب ص ۱۹۷

مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ مُوسیٰ بْنِ عُقْبَۃَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّمَا ھُمَا اثْنَتَانِ الْکَلَامُ وَالْھَدْیُ فَاَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰہِ وَاَحْسَنُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ اَلَا وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ اَلَا لَا یَطُوْلَنَّ عَلَیْکُمُ الْاَمَدُ فَتَقْسُوا قُلُوْبُکُمْ اَلَا اِنَّ مَاھُوَ آتٍ قَرِیْبٌ وَاِنَّمَا الْبَعِیْدُ مَالَیْسَ بِآتٍ اَلَا اِنَّمَا الشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ وَالسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ۔ اَلَا اِنَّ قِتَالَ الْمُؤْمِنِ کُفْرٌ وَسِبَابُہٗ فُسُوْقٌ وَلَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثٍ اَلَا وَاِیَّاکُمْ وَالْکِذْبَ فَاِنَّ الْکِذْبَ لَایَصْلُحُ بِالْجِدِّ وَلَا بِالْھَزْلِ وَلَا یَعِدُ الرَّجُلُ صَبِیَّہٗ ثُمَّ لَا یَفِیْ لَہٗ فَاِنَّ الْکِذْبَ یَھْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ وَاِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِنَّہٗ یُقَالُ لِلصَّادِقِ صَدَقَ وَبَرَّ وَیُقَالُ لِلْکَاذِبِ کَذَبَ وَفَجَرَ اَلَا وَاِنَّ الْعَبْدَ یَکْذِبُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَاللّٰہِ کَذَّاباً

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کرتے ہیں کہ بیشک اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (ہدایت کے راستے) صرف دو ہیں کلام اور سیرت پس بہترین کلام تو اللہ کا کلام ہے اور بہترین سیرت محمد عربی ﷺ کی سیرت ہے، سنو، اور بچو تم دین میں نئی باتوں کو ایجاد کرنے سے اس لئے کہ تمام چیزوں میں سب سے زیادہ قبیح چیز دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنا ہے اور دین میں ہر نو ایجاد شئی بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور سنو، خبردار تمہارے قلوب میں مدت زندگی طویل نہ ہو جائے اسلئے کہ پھر تمہارے قلوب سخت ہو جائیں گے سنو جو آنے والا ہے وہ قریب ہے اور بعید تو صرف وہی ہے جو آنے والا نہیں ہے، اور سنو، بدبخت وہ آدمی ہے جو اپنے بطن مادر ہی میں بدبخت رہا ہے اور نیک بخت وہ ہے جو غیروں سے نصیحت اور عبرت حاصل کرے، اور سنو، قتل مومن کفر ہے اور اسکو گالی گلوچ دینا فسق ہے اور کسی مسلمان کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو (دنیاوی مقاصد کے وجہ سے) تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے سنو دروغ گوئی سے بچو اس لئے کہ دروغ گوئی نہ سنجیدگی میں مناسب ہے اور نا ہی مذاق میں، اور انسان اپنے بچے سے ایسا وعدہ نہ کرے جسکو پورا نہ کرتا ہو، اسلئے کہ جھوٹ بدکاری کی طرف لے چلتا ہے اور بدکاری جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور بے شک سچے آدمی کو نیک سچا کہا جاتا ہے اور جھوٹے آدمی کو جھوٹا اور برا کہا جاتا ہے اور یاد رکھو بندہ جھوٹ بولتا ہے بولتا رہتا ہے یہاں تک وہ عند اللہ بھی کذاب لکھدیا جاتا ہے۔

تشریح حدیث:- كل بدعة ضلالة۔

اس مقام پہ دو طرح کی تشریح علماء اسلام نے کی ہے ایک یہ ہے کہ یہاں صفت محذوف ہے یعنی كل بدعة سيئة ضلالة، یہ ان لوگوں کے قول کے مطابق تشریح ہوگی جو بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرتے ہیں، دوسری تشریح یہ کی گئی ہے کہ كل بدعة ضلالة کو عام مخصوص مانا جائے جسطرح قرآن کریم نے حضرت سلیمانؑ کے ہدہد کی حکایت کرتے ہوئے کہا وأوتيت من كل شئي ولها عرش عظيم یعنی بلقیس کو ساری چیزیں عطا کی گئی ہیں حالانکہ بہت ایسی چیزیں تھیں جو ان کے پاس نہیں تھیں اور ان کی طاقت سے خارج تھیں، مگر قرآن کریم نے بطور عام مخصوص کے کہہ دیا کہ بلقیس کو ساری چیزیں عطا کی گئی تھیں، اسی طرح یہاں بھی اکثر بدعت سیئہ مراد ہے مگر پہلی تشریح کا مضمون اور بدعت کی تقسیم حدیث رسول سے مستخرج ہے اس لئے قول اول ہی اقرب الی الصواب ہے۔۔ اب اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ امور محدثات سے بدعات سئیہ مراد ہیں اور بدعات حسنہ عندالشرع مذموم نہیں ہیں بلکہ محمود ہیں جیسا کہ حضرت عمر کے قول نعمت البدعة سے مستنبط ہوتا ہے اس لئے حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہیں ایک بدعت فی الدین جو ناجائز ہے اور ایک ہے بدعت للدین جو جائز ہے جیسے جمع قرآن کریم، رکوعات کی تعیین، بشکل مصحف اس کی کتابت، قرآن کریم پر اعراب لگانا سب کے سب بدعت للدین ہیں اور حدیث من سن سنة حسنة فعمل بها كان له اجرها ومثل اجر من عمل بها الخ میں داخل ہو کر محمود ہیں۔

الا لا يطولن عليكم الامد فتقسوا قلوبكم

الا یہ حرف تنبیہ ہے جو مخاطب کو متوجہ کرنے کیلئے موضوع ہے حدیث پاک کے اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر شیطان لعین کا تسلط ہو جائے اور دنیا کی مال دولت اور اولاد کی محبت تمہارے دلوں میں ڈالدے اور تم طول زندگی کی امید کرنے لگو اور موت سے غافل ہو جاؤ کہ ابھی تو بہت دن زندگی ہے بعد میں اعمال صالحہ کرلیں گے مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طول زندگی کی امید دلوں میں قساوت اور سختی کو پیدا کرتی ہے اور آدمی موت کو بھلا دیتا ہے بالآخر موت اپنے وقت پر آتی ہے اور انسان کو اتنا موقع نہیں ملتا ہے کہ وہ اعمال خیر انجام دے سکے، اور بغیر عمل صالح کی ذخیرہ اندوزی کے یہ چل بستا ہے اسی لئے حدیث پاک کے اندر ذکر موت کو کار ثواب فرمایا گیا ہے۔

الا انما هو آت فهو قريب ولنما البعيد ليس بآت

آگے آپؐ نے فرمایا کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اگرچہ وہ بظاہر بعید ہی کیوں نظر نہ آئے، کیوں کہ ہر آنے والی چیز ایک دن آکر رہے گی اور گذری ہوئی چیز جس کی آمد کی بالکل امید نہ ہو وہ بعید ہے چاہے دیکھنے کے اعتبار سے قریب ہی معلوم کیوں نہ ہو، کیوں کہ وہ رفتہ رفتہ دور ہوتی چلے جائیگی اور واپس نہیں آئے گی، موت ایک حقیقت ہے جس سے کسی بھی نوع مخلوق کے لئے مجال انکار نہیں ہے وہ بھی آنے والی ہے اور بالیقین ایک دن

آ کر ہی رہیگی تو یہ قریب ہوئی لہذا موت اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال میں لگنا چاہئے، دنیا کے رنگ ریو اور لہو ولعب میں پڑکر آخرت کی زندگی کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔

إنماالشقی من شقی فی بطن امہ الخ

اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے مسئلہ تقدیر کو بیان کیا ہے کہ اصلی بد بخت وہ ہے جو بطن مادری میں اس کی قسمت میں شقاوت لکھ دی گئی ہو اور بد قسمتی، محرومی اس کے لئے مقدر ہو چکی ہو تو وہ ایمان کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا ہے اور اس کی شقاوت آخرت میں ظاہر ہو گی۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ ایک آدمی پوری زندگی اسلام پر قائم رہتا ہے نیک اعمال کرتا ہے مگر خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا ہے تو جہنم میں جائیگا۔ اور ایک دوسرا شخص جو پوری زندگی کفر و شرک، معصیات و منکرات اور فسق و فجور میں ڈوبا رہا ہے پوری زندگی کبھی لفظ اللہ کو زبان پر نہیں لایا مگر مرتے وقت کلمہ نصیب ہو گیا اور خاتمہ ایمان پر ہوا تو وہ شخص جنت میں جائیگا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شقاوت و بد بختی اصلاً آخرت کی شقاوت ہے اور سعادت اور خوش نصیبی اصلاً آخرت کی سعادت ہے دنیا کی سعادت کی کوئی حیثیت نہیں ہے اسی لئے فرمایا گیا العبرۃ بالخواتیم اعتبار خاتمہ کا ہے۔

والسّعیدُ من وُعظ بغیرہ

اور سعادت مند اور خوش نصیب وہ آدمی ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرتا ہے اور کائنات میں غور خوض کر کے مخلوقات الہیہ میں قدرت کا مشاہدہ کر کے نصیحت حاصل کرتا ہے کیونکہ اللہ کی ہر مخلوق میں قدرت کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں بشرطیکہ کہ آدمی تفکر و تدبر سے کام لے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اسیر مالٹانے بڑی عجیب بات کہی ہے۔ شعر

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں سن لو، ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

اورکسی دوسرے شخص نے کہا ان البَعْرَ یدل علی البعیر واثار الاقدام تدل علی المسیر فالسماء ذات أبراج والارض ذات فجاج والابحار ذات امواج الا تدل علی وجود اللّطیف الخبیر۔

بلاشبہ اونٹ کی مینگنیاں اونٹ پر اور نشانات قدم کسی چلنے والے پر دلالت کرتے ہیں تو کیا یہ برجوں والے آسمان شگاف والی زمین اور موجوں والے سمندر اللہ کے وجود پر دلالت نہیں کرتے ہیں؟ یقیناً کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کا تعلق چونکہ قضاء و قدر سے ہے اس لئے ہم پوری تفصیل وہاں ذکر کریں گے۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

الا ان قتال المؤمن کفروسبابہ فسوق۔

حدیث شریف کے اس ٹکڑے سے جہاں مومن کے ساتھ قتل و قتال اور گالی گلوج کی حرمت مترشح ہوتی

ہے وہیں ایک مرد مومن کی عظمت و رفعت اور اس کی بلندئ مرتبہ کی طرف بھی غمازی ہوتی ہے حدیث شریف کا ترجمہ دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ مومن کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے اور اس کو گالی دینا فسق ہے اور دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ مومن کو قتل کرنا کفر اور اس کو گالی گلوچ کرنا فسق ہے۔

سوال:۔ حدیث شریف جمہور اہل سنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہے اور فرقہ خوارج کے مذہب کی تائید بھی اس سے ہوتی ہے کیوں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوتا ہے اور خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لہٰذا یہ حدیث شریف تو جمہور کے خلاف اور بظاہر خوارج کی تائید میں ہے؟

جواب:۔ ان سوالوں کا جواب علماء محدثین نے مختلف انداز سے دیئے ہیں۔ اور مختلف پیرایوں میں اس کی گرہ کشی کی ہے ہم ذیل میں کچھ نقل کرتے ہیں، علامہ نووی شارح مسلم نے چار جواب نقل کئے ہیں۔

اول:۔ اگر مسلمان سے حلال سمجھ کر قتل و قتال کیا جائے اور مومن ہونے کی وجہ سے ضرب و حرب کا بازار گرم کیا جائے تو یقیناً کفر ہوگا لیکن اس جواب پر علامہ عثمانی صاحب فتح الملہم نے نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان کو حلال سمجھ کر گالی دینا بھی موجب کفر ہے پھر قتال ہی کی کیا خصوصیت رہی، نیز پھر قتال اور سباب میں فرق ہی کیا رہا اسلئے اس توجیہ میں جھول ہے [۱]

ثانی۔ حدیث شریف میں کفر سے مراد حقیقی نہیں ہے جس سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے بلکہ کفر سے مراد کفران نعمت ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کیساتھ قتال کرنے والا شخص اپنے جرم عظیم سے احسان الٰہی اور نعمت خداوندی کی ناشکری اور اسلامی اخوت و بھائی چارگی کے ساتھ کھلی بغاوت کی ہے۔

ثالث:۔ مسلمانوں کے ساتھ قتل و قتال کرنا یا کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا اسقدر شنیع اور قبیح فعل ہے کہ کفر کی حدود تک پہنچا ہوا ہے اور اس کی قباحت و شناعت کفر کی طرح ہے اور اس جواب کو الکوکب الدری میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ **الجواب عن القتال بالكفر لكونه اعظم الكبائر فانه اذا قتل المسلم فقد كفر** [۲]

رابع۔ قتال مسلم کو فعل کفار سے تشبیہ دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ قتل و قتال کرنا نہیں مارنا مسلمان کی شان نہیں ہے بلکہ کافروں کی شان ہے۔ [۳]

علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں تشدید و تغلیظ کے طور پر قتل مومن کو کفر کہا گیا ہے اور اس کے گناہ کی سنگینی کو بتلانا مقصود ہے اس توضیح و تشریح کے بعد حدیث شریف نہ جمہور کے خلاف ہوگی نہ ہی خوارج کے مذہب کے لئے موئید، بلکہ یہ حدیث جمہور کے عقیدے کے مطابق ہوگی [۴]

ولایحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاث.

---

[۱] فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۳۷ [۲] الکوکب الدری جلد ۲ ص ۱۲۷ [۳] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۵۸ [۴] مزید تفصیل دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد ۳ ص ۲۶۵ ترمذی جلد ۲ ص ۸۸ کا حاشیہ

اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں سے بلا عذر شرعی تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا، سلام وکلام نہ کرنا حرام ہے ہاں نص حدیث کی وجہ سے تین دن تک مقاطعت جائز ہے کیوں کہ انسان فطری طور پر کسی ذاتی معاملے میں بھی آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور اس سے سوء خلقی کا ظہور ہوتا ہے تو شریعت نے اسے مہلت دی ہے کہ تین دن کے اندر اندر غصہ کی آگ کو سرد کر دیا جائے اور غیظ وغضب کو ختم کیا جائے پھر باہمی وہی تعلق استوار کیا جائے جو اس سے پہلے تھا،

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے کسی دینی بھائی سے اگر ناچاکی نااتفاقی ہو جائے تو تین دن کے اندر اندر اسے دور کر لو البتہ اگر کوئی عزیز واقارب ہو تو اس سے بغرض تادیب وتنبیہ تین دن سے زیادہ بھی قطع تعلق کیا جاسکتا ہے جیسا کہ واقعات شاہد ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک قطع تعلق کر لیا تھا، اسی طرح اگر مقاطعت کا سبب کوئی دینی امر ہو تو بھی تین دن سے زیادہ قطع تعلق جائز ہے جیسا کہ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے صحابہ کرامؓ سے پچاس یوم تک ترک تعلق آپ نے کر لیا تھا ہجران مسلم کی علت کوئی امر دینی ہو تو اس سے اس وقت تک کلام نہ کیا جائیگا جب تک وہ اس سے باز نہ آجائے، صاحب سنن مصطفےٰ لکھتے ہیں کہ اگر کسی کی معیت میں دینی نقصان ہو تو اس سے کنارہ کشی کی اجازت ہے بلکہ بسا اوقات کنارہ کشی تو ضروری اور واجب ہو جاتی ہے جیسا کہ اہل بدعت سے کنارہ کشی اختیار کرنا ضروری ہے۔

الا وایا کم والکذب فان الکذب لا یصلح بالجد ولا بالهزل

حضور اکرم ﷺ نے اس جملہ سے کذب بیانی اور دروغ گوئی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے جھوٹ جہاں شرعی بیماری ہے وہیں یہ ایک معاشرتی بیماری بھی ہے اور آدمی کو چوں کہ دوسرے سے معاملات کرنا ہی پڑتا ہے اس میں آدمی بات بات پر کذب بیانی سے کام لیتا ہے بسا اوقات ہنسی مذاق دل لگی کے لئے جھوٹ بولتا ہے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جھوٹ چاہے سنجیدگی کے وقت بولا جائے یا ہنسی مذاق کے وقت دونوں ناجائز ہیں اور دونوں ہی سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ جھوٹ معاصی ومنکرات کے ارتکاب کا ذریعہ ہے اور جھوٹ انسان کو فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے جو دیگر تمام گناہوں کی طرف دھکیل دیتا ہے جو بالآخر جہنم میں جانے کا سبب بن جاتا ہے پھر آگے اللہ کے رسول ﷺ نے ہنسی مذاق اور دل لگی کے لئے جھوٹ بولنے سے روکنے کے لئے مثال سے سمجھایا ہے کہ آدمی چھوٹے بچے کو بلانے کے لئے بظاہر ہاتھ میں کچھ رکھ کر بلاتا ہے پھر اس کو پورا نہیں کرتا یہ بھی ایک طرح کا کذب ہے اس لئے آدمی کو چاہئے کہ بچے سے ایسی چیز کا وعدہ نہ کرے جس کو وہ پورا نہ کرے۔۔۔۔۔۔۔ جھوٹ کے بالمقابل صدق انسان کو صلاح وتقویٰ کی طرف لے جاتا ہے جو جنت میں جانے کا ذریعہ ہے انسان سچ بولتا ہے تو اسے سچائی اور نیکی کی صفت کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے اور لوگوں کی نظر میں محبوب بن جاتا ہے معاشرے میں اس کی قدر ومنزلت ہوتی ہے اور عند اللہ بھی اسکا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور جھوٹا آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ عند اللہ اسکے بارے میں کذاب لکھ دیا جاتا ہے پھر وہ

بے دریغ گناہوں کی طرف بڑھتا ہے اور انجام و مآل سے بے خوف و خطر ہو کر معاصی و منکرات کے کرنے میں ذرہ برابر بھی جھجک محسوس نہیں کرتا۔

رجال حدیث:۔

محمد بن عبید بن میمون المدنی الیتمی صدوق روای ہیں ۱

موسیٰ بن عقبہ ابن ابی عیاش، ثقہ روای ہیں ۲

(۴۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدِبْنِ خِدَاشٍ ثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ ثَنَا اَيُّوْبُ ح وَحَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ ثَابِتِ الْجَحْدَرِيُّ وَيَحْيَى بْنُ حَكِيْمٍ قَالَا ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ ثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ۔ اِلٰى قوله۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اولوالْاَلْبَابِ، فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْهِ فَهُمُ الَّذِيْنَ عَنَاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اس آیت مبارک کی تلاوت فرمائی هوالذی انزل علیك الکتب منه آیات محکمات هُنَّ ام الکتب واخر متشلبهات ۔ الی قوله۔ وما یذکر الا اولو الالباب (وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم، یعنی ان کے معنی واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری آیتیں متشابہ یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں۔ الی قولہ۔ سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ان میں جھگڑتے ہیں پس (سمجھو کہ) یہی لوگ ہیں جن کو آیت میں مراد لیا ہے تو تم ان سے بچتے رہو۔

تشریح حدیث:۔

منه ایات محکمات هن ام الکتاب واخر متشابهات

محکمات ان آیات قرآنیہ کو کہتے ہیں جن کی مراد ہر اس شخص پر بالکل واضح اور ظاہر ہو جو عربی قواعد کو اچھی طرح جاننے والا ہو، اور آیات متشابہات ان قرآنی آیتوں کو کہتے ہیں جن کی مراد ایسے شخص پر بھی ظاہر اور بیّن نہ ہو ۳ علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ المحکمات واضحة المعنی ظاهر الدلالة محکمة العبارة محفوظة من الاحتمال والاشتباه ۴ یعنی محکم وہ آیتیں ہیں جن کے معنی بالکل واضح، دلالت بالکل ظاہر عبارت تمام اشتبا ہات سے بے گرد و غبار اور تمام احتمالات و اشتباہات سے محفوظ

۱ تقریب ص ۲۲۲۸ ۲ تقریب ص ۲۵۷ ۳ معارف القرآن جلد ۲ ص ۲۰ ۴ روح المعانی جلد ۳ ص ۸۰

ہوں۔ ملا علی قاری محکم کی تعریف دوسرے انداز سے کرتے ہیں (آیات المحکمات) وهي ما أمن من احتمال التاویل۔ والمتشابه مابلغ في الخفاء غايته ولا يرجىٰ معرفته [1] آیات محکمات وہ ہیں جو تاویل کے احتمال سے بالکل محفوظ ہوں اور متشابہ وہ آیات ہیں جو درجہ خفا میں بالکل آخری درجہ کو پہونچ گئی ہوں اب اسکی معرفت کی امید نہ ہو۔ محدث کبیر ابن حجر ہند علامہ انور شاہ کشمیری محکم اور متشابہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔ المحكم ما احكم مراده والمتشابه ماا بهم مراده [2] محکم آیات کو اللہ تعالیٰ نے ام الکتاب کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری تعلیمات الٰہیہ اور احکام شرعیہ کا اصل اصول یہی آیات ہیں جن کے معانی ومفاہیم بالکل صاف ستھرے اور التباس سے پاک ہیں۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی کچھ آیات تو محکم ہیں اور کچھ آیات متشابہ ہیں حالانکہ قرآن کے متعلق خود قرآن میں ہے کتٰبا متشابها اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا قرآن متشابہ ہے؟ اسکا حل یہ ہے کہ اس متشابہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ اپنے معانی کی صحت اور الفاظ کی شستگی کے اعتبار سے باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہے۔ اب یہاں یہ بات خوب اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ متشابہات دو طرح کے ہیں، اول یہ کہ جس کا مدلول لغوی بھی کسی فرد بشر کو معلوم نہ ہو، جیسے حروف مقطعات جو اوائل سورت میں ہیں، دوم مدلول لغوی تو معلوم ہو مگر معذور عقل و نقل کی وجہ سے ہم وہ معنیٰ مراد نہ لے سکیں، اول الذکر متشابہ کی تفویض الی اللہ واجب ہے اس میں قیاس آرائیاں کرنا اور اسکے معنیٰ کے تعین کے لئے عقلی گھوڑا دوڑانا حماقت کے سواء کچھ نہیں۔ اور ثانی الذکر کی بھی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ مدلول لغوی واحد ہو جیسے سمع ، بصر ، يد ، وجه، وغیرہ وغیرہ دوم یہ کہ مدلول لغوی متعدد ہو، اول الذکر کی تفسیر اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے يد، وجه، رجل، اور عین، وغیرہ سب کچھ ہے مگر اس کی شان کے مطابق ہے مخلوقات کی طرح نہیں له ايد لا كايد ينا وله اعين لا كا عيننا له رجل لا كار جلنا۔ ثانی الذکر پھر دو قسم پر ہے اول یہ کہ ان معانی متعددہ کو کسی دلیل سے ترجیح نہ دی گئی ہو۔ دوم یہ کہ ان میں سے کسی ایک کو دلیل سے ترجیح دی گئی ہو خواہ دلیل قطعی سے ہو یا دلیل ظنی سے، اول الذکر میں سکوت اور توقف ہی واجب ہے، اور ثانی الذکر میں شان خداوندی کے مطابق مانیں گے، جیسے استوا اور رحمٰن ثابت ہے کما یلیق بشأنه [3]

امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے محکمات و متشابہات کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں جو درست نہیں ہیں۔

اول:۔ حروف مقطعات کے علاوہ سب آیات محکم ہیں۔

ثانی:۔ راسخون فی العلم جس کے معانی جانتے ہیں وہ محکم ہیں بقیہ سب متشابہ

ثالث:۔ وعدو عید، اور حلال و حرام والی تمام آیتیں محکم اور قصص و امثال کی تمام آیتیں متشابہ ہیں،

---

[1] مرقات جلد ا ص ۲۲۸ [2] فیض الباری ص ۱۶۶، مزید تفصیل ملاحظہ ہو الاتقان للسیوطی جلد ۲ ص ۲ تا ۱۳، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۲۵ تا ۱۲۷، عمدة القاری جلد ۸ ص ۵۱۵ بذل المجہود جلد ۲ ص ۱۸۹، شرح السنہ جلد ا ص ۲۲۰_۲۲۱ بحوالہ مصباح الزجاجہ ص ۶۵ [3] مستفاد کشف الحاجہ ص ۸۶

امام نووی ان تین قولوں کو باطل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محکم وہ آیات ہیں جو اس قدر واضح ہوں کہ ان میں اشکال واحتمال کی گنجائش ہی نہ ہو، اور متشابہ وہ قرآنی آیات ہیں جن میں احتمال ہو[1]

امام حبیب نیشاپوریؒ نے محکم و متشابہ کے متعلق تین مذاہب نقل کیے ہیں۔

مذہب اول۔ کل قرآن متشابہ ہے:۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد الله نزل أحسن الحديث كتاب متشابها۔ سے استدلال کرتے ہوئے ایک فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم از اول تا آخر مکمل متشابہ ہے کوئی رکوع، کوئی آیت اور کوئی مضمون بھی ایسا نہیں ہے کہ عقل انسانی کلی طور پر احاطہ کرلیتی ہو۔ بلکہ قرآن کریم کلام الٰہی ہونے کے ناطے اپنے حقائق ودقائق اسرار وحکم اور فصاحت وبلاغت کے اس بلند معیار پر ہے کہ عقل انسانی اس کے ادراک سے عاجز ہے۔

مذہب ثانی کل قرآن محکم ہے:۔

كتاب احكمت ، أياتهٗ كتاب فصلت أيته، بلسان عربى مبين جیسی آیات قرآنیہ سے ملت اسلامیہ کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم از اول تا آخر، سارا قرآن محکم اور معلوم المراد ہے اس میں کوئی آیت، کوئی رکوع اور کوئی مضمون بھی ایسا نہیں ہے جو عقل انسانی کے ادراک سے باہر ہو بلکہ تمام آیات اپنی جگہ پر محکم اور واضح ہیں ان میں ذرہ برابر بھی کسی طرح کا اجمال و خفاء اور اور ابہام نہیں ہے اور عقل بھی اسی کی متقاضی ہے کہ قرآن پورا کا پورا محکم اور معلوم المراد ہو کیوں کہ قرآن ایک قانون الٰہی اور دستور خداوندی ہے جو بندوں کے لئے اتارا گیا ہے اور ہر درجہ ہر سطح اور ہر طبقہ کو مخاطب بنایا گیا ہے، اب اگر بعض آیات غیر واضح اور متشابہ ہوں جو مخاطب کی عقل کی سمجھ سے بالکل خارج ہوں تو ایسی صورت میں تکلیف مالا یطاق لازم آئیگا جو باطل ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ سارا قرآن از ابتدا تا انتہا محکم۔

مذہب ثالث۔ بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هو الذى انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب و اخر متشابهات ۔ سے اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان نزل القرآن على خمسة اوجه حلال و حرام و محكم ومتشابه امثال فاحلوا الحلال و حرموا الحرام واعملوا المحكم و آمنو بالمتشابه و اعتبروا بالامثال۔ سے استدلال کرتے ہوئے اہل سنت والجماعت اس بات کا قائل ہیں کہ قرآن کریم کی بعض آیات محکم یعنی معلوم المراد اور بالکل ظاہر اور بین ہیں اس میں اجمال و خفاء اور ابہام نام کی کوئی چیز نہیں

---

[1] مسلم شرح نووی جلد ۲ ص ۲۳۹

ہے اور قرآن کریم میں دوسری قسم کی وہ آیات ہیں جو غیر معلوم المراد ہیں اس کے معنی خفی اور پوشیدہ ہیں امت کی ایک بڑی جماعت اسی کے قائل ہے، جو آیات محکمات ہیں وہی در حقیقت اسلامی احکام وارکان کا دارومدار ہے۔اس پر عمل کرنا واجب ہے،اور رہی متشابہات تو اس کے متعلق علمائے امت کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ اللہ اور اسکے رسول کے درمیان ایک راز ہے کسی مصلحت کیوجہ سے امت کو دنیا کے اندر نہیں بتایا گیا آخرت کے اندر اس کے معانی انشاءاللہ کھل کر سامنے آجائیں گے۔شعر۔

میان عاشق و معشوق رمزیست ☆ کراما کاتبین راہم خبر نیست

اس لئے علمائے امت کا یہ فیصلہ ہے کہ متشابہات سے جو کچھ بھی عند اللہ مراد ہو اس پر اجمالاً ایمان لانا ضروری اور واجب ہے اور مشابہات کے معانی ومفاہیم کی کھود کرید میں پڑنا شرعاً ممنوع ہے چنانچہ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے استواء کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متشابہات آیتوں کی تفسیر جائز ہی نہیں ہے (مگر یہ کہ اسکی سند رسول اللہ ﷺ تک پہونچے یا صحابہ کرام یا اجماع امت سے ثابت ہو) بلکہ اصح بات یہ ہے کہ اس پر سکوت اختیار کیا جائے[1]

اب رہا یہ سوال کہ متشابہات کا علم راسخین فی العلم کو ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں جاننا چاہیے کہ علمائے احناف کے نزدیک مشابہات کا علم راسخین فی العلم کو بھی نہیں ہے یہ صرف اللہ اور اسکے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہے، مگر امام شافعی اور عام معتزلہ کے نزدیک راسخین فی العلم کو متشابہات کا علم دیا گیا اور وہ متشابہات کے معنی جانتے ہیں،اور اس اختلاف کی بنیاد اللہ تعالی کا فرمان ومایعلم تاویله الا اللّٰه ہے،علمائے احناف کا کہنا ہے کہ الا اللّٰه پر وقف کرنا لازم ہے اور والراسخون فی العلم مستقل جملہ ہے اور مبتدا ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کے یہاں ومایعلم تاویله الا اللّٰه والراسخون فی العلم پر وقف ہے نہ کہ الا اللّٰه پر، مگر یہ اختلاف محض لفظی ہے حقیقی نہیں، کیونکہ جن حضرات نے راسخین فی العلم کے بارے میں یہ کہا کہ وہ متشابہات کو نہیں جانتے ہیں یعنی علم یقین کے ساتھ نہیں جانتے ہیں اور جن حضرات نے یہ فرمایا کہ وہ متشابہات کے معنی جانتے ہیں یعنی علم ظن کے ساتھ جانتے ہیں لہذا دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے یہ محض لفظوں کا کھیل ہے۔[2]

سوال:۔حدیث شریف کا باب سے کیا تعلق ہے اور حدیث پاک سے پیغمبر علیہ السلام کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب:۔یہ باب چونکہ بدعت اور جدال سے اجتناب کرنے کے متعلق ہے اور حدیث مذکور کے اندر بھی متشابہات کے متعلق کھود کرید کرنے والے کو اہل زیغ میں شمار کیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی

[1] مستفاد نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۳۳۹، مرقات جلد اص ۲۲۸، نور الانوار ص ۹۷۔۹۸، اصول الشاشی ص ۲۵ کا حاشیہ۔ مصباح الزجاجہ ص ۱۶ ترجمہ شیخ الہند ص ۶۴ [2] اصول الشاشی ص ۲۵ کا حاشیہ۔ نور الانوار ص ۹۷

ہے لہذا اذا رأیتم الذین یجادلون فیہ الذین عنا ھم اللہ فاحذروھم ہی ترجمۃ الباب ہے اور حدیث شریف سے حضور علیہ السلام یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ آدمی کو متشابہات کے معانی کی کھود کرید میں نہیں پڑنا چاہئے اور جو اس میں پڑے اسکا ہمنشیں اور ہم مجلس ہرگز نہ ہونا چاہئے بلکہ اس سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے [۱]

رجال حدیث:۔

محمد ابن خالد بن خداش کنیت ابو بکر ہے بصرہ کے رہنے والے تھے صدوق ہیں [۲]

اسماعیل ابن علیہ، علیہ والدہ کا نام ہے والد کا نام ابراہیم بن سہم بن مقسم الاسدی کنیت ابو بشر ہے [۳]

یحیٰ بن حکیم بن صفوان ابن امیہ مقبول راوی ہیں [۴]

عبد اللہ ابن ابی ملیکہ اصل نام اس طرح ہے زہیر ابن عبد اللہ ابن جدعان ابو ملیکہ التیمی المدنی، یہ ایک مشہور صحابی ہیں [۵]

(۵۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ

(۵۱) ح وَحَدَّثَنَا حَوْثَرَةُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَا ثَنَا حَجَّاجُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي غَالِبٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہدایت پانے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر جس کو جھگڑا دیا گیا ہو، پھر آپ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی بل ھم قوم خصمون بلکہ وہ لوگ جھگڑالو قوم ہیں،

تشریح حدیث:۔

الجدل کی تحقیق کرتے ہوئے شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین اقوال نقل کئے ہیں (۱) جدل کہتے ہیں اپنے نبیوں کے ساتھ باطل طریقہ سے جھگڑنا اور ان پر بربنائے عناد و دشمنی یا بسبب انکار، معجزہ کا طلب کرنا وھو الخصومۃ باالباطل مع نبیھم وطلب المعجزۃ منہ عناد او حجوداً۔ (۲) ولائل کا دلائل سے تقابل کرنا وقیل مقابلۃ الحجۃ باالحجۃ۔ (۳) جدل سے مراد قرآن میں لڑنا جھگڑنا اور اپنے مذہب اور اپنے شیوخ کے اقوال و آراء کو فروغ دینے کے لئے خوہ مخواہ لڑنا جھگڑنا اور حق کی مدد کئے بغیر ان کی ترویج کے لئے بلاوجہ کوشش کرنا یہ طریقہ حرام ہے البتہ اعلائے کلمۃ اللہ، اظہار حق او رغلبہ اسلام کی خاطر صحیح نیت کے ساتھ فرق باطلہ سے مباحثہ و مناظرہ فرض کفایہ ہے، وقیل المراد ھنا

---

[۱] مرقات جلد ا ص ۲۲۸، نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۹ [۲] تقریب ص ۲۱۸ [۳] نووی شرح مسلم جلد ا ص ۷۷ [۴] تقریب ص ۲۷۲ [۵] تقریب ص ۸۲

العناد والمراء فی القران ضرب بعضه ببعض لترویج مذاهبهم وآراء مشائخهم غیر ان یکون لهم نصرة علی ما هوا لحق وذالك محرم لا المناظرة لغرض صحیح کا ظهار الحق فانه فرض کفایة[1]

سوال: حدیث پاک کا باب سے کیا تعلق ہے؟ جواب، اس حدیث کو اس باب میں امام ابن ماجہ نے اس لئے جگہ دی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو قوم ہدایت یاب ہو گئی اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئی وہ کبھی گمراہ نہیں ہوئی مگر وہ قوم جس کو جدل عطا کیا گیا اور وہ نصوص الٰہیہ کے حکم کو اپنی ذاتی غرض کے لئے رد کر رہی ہے اور اپنے دماغ اور کھوپڑی کی باتوں کو صحیح کہہ رہی ہے تو ایسی قوم ہی حقیقت میں مبتدع ہے لہٰذا اس سے اجتناب کلی کرنے کی ضرورت ہے اور اس قوم سے میل ملاپ نہ رکھا جائے پس حدیث میں الا اتو الجدل ہی ترجمۃ الباب ہے،

رجال حدیث:-

علی ابن المنذر الکوفی صدوق راوی ہیں[2]

حوثرۃ ابن محمد البصری الوراق صدوق راوی ہیں[3]

محمد ابن بشر بن بشیر الکوفی صدوق راوی ہیں[4]

حجاج بن دینار الواسطی محدثین نے ان کے لئے لاباس کا استعمال کیا ہے[5]

ابو غالب، یہ دیلم بن غزوان العبدی ہیں صدوق راوی ہیں[6]

ابو امامہ، ان کے نام کی تعیین کے اندر اختلاف ہے بعض نے نام ایاس بتایا ہے اور بعض نے عبداللہ بن ثعلبہ کہا ہے اور بعض نے ثعلبہ بن عبداللہ بن سہل کہا ہے یہ اللہ کے رسولؐ کے صحابیوں میں سے ہیں۔[7]

(۵۲) حَدَّثَنَا دَاوٗدُ بْنُ سُلَیْمَانَ الْعَسْکَرِیُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ اَبُوْ هَاشِمِ بْنِ اَبِیْ خِدَاشٍ الْمَوْصِلِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِحْصَنٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ اَبِیْ عَبْلَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الدَّیْلَمِیِّ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْماً وَلَا صَلٰوةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجّاً وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَاداً وَلَا صَرْفاً وَلَا عَدْلاً یَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ کَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِیْنِ

ترجمہ حدیث:-

[1] دیکھئے مرقات جلد ۱ ص ۲۵۲ [2] تقریب ص ۱۸۶ [3] تقریب ص ۶۶ [4] تقریب ص ۲۶۱ [5] تقر: ص ۵۰ [6] تقریب ص ۷۵ [7] تقریب ص ۲۸۸

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا نہ روزہ، نہ نماز، نہ صدقہ، نہ عمرہ، نہ جہاد، اور نہ ہی کوئی عبادت قبول کرتے ہیں نہ فرض عبادت قبول کرتے ہیں، نہ نفل، وہ اسلام سے اسی طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

تشریح حدیث:۔ لا یقبل اللہ لصاحب بدعة الخ

عدم قبولیت کے دو معنی مراد لئے جاتے ہیں اگر بدعت سے بدعت اعتقادی مراد ہے ناکہ بدعت عملی تو ایسی صورت میں عدم قبولیت کا مطلب عدم اجابت ہے اور اگر بدعت سے بدعت عملی مراد ہے ناکہ اعتقادی تو پھر عدم قبولیت کا مطلب عدم اصابت ہے مگر یہاں حدیث کا دوسرا ٹکڑا یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں عدم قبولیت کے معنی عدم اجابت کے ہیں [1]

سوال:۔ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ بدعتی ایمان سے نکل جاتا ہے تو یہ حدیث تو جمہور کے خلاف اور خوارج کی تائید میں ہوئی؟

جواب:۔ علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) اگر بدعتی اعمال بدعت حلال سمجھ کر کرے اور دیگر فرائض کی طرح اس کو بھی ایک فرض سمجھے تو یہ شخص اسلام سے نکل جائیگا اور حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوگی۔

(۲) بدعتی آدمی اعمال بدعت کرتے کرتے اس قدر جری ہو جاتا ہے کہ اب اس کے لئے اندیشہ ہے کہ کہیں اسلام سے نہ نکل جائے۔

(۳) بدعتی آدمی کو بدعات و خرافات بسا اوقات کفر کے غار میں لا گراتی ہیں اور آدمی اسلام سے نکل جاتا ہے اور اس کو احساس تک بھی نہیں ہوتا ہے۔

(۴) یہ حدیث تغلیظ و تشدید پر محمول ہے اور حدیث سے بدعت کی قباحت و شناعت علیٰ وجہ البصیرت اجاگر کرنا مقصود ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ حدیث شریف سے باب کا کیا تعلق ہے تو تعلق تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ بدعت اس درجہ قبیح اور شنیع فعل ہے کہ اس کی وجہ سے نماز، روزہ اور دیگر عبادات نافلہ بھی قبول نہیں ہوتی ہیں حتی کہ بعض مرتبہ آدمی اسلام سے نکل جاتا ہے اور وہ جہل مرکب میں مبتلا رہتا ہے کہ میں پکا مسلمان ہوں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدون التوبہ دنیا سے کوچ کر جاتا ہے پھر آخرت کے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس لئے ہر طرح کی بدعات سے بچتے رہنا چاہئے۔

رجال حدیث:۔

---

[1] استفادازکشف الحاجہ ص۸۷

داؤد بن سلمان بن حفص انصاری کی کنیت ابو سہل الدقاق ہے۔ صدوق راوی ہیں [1]

محمد بن علی الاسدی ابوہاشم بن ابی خداش، الموصلی، ثقہ راوی ہیں [2]

محمد بن محصن جداعلی کی طرف نسبت کرتے ہوئے عکاشی کہا جاتا ہے سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن عکاشہ بن محصن الاسدی۔ ان کی تکذیب کی گئی ہے [3]

ابراہیم بن عبلہ ابن یقظان الشامی کنیت ابو اسماعیل ہے۔ ثقہ راوی ہیں [4]

عبداللہ یہ ابن فیروز زیاتی ہیں [5]

حذیفہ بن الیمان، یمان کا نام حسیل تصغیر کے ساتھ ہے جلیل القدر صحابی ہیں حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ [6]

(۵۳) حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بنُ سَعِيْدٍثَنَا بِشْرُ بْنُ مَنْصُوْرٍالْخَيَّا طُ عَنْ أَبِىْ زَيْدٍعَنْ أَبِىْ الْمُغِيْرَةِعَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللهِ ﷺ أَبَى اللهُ أَنْ يَقْبَلَ عَمَلَ صَاحِبِ بِدْعَةٍحَتّٰى يَدَعَ بِدْعَتَه ،

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسوقت تک بدعتی کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا ہے جب تک کہ وہ بدعت کو ترک نہ کردے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی تشریح اور ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے۔

رجال حدیث:۔

بشر بن منصور الخیاط، صدوق راوی ہیں [7]

عبداللہ بن عباس بن مطلب بن ہاشم بن عبد مناف حضور ﷺ کے چچا کے لڑکے ہیں ہجرت سے تین سال قبل ولادت ہوئی، آپ نے ان کے لئے دعاء فرمائی تھی اللھم علمه الکتاب عبداللہ ابن عباس کا شمار فقہاء صحابہ میں ہے طائف میں ۶۸ھ میں وفات ہوئی [8]

(۵٤) حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ إِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ وَهَارُوْنُ بْنُ إِسْحَاقَ قَالاَ ثَنَا ابنِ أَبِى فُدَيْكٍ عَنْ سَلَمَةَ بنُ وَرْدَانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَهُوَبَاطِلٌ بُنِىَ لَه قَصْرٌ فِي رَبَضِ

---

[1] تقریب ص ۷۳ [2] تقریب ص ۲۲۹ [3] تقریب ص ۲۳۳ [4] تقریب ص ۱۴ [5] تقریب ص ۱۲۸ [6] تقریب ص ۵۱ [7] تقریب ص ۳۵ [8] تقریب ص ۱۳۳

الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے جھوٹ چھوڑ دیا جبکہ وہ باطل تھا تو اس کے لئے جنت کے پاس ایک محل بنایا جائے گا اور جس آدمی نے جھگڑا چھوڑ دیا جبکہ وہ حق پر تھا تو اس کے لئے جنت کے بیچ ایک محل بنایا جائیگا اور جس شخص نے اپنے اخلاق کو اچھا بنایا تو اس کے لئے جنت کے اوپر محل بنا جائے گا۔

تشریح حدیث:۔

کذب بیانی فی نفسہ حرام ہے مگر کبھی مجبوری کے وقت الفاظ توریہ استعمال کرنا جائز ہے یعنی ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ذو وجہین ہوں یعنی اسکے دو معنی ہوں اور متکلم اس لفظ کے معنی بعید کو مراد لے اور سامع معنی قریب مراد لے یہی توریہ ہے جو حقیقت میں کذب نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابراھیمؑ نے تین موقعوں پر توریہ سے کام لیا ہے ایک اس وقت جب لوگوں نے بت کدہ ساتھ جانے کے لئے کہا تھا تو آپ نے فرمایا انی سقیم۔ میں بیمار ہوں یعنی روحانی بیماری میں مبتلا ہوں اور لوگوں نے جسمانی بیماری پر محمول کیا، دوسرے آپ حضرت سارہؓ کے ساتھ ہجرت فرمارہے تھے اور ظالم بادشاہ راہ گیر کے مسافروں کی بیویوں سے زنا کرتا تھا مگر ان کی بہن سے نہیں کرتا تھا تو اس وقت جب ظالم بادشاہ نے دست درازی کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا ھذہٖ اختی۔ یہ میری بہن ہے یعنی دینی اور مذہبی بہن ہے۔ انما المومنون اخوۃ۔ مگر اس نے سمجھا کہ نسبی بہن ہے تیسرا جب آپ نے مشرکین کے بت خانے میں جا کر ان کے معبودوں کو توڑ پھوڑ دیا تھا اور کلہاڑی بڑے بت کے کندھے پر رکھ دی تھی اور لوگوں نے جب اپنے معبودوں کو کچھ اور ہی دیکھا تو سوال کیا۔ ءأنت فعلت ھذا با لھتنا یا ابراھیم اس کے جواب میں آپ نے فرمایا بل فعله کبیرھم ھذا یہ کام تو اس کے بڑوں نے ہی کیا۔ یہ جملہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہے جس طرح کہا جاتا ہے انبت الربیع البقل، موسم ربیع نے کھیتی اگائی حالانکہ حقیقت میں کھیتی اگانے والا اللہ ہے یہاں بھی اسی طرح ہے بتوں نے ہی ابراہیم علیہ السلام کو ابھارا تھا اس لئے اسی کی طرف اسناد کردی گئی، گرچہ اس کام کو انجام دینے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں [1]

نیز حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ایتھا العیر انکم لسارقون خلاف واقعہ ہے مگر حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے گویا چرا لیا تھا اس لئے یہاں سارقون ان کو کہا گیا ہے لیکن اس جواب کو کمزور قرار دیا گیا

معارف القرآن جلد ۶ ص ۱۸۵، نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵ نیز اس وقت مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۱۰۲ سے اسلام کی سومندی ہوگی گرچہ مفسر موصوف نے اپنی عادت کے مطابق بخاری کی روایت پر نشتر چلانے کی کوشش کی ہے تفسیر مظہری جلد ۸ ص ۵۰

ہے[۱]

اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے ہجرت کے موقع پر فرمایا رجل یهدینی السبیل اور مراد لیا اسلام کا راستہ یہ تمام کے تمام توریہ کے قبیل سے ہیں اسے جھوٹ نہیں کہا جاسکتا ہے، قاضی عیاض نے کہا کہ تین جگہوں کے علاوہ کسی اور دوسری جگہ کذب جائز نہیں ہے (۱) جنگ میں دشمن اسلام کے ساتھ کذب جائز ہے مثلاً دشمن سے کہے مات امامکم الاعظم، تمہارا کمانڈر مر گیا اور مراد لے زمانہ گذشتہ کا کمانڈر، (۲) بیوی سے اظہار محبت کے لئے کذب جائز ہے (۳) اصلاح بین الناس کے لئے کذب جائز ہے۔ ان مواقع پر جھوٹ کی رخصت حدیث صحیح سے ثابت ہے لا یحل الکذب الا فی ثلث کذب الرجل امرأته لیرضیها والکذب فی الحرب والکذب لیصلح بین الناس[۲]

امام طبری اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ جھوٹ کسی موقع پر بھی حلال نہیں ہے رہی حدیث شریف، کہ اس سے تو جھوٹ کے جواز کا ثبوت ملتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف صرف الفاظ توریہ کے استعمال کی اجازت پر محمول ہے صراحتاً کسی بھی طرح کا کذب جائز نہیں ہے[۳]

سوال:۔ حدیث شریف اور باب میں کیا مناسبت ہے؟

جواب:۔ حضور علیہ السلام کذب بیانی کے ترک پر جنت کا وعدہ فرمارہے ہیں اسی طرح جنگ وجدال چھوڑنے پر بھی جنت کا وعدہ فرمارہے ہیں بدعتی آدمی بھی چوں کہ جھوٹی چیز گھڑ کر لوگوں میں رائج کرتا ہے اور اس سے منع کرنے والوں سے مجادلہ کرتا ہے تو حضور فرماتے ہیں کہ جو شخص کذب چھوڑ دیگا اس کے لئے جنت ہے اسی طرح جو جنگ وجدال ختم کردیگا اس کے لئے بھی جنت ہے تو گویا اس طرح سے اجتناب بدعت پر ابھار رہے ہیں تو گویا حدیث کے ہر جز سے ترجمۃ الباب ثابت ہے۔

رجال حدیث:۔

عبد الرحمٰن بن ابراہیم الدمشقی، ثقہ اور حافظ حدیث ہیں[۴]

ہارون بن اسحاق بن محمد بن مالک الکوفی۔ اصطلاح محدثین میں صدوق ہیں[۵]

محمد بن اسماعیل بن مسلم بن ابی فدیک کنیت ابو اسماعیل، صدوق راوی ہیں[۶]

سلمہ بن وردان اللیثی ضعیف راوی ہیں[۷]

---

[۱] تفسیر مظہری جلد ۶ ص ۱۲۹، معارف القرآن جلد ۵ ص ۱۰۳، روح المعانی جز ۱۳ ص ۲۳ [۲] مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۲۸، ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۶ انظر [۲] مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۲۵ [۳] نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵ [۴] تقریب ص ۱۴۹ [۵] تقریب ص ۲۱۵ [۶] تقریب ص ۹۸

(۸) باب اجتناب الرایٔ والقياس

اس باب میں وہ روایتیں آئیں گی جن میں آقا ﷺ نے دین میں قیاس آرائی اور رائے زنی سے روکا ہے اور ہواء نفس کو تقویت دینے کے لئے دین میں رائے زنی کی مذمت فرمائی ہے قرآن وحدیث میں صریح حکم کے ہوتے ہوئے قیاس آرائی قطعاً مذموم ہے۔۔۔۔۔۔ ہاں ایک وہ قیاس ہے جو حضرات فقہاء کرام اور فقہاء اصولیین کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے غیر منصوص علیہ مسائل کا حکم متعین کرنا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب شرعی اور امر محمود ہے اور اس طرح کے قیاس کے جواز پر قرآن وحدیث ناطق ہے اللہ رب العزت خود ارشاد فرماتا ہے کہ فاعتبروا یا أولی الابصار، اس سے صراحۃً قیاس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ اعتبار ردالشئی الی نظیرہ کو کہتے ہیں جسکا صاف مطلب قیسوا الشی بالشئی ہے نیز اللہ کے رسول ﷺ جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بناکر روانہ فرمارہے تھے تو اس وقت آپ نے فرمایابم تقضی یا معاذ حضرت معاذ نے فرمایابکتاب اللّٰہ آپ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ پاؤ تو اس وقت کس سے فیصلہ کروگے حضرت معاذ نے فرمایابسنة رسول اللّٰہ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی کوئی حکم نہ پاؤ تو کیا کروگے تو حضرت معاذ نے فرمایا اجتهد برأئی یہ جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا الحمد لله الذی وفق رسول رسوله بما یرضیٰ به رسوله ، اور حضرت معاذ کی تصویب وتعریف فرمائی، نیز نبی پاک کا ارشاد موجود ہے آپ نے حضرت ابن مسعود سے فرمایا اقض با لکتاب والسنة فان لم تجد الحکم فیهمافا جتهد برأیك جو آفتاب نصف النہار سے زیادہ واضح قیاس کے جواز کے ثبوت پر دال ہے۔۔۔۔۔۔ مگر بایں ہمہ قیاس ہر کس وناکس کے لئے جائز نہیں ہے اور نہ اس میں کلیۃً آزادی ہے بلکہ کچھ اصول وضوابط ہیں جن کی رعایت لازم ہے ہم اولاً ذیل میں قیاس کی تعریف اور اس کی شرطیں تحریر کرتے ہیں۔

قیاس کے لغوی معنیٰ:۔

قاس یقیس ۔ ض۔ قیاساً۔ اندازہ کرنا جیسے کہ کہاجاتا ہے قس النعل بالنعل اس جوتے کو اس کے مانند بنادو ا ۔

قیاس کے اصطلاحی معنیٰ:۔

ا حسامی ص ۹۱، نور الانوار ص ۲۲۸

قیاس شرعی فقہاء کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ منصوص علیہ مسائل کا حکم غیر منصوص علیہ مسائل کی طرف متعدی کرنا علت کے درمیان شرکت کی وجہ سے، یعنی دونوں مسئلوں میں علت واحدہ کی وجہ سے منصوص علیہ مسائل کا حکم غیر منصوص علیہ کی طرف متعدی کرنا۔ القیاس الشرعی هو ترتب الحکم فی غیر المنصوص علیه علی معنی هو علة لذالك الحکم فی المنصوص علیه [1]
صاحب حسامی قیاس اصطلاحی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں، والفقهاء اذا اخذوا حکم الفرع من الاصل سموا ذلك قیاساً لتقدیرهم الفرع بالاصل فی الحکم والعلة [2]

صحت قیاس کی شرطیں:۔

قیاس کے صحیح اور قابل اعتبار ہونے کے لئے علماء اصول نے پانچ شرطیں لکھی ہیں جن کی رعایت نہایت ہی ضروری ہے اگر ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو گئی تو پھر وہ قیاس قابل قبول اور شرعاً حجت نہ ہوگا۔

شرط اول:۔ أن لا یکون فی مقابلة النص یعنی قیاس نص شرعی کے مقابل نہ ہو، مثال کے طور پر ایک اعرابی نے حضرت حسن بن زیاد سے قہقہہ کے متعلق سوال کیا کہ اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بن زیاد نے برملا کہا کہ وضو ٹوٹ جائیگا اعرابی نے حضرت حسن کے جواب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں کسی پاکدامن عفیفہ عورت پر تہمت تراشی کرے تو یہ سنگین گناہ ہے پھر بھی وضوء نہیں ٹوٹتا ہے تو پھر قہقہہ فی الصلوۃ سے نقض وضو کیوں ہو جائے گا یہ قیاس شرعاً معتبر نہیں ہے بلکہ مردود ہے کیوں کہ قہقہہ سے نقض وضو کی روایت صراحت کے ساتھ موجود ہے لہٰذا یہ قیاس نص کے مقابلے میں ہوا جو درست نہیں ہے [3]

شرط دوم:۔ لا یتضمن تغیر حکم من احکام النص۔ قیاس سے نص کے احکام میں کسی طرح سے تغیر لازم نہ آتا ہو جیسے تیمم پر قیاس کرتے ہوئے باب وضوء میں بھی نیت شرط قرار دینا آیت وضو مطلق کو مقید کرنا لازم آئیگا جو باطل ہے اس لئے تیمم پر قیاس کر کے وضوء میں نیت کو لازم کرنا بھی مردود ہوگا [4]

شرط سوم:۔ لا یکون المعدی حکما لا یعقل۔ جس حکم کا تعدیہ کیا جائے وہ غیر مدرک بالعقل نہ ہو بلکہ مدرک بالعقل ہو جیسے کہ یہ کہنا کہ جس طرح خروج ریح سبب حدث ہے اور اس پر بنائے نماز صحیح ہے اسی طرح احتلام بھی ایک حدث ہے اس لئے احتلام کی صورت میں بھی بناء صلوۃ جائز ہونی چاہئے مگر اصل معدیٰ کی علت غیر معقول ہونے کی وجہ سے اس پر قیاس بھی مردود ہے۔

[1] اصول الشاشی ص ۸۸ [2] حسامی ص ۹۱ [3] اصول الشاشی ص ۸۵ [4] اصول الشاشی ص ۸۵

شرط چہارم:۔ يقع التعليل لحكم شرعي لا لامرلغوی حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لئے علت دریافت کی جائے نہ کہ امر لغوی کی تحقیق مقصود ہو۔ مثال کے طور پر کوئی اس طرح استدلال کرے کہ چور کو سارق اس لئے کہا جاتا ہے وہ خفیہ طریقوں سے دوسروں کا مال ہڑپ کرتا ہے۔ یہی معنی تو نباش کفن چور میں بھی موجود ہے لہٰذا اس کو سارق قرار دے کر قطع ید کیا جائے یہ قیاس لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اس لئے مردود ہے۔

شرط پنجم:۔ لا يكون الفرع منصوعا عليه ، جس مسئلے کو از روئے قیاس ثابت کیا جائے وہ منجانب شارع علیہ السلام منصوص علیہ نہ ہو۔ اس لئے کہ جب مسئلہ کی نص موجود ہوگی تو قیاس کی ضرورت ہی نہیں رہی، مثلاً کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں غلام کے مومن ہونے کی شرط لگانا عند الاحناف باطل ہے کیونکہ فرع (مقیس) کے حکم کے متعلق خود نص موجود ہے[1]

اگر قیاس کرتے وقت مذکورہ شرطوں کی مکمل رعایت کی گئی تو وہ قیاس شریعت میں مقبول ہی نہیں بلکہ محمود بھی ہوگا اور اگر متعینہ شرائط اور حدود کو پار کر کے قیاس کیا جائے تو وہ قیاس مردود اور باطل ہوگا شرعی اعتبار سے ایسا قیاس مذموم ہوگا اور اسی قسم کی قیاس آرائیوں سے حدیث باب میں روکا گیا ہے۔

قیاس کا حکم:۔ قیاس کا حکم یہ ہے اصل کا حکم فرع کی طرف متعدی کرنا تاکہ فرع کے اندر غالب رائے مع احتمال خطاء وہی حکم آجائے جو اصل یعنی مقیس علیہ کے اندر تھا[2]

(٥٥) حَدَّثَنَا اَبُوكُرَيْبٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ وَعَبْدَةُ وَاَبُوْمُعَاوِيَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُنُمَيْرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ

(٥٦) ح وَحَدَّثَنَاسُوَيْدُبْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَمَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَحَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ وَشُعَيْبُ بْنُ اِسْحَاقَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعاً يَنْتَزِعُه مِنَ النَّاسِ ولكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعَلَمَاءِ فَاِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِماً اِتَّخَذَ النَّاسُ رؤساً جُهَّالاً فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِعِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ

---

[1] اصول الشاشی ص ۸۵ ہکذا استفاد من حسامی و نور الانوار، [2] حسامی ص ۱۰۴

تعالیٰ علم کو لوگوں سے دفعۃً واحدۃً نہیں اٹھائے گا لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائیگا پھر جب کوئی عالم باقی (دنیا میں) نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے اور ان سے (مسئلہ مسائل کی باتیں) معلوم کریں گے تو جاہل پیشوا بغیر علم کے فتویٰ صادر کر دیں گے پھر تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری صاحب مشکوۃ لکھتے ہیں کہ علم سے مراد کتاب وسنت اور اس کے متعلق تمام علوم وفنون ہیں[۱] (مثلاً علم فقہ، علم قرآن، علم تفسیر، علم اصول فقہ، علم بلاغت، معانی، بدیع اور وہ تمام علوم جو فہم کتاب وسنت میں مہمیز کا کام کرتے ہیں داخل ہیں) قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا مگر اٹھانے کا انداز یہ نہیں ہوگا کہ رجعت قہقری کی طرح یکبارگی آناً فاناً علم ختم کر دیا جائے گا بلکہ انداز یہ ہوگا کہ وقت کے چیدہ چیدہ علماء اور علم وعمل میں ید طولیٰ رکھنے والے اکابر واسلاف کو رفتہ رفتہ موت دے کر علم کو اٹھالیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ روئے زمین پر کوئی عالم باقی نہیں رہے گا یا علماء تو بہت ہوں گے مگر علم کے تقاضوں پر عمل کرنے والے بہت کم ہوں گے ہر عالم جاہلوں ہی کی طرح اپنی خواہشات کے رو میں بہہ رہا ہوگا تو اس وقت لوگ جاہلوں کو اپنا راہنما، مفتی، قاضی، خلیفہ، امام اور شیخ بنا لیں گے اور مسائل شرعیہ ان سے دریافت کریں گے تو یہ اپنے جہل کی وجہ سے غلط فتویٰ صادر کریں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے بعد خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہی کے غار میں ڈالیں گے۔۔۔۔۔۔

امام نووی شارح مسلم اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ رؤساً ہمزہ کے ضمہ اور تنوین کے ساتھ رأس کی جمع ہے، امام مسلم نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں رؤساء مد کے ساتھ ہے حافظ نے بھی فتح الباری میں بفتح الہمزہ والمد تخریج کی ہے، دونوں درست ہیں ثانی صورت میں یہ رئیس کی جمع ہوگی مولانا ساجد صاحب مرتب کشف الحاجہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے علوم دین کے حصول کی ترغیب کی طرف لطیف اشارہ ملتا ہے۔ اس حدیث پاک سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ناخواندہ اور جاہل آدمی دین کے مسائل نہ بتائیں کوئی شرعی حکم لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں ورنہ خود بھی گمراہی کے دلدل میں پھنسیں گے اور دوسروں کو بھی ضلالت وگمراہی کے دلدل میں پھنسائیں گے۔

سوال۔ اس حدیث شریف کو امام نے باب اجتناب الرائے والقیاس کے تحت کیوں ذکر فرمایا؟ جب کہ بظاہر باب اور ترجمہ میں کوئی جوڑ نہیں ہے؟

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۲۷۳

جواب:۔ باب اور ترجمہ میں مطابقت و مناسبت اس طرح ہے کہ بغیر علم و معرفت اور علم میں بصیرت کے بغیر مسائل دینیہ اور احکام شرعیہ میں قیاس آرائی، رائے زنی اور فتوے دینا گمراہ طبقوں اور شیطان کا کام ہے اور ایسے فتوے صحت سے بعید ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام پر ایک افتراء اور زبردست بہتان ہے اور ان کا قیاس آرائی اور فتویٰ بازی سراسر غلط اور خواہش کی اتباع ہے اس لئے امام ابن ماجہ فرمارہے ہیں کہ جاہلوں کو اس رویہ سے بچنا چاہیے اور اس عمل شنیع سے اجتناب کرنا چاہیے ورنہ یہ خود بھی گمراہوں گے اور دوسروں کو بھی جادۂ مستقیم سے ہٹادیں گے کیوں کہ یہ شیطان کے پیرو اور گمراہ قسم کے لوگ ہیں۔

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی، ابو محمد الکوفی، نہایت عبادت گذار اور ثقہ ہیں [۱]

عبداللہ بن نمیر ہمدانی کنیت ابوہشام الکوفی۔ ثقہ ہیں [۲]

علی بن مسہر القرشی الکوفی، شہر موصل میں عہدہ قضاء پر فائز رہے آپ ثقہ ہیں [۳]

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الاصبحی ثقہ راوی ہیں۔ امام بخاری نے کہا کہ مالک عن نافع عن ابن عمر کی تمام سندیں بالکل اصح ہیں [۴]

(۵۷) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ اَيُّوْبَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ هَانِئٍ حُمَيْدُ بْنُ هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اُفْتِيَ بِفُتْيَا غَيْرَ ثَبَتٍ فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے غیر ثابت شدہ فتویٰ صادر کردیا تو اس کا وبال بتانے والے پر ہوگا۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب تو ترجمہ سے بالکل ظاہر ہے البتہ حدیث شریف من اُفْتِيَ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ من افتی بصیغہ مجہول پڑھا جائے تو اس صورت میں پہلے من افتی سے مراد مستفتی ہوگا اور من افتاہ سے مراد مفتی ہوگا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی

---

[۱] تقریب ص ۱۴۳ [۲] تقریب ص ۱۴۴ [۳] تقریب ص ۱۸۶ [۴] تقریب ص ۲۳۹

عالم سے کوئی مسئلہ معلوم کیا گیا اور اس نے صحیح جواب نہ دیا بلکہ غلط جواب دیا اور سائل نے اس پر عمل کر لیا تو اسکا گناہ مفتی پر ہوگا بشرطیکہ مفتی نے مسئلہ کی تلاش و جستجو میں کوتاہی کی ہو۔ دوسرے یہ کہ مَن افتی بصیغہ معروف پڑھا جائے تو اس وقت افتی اول سے مراد مفتی ہوگا اور من افتاہ ثانی سے مراد مستفتی ہوگا اور اس کو استفتی کے معنی میں لے لیا جائے گا اور ضمیر ھا سے مراد مفتی ہوگا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مستفتی یہ جانتے ہوئے کہ جس سے مسئلہ معلوم کر رہے ہیں وہ عالم نہیں ہے پھر بھی مفتی کے جہل سے واقف ہونے کے باوجود اس سے معلوم کرتا ہے اور اس سے پر عمل کرتا ہے تو مستفتی گناہ گار ہوگا [1]

رجال حدیث:۔

سعید ابن ابی ایوب الخزاعی ثقہ راوی ہیں [2]

حمید بن ہانی ابوہانی الخولانی المصری۔ محدثین نے ان کیلئے متعلق لاباس بہ کہا ہے [3]

مسلم بن یسار نام کے تین راوی ہیں ایک البصری، دوسرے المصری اور تیسرے الجہنی اول الذکر ثقہ، اور ثانی الذکر اور ثالث الذکر مقبول ہیں [4]

(۵۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنِي رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ وَجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ أَنْعُمٍ هُوَ الْإِفْرِيقِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ فَمَا وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم تین ہیں اور اس کے علاوہ زائد از ضرورت ہے، آیت محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ ہے۔

تشریح حدیث:۔

العلم پر الف لام عہد ذہنی کے لئے ہے اس سے مراد اصل علوم دین ہیں۔ یعنی وہ علوم جن پر دین اسلام کی بنیاد ہے وہ تین ہیں اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں مثلاً علم نحو، علم منطق، علم کلام، علم طب، علم بیان، علم معانی، علم بلاغت، علم بدیع، علم عروض، علم قوافی، علم ہندسہ، علم فلسفہ، علم ہیئت، علم میقات اور اس جیسے دیگر علوم سب زائد از ضرورت ہیں ان کا حصول ضروری نہیں ہے اور نہ مقصود ہے بلکہ مقصود تو صرف

---

[1] مستفاد مرقات جلد اص ۲۹۹ [2] تقریب ص ۹۰ [3] تقریب ص ٦٦ [4] تقریب ص ۲۴۵

علوم قرآن وحدیث اور اس کے متعلقات ہیں ان کے علاوہ دیگر علوم محض قرآن وحدیث کے سمجھنے کیلئے آلہ اور ذریعہ ہیں، مقصود نہیں۔

آية محكمة سے مراد وہ علوم ہیں جو نہ منسوخ ہیں اور نہ اس کی مراد میں کسی قسم کا اشتباہ ہے اور نہ ہی اس میں چند معانی کے احتمالات ہیں، بلکہ اس کے معنی بالکل واضح اور متعین ہیں قیاس اور رائے زنی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

سنة قائمة:۔او۔ برائے تنویع ہے سنت قائمہ سے مراد وہ معمول بہا احکام و مسائل ہیں جو آپ علیہ السلام سے بسند صحیح ثابت اور منقول ہوں بعض لوگوں نے سنت قائمہ سے مراد دائم العمل بتلایا ہے یعنی وہ احکام جن پر ہمیشہ عمل ہوتا ہو،

او فريضة عادلة:۔ اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے چار اقوال نقل کئے ہیں:

(۱) فریضہ عادلہ سے وہ تمام واحکام و مسائل مراد ہیں جو کتاب و سنت اور ایسے اجماع و قیاس سے مستنبط اور مستخرج ہوں جو منصوص کے حکم کے مساوی ہیں وجوب عمل اور صدق وصواب ہونے میں۔

(۲) فریضۂ عادلہ سے مراد وہ احکام ہیں جن کی تعدیل و تصدیق قران و سنت کرے۔

(۳) فریضۂ عادلہ سے مراد وہ تمام مسائل شرعیہ مستنبطہ ہیں جن پر مسلمانوں نے اتفاق کر لیا ہو۔

(۴) فریضۂ عادلہ سے مراد علم فرائض کے وہ احکام ہیں جن سے ترکہ کو ورثہ کے درمیان عدل و انصاف سے تقسیم کیا جائے خلاصہ یہ ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں کتاب، سنت، اجماع، اور قیاس، اجماع اور قیاس کو فریضہ عادلہ کہا جاتا ہے [۱]

علامہ طیبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ علم تین ہیں (۱) علم الکتاب، اور آية محكمة سے اسی کی جانب اشارہ ہے اور آیات محکمات ہی اصل کتاب اور دین کی اصل اصیل ہیں (۲) علم السنہ، اور سنة قائمة سے اسی کی جانب اشارہ ہے اس کے اندر حفاظت حدیث کے تمام ذرائع مثلاً، رواۃ پر جرح و تعدیل، اسانید حدیث کی صحت وضعف، اقسام حدیث کی معرفت اور متون حدیث کی حفاظت وغیرہ بھی علم السنہ کے تحت آتے ہیں (۳) علم الاجماع والقیاس، فریضۃ عادلہ، سے اسی کی طرف اشارہ ہے [۲]

سوال:۔ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو اس باب کے تحت کیوں ذکر فرمایا ہے باب اور ترجمہ میں کیا مطابقت ہے؟

---

[۱] مرقات جلد اص ۲۹۸ [۲] مرقات جلد اص ۲۹۹

جواب:۔ امام ابن ماجہ یہ حدیث لا کر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہی قیاس قابل قبول ہوگا جو فریضہ عادلہ کے تحت آتا ہو اور اس کی بنیاد و ماخذ کتاب و سنت ہو اور جو قیاس شریعت سے ہٹ کر ہو گا وہ قابل احتراز اور مذموم ہوگا۔ صاحب کتاب نے یہ روایت لا کر یہ بتا دیا کہ کتاب و سنت سے علیحدہ ہو کر دین میں رائے زنی و قیاس آرائی سے کام نہ لیا جائے بلکہ اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے۔

رجال حدیث:۔

رشدین ابن سعد بن مفلح کنیت ابو الحجاج المصری ضعیف راوی ہیں[1]

جعفر بن عون بن جعفر بن عمرو بن حریث المخزومی، صدوق راوی ہیں[2]

ابن انعم یہ عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی ہیں، ضعیف راوی ہیں [3]

عبد لرحمن بن رافع المصری التنوخی افریقہ کے قاضی تھے ضعیف راوی ہیں [4]

(۵۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ حَمَّادٍ سَجَّادَةُ ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ ثَنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَا تَقْضِيَنَّ وَلَا تَفْصِلَنَّ إِلَّا بِمَا تَعْلَمُ وَإِنْ أَشْكَلَ عَلَيْكَ أَمْرٌ فَقِفْ حَتّٰى تُبَيِّنَهُ أَوْ تَكْتُبَ إِلَيَّ فِيْهِ۔

ترجمہ حدیث۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ رسول ﷺ نے جب مجھے یمن کے لئے روانہ کیا تو فرمایا کہ تم ہرگز فیصلہ مت کرنا مگر ان ہی چیزوں کے بارے میں جن کو تم جانتے ہو اور اگر تم پر کوئی معاملہ مشتبہ ہو جائے تو ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ تم اس کو واضح کر لو یا اس کے متعلق مجھے لکھو۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب خود حدیث شریف سے واضح ہے البتہ باب سے حدیث شریف کی بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی ہے لیکن اگر تعمق نظری اور غور سے حدیث شریف کا مطالعہ کیا جائے تو واضح مناسبت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت معاذؓ کو تاکید فرما رہے ہیں کہ دیکھو ان ہی معاملات کا فیصلہ کرنا جن کے بارے میں تمہیں اچھی طرح معلومات حاصل ہو اور جن کے متعلق معلومات نہ ہو تو ان میں

---

[1] تقریب ص ۹۷ [2] تقریب ص ۳۰۲ [3] تقریب ص ۱۵۲ [4] تقریب ص ۱۵۲

اپنی رائے زنی اور قیاس آرائی مت کرنا بلکہ توقف کرنا یہاں تک کے تم پر واضح ہو جائیں یا پھر اس کے متعلق مجھ سے خط لکھ کر معلوم کر لینا مگر قیاس آرائی اور عقل کی بنیاد پر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کرنا تو اس طرح باب سے مطابقت موجود ہے۔

رجال حدیث:۔

حسن بن حماد سجادۃ۔ صدوق راوی ہیں ۱؎

یحیٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن العاص الاموی کنیت ابو ایوب کوفہ کے باشندے تھے بعد میں بغداد چلے گئے تھے صدوق راوی ہیں ۲؎

عبادۃ بن نسی الکندی ابو عمرو الشامی ثقہ راوی ہیں ۳؎

عبدالرحمٰن بن غنم ثقہ راوی ہیں قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے ۴؎

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس الانصاری الخزرجی جلیل القدر صحابی ہیں اور اصحاب بدریین میں سے ہیں ۵؎

(٦٠) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا ابْنُ اَبِيْ الرِّجَالِ عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بْنِ عَمْرٍو الاَ وْزَاعِيِّ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ اَبِيْ لُبَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَمْ يَزَلْ اَمْرُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مُعْتَدِلًا حَتّٰى نَشَاَ فِيْهِمُ الْمُوَلَّدُوْنَ اَبْنَاءُ سَبَايَا الْاُمَمِ فَقَالُوْا بِالرَّاْيِ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل کا حال ہمیشہ معتدل رہا یہاں تک کہ مغویہ عورتوں سے نسل کشی کرنے والے پیدا ہوئے چنانچہ انہوں نے خود اپنی رائے سے کہنا شروع کیا پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

تشریح حدیث:۔

بنی اسرائیل جب تک دین و شریعت کے سلسلے میں علماء حق کے تابع و پیرو رہے اور علماء دین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارتے رہے وہ اس وقت تک راہ اعتدال کے ساتھ دین پر قائم رہے ان

۱؎ تقریب ص ۵۳ ۲؎ تقریب ص ۲۷۵ ۳؎ تقریب ص ۱۲۲ ۴؎ تقریب ص ۱۵۷ ۵؎ تقریب ص ۲۲۸

سے غلطی نہیں ہوئی لیکن جب انہوں نے آوارہ گندی عورتوں سے نسل کشی کی اور ان سے نئی نسل کی بنیاد پڑی تو یہیں سے ان میں اور معاشرے میں فسادات پیدا ہونے شروع ہوگئے اور ان کی نحوست کی وجہ سے علوم و معارف اخلاص و عمل اور انوار و برکات رخصت ہونے لگے، جاہل قسم کے لوگوں نے رائے زنی قیاس بلا دلیل جاہلانہ آراء سے معاشرے کو خراب کرنا شروع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

سوال:۔ حدیث شریف اور باب میں کس طرح مطابقت ہے؟

جواب:۔ امام ابن ماجہ نے اس حدیث شریف کو ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی سے درس عبرت حاصل کرنا چاہئے اور منصوص اور غیر منصوص مسائل میں رائے زنی سے احتراز کرنا چاہئے کیوں کہ جس قوم میں رائے زنی اور قیاس آرائی آجاتی ہے وہ خود بھی گمراہ ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتی ہے اس لئے اس سے بچتے رہنا چاہئے۔

رجال حدیث:۔

عبدالرحمٰن بن عمرو بن الاوزاعی زبردست ثقہ راوی ہیں [۱]

عبدۃ بن ابی لبابہ الاسدی ثقہ راوی ہیں [۲]

عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید ابن سعد بن سہم السہمی صحابی رسول ہیں [۳]

(۹) بَابٌ فِی الْاِیْمَانِ

مسئلہ ایمان کی بحث نہایت اہمیت کی حامل ہے اور جس درجہ اپنے اندر پیچیدگی اور گنجلک رکھتی ہے اس سے کئی درجہ زیادہ تفصیل طلب بھی ہے اسی لئے مختلف جماعتوں نے اس میں معرکۃ الآراء بحث کی ہے اور علماء متاخرین و متقدمین کے تمام گروپ اپنے اپنے مذہب کے مطابق اس کو زیر بحث لائے ہیں ،اور متقدمین و متاخرین شارحین حدیث نے اس پر خوب سیر حاصل کلام کیا ہے ہم بھی یہاں انہیں محدثین سے استفادہ کر کے سات مباحث علی وجہ الاختصار ذکر کرتے ہیں (۱) ایمان کی لغوی تعریف (۲) ایمان کی اصطلاحی تعریف (۳) ایمان کی تعریف اور اس میں اختلاف (۴) کیا اعمال جزء ایمان ہیں (۵) ایمان بسیط ہے یا مرکب (۶) ایمان کمی و زیادتی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ (۷) ایمان و اسلام میں نسبت۔

---

[۱] تقریب ص ۱۵۶ [۲] تقریب ص ۱۶۸ [۳] تقریب ص ۱۳۷

ایمان کی لغوی تعریف:۔

أمن يؤمن افعال۔ایمانًا۔ ایمان امن سے ماخوذ ہے لغت میں ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں جیساکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وما أنت بمؤ من لنا۔ ای بمصدق لنا۔ ایمان کو تصدیق کے معنی میں اس لئے لیاہے کہ انسان نے جس کی بھی تصدیق کر دی ہے اس کو اپنی تکذیب سے مامون کر دیا ایمان کبھی لازم استعمال ہوتا ہے اور کبھی متعدی، اگر لازم مستعمل ہو تو اس کے معنی وثوق اعتماد کے ہوں گے اور متعدی مستعمل ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ متعدی باللام ہو تو اس وقت ایمان اذعان وانقیاد کے معنی میں ہوگا جیسے وما أنت بمومن لنا وقال فرعون آمنتم له دوسرے یہ کہ متعدی بالباء ہو تو اس وقت ایمان کے معنی تصدیق کے ہوں گے جیسے یومنون بالغیب بہر حال اگر ایمان متعدی ہو تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ مصدِق نے مصدَق کو تکذیب ومخالفت سے بچالیا [1]

ایمان کی اصطلاحی تعریف:۔

قاضی بیضاوی، حجۃ الاسلام امام غزالی، علامہ سعد الدین تفتازانی، ملا علی قاری امام ابو عبد اللہ بن محمد اسماعیل الاصفہانی اور امام نووی وغیرہ الفاظ کے قدر اختلاف کے ساتھ ایمان کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ التصديق بما علم بالضرورة انه من دين محمد ﷺ کا لتو حید والنبوۃ والبعث والجزاء یعنی ان تمام چیزوں کی قلب کی سچائی سے تصدیق کرنا جن کے متعلق بداہۃً محمد عربی ﷺ کے دین میں ہونا معلوم ہو جیسے توحید، نبوت، مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور اعمال کی جزاء وسزا، یعنی اصطلاح میں ایمان ماجاء به النبی ﷺ کی تصدیق قلب کی گہرائیوں سے کرنے کا نام اصطلاح میں ایمان ہے [2]

ایمان کی تعریف اور اختلاف مذاہب:۔

حقیقت ایمان کے متعلق علماء امت اور دیگر گمراہ فرقوں کے مابین شدید اختلاف ہے اور اس میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ صاحب تحفۃ المرأۃ علامہ طاہر رحیمی نے حقیقت ایمان کے متعلق چھ مذہب، صاحب تقریر حاوی مولانا جمیل احمد و مولانا شکیل احمد سیتاپوری نے آٹھ مذہب، اور صاحب تنظیم الاشتات علامہ ابو الحسن ہاتھواری نے دس مذہب نقل کیے ہیں۔

مذہب اول:۔ شیخ ابو منصور ماتریدی، امام غزالی، شیخ ابو الحسن اشعری (فی اصح الروایتین) امام الحرمین، امام اعظم ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء و متکلمین کے نزدیک ایمان صرف، تصدیق قلبی کا نام ہے، البتہ ترک اعمال

---

[1] مرقات جلد اص ۴۸، تنظیم الاشتات جلد اص ۲۵، بیضاوی ص ۱۸، تقریر حاوی جلد اص ۲۰۷، کشف الحاجہ ص ۹۴، تحفۃ المراۃ ص ۹۲ شرح عقائد ص ۱۱۸ [2] تفصیل دیکھئے، بیضاوی ص ۱۸ اشرح عقائد نسفی ص ۱۱۹، نووی شرح مسلم جلد اص ۲۵ تحفۃ المراۃ ص ۹۲، مرقات جلد اص ۴۸ تنظیم الاشتات جلد اص ۲۵ کشف الحاجہ ص ۹۴

صالحہ سے کمال ایمان ختم ہو کر فسق آجاتا ہے باقی رہا اقرار باللسان تو صرف دنیاوی احکام کے اجراء کے لئے شرط ہے ایمان کا جز نہیں ہے ان حضرات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات میں ایمان کی نسبت اور اضافت قلب کی طرف فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ فی قلوبھم الایمان، قلبه مطمئن بالایمان، ولم تومن، قلوبھم، ولما ید خل الایمان فی قلوبکم ۔ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی اضافت قلب کی طرف فرمائی ہے، بعض آیات میں قلب کو ایمان کا ظرف بنا کر اور بعض میں قلب کو ایمان کا مسند الیہ بنا کر ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب ایمان کا محل ہے یا ایمان قلب کی صفت ہے اور یہ بات بالکل ظاہر طے شدہ ہے کہ قلب کے اندر تصدیق کے علاوہ، قلب کی دوسری صفات معتبر نہیں ہیں پس یہ بات متعین ہو گئی کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔

مذہب دوم:۔ اکثر احناف شمس الائمہ سرخسی، اور فخر الاسلام علامہ بزدوی کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

مذہب سوم:۔ جمہور محدثین، متکلمین، فقہاء، معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان ارکان ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے یعنی ایمان تصدیق بالجنان، اقرار باللسان، اور عمل بالارکان کے مجموعہ کا نام ہے۔

مذہب چہارم:۔ فرقہ کرامیہ کے نزدیک ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے نجات کے لئے یہی کافی ہے چاہے تصدیق قلبی حاصل ہو یا نہ ہو۔

مذہب پنجم:۔ جہم بن صفوان اور ان کے معتقدین کے نزدیک ایمان صرف نفس معرفت رب کا نام ہے نہ اقرار باللسان شرط ہے اور نا ہی عمل بالارکان لازم ہے جس کو معرفت خداوندی حاصل ہے اور وہ اقرار لسانی سے قبل ہی وفات پا گیا تو وہ نہ صرف مومن بلکہ مومن کامل ہے۔

مذہب ششم:۔ فرقہ مرجیہ کے نزدیک ایمان صرف قلب کی تصدیق کا نام ہے ایمان کے لئے اقرار نہ شرط ہے نہ ہی جزء ہے بلکہ اعمال کے متعلق ان کا مشہور قول ہے کہ المعصیة لا تضرمع الایمان۔ وقالوا إن المومن ان عصی ید خل الجنة۔

مذہب ہفتم:۔ امام احمدؒ کے نزدیک ایمان جمیع مامورات شرعیہ پر عمل کرنے اور جملہ منہیات سے بچنے کے لئے حضور کے دست مبارک پر بیعت کرنیکا نام ہے۔

مذہب ہشتم:۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان امور ثلثہ یعنی تصدیق بالقلب، اقرار باللسان، اور عمل بالجوارح کے مجموعے کا نام ہے اور یہ تینوں ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں حتی کہ کوئی ایک شئی بھی فوت ہو جائے تو خوارج کے نزدیک کافر ہو جائے گا اور ایمان کے دائرہ سے نکل جائے گا اور وہ مخلد فی النار ہو گا اور

ابوالحسن معتزلی اور ان کے اصحاب کے نزدیک ایمان سے نکل تو جائے گا مگر حدود کفر میں داخل نہ ہوگا بلکہ ایسا شخص ان کے نزدیک ایمان و کفر کے درمیان ہوگا چونکہ یہ لوگ منزلة بين المنزلتين کے قائل ہیں۔

مذہب نہم:۔ ایمان صرف اعمال مفروضہ کی بجا آوری کا نام ہے اعمال و اقرار اور تصدیق کی ضرورت نہیں ہے مگر اسکے قائلین کون لوگ ہیں واللہ اعلم صاحب کشف الحاجہ نے بھی ناموں کی تعیین نہیں کی ہے۔

مذہب دہم:۔ فرقہ قدریہ کی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ایمان معرفت الٰہی اور معرفت ماجاء بہ النبی علیہ السلام کا نام ہے [1]

کیا اعمال جزوِ ایمان ہیں؟:۔

ایمان کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور ایمان کی تعریف کے متعلق اختلاف جان لینے کے بعد یہ بات جاننی بھی نہایت ضروری ہے کہ آیا اعمال اسلام نماز روزہ، حج زکوٰۃ صدقات و خیرات ایمان کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہیں یا بالکل ایمان سے خارج ہیں اور اگر داخل ہیں تو اسکی کیا حیثیت ہے اور اگر خارج ہیں تو اسکی کیا نوعیت ہے تو جاننا چاہئے کہ اس کے متعلق تین جماعتیں ہیں۔

اول:۔ معتزلہ اور خوارج کی جماعت ہے جو اعمال کو ایمان کے لئے جز حقیقی اور اجزاء مقومہ مانتی ہے اور اعمال کو ایمان کی ماہیت میں داخل مانتی ہے یہی وجہ ہے کہ مرتکب کبیرہ باتفاق معتزلہ اور خوارج اسلام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ معتزلہ کے یہاں کفر میں داخل نہیں ہوتا ہے دنیاوی احکام کے اعتبار سے اور خوارج کے یہاں کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور آخرت کے اعتبار سے دونوں کے یہاں مخلد فی النار ہوگا۔

دوم:۔ مرجیہ اور کرامیہ کی جماعت ہے ان کے یہاں اعمال اسلام اور منہیات اسلام ایمان کے لئے نہ اجزاء تکملہ ہیں اور نا ہی اجزاء مقومہ بلکہ اعمال ایمان سے بالکلیہ طور پر خارج ہیں ایمان کے لئے اعمال صالحہ کسی بھی حیثیت سے ضروری نہیں ہیں۔

سوم:۔ اہل سنت والجماعت اور جمہور امت کی جماعت ہے کہ اعمال حقیقت ایمان سے خارج ہیں مگر کمال ایمان میں داخل ہیں اعمال ایمان کے لئے اجزاء مکملہ کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے کہ اعضاء انسان کی حقیقت سے خارج ہیں مگر کمال انسانیت کے لئے ضروری اور اس میں داخل ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ اعمال اجزاء ایمان میں داخل نہیں ہیں علامہ

[1] ان مذاہب کی تفصیل دیکھئے تقریر حاوی جلد ۱ ص ۲۰۸، تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۲۶ تحفۃ القاری ص ۹۳ کشف الحاجہ ص ۹۴-۹۵ مرقات جلد ۱ ص ۸۴،۹۴، نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۵-۲۶

موصوف نے اس مسئلہ پر خوب دلائل فراہم کئے ہے قرآنی آیات، اور احادیث رسول سے یہ ثابت کر دکھایا کہ ایمان کا محل قلب ہے جس کی صفت صرف تصدیق ہے اس لئے ایمان صرف تصدیق ہی کا نام ہے۔

اشکال:۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ تصدیق کا محل قلب ہے اور معرفت کا محل بھی قلب ہی ہے تو ایسا ممکن ہے کہ ایمان سے معرفت الٰہی مراد ہو جیسا کہ فرقہ جہمیہ کا مذہب ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہی ہے؟

جواب:۔ ایمان سے مراد معرفت بچند وجوہ نہیں ہو سکتی ہے (۱) لفظ ایمان لغت عرب میں تصدیق ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے نہ کہ معرفت کے لئے (۲) تمام اہل کتاب، فرعون، نمرود اور دوسرے کفار کو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں معرفت حاصل تھی تاہم ان کو کوئی بھی مومن نہیں کہتا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے تصدیق نہیں کی تھی (۳) کفر ایمان کی ضد ہے اور بالمقابل مستعمل ہوتا ہے اور کفر کہتے ہیں جحود اور تکذیب کو جو قلب سے متعلق ہے لہذا ایمان سے مراد بھی تصدیق ہوگی جو قلب سے متعلق ہے۔

ایمان بسیط ہے یا مرکب؟۔

شیخ ابو منصور ماتریدی، امام غزالی ابوالحسن اشعری امام الحرمین امام ابو حنیفہؒ اور جمہور فقہاء و متکلمین کے نزدیک ایمان بسیط ہے کیونکہ ان کے یہاں ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے رہے اعمال اور اقرار تو یہ اجزاء زوائد ہیں ماہیت ایمان میں داخل نہیں ـــــ امام شافعیؒ جمہور محدثین شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام، اور علامہ بزدوی کے نزدیک ایمان مرکب ہے کیونکہ ان کے یہاں ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں ہے بلکہ عمل بالجوارح اور اقرار باللسان بھی ضروری ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف صرف اختلاف لفظی ہے نہ کہ حقیقی ہے کیونکہ جن بزرگان دین نے ایمان کو مرکب مانا ہے اور اعمال کو ایمان میں داخل مانا ہے وہ اجزاء حقیقی اور اجزاء مقومہ ہونے کی حیثیت سے نہیں کہ اس کے بغیر ایمان کا وجود ہی نہ ہو۔ بلکہ ان حضرات نے اعمال کو اجزاء مکملہ ہونے کی حیثیت سے ایمان کی تعریف میں داخل کیا ہے کہ اعمال سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جن بزرگان دین نے ایمان بسیط مانا ہے اور اعمال کو ایمان سے خارج کیا ہے وہ اجزاء مقومہ ہونے کی حیثیت سے نہ کہ اجزاء مکملہ ہونے کے اعتبار سے لہذا دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے صرف عنوان اور تعبیر کا فرق ہے اور اس فرق کی وجہ اختلاف احوال زمانہ ہے۔

اختلاف کی وجہ:۔

ہر گروہ نے اپنے اپنے زمانے کے باطل فرقوں کے مقابلے میں دینی مصلحت کی خاطر مناسب عنوان اختیار کیا، امام اعظم ابو حنیفہؒ کو زیادہ تر واسطہ معتزلہ اور خوارج سے پڑا جو اعمال صا . کو حقیقت ایمان کا جزو

قرار دیتے تھے اور مرتکب کبیرہ کو خارج از ایمان اور مخلد فی النار مانتے تھے تو اس غلو اور افراط کے مقابلے میں امام صاحب نے یہ تعبیر اختیار فرمائی ـــ مگر دیگر ائمہ کرام کو زیادہ تر واسطہ مرجئہ اور کرامیہ سے پڑا جو اعمال صالحہ کو قطعاً غیر ضروری اور ایمان سے بالکل خارج اور لا تعلق سمجھتے تھے تو اس تفریط کے مقابلے میں ان کی اصلاح کے لئے دیگر ائمہ نے دوسری تعبیر اختیار فرمائی، بہر حال تمام اہل سنت کے یہاں اعمال صالحہ ایمان کا جزو ہیں لیکن جزو زائد ہیں ان کے ترک سے کمال ایمان جاتا رہیگا اور آدمی فاسق کے دائرہ میں آجائےگا تاہم نفس ایمان معدوم نہ ہوگا بلکہ مومن رہیگا اور اعمال سئیہ کی سزا بھگتنے کے بعد جنت ملے گی،

کیا ایمان کمی زیادتی کو قبول کرتا ہے؟۔

اشاعرہ، جمہور محدثین امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے۔امام غزالی، امام الحرمین جمہور فقہاء و متکلمین اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایمان کمی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا ہے ـــ یہ اختلاف در حقیقت پہلے اختلاف پر مبنی ہے امام صاحب کے نزدیک چونکہ ایمان کی حقیقت اور ماہیت صرف تصدیق قلبی ہے جو بسیط ہے اور تصدیق ایمان کے لئے ماہیت ہے لہٰذا و لا تشكيك في الماهيات کے قاعدے کے اعتبار سے ایمان کے اندر بھی تشکیک اور کمی زیادتی نہیں ہوگی، کیوں کہ تصدیق نام ہے جمیع احکام خداوندی کے قبول کرنے اور ان پر پختہ یقین رکھنے کا، اور اس میں کمی زیادتی کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اگر کسی نے کوئی بھی حکم نہ مانا تو کفر لازم آئے گا اور اگر ذرا برابر یقین کے اندر کمی آئی تو ظن یا وہم یا شک کے دائرہ میں آجائیگا اور ایمان ختم ہو جائیگا ـــ اور محدثین میں سے امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور اعمال ایمان کی تعریف میں داخل ہیں اور اعمال کے اندر کمی زیادتی ہوتی ہے لہٰذا ایمان کے اندر بھی کمی زیادتی ہوگی خلاصہ یہ کہ یہ اختلاف بھی اختلاف لفظی ہے نہ کہ حقیقی ہے بس حنفیہ نے جو یہ فرمایا کہ ایمان کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا ہے اس سے مراد نفس ایمان اور ماہیت ایمان ہے اور جمہور محدثین نے جو یہ فرمایا کہ ایمان کمی و زیادتی کو قبول کرتا ہے تو ان کی مراد کمال ایمان ہے یعنی اعمال اور اخلاص کی وجہ سے ایمان میں کمال و جلا پیدا ہوتا ہے اور ترک اعمال سے کمال ایمان میں نقصان اور کمی آتی ہے لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

ایمان اور اسلام میں نسبت:۔

ایمان اور اسلام میں کون سی نسبت ہے یہ ایک معرکۃ الآرا بحث ہے ہم اختصار سے ذکر کرتے ہیں۔ایمان کی لغوی و شرعی تحقیق سابق میں گذر چکی ہے اور اب اسلام کی تحقیق پیش خدمت ہے لفظ اسلام لغت میں انقیاد و اطاعت سے عبارت ہے الاسلام گردن نہادن بر طاعت، اور اصطلاح شرع میں جميع ماجاء به

النبی کو شہادت کے دو کلمے پڑھکر قبول کرنے ماموارت کو بجالائے اور منہیات سے باز رہے بعض مرتبہ اسلام کا اطلاق صرف نبی کریم علیہ السلام کے دین پر ہوتا ہے جیسے کہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔

علماء اسلام کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ ایمان واسلام کے درمیان کیا فرق ہے اور کون سی نسبت ہے؟ اس کے متعلق چار اقوال ہیں۔

قول اول:۔

ائمہ ثلاثہ، محدثین، متکلمین، خوارج اور معتزلہ کا ہے کہ ایمان واسلام کے درمیان ترادف اور تساوی کی نسبت ہے اس قول کے دو دلائل ہیں (۱) وقال موسیٰ یقوم ان کنتم اٰمنتم باللّٰہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین۔ موسیٰ نے اسی مخاطب کو ایک مرتبہ صفت ایمان کیساتھ ذکر کیا اور دوسری مرتبہ صفت اسلام کے ساتھ ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ (۲) فاخرجنلمن کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین۔ اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ قوم لوط کی بستی میں بالاتفاق صرف ایک گھر مسلمان کا تھا، آیت میں ایک جگہ اسی گھر والے کو مسلمین سے اور دوسرے جگہ مومنین سے خطاب کیا گیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ہی ہے۔

قول ثانی:۔

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ امام سبکی علامہ سید زبیدی اور امام غزالی کا ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے لوگوں کے درمیان غلط مشہور ہے کہ دونوں میں ترادف یا تلازم باہمی ہے بلکہ ایمان عام مطلق ہے جو تصدیق قلبی کا نام ہے خواہ اس کے ساتھ تسلیم ظاہری ہو یا نہ ہو اور اسلام خاص مطلق ہے جو تصدیق وتسلیم کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے فکل اسلام ایمان ولاعکس مرقات ص ۵۱ ج ا۔ اس قول کی دلیل ان الدین عنداللّٰہ االاسلام ہے آیت شریفہ میں لفظ اسلام دین پر بولا گیا ہے اور دین تصدیق وعمل دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

قول ثالث:۔

اکثر احناف متکلمین اور محققین علماء کا ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تغایر اور تباین کی نسبت ہے مفہوم کے اعتبار سے اور عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے وجود کے اعتبار سے، کیوں کہ ایمان نام ہے صرف تسلیم باطنی کا، اور اسلام نام ہے صرف تسلیم ظاہری کا تو اس میں ایک مادہ اجتماع کا ہوگا اور دو مادے افتراق کے ہوں گے ایک آدمی تسلیم ظاہری اور تسلیم باطنی دونوں صفتوں کے ساتھ متصف ہے جیسے تمام صحابہ کرام خصوصاً ابو بکرؓ وعمر وعثمانؓ وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں یہ تو مادہ اجتماع کا۔ ہے صرف تسلیم

ظاہری ہو، تسلیم باطنی قطعاً نہ ہو جیسے عبد اللہ ابن سلول، عبد اللہ ابن ابی رئیس المنافقین وغیرہ صرف تسلیم باطنی ہو مگر تصدیق نہ ہو جیسے ابو طالب وغیرہ یہ دونوں مادہ افتراق کی مثال بنے گی ان حضرات کی دلیل قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولو ااسلمنا اور حدیث جبرئیل ہے۔

قول رابع:۔

علامہ سید مرتضٰی زبیدی شارح احیاء العلوم کا ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تغایر فی المفھوم تلازم فی الوجود کی نسبت ہے یعنی دونوں کا مفہوم علیٰحدہ علیٰحدہ ہے جیسا کہ ابھی گذرا لیکن ان میں سے ہر ایک کا تحقق دوسرے کے تحقق کو مستلزم ہے کیوں کہ ہر ایک دوسرے کے لئے شرط ہے تو ایمان نام ہے انقیادی باطنی بشرط تسلیم ظاہری کا اور اسلام نام ہے انقیادی ظاہری کا بشرط انقیادی باطنی کا پس ایمان وہ معتبر ہے جو پھوٹ پھوٹ کر اسلام بنتا چلا جائے اور اسلام وہ معتبر ہے جو رچ رچ کر ایمان بنتا چلا جائے، یہی قول تقریباً حافظ ابن حجر اور علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایمان واسلام کے سلسلہ میں ان کے لغوی استعمالات اور ان کے مفہوم ومراد کے متعلق حافظ ابن رجب حنبلی کا ایک قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے کہ ایمان اور اسلام میں سے جب کسی ایک فرد کو ذکر کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے لیکن جب دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جائے تو فرق ملحوظ ہوتا ہے ایمان سے قلبی تصدیق مراد ہوتی ہے اور اسلام سے انقیاد ظاہری اور فرماں برداری جس کا تعلق عمل سے ہے۔[1]

(٦١) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّنَافِسِيُّ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَاسُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّوْنَ اَوْسَبْعُوْنَ بَاباً اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَاَرْفَعُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کے ساٹھ (شک راوی) یاستر دروازے ہیں اس کا ادنی دروازہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور سب سے اعلی دروازہ لا الہ الا اللہ ہے اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

تشریح حدیث:۔ الایمان بضع وستون اوسبعون باباً

[1] ان تمام تفصیلات دیکھئے تحفۃ الرآ ص ۹۳۔۹۷ تقریر حاوی جلد ا ص ۲۰۸، تنظیم الاشتات جلد ا ص ۲۶ تا ۲۹ نووی شرح مسلم جلد ا ص ۲۵۔۲۶، کشف الحاجہ ص ۱۰۱۔۱۰۴

امام بخاریؒ نے اس روایت کو ابو عامر العقدی عن سلیمان سے روایت کیا ہے اس میں بغیر کسی کے بلا شک بضع وستون کا جملہ ہے، مگر امام ابن ماجہ نے جو روایت سہیل بن ابی صالح عن ابن دینار سے لی ہے اس میں بضع وستون او سبعون بابا شک راوی کے ساتھ ہے مگر امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس روایت کو بغیر شک راوی کے ذکر کیا ہے شک صرف سہیل والی سند میں ہے نیز سہیل بن ابی صالح کی ایک دوسری سند ہے جس میں بغیر شک وشبہ کے مروی ہے اسی حدیث کے دوسرے طرق میں سلیمان بن بلال ہیں جو عبداللہ بن دینار کے استاذ ہیں انہوں نے تو یقین کے ساتھ روایت کیا ہے[1]

بضع با کے فتحہ اور با کے کسرہ دونوں طرح جائز ہے مگر بکسر الباء زیادہ مشہور ہے بضعة ٹکڑے کو کہتے ہیں اور اعداد کے اندر لفظ بضع کے استعمال کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) بضع تین سے لیکر نو تک کے لئے مستعمل ہے، (۲) تین سے لیکر دس تک کے لئے مستعمل ہے (۳) دو سے لیکر دس تک کے لئے مستعمل ہے (۴) بارہ سے لیکر بیس تک کے لئے مستعمل ہے (۵) امام خلیل نحوی نے کہا کہ بضع سے عدد سبع مراد ہے دلیل فلبث في السجن بضع سنين ہے حضرت یوسفؑ سات سال تک جیل میں رہے تھے (۶) علامہ عینی نے اس کے متعلق متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد زجاج نحوی اور امام اصمعی کے قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ بضع اعداد میں تین سے اوپر اور دس سے نیچے کی اعداد کے لئے مستعمل ہے[2]

اب یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ حدیث شریف میں مذکورہ عدد تحدید کے لئے ہے یا تکثیر کے لئے یا تقلیل کے لئے؟ محدثین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہیں کہ حدیث شریف میں ذکر کردہ عدد تکثیر کے واسطے ہے کیونکہ اہل عرب ستر کا عدد، کثرت بیان کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں قرآن کریم سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اللہ تبارک وتعالی حضور اکرم ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم اگر آپ ان منافقین کے لئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں گے پھر بھی ہم ان کی مغفرت نہیں کریں گے، یہاں سبعین کا لفظ تکثیر کیلئے ہے اب یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر حدیث میں مذکورہ عدد تکثیر کے لئے ہے تو پھر کثرت کی تعبیر کے لئے ان ہی اعداد کو کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے اعداد کی کئی قسمیں ہیں،

(۱) عدد زائد :- عدد زائد وہ عدد ہے جس کے اجزاء ترکیبیہ مجموعی اعتبار سے بڑھ جائیں، مثال کے طور پر آپ نے بارہ عدد کر لیا، جب بھی آپ اس کے اجزاء ترکیبی نکالیں گے تو عدد بڑھ جائیگا، مثلاً بارہ کا نصف چھ (۶) ہوگا بارہ کا ثلث چار (۴) ہوگا بارہ کا ربع چوتھائی حصہ تین (۳) ہوگا بارہ کا سدس۔ دو (۲) ہوگا اور بارہ کا نصف سدس، ایک (۱) ہوگا پھر جب ان اجزاء کو ملائیں گے تو بارہ سے بڑھکر سولہ ہو جائیگا، تو مجموعی عدد سے بڑھ گیا اس کو عدد زائد کہتے ہیں۔

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۷ [2] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۷ کشف الحاجہ ۱۰۶ تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۳۹

(۲) عدد ناقص، وہ عدد ہے جس کے اجزاء ترکیبیہ مجموعی اعتبار سے کم ہو جائیں، مثال کے طور پر چار کے عدد کو لیجئے تو اس کا ربع ایک (۱) اور نصف دو (۲) ہو گا تو کل ملا کر تین ہوئے جو مجموعی عدد سے کم ہو گئے۔

عدد تام وہ عدد کہلاتا ہے جس کے اجزاء ترکیبیہ مجموعی عدد کے بالکل برابر ہوں نہ کم ہوں نہ زیادہ، مثال کے طور پر چھ کے عدد کو آپ نے لیا تو اس کے اجزاء ترکیبیہ چھ ہی آئیں گے چھ کا نصف (۳) تین اور چھ کا ثلث دو (۲) اور چھ کا سدس ایک ہو گا جو کل ملا کر پھر چھ ہی عدد ہوئے نہ کم ہوئے نہ زائد۔

عدد تام تمام اعداد میں افضل ترین عدد سمجھا جاتا ہے اس لئے مبالغہ کے وقت تام عدد ہی کو استعمال کرتے ہیں مگر مبالغہ کے وقت عدد احاد کو عشرات سے بدل کر مبالغہ کرتے ہیں لہذا چھ کا عدد تو احاد میں سے ہے اس لئے اس کو دہائیوں سے بدل کر چھ دہام ساٹھ بنلیا اور ستون سے تعبیر کر دیا گیا اور جب عدد تمام ہوتی تو اس کو اتم اور اکمل کرنے لئے ایک اور عدد کا اضافہ کر کے سات دہام ستر سے سبعون سے مبالغہ پیدا کیا گیا ہے[۱]

امام نووی شارح مسلم، علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری نے امام ابو حاتم ابن حبان کا قول ان کی کتاب وصف الایمان وشعبہٗ سے نقل کیا ہے کہ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی تشریح و توضیح میں ایک مدت صرف کی ہے اور میں نے تمام طاعات الٰہیہ کو شمار کیا ہے تو مذکورہ عدد سے بڑھ گئیں چنانچہ پھر میں نے ذخیرہ حدیث کا مطالعہ کیا اور جن اعمال کو اللہ کے رسول نے ایمانیات میں شمار کیا ان کو میں نے احاطہ کیا تو حدیث میں ذکر کردہ تعداد سے وہ اعمال کم ہو گئے، پھر میں نے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا، اور جن اعمال پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ان تمام کو شمار کیا پھر بھی تعداد کم ہو گئی، تو قرآن وحدیث میں ذکر کردہ مجموعی اعمال کو شمار کیا اور مکررات کو ختم کیا تو اعمال کی تعداد ستر یا اس سے کچھ زائد نکلی، اس تتبع و تلاش کے بعد علامہ عینی نے کہا کہ حدیث میں ذکر کردہ تعداد تحدید کے لئے ہے تکثیر کے لئے نہیں، اور حدیث شریف میں کمال اجزاء کو بتلایا گیا ہے[۲]

اس حدیث شریف کو لا کر مرجیہ وغیرہ کی تردید کرنی ہے جو اعمال کا بالکلیہ طور پر انکار کر دیتے ہیں اور اعمال کو ایمان سے لاتعلق بتاتے ہیں اور ان کی تردید اس طرح ہوئی کہ احادیث نبویہ میں جس قدر بھی اعمال صالحہ بیان کئے گئے ہیں سب ایمان سے متعلق ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بجالانے اور اللہ کی طرف سے دیئے گئے احکامات کو مان لینے اور ان پر عمل کرنے سے ایمان میں جلا پیدا ہو گی اور ایمان اپنے کمال کے آخری درجہ پر پہنچے گا جس طرح درخت اپنی شاخوں، پھلوں اور پتوں کی وجہ سے بارونق ہوتا ہے، اسکے اندر حسن وخوبصورتی آتی ہے اور جس طرح ایک درخت شاخوں پھلوں اور پتوں کے بغیر

---

[۱] استفادہ تنظیم الاشتات جلد اص ۳۹، کشف الحاجہ جلد اص ۱۰۶ [۲] نووی جلد اص ۴۷ [۳] ان اعمال کی تفصیل دیکھئے نبراس میں ص ۲۶۴۔۲۶۵ [۴] مرقات جلد اص ۷۰۔۷۱

ناقص ہوتا ہے اسی طرح ایمان اعمال صالحہ کے بغیر ناقص رہتا ہے اوراسکی رونق ختم ہو جاتی ہے اس لئے مرجیہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا یہ کہنا کہ اعمال صالحہ ترقی ایمان اور زیادتی ایمان کے لئے ضروری نہیں ہیں اور بد عملی، معصیت ومنکرامر ایمان پراثرانداز نہیں ہوتا ہے غلط ہے قرآن کریم میں جابجا اعمال صالحہ کرنے کی ترغیب اور معصیات ومنکرات سے۔ اجتناب کرنے کی شدید تاکید آئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ کا تعلق ایمان سے ضرور ہے۔

سوال۔ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض روایات میں سبعون اور بعض میں ستون آیا ہے چنانچہ بخاری کی روایت میں ستون کا لفظ بغیر شک راوی کے آیا ہے تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک کلام میں تعارض کا ہونا غیر ممکن ہے پھر اس کی کیا توجیہ ہوگی؟

جواب:۔(۱) دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو پہلے اقل کا علم دیا گیا ہو تو اس وقت آپ نے ستون فرمایا بعد میں اکثر کا علم عطا کر دیا گیا تو پھر سبعون فرمایا لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے (۲) حدیث شریف میں عدد سے مراد تحدید نہیں ہے بلکہ تکثیر کو بیان کرنا مقصود ہے کیوں کہ کسی چیز کی کثرت کو بیان کرنے کے لئے ستر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ میں تم کو ستر بار سمجھا چکا ہوں مگر پھر بھی تم نہیں مانتے ہو تو یہاں ستر سے مراد کثرت کو بیان کرنا ہے نہ کہ تحدید، اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے (۳) ایمان کے بعض اعمال ایسے ہیں کہ جو دیگر بعض اعمال کے ساتھ مشابہ ہیں تو جن صحابہؓ نے مشابہات کو الگ الگ شمار کیا انہوں نے زیادہ بیان کیا اور جن صحابہؓ نے مشابہات کو الگ الگ شمار نہیں کیا انہوں نے کم تعداد بتائی ہے لہذا ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے (۴) چوتھا جواب امام نوویؒ دیتے ہیں کہ عدد قلیل عدد کثیر کے منافی نہیں کیوں کہ عدد قلیل عدد کثیر کے ضمن میں داخل ہے۔

وارفعها لااله الاالله

بعض روایات میں ارفعہا کے بجائے افضلہا کا لفظ آیا ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے جب ایمان کے ستر شعبے ہیں تو ان میں سے سب سے افضل ترین شعبہ لاالہ الااللہ ہے اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ بہترین ذکر لااله الا الله ہے اور اس کے افضل ترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جب لاالہ الااللہ پڑھ لیتا ہے تو اب اس کی جان ومال سب شرعاً محفوظ ہوگئے اور حدیث میں لاالہ الااللہ سے مراد صرف یہی جز ہے محمد رسول اللہ مراد نہیں ہے ایسا نہیں جیسا کہ بعض محدثین کا کہنا ہے محمد رسول اللہ بھی اس میں داخل ہے۔

ادناها اماطة الاذى عن الطريق

اس جز کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ادنا ھا کا مطلب یہ ہے اس کا حصول نہایت

آسان ہے ہر کس وناکس اس کار خیر کو کر کے ثواب حاصل کر سکتا ہے اس کے کرنے میں کسی قسم کی کوئی وقت اور پریشانی بھی نہیں ہے بلکہ راہ چلتے چلتے اگر راستے میں تکلیف دہ چیز پڑی مل جائے مثلاً کانٹا، کیلے کے چھلکے یا کوئی پتھر یا اور گندگی تو اس کو ہر آدمی ہٹا سکتا ہے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے یا اس کا مطلب یہ ہے اس کام کو کرنا نہایت آسان اور سہل ہے۔

والحیاء شعبة من الایمان

حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے اس لئے کہ حیاء تمام اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ، اوصاف حمیدہ، عادت فاضلہ اور تمام شعب ایمانیہ کیلئے محرک وباعث اور منبع ومصدر ہے کیوں کہ جس کے اندر حیاء ہوتی ہے وہ دنیا وآخرت کی رسوائی اور ذلت سے بچنے کے لئے تمام منکرات شرعیہ اور ممنوعات اسلامیہ سے اجتناب کرتا ہے اور تمام اعمال اور جملہ مامورات الٰہیہ کو دل وجان سے بجالاتا ہے۔ حیاء لغت میں اس تغیر وانکساری سے عبارت ہے جو بخوف عیب وملامت آدمی کو پیش آتی ہے اور حیاء شریعت کی اصطلاح میں ایک خاص قسم کی کیفیت ہے جس سے انسان گناہوں کے ارتکاب سے باز رہتا ہے اور اعمال صالحہ کی بجا آوری پر آمادہ ہوتا ہے۔

سوال:۔ بعض مرتبہ کافروں میں بھی حیاء ہوتی ہے کیوں کہ وہ لوگوں کے درمیان وطی نہیں کر سکتے لوگوں کے سامنے ننگے نہیں ہو سکتے ہیں لہٰذا کافروں میں بھی ایمان کا شعبہ پایا گیا حالانکہ ایسا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں (۱) حیاء نفسانی طبعی "وہ احساس وندامت ہے جو کسی قابل ملامت یا قابل عیب چیز کے ارتکاب سے پیدا ہوتا ہے الحیاء النفسانی هوالذی خلقه الله تعالی فی النفوس وهو تغیر وانکسار یعتری المرء من خوف مایلام ویعاب علیه [۱]

(۲) حیاء ایمانی حقیقی۔ وہ قوت وملکہ ہے جو انسان کو منکرات ومنہیات سے روکتا ہے اور مامورات کی بجا آوری پر ابھارتا ہے اور یہ صفت مومن ہی میں پائی جاتی ہے هو خلق یمنع الشخص من القبیح بسبب الایمان [۲]۔ وقال البعض الحیاء ملکة تمنع الانسان من ترك الطاعات وارتکاب المعاصی والفواحش بسبب الایمان [۳]۔

ادناها اماطة الاذی الخ سے اس جانب اشارہ ہے کہ مومن عامۃ الناس کے لئے مفید ہے اور بذات خود نظافت پسند بھی ہے جب وہ کسی تکلیف دہ چیز کا وجود بھی گوارہ نہیں کر سکتا تو دوسروں کی تکلیف کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے اسطرح امن پسندی جو مومن کے لئے ایک طرۂ امتیاز اور خاص وصف ہے اس شان کے ساتھ اس میں نمایاں ہوتی ہے۔

۱؎ مرقات جلد ۱ ص ۷۰ ۲؎ مرقات جلد ۱ ص ۷۰ ۳؎ تحفۃ المرآۃ ص ۱۱۰

رجال حدیث:۔

علی بن محمد بن اسحاق الطنافسی۔ ثقہ راوی ہیں [1]

سہیل بن ابی صالح ذکوان السمان ابو یزید المدنی، صدوق راوی ہیں آخری زندگی میں قوت حافظہ خراب ہو گیا تھا [2]

عبداللہ بن دینار الاسدی ابو محمد الحمصی ضعیف راوی ہیں [3]

(٦٢) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ ابْنِ عَجْلَانَ

(٦٣) ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُوبْنُ رَافِعٍ ثَنَاجَرِیْرٌ عَنْ سُهَیْلٍ جَمِیْعاً عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ نَحْوَهُ.

(٦٤) حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ اَبِیْ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ ثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً یَعِظُ اَخَاهُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو اپنے بھائی سے حیاء کے متعلق نصیحت کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

تشریح حدیث:۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے بعض حدیث میں الحیاء من الایمان بعض میں الحیاء لایاتی الا بخیر اور بعض میں الحیاء کله خیرا وخیرکله کا لفظ آیا ہے اس روایت پر امام نووی علیہ الرحمہ نے ایک اشکال کیا ہے پھر اس کا جواب دیا ہے اشکال یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ حیاء تمام کی تمام خیر ہی ہے اور حیاء صرف خیر ہی لاتی ہے حالانکہ بعض مرتبہ حیاء دار آدمی اپنی حیاء کی وجہ سے حق کا سامنا نہیں کرپاتا ہے جس کے نتیجے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دے پاتا ہے اسی طرح حیاء بعض مرتبہ آدمی کو حقوق تلفی کے طرح لے جاتی ہے جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے۔ پھر الحیاء خیرکله کا جملہ کس طرح صادق آئے گا۔ امام نووی نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مانع جس کو آپ نے ذکر کیا ہے وہ فی الحقیقت حیاء ہے ہی نہیں بلکہ عاجزی اور بے بسی ہے جس کو لوگوں نے عرف میں حیاء کا نام دیدیا ہے مشابہت کی وجہ سے، حیاء حقیقی شرعی تو یہ ہے کہ آدمی کے اندر ایسی صفت پیدا ہو جائے کہ جو امور قبیحہ کے ترک کا داعی

---

[1] تقریب ص۱۸۶ [2] تقریب ص۱۰۵ [3] تقریب ص۱۲۸

ہو اور صاحب حق کی حقوق تلفی سے روک دے، یہی جواب شیخ ابو عمرو بن صلاح اور دیگر ائمہ کرام نے دیا ہے[1]
اور حدیث باب کا مطلب تو ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کو سمجھا رہا ہے اور حیاء اسے روک رہا ہے اس کو پند و نصیحت سے حیاء چھوڑنے پر مجبور کر رہا ہے اپنے بھائی کو ڈانٹ ڈپٹ رہا ہے حضور اکرم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا حیاء سے مت روکو یہ کوئی بری صفت نہیں ہے بلکہ حیاء تو ایمان کا جز ہے جو ہر مومن کے اندر ہونا چاہیئے، آج جو انسانوں سے طرح طرح کی معصیات و منکرات وجود میں آرہی ہیں اس کی واحد وجہ حیاء کا فقدان ہے انسان آدمی سے نہیں شرماتا ہے جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اس لئے کہا گیا اذا فاتك الحياء فافعل ماشئت ۔ یعنی حیاء فوت ہونے کے بعد انسان جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی عار محسوس نہیں کرتا ہے الغرض اس حدیث میں صفت حیاء کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ترغیب ہے، اور مرجیہ کرامیہ وغیرہ کی تردید بھی،

رجال حدیث:۔

ابو خالد الاحمر ان کا نام سلیمان بن حیان الازدی ابو خالد کنیت ہے صدوق راوی ہیں[2]

محمد بن عجلان المدنی صدوق راوی ہیں[3]

عمرو بن رافع بن الفرات القزوینی البجلی ثقہ راوی ہیں[4]

الزہری۔ یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ ابن الحارث بن زہرۃ بن کلاب القرشی الزہری ہیں کنیت ابو بکر ہے محدثین ان کی جلالت شان پر متفق ہیں[5]

(٦٥) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ
(٦٦) ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُوْنِ الرَّقِّيُّ ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے کسی ذرہ برابر کبر ہوگا اور وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

[1] نووی شرح مسلم جلد اص ۷ [2] تقریب ص ۹۹ [3] تقریب ص ۲۲۸ [4] تقریب ص ۱۹۳ [5] تقریب ص ۲۲۳

تشریح حدیث:۔

لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من خردل من كبر۔

ذَرَّةٌ ذُرَرٌ کا واحد ہے ذرر چھوٹی سرخ چیونٹی کو کہتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ذرہ شیٔ کے اس قلیل اور حقیر جزو کو کہتے ہیں جس کا کوئی وزن ہی نہیں ہوتا ہے سورج کی کرنوں میں قوت باصرہ سے صرف محسوس ہوتا ہے[1]

خردل واحد خردلة رائی، مراد رائی کا دانہ[2]

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے کبر کی حرمت اور ایمان کی عظمت شان کو بیان کیا ہے چنانچہ کبر کی قباحت وشناعت کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبر اتنا بڑا اور سنگین گناہ ہے کہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کے دل میں کبر ہوگا تو جنت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ کبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کبریائی اللہ کی شان ہے متکبر آدمی تکبر کر کے اللہ تعالیٰ کی صفت میں شرکت کا دعوی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرکت کا دعوی کرنا انتہائی سنگین گناہ ہے اس لئے متکبر آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا ۔ لیکن اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ یہ حدیث معتزلہ اور خوارج کی تائید میں ہو جائے گی جو مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج اور مخلد فی النار قرار دیتے ہیں؟ امام خطابی نے فرمایا کہ یہ حدیث خوارج اور معتزلہ کے مذہب کی تائید میں نہیں ہے بلکہ دیگر تمام نصوص واحادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث شریف کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) تکبر سے مراد ایمان سے اعراض ہو تو اس صورت میں تو حدیث اپنی حقیقت پر محمول ہوگی کہ عدم دخول جنت سے عدم دخول تابیدی مراد ہے کیوں کہ ایمان سے روگردانی کرنے والا کافر ہوگا اور مخلد فی النار ہوگا جنت میں کبھی بھی داخل نہیں ہوگا (۲) دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ دخول جنت کے وقت اس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر نہ ہوگا بلکہ کبر سے بالکل پاک وصاف ہو کر جنت میں داخل ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کا ارشاد ہے **ونزعنا في صدورهم من غل**[3]۔

علامہ خطابی کے ان دونوں جوابوں کو علامہ نووی شارح مسلم نے مخدوش قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ جواب حدیث کے سیاق وسباق کے بالکل منافی ہے بلکہ صحیح جواب وہ ہے جو قاضی عیاض اور دوسرے محققین علماء نے دیا ہے کہ (۱) اگر متکبر آدمی کو اسکا بدلہ دیا جائے تو عدم دخول جنت ہے تاہم دوسرے مرتکب کبیرہ کے طرح یہ شخص بھی فضل الٰہی کا متوقع ہے (۲) متکبر شخص اپنے گناہ کی سزاء بھگتے بغیر جنت میں داخل نہ

---

[1] نبراس ص ۱۴۱، [2] مصباح اللغات ص ۱۹۶ [3] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۶۶

ہو گا اور عدم دخول جنت سے عدم دخول اولی مراد ہے۔(۳) ایسا شخص اول وہلہ متقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔[۱]

ولایدخل النار من کان فی قلبه الخ:۔

حدیث شریف کے اس ٹکڑے سے ایمان اور اسکی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ مومن خواہ کتنا ہی معصیت میں گرفتار ہو اور گناہوں تلے دبا ہوا ہو اگر اس کے قلب میں تصدیق حاصل ہے اور ایمان موجود ہے تو وہ ضرور بالضرور جنت میں جائیگا اور ایک نہ ایک دن ضرور جہنم سے نجات پائے گا، حدیث شریف کے اس ٹکڑے سے فرقہ معتزلہ اور خوارج پر رد مقصود ہے جو مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار قرار دیتے ہیں حدیث صاف بتا رہی ہے کہ آدمی معصیت کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا ہے بلکہ ایمان باقی رہتا ہے اور اسی ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔[۲]

سوال۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ صاحب ایمان بھی جہنم میں جائے گا اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مومن جہنم میں نہیں جائیگا تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا حالانکہ کلام رسول میں تعارض نہیں ہوتا ہے؟

جواب۔ اس تعارض کا دفعیہ یہ ہے کہ جن روایات میں یہ آیا ہے کہ گناہ گار مومن جہنم میں جائیگا اس کا مطلب یہ ہے کہ تزکیہ کے لئے جائے گا اور گناہ کے میل وکچیل صاف کرنے کیلئے جائیگا ابد الاباد کیلئے اس کا دخول نہ ہو گا اور جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مومن جہنم میں داخل نہ ہو گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے نہیں جائے گا اگر کچھ دن کیلئے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لھذا دونوں میں تعارض باقی نہ رہا۔ حدیث شریف کا تعلق کتاب الایمان سے بالکل ظاہر ہے۔

رجال حدیث:۔

علی بن میمون الرقی العطار ثقہ راوی ہیں۔[۳]

سعید بن مسلمہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان الاموی، ضعیف راوی ہیں[۴]

علقمہ بن وقاص اللیثی المدنی کبار تابعین میں سے ہیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انھیں رسول ﷺ کی صحبت حاصل تھی غلط ہے اور کہا گیا ہے ان کی ولادت عہد نبوت میں ہو چکی تھی[۵]۔

[۱] نووی شرح مسلم جلد ا ص ۶۶ [۲] مستفاد نبراس شرح عربی شرح عقائد ص ۲۴۱ [۳] تقریب ص ۱۸۶ [۴] تقریب ص ۳۹۴ [۵] تقریب ص ۱۸۲

(٦٧) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَلَّصَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ النَّارِ وَاَمِنُوْا فَمَا مُجَادَلَةُ اَحَدِكُمْ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَقِّ يَكُوْنُ لَهُ فِي الدُّنْيَا اَشَدَّ مُجَادَلَةً مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِرَبِّهِمْ فِيْ اِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ اُدْخِلُوا النَّارَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِخْوَانُنَا كَانُوْا يُصَلُّوْنَ مَعَنَا وَيَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيَحُجُّوْنَ مَعَنَا فَاَدْخَلْتَهُمُ النَّارَ فَيَقُوْلُ اذْهَبُوْا فَاَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ مِنْهُمْ فَيَاْتُوْنَهُمْ فَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِصُوَرِهِمْ لَا تَاْكُلُ النَّارُ صُوَرَهُمْ فَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ النَّارُ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ اِلٰى كَعْبَيْهِ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرَجْنَا مَنْ قَدْ اَمَرْتَنَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ وَزْنُ دِيْنَارٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ ثُمَّ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ وَزْنُ نِصْفِ دِيْنَارٍ ثُمَّ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فَمَنْ لَّمْ يُصَدِّقْ هٰذَا فَلْيَقْرَاْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ مومنین کو (حساب وکتاب کے بعد) جہنم سے نجات دیگا اور وہ مامون ہو جائیں گے تو (ان کا اللہ تعالیٰ سے اتنا سخت نزاع اور مجادلہ ہوگا کہ) تم دنیا میں آپس میں بھی کسی حق پر اتنا سخت نہ جھگڑے ہوگے جتنا کہ (اس روز) مومنین اپنے دوزخی بھائیوں کے متعلق جھگڑیں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (مومنین دلیل پیش کرتے ہوئے) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار وہ ہمارے ہی بھائی ہیں وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے روزہ رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے اور آپ نے انہیں دوزخ میں داخل کر دیا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ جس کو تم پہچانتے ہو نکال لو، مومنین ان (جہنمی بھائیوں) کے پاس آئیں گے اور ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے جہنم ان کی صورتوں کو کھائی نہ ہوگی پس ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے کہ جن کی صرف نصف پنڈلیوں تک آگ اثر انداز ہوگی اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنکی ٹخنوں تک آگ جلائے ہوئے ہوگی، مومنین ان کو نکال لیں گے پھر اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ اے ہمارے پروردگار جن کے بارے میں آپ نے ہمیں حکم دیا ہم نے ان سب کو نکال لیا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں جن کے دل میں ایک دینار کے برابر ایمان ہے ان کو نکال لو، پھر

فرمائیں گے جن کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی ایمان ہے (ان کو نکال لو) پھر فرمائیں گے جن کے دل میں رائی کے دانے کے بار بر بھی ایمان ہو (ان کو نکال لو) ابو سعید کہتے ہیں کہ جو اس کی تصدیق نہ کرے اسے چاہیے کہ یہ آیت پڑھ لے ان الله لا يظلم مثقال ذرة الخ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کریں گے اور اگر کوئی نیکی ہے تو اسے دوگنا کردیں گے اور اپنی طرف سے بڑا اجر دیں گے۔

تشریح حدیث:۔

واذلخلص الله المومنين من النلر

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن جب مومنین اپنے حساب وکتاب سے فارغ ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف وکرم سے انہیں دوزخ سے خلاصی عطا کریں گے تو ان کو سب سے زیادہ فکر اپنے ان مسلمان اور مومن بھائیوں کے بارے میں دامن گیر ہوگی جو تاہنوز دوزخ میں جل رہے ہوں گے اور انہیں اب تک نجات نہ ملی ہوگی تو مومنین مخلصین بارگاہ خداوندی میں مسلسل اصرار اور التجاء کریں گے جو بظاہر مجادلہ اور منازعہ کی شکل میں ہوگا جس طرح بچہ اپنے والدین سے مجادلہ کرتا ہے تو والدین خوش ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ مومنین کے مجادلے سے خوش ہوں گے اور ان کی درخواست کو قبول فرماکر انہیں اجازت دیدیں گے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو جہنم سے نکال لیں چنانچہ یہ لوگ انہیں جہنم سے نکالیں گے۔

حدیث پاک میں جہاں مومنین کی محبوبیت کا پتا چلتا ہے وہیں اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت وشفقت بھی بدرجہ اتم ظاہر ہوتی ہے ورنہ چھوٹے کیکیا مجال کے بڑوں کے سامنے مجادلہ کرے، یہ مومنین کی عنداللہ کمال محبوبیت کی بات ہے کہ وہ اللہ رب ذوالجلال کے سامنے اس طرح منازعہ کریں گے اور اپنے مومن بھائیوں کے لئے شفارش کریں گے اور یہ درحقیقت مؤمنین کے لئے کمال اخوت اور کل مومن اخوة کا ایک شاندار مظاہرہ ہے کہ آخرت میں اپنے مومن بھائیوں کو فراموش نہ کریں گے بلکہ خیال یہ ہوتا ہے کہ اخوت وبھائی چارگی کا بہترین مظاہرہ آخرت ہی میں ہوگا کیونکہ دنیا جس طرح اخلاق حسنہ اوصاف حمیدہ کا جائے ظہور ہوتی ہے اسی طرح بغض وحسد نفرت وعداوت بھی جائے صدور ہے لیکن آخرت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ ونزعنا مافي صدورهم من غل لہذا اخوت کا شاندار مظاہرہ آخرت ہی میں ہوگا۔

اخرجوامن كان فى قلبه وزن دينلر ثم الخ

اس جملے سے معلوم ہوا کہ ایمان کے اندر کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور ایمان اعمال صالحہ کی وجہ سے بڑھتا ہے اور معصیات ومنکرات کی وجہ سے ایمان میں نقص آتا ہے مگر واضح رہے کہ یہ کمی وزیادتی جو ایمان میں ہوتی ہے وہ نفس ایمان میں نہیں ہوتی ہے جو تصدیق قلبی کا نام ہے بلکہ کمال ایمان میں ہوتی ہے مطلب یہ

ہے کہ اعمال صالحہ اور ماموراتِ خداوندی کو بجالانے سے ایمان میں جلا اور کمال پیدا ہوتا ہے اور احکام خداوندی کو فروگذاشت کرنے سے وہ کمال باقی نہیں رہتا ہے بلکہ ختم ہو جاتا ہے اور ایمان جو حقیقت میں اللہ کے ساتھ ایک عہد کا نام ہے علی حالہ باقی رہتا ہے۔

اس حدیث شریف میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان کسی وجہ سے جہنم میں جائیں گے وہ اپنے تفاوت مراتب اور فرق ایمان ہی کے اعتبار سے فضل خداوندی اور عنایت باری کے مستحق ہوں گے اور اسی فرق مراتب کے اعتبار سے جہنم سے خلاصی ملے گی۔

رجال حدیث:۔

زید بن اسلم العدوی کنیت ابو عبداللہ یا ابو اسامہ ہے آپ ثقہ راوی ہیں[1]

عطاء بن یسار الہلالی کنیت ابو محمد ہے مدینہ کے باشندے تھے اور آپ ثقہ راوی ہیں[2]

ابو سعید خدری، نام سعد بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری ہے ابو سعید کنیت ہے آپ ایک جلیل القدر صحابی ہیں آپ سے بہت سی روایتیں مروی ہیں[3]

(٦٨) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ وَكَانَ ثِقَةً عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهِ إِيمَاناً۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نوعمری عنفوان (شباب) ہی سے نبی ﷺ کے ساتھ تھے پس ہم لوگوں نے قرآن کریم سیکھنے سے پہلے ایمان سیکھا پھر جب ہم نے قرآن کریم سیکھا تو اس سے ایمان میں اضافہ ہوا۔

تشریح حدیث:۔

فتیان جمع۔ واحد فتی نوجوان مرد۔ حزاور، واحد حزورة حا کے فتحہ کے ساتھ جمع حزاور۔ اور اس کو بعض علماء نے بتشدید الزاء پڑھا ہے تعلمنا فعل ماضی جمع متکلم کا صیغہ از تفعیل۔ سیکھنا، فازددنا من افتعال مصدر ازدیاد، اضافہ ہونا بڑھنا،

فتعلمنا الایمان الخ حضرات صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عقائد کی درستگی

---

[1] تقریب ص ۸۴ [2] تقریب ص ۱۷۹ [3] تقریب ص ۸۹

اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اولیں واجبات خداوندی میں سے ہیں عقائد کی پختگی کے بعد ہی احکام الہی کا مکلف انسان بنتا ہے اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول نیز ایمان بماجاء به الرسول کے بعد ہی دیگر عبادت مقام قرب کو پہونچتی ہے اور عند اللہ مقبول ہوتی ہے ایمان کے بغیر کوئی عبادت اللہ کے نزدیک شرف قبولیت سے نہیں نوازی جاتی ہے اسلئے اولاً ایمان لانا عقائد کو پختہ کرنا لابدی ہے۔

فازددنا به ایمانا.

اس جملے میں ایمان میں زیادتی سے مراد قوت ایمانی میں ترقی ہے اور عقائد واحکام اور مؤمن بہ کا تفصیلی علم ہے نفس ایمان جوایک حقیقت اور ماہیت ہے جو تصدیق قلبی سے عبارت ہے اسمیں زیادتی مقصود نہیں ہے اسلئے کہ نفس ایمان اور ماہیت ایمان کے اندر تجزی اور تشکیک نہیں ولاتشکیك فی الماهیات ہاں مؤمن به میں تجزی ہے اس لئے زیادتی سے مراد عقائد مؤمن بہ کی تفصیل یامومن بہ کی تعداد میں اضافہ مراد ہے [۱]

رجال حدیث:۔

حماد بن نجیح نام کے دوراوی ہیں ایک حماد بن نجیح الاسکاف السدوسی ہیں جنکی کنیت ابو عبداللہ ہیں بصرہ کے باشندہ تھے یہ توصدوق ہیں دوسرے حماد بن نجیح القصاب الرازی ہیں جو ضعیف ہیں [۲]

وکان ثقة کا جملہ دلالت کررہاہے کہ اول الذکر راوی مراد ہے۔

عبدالملک بن حبیب الازدی ابوعمران الجونی کنیت ہے اور کنیت ہی سے آپ معروف ہیں آپ ثقہ راوی ہیں [۳]

جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی ثم العلقی صحابی رسول ہیں [۴]

(۶۹) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ نِزَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صِنْفَانِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ اَلْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں دوگروہ ایسے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے (۱) مرجیہ (۲) قدریہ،

تشریح حدیث:۔

لیس لهما فی الاسلام نصیب.

---

[۱] استفاد کشف الحاجہ [۲] تقریب ص ۶۴ [۳] تقریب ص ۱۶۴ [۴] تقریب ص ۴۴

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری امت میں سے دو جماعت ایسی ہوں گی جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور وہ مرجیہ اور قدریہ ہے۔ بعض علماء امت نے ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے ان دونوں فرقوں کی تکفیر کی ہے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے مگر امت کے سواد اعظم اور جمہور محدثین نے تکفیر نہیں کی ہے اور فرمایا کہ لیس لهما فی الاسلام نصیب سے مقصود نفس نصیب کی نفی نہیں ہے بلکہ حظ کامل اور نصیب وافر کی نفی مقصود ہے، اور اس قول کی تائید ترمذی کی روایت سے بھی ہوتی ہے ترمذی میں من هذه الامة کے بجائے من امتی کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کی امت میں داخل تو ہیں اور داخل ہوتے ہوئے یہ دونوں فرقے وجود میں آئیں گے اور اسلام میں ان فرقوں کا حصہ کامل نہ ہوگا اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے لیس للبخیل من ماله نصیب کہ بخالت پسند کے لئے خود اس کے مال میں کوئی حصہ نہیں ہے اسی طرح مرجیہ اور قدریہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے ان کو اسلام سے معتد بہ حصہ نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کفر سے کفر تاویلی مراد ہے نہ کہ کفر ارتدادی چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت پر علماء محدثین کا کلام ہے لہٰذا متکلم فیہ حدیث سے کسی کا کفر ثابت نہیں ہو سکتا ہے[۱]

حدیث شریف کی یہ تاویل اس لئے کرنی پڑی کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے خواہ وہ بدعتی اور مرتکب کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ اہل حق کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کی اس کے گناہ کے سبب ہم تکفیر نہیں کریں گے۔ حافظ ابن حجر نے اس قول کی تصویب فرمائی ہے۔ واعلم ان مذهب الحق انه لایکفر احد من اهل القبلة بذنب ولایکفر اهل الاهواء والبدع الخ[۲]

تکفیر مسلم کتنا بڑا سنگین گناہ ہے اور کسی مسلمان کی تکفیر کے متعلق فقہاء کرام علماء امت اور محدثین کیا فرماتے ہیں اس کی تفصیل احقر کی تالیف، برق آسمانی بر فرقہ رضاخانی، کے باب دوم میں ملاحظہ کیجئے۔

المرجیة والقدریة

مرجیہ ایک گمراہ فرقہ ہے مگر یہ کون لوگ ہیں اس کے مصداق کون ہیں؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے ابن الملک کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مرجیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام افعال عباد من جانب اللہ متعین ہے بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہے بندہ تو مجبور محض ہے اور جس طرح کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ہے اسی طرح ایمان کے ساتھ معصیت بھی کوئی نقصان

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۷۷ ا تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۹۳ مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۱۶۱ کشف الحاجہ ص ۱ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۱۳ [۲] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۶ ہکذا انظر المرقات جلد ۱ ص ۷۷ اشرح عقائد ص ۱۰۹

نہیں دیتی ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ مرجیہ وہ فرقہ ہے جو ایمان کو قول بلا عمل بتلاتا ہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل کا کوئی دخل ہی نہیں ہے یہی قول علامہ محمود البشیتی نے الفرق الاسلامیہ میں لکھا ہے اور اس پر ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ هم الذين يقولون الايمان كلام مرجیہ وہ جماعت ہے جو محض کلام کے ذریعے ایمان کی تعریف کرتے ہیں اور عمل کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاری نے علامہ طیبی کے قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرجیہ درحقیقت جبریہ ہی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ مجبور محض ہے بندے کو نہ تو خلق افعال کا اختیار ہے نہ کسب افعال کا اختیار ہے اور بندے کی طرف جو افعال منسوب ہیں وہ ایسا ہی ہے جس طرح افعال کی اضافت جمادات کی طرف[1]

قدریہ بھی اسلامی گمراہ فرقوں میں ایک فرقہ ہے جو تقدیر الٰہی کا منکر ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے سے جو افعال صادر ہوتے ہیں اس میں قضاء و قدر کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ ہی افعال کا خالق بھی ہے اور کاسب بھی، تقدیر الٰہی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ قدریہ معتزلہ ہی کا لقب ہے اور یہ لوگ قدریہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ہم تقدیر کی اچھی بری باتوں پر ایمان لاتے ہیں اس وجہ سے ہم قدریہ ہیں مگر یہ امر واضح ہو کہ یہ تاویل رکیک حديث القدرية مجوسى هذه الامة سے بچنے کے لئے کرتے ہیں[2] باقی ہم قدر کی بحث باب القدر میں انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ کریں گے۔

فرقہ مرجیہ کا بانی کون؟:۔

اس فرقہ کے موجد و بانی کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے ارجاء کا عقیدہ اختراع کیا وہ حسن بن محمد الحنفیہ ہے لیکن اسکی سوانح حیات میں ملتا ہے کہ یہ عمل کو ایمان سے بالکل علیحدہ نہیں گردانتا تھا بلکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اعمال کی بجا آوری اور ترک معصیت جزو ایمان نہیں ہے بعض لوگوں نے کہا کہ حسن بن بلال مرنی نامی شخص نے اس عقیدہ کو گھڑا تھا، اور بعض لوگوں نے کہا کہ سب سے پہلے اس فرقہ کا بانی ابوسلت سمان ہے جسکی وفات ۱۵۲ھ میں ہوئی ہے۔

جس طرح قدریہ معتزلہ اور خوارج کے مختلف فرقے ہیں اسی طرح مرجہ کے بھی کچھ فرقے ہیں ثوبانیہ، ضراریہ اسی فرقہ کی ایک شاخ ہے جن کے عقائد قدرے جزوی طور پر بدلے ہوئے ہیں۔۔۔ اس بحث کے ذیل میں شیخ عبدالکریم شہرستانی نے لکھا ہے کہ ارجاء کے دو معنی آتے ہیں (۱) ارجاء بمعنی تاخیر چنانچہ کہا جاتا ہے ارجه اخاه اى امهله واخره یعنی تو اس کو مہلت دے اور پیچھے کر دے (۲) اعطاء

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۷۷ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۱۲ کشف الحاجہ ص ۱۱۵ مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۱۶۱ [2] مرقات جلد ۱ ص ۷۷ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۱۲ مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۱۶۱ الملل والنحل جلد ۱ ص ۱۸۶ مطبع سوالنصار القدیم بمصر ۱۳۱۷ھ

الرجاء امید دلانا ہے یہاں ارجاء کے دونوں ہی معنی مراد لیے جاسکتے ہیں پہلے معنی کے اعتبار سے ان کو مرجئیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ عمل کو تصدونیت سے موخر قرار دیتے ہیں اور بالمعنی الثانی مرجئیہ کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ایمان ہوتے ہوئے معصیت کو نقصان دہ نہیں سمجھتے ہیں جیسا کہ ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے طاعت مفید نہیں ہو سکتی ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ارجاء کا مطلب ہے تاخیر الحکم الی یوم القیامة یعنی مرتکب کبیرہ کے معاملہ کو قیامت تک کے لئے موخر کردینا اور اس سے پہلے اس کے متعلق جنت و جہنم کا کوئی حتمی فیصلہ نہیں کریں گے تو گویا اس معنی کے اعتبار سے مرجئیہ اور وعیدیہ دو مقابل فرقے ہیں۔۔ اور بعض لوگوں نے ارجاء کے معنی کچھ اور بیان کئے ہیں کہ ارجاء کا مطلب یہ ہے حضرت علیؓ کو درجہ اول سے اتار کر درجہ چہارم میں رکھنا اس معنی کے اعتبار سے مرجئیہ اور شیعہ دو باہم متقابل فرقے ہوگئے اور مرجئیہ کی بنیادی فرقے کل چار ہیں (۱) مرجئیۃ الخوارج (۲) مرجئیۃ القدریہ (۳) مرجئیۃ الجبریہ (۴) مرجئیۃ الخاصہ،

اور غلاۃ مرجئیہ کی دو جماعت ہیں (۱) محمد بن اکرام السجستانی اور ان کے اصحاب کی جماعت ہے جن کے یہاں ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے اگرچہ دل میں کفر و شرک ہی کا اعتقاد کیوں نہ ہو وہ مومن کامل اور اللہ کا ولی ہوگا اور اہل جنت میں سے ہوگا (۲) ابو محرز جہم بن صفوان السمرقندی کی جماعت ہے جن کے نزدیک ایمان صرف عقد قلب کا نام ہے لہذا اگر کوئی زبان سے کفر کا اعلان کرے، بتوں کی پرستش کرے، دار الاسلام میں یہودیت و نصرانیت کو لازم جانے عقیدۂ تثلیث کا قائل ہو اور اسی حالت میں موت ہو جائے پھر بھی ایسا شخص مومن کامل اور حقدار جنت ہوگا[1]

رجال حدیث:۔

علی بن نزار بن حیان الاسدی الکوفی ضعیف ہیں[2]

عکرمہ ابن ابی جہل ابی ہشام المخزومی فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا[3]

ابن عباس۔ یہ عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم ہیں جن کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

(۷۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ كَهْمَسِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَىٰ بْنِ يَعْمُرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنَّا جُلُوساً عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ شَعْرِ الرَّأْسِ لاَ يُرَىٰ عَلَيْهِ أَثَرُ سَفَرٍ وَلاَيَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ قَالَ فَجَلَسَ إِلَىٰ النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَهُ إِلَىٰ رُكْبَتِهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَىٰ فَخِذَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَامُحَمَّدُ مَاالْإِسْلاَمُ؟

---

[1] الملل والنحل جلد ۳ ص ۲۰۴ [2] تقریب ص ۱۸۶ [3] تقریب ص ۱۸۱

قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلاَّ اللهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَيْتِ فَقَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ ثُمَّ قَالَ يَامُحَمَّدُ مَاالْاِيْمَانُ؟ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَكُتُبِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدَرِمِنْهُ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَامِنْهُ يَسْأَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ ثُمَّ قَالَ يَامُحَمَّدُ مَاالْاِحْسَانُ ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّكَ اَنْ لَّا تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَمَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَمَا اَمَارَتُهَا؟ قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا قَالَ وَكِيْعٌ يعنى تَلِدَ الْعَجَمُ الْعَرَبَ وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبِنَاءِ قَالَ ثُمَّ قَالَ فَلَقِيَنِی النَّبِیُّ ﷺ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَنِ الرَّجُلُ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذَاكَ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے کہ ہم (ایک دن) حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور سر کے بال غیر معمولی سیاہ تھے اس پر سفر کا کوئی اثر ظاہر نہیں تھا اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا تھا، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ وہ شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنوں کو آپ ﷺ کے گھٹنے سے ملالیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو آپکے زانوں مبارک پر رکھا، پھر کہا اے محمد ﷺ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ (اسلام یہ ہے کہ) اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک میں اللہ تعالی کا رسول ہوں، نماز قائم کرے، زکوۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے تو (اس جواب کی تصدیق کرتے ہوئے) اس شخص نے کہا آپ نے سچ فرمایا اس سے ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ (عجیب وغریب آدمی ہے) سوال بھی کرتا ہے (جو عدم علم کی علامت ہے) پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے (جو علم کی دلیل ہے) پھر اس شخص نے کہا اے محمد (ﷺ) ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اور اس کے تمام فرشتے، اس کے تمام رسولوں، تمام کتابوں، آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر کی تصدیق کرنا ایمان ہے، سائل نے پھر کہا آپ نے سچ فرمایا، جس سے ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ سوال بھی کرتا ہے (جو عدم علم اور ناواقفیت کی دلیل ہے) اور خود اس کی تصدیق بھی کرتا ہے (جو علم وواقفیت کی دلیل ہے) پھر اس نے معلوم کیا ہے اے محمد (ﷺ) احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اس طور پر عبادت کرو گویا تم اللہ تعالی کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ

رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے، پھر اس نے سوال کیا قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے تو کہا اچھا اس کی علامات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ باندی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی، وکیع کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عجم عرب کو جنے گا، اور برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس و فقیر بکریاں چرانے والے عالیشان اور بلند و بالا مکانوں میں فخر و غرور کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوں گے ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ تین دن کے بعد ملے تو فرمایا کہ کیا تم اس شخص کے بارے میں جانتے ہوں کون تھا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ تھے جو تم کو تمہارے دین کی اساسی باتیں سکھانے کے لئے آئے تھے۔

تشریح حدیث:۔ عن عمر قال کنا جلوساً عن النبی ﷺ

یہ روایت حضرت عمر بن الخطاب کے علاوہ دیگر صحابہ سے مروی ہے یہ حدیث محدثین کے نزدیک حدیث جبرئیل سے معروف ہے اور چونکہ اس حدیث میں دین اسلام کے اساسی احکام کو نہایت جامع اور مکمل شکل میں پیش کئے گئے ہیں اس لئے اس حدیث کو ام السنہ وام الاحادیث بھی کہا جاتا ہے جس طرح کہ سورہ فاتحہ کو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ام القرآن اور ام الکتاب کہا جاتا ہے دین اسلام کی بنیادی چیزیں دو ہیں ایک عقائد دوسرے اعمال، ان ہی دونوں پر اسلام کی عمارت قائم ہے، ان دونوں چیزوں کے بغیر اسلام نامکمل اور ناقص رہتا ہے اور حدیث ہذا میں ان دونوں کو خوب اچھی طرح بیان کر دی گئی ہے اس لئے یہ حدیث ام الاحادیث کہلاتی ہے، چنانچہ ما الایمان کیا ہے؟ اس کے جواب میں وہ تمام عقائد اساسیہ بیان کر دیئے گئے ہیں (مثلاً اللہ پر اس کے رسولوں پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، آخرت کے دن پر اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لانا) جن پر نجات موقوف ہے عقائد کی کتابوں میں اور دوسری چیزیں بھی از قبیل عقائد شمار کرائے گئے ہیں مگر ان چیزوں پر نجات کا مدار نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت جبرئیلؑ کے سوال ما الاسلام؟ اسلام کیا چیز ہے؟ کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے ان تمام بنیادی اعمال اسلام کو بیان کر دیا جو ایک مسلم کامل کے لئے لازم اور شرعاً ضروری ہیں، ان ہی اعمال خمسہ کو ایک دوسری حدیث میں بھی ذکر کیا گیا ہے اس لئے یہ روایت فی الواقع ام الاحادیث ہے اور جامع السنہ ہے [1]

فجاء رجل شدید بیاض الثیاب الخ

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں جاء کے بجائے طلع کا لفظ آیا ہے جو جاء اور اتاہ کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور فصیح ہے اس لئے کہ حضرت جبرئیل نورانی مخلوق ہیں گو کہ اس وقت انسانی شکل میں آپ کے پاس حاضر

---

[1] کشف الحاجہ ص ۲۰

ہوئے تھے مگر نورانیت کا اثر نمایاں تھا جس کیلئے طلع ہی کی تعبیر زیادہ موزوں ہے اور جس طرح حضرت جبرئیل انسانی لباس میں آتے تھے اسی طرح دیگر فرشتے بھی آسکتے ہیں یہ حضرت جبرئیل ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔

الثیاب میں الف لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے اصل عبارت شدید بیاض ثیابه ہے شدید سواد الشعر کا لفظ مسلم میں آیا ہے جس کی ترکیب بھی بحذف مضاف الیہ ہو گی مگر روایت ہذا میں مضاف الیہ مذکور ہے۔
حدیث کی دوسری کتابوں میں سواد الشعر کے بجائے سواد اللحیة کا لفظ مذکور ہے چنانچہ صحیح ابن حبان میں شدید سواد اللحیة کا لفظ ہے بہر صورت کچھ بھی ہو روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ آنے والا شخص نوجوان تھا۔ فجلہ میں فا فجایہ ہے یکا یک اچانک کے معنی میں، اس روایت سے معلوم ہو کہ زمانہ طلب علم عنفوان شباب کا وقت ہے کیونکہ اس وقت طلب علم میں پیش آنے والی مشکلات کے تحمل کرنے کی قوت ہوتی ہے نیز اس سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ سفید کپڑے کا استعمال طالب علم کیلئے مناسب ہے۔

لایری علیه اثر سفر ولا یعرفه احدمنا

حافظ ابو حازم العبدری اور مسند ابو یعلی میں یری کے بجائے نری جمع متکلم فعل مضارع کا صیغہ آیا ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ دونوں ہی درست ہیں، اس آنے والے شخص پر سفر کا ذرہ برابر بھی کوئی اثر نہیں تھا جس سے معلوم ہو تا کہ کسی قریب ہی جگہ سے آیا ہے مگر ہم میں سے کوئی اس کو پہچان نہیں رہا تھا جو اس بات کی دلیل تھی کہ کوئی پردیسی مسافر ہے جو دور دراز سے آیا ہے، ملا علی قاری نے علامہ ابو الفضائل علی بن عبداللہ بن احمد المصری کا قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اس آنے والے شخص کو نہیں پہچان رہے تھے رہے نبی تو وہ پہچان رہے تھے مگر سید جمال الدین نے کہا کہ بعض روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ نبی بھی اس آنے والے شخص کو نہیں پہچان رہے تھے یہاں تک کہ جبرئیل چلے گئے حافظ ابن حجر کی بھی یہی رائے ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت عمرؓ کو کیسے معلوم ہوا کہ اہل مجلس میں سے کوئی بھی اس کو نہیں پہچان رہا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اوپر قیاس کر کے دوسروں کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہو یا حاضرین نے صراحتاً عدم معرفت کی بات کہی ہو۔ دوسرا جواب ہی اولی ہے کیوں کہ ایک روایت میں آیا ہے جس کے راوی عثمان بن غیاث ہیں کہ فنظر القوم بعضهم الی بعض فقالوا ما نعرف هذا لوگ ایک دوسرے کی طرف (حیرت سے) دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم اسے نہیں پہچانتے ہیں[1]

فجلس الی النبی ﷺ

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۵۰ نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۸

اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آنے والا شخص نے یامحمد کہاتھا یارسول اللّٰہ کہا؟ حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے کہ اولاً یا محمد کہا ہو پھر یارسول اللّٰہ کہا ہو، لیکن یہاں ایک اعتراض ہے کہ ارشاد خداوندی لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا. کے پیش نظر نبی کا نام لیکر پکارنا حرام اور ناجائز ہے پھر حضرت جبرئیلؑ نے نام لیکر کیوں پکارا؟ اس کے متعدد جوابات ہیں ہم کچھ نقل کرتے ہیں،

(۱) یہ حرمت انسانوں کے لئے ہے ملائکہ کے لئے نہیں کیوں قرآن کریم کے مخاطب حضرات انسان وجنات ہیں نہ کہ ملائکہ لہٰذا ملائکہ اس حکم میں داخل نہیں (۲) زیادتی اخفاء کے واسطے حضرت جبرئیلؑ نے نام لیکر پکارا کیوں کہ یہ طریقہ گنواروں کا تھا (۳) آنے والے شخص فرشتے نے نئے انداز میں کلام کیا تاکہ زیادہ موجب تعجب ہو، اور لوگ متوجہ ہو کر بات سنیں۔

سوال:۔ صحاح کی بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ بسا اوقات نام لے کر پکارتے تھے حالانکہ ان کا یہ عمل بظاہر نصوص کے خلاف معلوم ہوتا ہے؟

جواب:۔ صحابہ کرام کا یہ عمل قبل التحریم پر محمول ہے فلا اشکال فیہ [1]

ما الاسلام؟ اس سے مقصود اسلام کی حقیقت دریافت کرنا ہے کہ یارسول اللہ اسلام کی حقیقت کیا ہے اس کے اساسی اور بنیادی احکام کیا ہیں، لفظ ما کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت وماہیت دریافت کی جاتی ہے اور اس کے جواب میں ہمیشہ غیر ذوی العقول چیزیں آتی ہیں۔اس کے برخلاف لفظ من تعین شخصی کے لئے موضوع ہے اور اس کے جواب میں ذوی العقول اشخاص آئیں گے اسلام کی لغوی وشرعی تحقیق اور ایمان واسلام میں نسبت کے متعلق کلام گذر چکا ہے۔

قال شهادة ان لااله الاالله الخ

مصابیح میں ایمان کا ذکر پہلے ہے لیکن صحیح مسلم، جامع الاصول، ریاض الصالحین اور شرح السنہ میں اسلام کا ذکر پہلے ہے البتہ بخاری میں ایمان کا ذکر مقدم ہے لیکن وہ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ہے اور اس کے راوی حضرت عمر ہیں لہٰذا کوئی بات نہیں ہے۔اس حدیث میں ذکر کردہ ہی پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد قائم ہے جیسا کہ اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں بنی الاسلام علی خمس کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لاالہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ دونوں ایمان کے لئے شرط ہیں جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

---

[1] تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۰۰ مرقات المفاتیح جلد ۱ ص ۵۱

(۸) باب اجتناب الرایٔ والقیاس

اس باب میں وہ روایتیں آئیں گی جن میں آقا ﷺ نے دین میں قیاس آرائی اور رائے زنی سے روکا ہے اور ہواء نفس کو تقویت دینے کے لئے دین میں رائے زنی کی مذمت فرمائی ہے قرآن وحدیث میں صریح حکم کے ہوتے ہوئے قیاس آرائی قطعاً مذموم ہے۔۔۔۔۔ہاں ایک وہ قیاس ہے جو حضرات فقہاء کرام اور فقہاء اصولیین کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے غیر منصوص علیہ مسائل کا حکم متعین کرنا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب شرعی اور امر محمود ہے اور اس طرح کے قیاس کے جواز پر قرآن وحدیث ناطق ہے اللہ رب العزت خود ارشاد فرماتا ہے کہ فاعتبروا یا أولی الابصار، اس سے صراحۃً قیاس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ اعتبار ردالشئی الی نظیرہ کو کہتے ہیں جسکا صاف مطلب قیسوا الشئی بالشئی ہے نیز اللہ کے رسول ﷺ جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرما رہے تھے تو اس وقت آپ نے فرمایابم تقضی یا معاذ حضرت معاذ نے فرمایابکتاب اللّٰہ آپ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ پاؤ تو اس وقت کس سے فیصلہ کروگے حضرت معاذ نے فرمایابسنة رسول اللّٰہ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی کوئی حکم نہ پاؤ تو کیا کروگے تو حضرت معاذ نے فرمایا اجتهد برأئی یہ جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایاالحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسوله بما یرضی به رسوله، اور حضرت معاذ کی تصویب وتعریف فرمائی، نیز نبی پاک کا ارشاد موجود ہے آپ نے حضرت ابن مسعود سے فرمایااقض با لکتاب والسنة فان لم تجد الحکم فیهمافا جتهد برأیك جو آفتاب نصف النہار سے زیادہ واضح قیاس کے جواز کے ثبوت پر دال ہے۔۔۔۔۔ مگر بایں ہمہ قیاس ہر کس وناکس کے لئے جائز نہیں ہے اور نہ اس میں کلیۃً آزادی ہے بلکہ کچھ اصول وضوابط ہیں جن کی رعایت لازم ہے ہم اولاً ذیل میں قیاس کی تعریف اور اس کی شرطیں تحریر کرتے ہیں۔

قیاس کے لغوی معنی:۔

قاس یقیس ۔ ض۔ قیاساً۔ اندازہ کرنا جیسے کہ کہا جاتا ہے قس النعل بالنعل اس جوتے کو اس کے مانند بنادو۔

قیاس کے اصطلاحی معنی:۔

؎ حسامی ص۹۱، نور الانوار ص ۲۲۸

قیاس شرعی فقہاء کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ منصوص علیہ مسائل کا حکم غیر منصوص علیہ مسائل کی طرف متعدی کرنا علت کے درمیان شرکت کی وجہ سے، یعنی دونوں مسئلوں میں علت واحدہ کی وجہ سے منصوص علیہ مسائل کا حکم غیر منصوص علیہ کی طرف متعدی کرنا۔ القیاس الشرعی هو ترتب الحکم فی غیر المنصوص علیه علی معنی هو علة لذالك الحکم فی المنصوص علیه [1] صاحب حسامی قیاس اصطلاحی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں، والفقهاء اذا اخذوا حکم الفرع من الاصل سموا ذلك قیاساً لتقدیرهم الفرع بالاصل فی الحکم والعلة [2]

صحت قیاس کی شرطیں:۔

قیاس کے صحیح اور قابل اعتبار ہونے کے لئے علماء اصول نے پانچ شرطیں لکھی ہیں جن کی رعایت نہایت ہی ضروری ہے اگر ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو گئی تو پھر وہ قیاس قابل قبول اور شرعاً حجت نہ ہوگا۔

شرط اول:۔ أن لا یکون فی مقابلة النص یعنی قیاس نص شرعی کے مقابل نہ ہو، مثال کے طور پر ایک اعرابی نے حضرت حسن بن زیاد سے قہقہہ کے متعلق سوال کیا کہ اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بن زیاد نے برملا کہا کہ وضو ٹوٹ جائیگا اعرابی نے حضرت حسن کے جواب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں کسی پاکدامن عفیفہ عورت پر تہمت تراشی کرے تو یہ سنگین گناہ ہے پھر بھی وضوء نہیں ٹوٹتا ہے تو پھر قہقہہ فی الصلوۃ سے نقض وضو کیوں ہو جائے گا یہ قیاس شرعاً معتبر نہیں ہے بلکہ مردود ہے کیوں کہ قہقہہ سے نقض وضو کی روایت صراحت کے ساتھ موجود ہے لہٰذا یہ قیاس نص کے مقابلے میں ہوا جو درست نہیں ہے [3]

شرط دوم:۔ لا یتضمن تغیر حکم من احکام النص. قیاس سے نص کے احکام میں کسی طرح سے تغیر لازم نہ آتا ہو جیسے تیمم پر قیاس کرتے ہوئے باب وضوء میں بھی نیت شرط قرار دینا آیت وضو مطلق کو مقید کرنا لازم آئیگا جو باطل ہے اس لئے تیمم پر قیاس کر کے وضوء میں نیت کو لازم کرنا بھی مردود ہوگا [4]

شرط سوم:۔ لا یکون المعدی حکما لا یعقل۔ جس حکم کا تعدیہ کیا جائے وہ غیر مدرک بالعقل نہ ہو بلکہ مدرک بالعقل ہو جیسے کہ یہ کہنا کہ جس طرح خروج ریح سبب حدث ہے اور اس پر بنائے نماز صحیح ہے اسی طرح احتلام بھی ایک حدث ہے اس لئے احتلام کی صورت میں بھی بناء صلوۃ جائز ہونی چاہئے مگر اصل معدیٰ کی علت غیر معقول ہونے کی وجہ سے اس پر قیاس بھی مردود ہے۔

[1] اصول الشاشی ص ۸۸ [2] حسامی ص ۹۱ [3] اصول الشاشی ص ۸۵ [4] اصول الشاشی ص ۸۵

شرط چہارم:۔ يقع التعليل لحكم شرعى لا لامرلغوى حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لئے علت دریافت کی جائے نہ کہ امر لغوی کی تحقیق مقصود ہو۔ مثال کے طور پر کوئی اس طرح استدلال کرے کہ چور کو سارق اس لئے کہا جاتا ہے وہ خفیہ طریقوں سے دوسروں کا مال ہڑپ کرتا ہے۔ یہی معنی تو نباش کفن چور میں بھی موجود ہے لہٰذا اس کو سارق قرار دے کر قطع ید کیا جائے یہ قیاس لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اس لئے مردود ہے۔

شرط پنجم:۔ لا يكون الفرع منصوعا عليه ،جس مسئلے کو ازروئے قیاس ثابت کیا جائے وہ منجانب شارع علیہ السلام منصوص علیہ نہ ہو۔ اس لئے کہ جب مسئلہ کی نص موجود ہو گی تو قیاس کی ضرورت ہی نہیں رہی، مثلاً کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں غلام کے مومن ہونے کی شرط لگانا عندالاحناف باطل ہے کیونکہ فرع (مقیس) کے حکم کے متعلق خود نص موجود ہے [1]

اگر قیاس کرتے وقت مذکورہ شرطوں کی مکمل رعایت کی گئی تو وہ قیاس شریعت میں مقبول ہی نہیں بلکہ محمود بھی ہو گا اور اگر متعینہ شرائط اور حدود کو پار کر کے قیاس کیا جائے تو وہ قیاس مردود اور باطل ہو گا شرعی اعتبار سے ایسا قیاس مذموم ہو گا اور اسی قسم کی قیاس آرائیوں سے حدیث باب میں روکا گیا ہے۔

قیاس کا حکم:۔ قیاس کا حکم یہ ہے اصل کا حکم فرع کی طرف متعدی کرنا تا کہ فرع کے اندر غالب رائے مع احتمال خطا وہی حکم آجائے جو اصل یعنی مقیس علیہ کے اندر تھا [2]

(۵۵) حَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ وَعَبْدَةُ وَاَبُوْمُعَاوِيَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُنُمَيْرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ

(۵۶) ح وَحَدَّثَنَاسُوَيْدُبْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَمَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَحَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ وَشُعَيْبُ بْنُ اِسْحَاقَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعاً يَنْتَزِعُه مِنَ النَّاسِ ولٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ فَاذَا لَمْ يَبْقَ عَالِماً اِتَّخَذَا لنَّاسُ رؤساً جُهَّالاً فَسُئِلُوْا فَا فْتَوْ ابِغَيْرِعِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ

---

[1] اصول الشاشی ص ۸۵ ہکذا استفاد من حسامی و نور الانوار، [2] حسامی ص ۱۰۴

تعالیٰ علم کو لوگوں سے دفعۃً واحدۃً نہیں اٹھائے گا لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائیگا پھر جب کوئی عالم باقی (دنیا میں) نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے اور ان سے (مسئلہ مسائل کی باتیں) معلوم کریں گے تو جاہل پیشوا بغیر علم کے فتویٰ صادر کردیں گے پھر تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ علم سے مراد کتاب وسنت اور اس کے متعلق تمام علوم وفنون ہیں [1] (مثلاً علم فقہ، علم قرآن، علم تفسیر، علم اصول فقہ، علم بلاغت، معانی، بدیع اور وہ تمام علوم جو فہم کتاب وسنت میں مہمیز کا کام کرتے ہیں داخل ہیں) قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا مگر اٹھانے کا انداز یہ نہیں ہوگا کہ رجعت قہقری کی طرح یکبارگی آناً فاناً علم ختم کردیا جائے گا بلکہ انداز یہ ہوگا کہ وقت کے چیدہ چیدہ علماء اور علم وعمل میں ید طولیٰ رکھنے والے اکابر واسلاف کو رفتہ رفتہ موت دے کر علم کو اٹھالیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ روئے زمین پر کوئی عالم باقی نہیں رہے گا یا علماء تو بہت ہوں گے مگر علم کے تقاضوں پر عمل کرنے والے بہت کم ہوں گے ہر عالم جاہلوں ہی کی طرح اپنی خواہشات کے رو میں بہہ رہا ہوگا تو اس وقت لوگ جاہلوں کو اپنا راہنما، مفتی، قاضی، خلیفہ، امام اور شیخ بنالیں گے اور مسائل شرعیہ ان سے دریافت کریں گے تو یہ اپنے جہل کی وجہ سے غلط فتویٰ صادر کریں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے بعد خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہی کے غار میں ڈالیں گے ـــــــــ

امام نووی شارح مسلم اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ رؤساً ہمزہ کے ضمہ اور تنوین کے ساتھ رأس کی جمع ہے، امام مسلم نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں رؤسامد کے ساتھ ہے حافظ نے بھی فتح الباری میں بفتح الہمزہ والمد تخریج کی ہے، دونوں درست ہیں ثانی صورت میں یہ رئیس کی جمع ہوگی مولانا ساجد صاحب مرتب کشف الحاجہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے علوم دین کے حصول کی ترغیب کی طرف لطیف اشارہ ملتا ہے۔ اس حدیث پاک سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ناخواندہ اور جاہل آدمی دین کے مسائل نہ بتائیں کوئی شرعی حکم لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں ورنہ خود بھی گمراہی کے دلدل میں پھنسیں گے اور دوسروں کو بھی ضلالت وگمراہی کے دلدل میں پھنسائیں گے۔

سوال۔ اس حدیث شریف کو امام نے باب اجتناب الرائے والقیاس کے تحت کیوں ذکر فرمایا؟ جب کہ بظاہر باب اور ترجمہ میں کوئی جوڑ نہیں ہے؟

[1] مرقات جلد اص ۲۷۳

جواب:۔ باب اور ترجمہ میں مطابقت و مناسبت اس طرح ہے کہ بغیر علم و معرفت اور علم میں بصیرت کئے بغیر مسائل دینیہ اور احکام شرعیہ میں قیاس آرائی، رائے زنی اور فتوے دینا گمراہ طبقوں اور شیطان کا کام ہے اور ایسے فتوے صحت سے بعید ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام پر ایک افتراء اور زبردست بہتان ہے اور ان کا قیاس آرائی اور فتویٰ بازی سراسر غلط اور خواہش کی اتباع ہے اس لئے امام ابن ماجہ فرما رہے ہیں کہ جاہلوں کو اس رویہ سے بچنا چاہیئے اور اس عمل شنیع سے اجتناب کرنا چاہیئے ورنہ یہ خود بھی گمراہوں کے اور دوسروں کو بھی جادۂ مستقیم سے ہٹا دیں گے کیوں کہ یہ شیطان کے پیرو اور گمراہ قسم کے لوگ ہیں۔

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی، ابو محمد الکوفی، نہایت عبادت گذار اور ثقہ ہیں [۱]
عبداللہ بن نمیر ہمدانی کنیت ابو ہشام الکوفی۔ ثقہ ہیں [۲]
علی بن مسہر القرشی الکوفی، شہر موصل میں عہدۂ قضاء پر فائز رہے آپ ثقہ ہیں [۳]
مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الاصبحی ثقہ راوی ہیں۔ امام بخاری نے کہا کہ مالک عن نافع عن ابن عمر کی تمام سندیں بالکل اصح ہیں [۴]

(۵۷) حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ یَزِیْدَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ اَیُّوْبَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ ھَانِیٍٔ حُمَیْدُ بْنُ ھَانِیٍٔ الْخَوْلَانِیُّ عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ مُسْلِمِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اُفْتِیَ بِفُتْیَا غَیْرَ ثَبَتٍ فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے غیر ثابت شدہ فتویٰ صادر کر دیا تو اس کا وبال بتانے والے پر ہوگا۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب تو ترجمہ سے بالکل ظاہر ہے البتہ حدیث شریف من اُفْتِیَ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ من افتی بصیغہ مجہول پڑھا جائے تو اس صورت میں پہلے من افتی سے مراد مستفتی ہوگا اور من افتاہ سے مراد مفتی ہوگا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی

[۱] تقریب ص ۱۲۴ [۲] تقریب ص ۱۴۴ [۳] تقریب ص ۱۸۶ [۴] تقریب ص ۳۲۹

عالم سے کوئی مسئلہ معلوم کیا گیا اور اس نے صحیح جواب نہ دیا بلکہ غلط جواب دیا اور سائل نے اس پر عمل کر لیا تو اسکا گناہ مفتی پر ہوگا بشرطیکہ مفتی نے مسئلہ کی تلاش و جستجو میں کوتاہی کی ہو۔ دوسرے یہ کہ من افتیٰ بصیغہ معروف پڑھا جائے تو اس وقت افتی اول سے مراد مفتی ہوگا اور من افتاہ ثانی سے مراد مستفتی ہوگا اور اس کو استفتی کے معنی میں لے لیا جائے گا اور ضمیر ھا سے مراد مفتی ہوگا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مستفتی یہ جانتے ہوئے کہ جس سے مسئلہ معلوم کر رہے ہیں وہ عالم نہیں ہے پھر بھی مفتی کے جہل سے واقف ہونے کے باوجود اس سے معلوم کرتا ہے اور اس سے پر عمل کرتا ہے تو مستفتی گناہ گار ہوگا [۱]

رجال حدیث:۔

سعید ابن ابی ایوب الخزاعی ثقہ راوی ہیں [۲]

حمید بن ہانی ابو ہانی الخولانی المصری۔ محدثین نے ان کیلئے متعلق لا باس بہ کہا ہے [۳]

مسلم بن یسار نام کے تین راوی ہیں ایک المصری، دوسرے المصری اور تیسرے الجہنی اول الذکر ثقہ، اور ثانی الذکر اور ثالث الذکر مقبول ہیں [۴]

(۵۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنِي رِشْدِيْنُ بْنُ سَعْدٍ وَجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ أَنْعُمٍ هُوَ الْافْرِيْقِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ فَمَا وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم تین ہیں اور اس کے علاوہ زائد از ضرورت ہے، آیت محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ ہے۔

تشریح حدیث:۔

العلم پر الف لام عہد ذہنی کے لئے ہے اس سے مراد اصل علوم دین ہیں۔ یعنی وہ علوم جن پر دین اسلام کی بنیاد ہے وہ تین ہیں اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں مثلاً علم نحو، علم منطق، علم کلام، علم طب، علم بیان، علم معانی، علم بلاغت، علم بدیع، علم عروض، علم قوافی، علم ہندسہ، علم فلسفہ، علم ہیئت، علم میقات اور اس جیسے دیگر علوم سب زائد از ضرورت ہیں ان کا حصول ضروری نہیں ہے اور نہ مقصود ہے بلکہ مقصود تو صرف

[۱] مستفاد مرقات جلد ۱ ص ۲۹۹ [۲] تقریب ص ۹۰ [۳] تقریب ص ۶۶ [۴] تقریب ص ۲۴۵

علوم قرآن وحدیث اور اس کے متعلقات ہیں ان کے علاوہ دیگر علوم محض قرآن وحدیث کے سمجھنے کیلئے آلہ اور ذریعہ ہیں، مقصود نہیں۔

أیة محکمة سے مراد وہ علوم ہیں جو نہ منسوخ ہیں اور نہ اس کی مراد میں کسی قسم کا اشتباہ ہے اور نہ ہی اس میں چند معانی کے احتمالات ہیں، بلکہ اس کے معنی بالکل واضح اور متعین ہیں قیاس اور رائے زنی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

سنة قائمة:۔او۔ برائے تنویع ہے سنت قائمہ سے مراد وہ معمول بہا احکام و مسائل ہیں جو آپ علیہ السلام سے بسند صحیح ثابت اور منقول ہوں بعض لوگوں نے سنت قائمہ سے مراد دائم العمل بتلایا ہے یعنی وہ احکام جن پر ہمیشہ عمل ہوتا ہو،

او فریضة عادلة:۔ اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے چار اقوال نقل کئے ہیں:

(۱) فریضہ عادلہ سے وہ تمام احکام و مسائل مراد ہیں جو کتاب و سنت اور ایسے اجماع و قیاس سے مستنبط اور مستخرج ہوں جو منصوص کے حکم کے مساوی ہیں وجوب عمل اور صدق و صواب ہونے میں۔

(۲) فریضۂ عادلہ سے مراد وہ احکام ہیں جن کی تعدیل و تصدیق قران و سنت کرے۔

(۳) فریضۂ عادلہ سے مراد وہ تمام مسائل شرعیہ مستنبطہ ہیں جن پر مسلمانوں نے اتفاق کر لیا ہو۔

(۴) فریضۂ عادلہ سے مراد علم فرائض کے وہ احکام ہیں جن سے ترکہ کو ورثہ کے درمیان عدل و انصاف سے تقسیم کیا جائے خلاصہ یہ ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں کتاب، سنت، اجماع، اور قیاس، اجماع اور قیاس کو فریضہ عادلہ کہا جاتا ہے [۱]

علامہ طیبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ علم تین ہیں (۱) علم الکتاب، اور آیة محکمة سے اسی کی جانب اشارہ ہے اور آیات محکمات ہی اصل کتاب اور دین کی اصل اصیل ہیں (۲) علم السنہ، اور سنة قائمة سے اسی کی جانب اشارہ ہے اس کے اندر حفاظت حدیث کے تمام ذرائع مثلاً، رواۃ پر جرح و تعدیل، اسانید حدیث کی صحت و ضعف، اقسام حدیث کی معرفت اور متون حدیث کی حفاظت وغیرہ بھی علم السنہ کے تحت آتے ہیں (۳) علم الاجماع والقیاس، فریضۃ عادلہ، سے اسی کی طرف اشارہ ہے [۲]

سوال:۔امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو اس باب کے تحت کیوں ذکر فرمایا ہے باب اور ترجمہ میں کیا مطابقت ہے؟

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۲۹۸ [۲] مرقات جلد ۱ ص ۲۹۹

جواب:۔ امام ابن ماجہ یہ حدیث لاکر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہی قیاس قابل قبول ہوگا جو فریضہ عادلہ کے تحت آتا ہو اور اس کی بنیاد و ماخذ کتاب و سنت ہو اور جو قیاس شریعت سے ہٹ کر ہوگا وہ قابل احتراز اور مذموم ہوگا۔ صاحب کتاب نے یہ روایت لاکر یہ بتادیا کہ کتاب و سنت سے علیحدہ ہو کر دین میں رائے زنی و قیاس آرائی سے کام نہ لیا جائے بلکہ اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے۔

رجال حدیث:۔

رشدین ابن سعد بن مفلح کنیت ابوالحجاج المصری ضعیف راوی ہیں [۱]

جعفر بن عون بن جعفر بن عمرو بن حریث المخزومی، صدوق راوی ہیں [۲]

ابن انعم یہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی ہیں، ضعیف راوی ہیں [۳]

عبدالرحمٰن بن رافع المصری التنوخی افریقہ کے قاضی تھے ضعیف راوی ہیں [۴]

(۵۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ حَمَّادٍ سَجَّادَةُ ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ ثَنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَا تَقْضِيَنَّ وَلَا تَفْصِلَنَّ إِلَّا بِمَا تَعْلَمُ وَإِنْ أَشْكَلَ عَلَيْكَ أَمْرٌ فَقِفْ حَتّٰى تُبَيِّنَهُ أَوْ تَكْتُبَ إِلَيَّ فِيهِ۔

ترجمہ حدیث۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ رسول ﷺ نے جب مجھے یمن کے لئے روانہ کیا تو فرمایا کہ تم ہرگز فیصلہ مت کرنا مگر ان ہی چیزوں کے بارے میں جن کو تم جانتے ہو اور اگر تم پر کوئی معاملہ مشتبہ ہو جائے تو ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ تم اس کو واضح کرلو یا اس کے متعلق مجھے لکھو۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب خود حدیث شریف سے واضح ہے البتہ باب سے حدیث شریف کی بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی ہے لیکن اگر تعمق نظری اور غور سے حدیث شریف کا مطالعہ کیا جائے تو واضح مناسبت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت معاذؓ کو تاکید فرمارہے ہیں کہ دیکھو ان ہی معاملات کا فیصلہ کرنا جن کے بارے میں تمہیں اچھی طرح معلومات حاصل ہو اور جن کے متعلق معلومات نہ ہو تو ان میں

[۱] تقریب ص۷۹ [۲] تقریب ص۲۰۳ [۳] تقریب ص۱۵۲ [۴] تقریب ص۱۵۲

اپنی رائے زنی اور قیاس آرائی مت کرنا بلکہ توقف کرنا یہاں تک کے تم پر واضح ہو جائیں یا پھر اس کے متعلق مجھ سے خط لکھ کر معلوم کر لینا مگر قیاس آرائی اور عقل کی بنیاد پر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کرنا تو اس طرح باب سے مطابقت موجود ہے۔

رجال حدیث:۔

حسن بن حماد سجادۃ۔ صدوق راوی ہیں [1]

یحیٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن العاص الاموی کنیت ابو ایوب کوفہ کے باشندے تھے بعد میں بغداد چلے گئے تھے صدوق راوی ہیں [2]

عبادۃ بن نسی الکندی ابو عمرو الشامی ثقہ راوی ہیں [3]

عبدالرحمٰن بن غنم ثقہ راوی ہیں قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے [4]

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس الانصاری الخزرجی جلیل القدر صحابی ہیں اور اصحاب بدریین میں سے ہیں [5]

(٦٠) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ ثَنَا ابْنُ أَبِي الرِّجَالِ عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بْنِ عَمْرٍو الأَوْزَاعِيِّ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَمْ يَزَلْ أَمْرُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مُعْتَدِلاً حَتّٰى نَشَأَ فِيهِمُ الْمُوَلَّدُونَ أَبْنَاءُ سَبَايَا الأُمَمِ فَقَالُوا بِالرَّأْيِ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل کا حال ہمیشہ معتدل رہا یہاں تک کہ مثویہ عورتوں سے نسل کشی کرنے والے پیدا ہوئے چنانچہ انہوں نے خود اپنی رائے سے کہنا شروع کیا پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

تشریح حدیث:۔

بنی اسرائیل جب تک دین و شریعت کے سلسلے میں علماء حق کے تابع و پیرو رہے اور علماء دین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارتے رہے وہ اس وقت تک راہ اعتدال کے ساتھ دین پر قائم رہے ان

---

[1] تقریب ص ۵۴ [2] تقریب ص ۳۷۵ [3] تقریب ص ۱۲۲ [4] تقریب ص ۱۵۷ [5] تقریب ص ۲۳۸

سے غلطی نہیں ہوئی لیکن جب انہوں نے آوارہ گندی عورتوں سے نسل کشی کی اور ان سے نئی نسل کی بنیاد پڑی تو یہیں سے ان میں اور معاشرے میں فسادات پیدا ہونے شروع ہو گئے اور ان کی نحوست کی وجہ سے علوم و معارف اخلاص و عمل اور انوار و برکات رخصت ہونے لگے، جاہل قسم کے لوگوں نے رائے زنی قیاس بلا دلیل جاہلانہ آراء سے معاشرے کو خراب کرنا شروع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

سوال:۔ حدیث شریف اور باب میں کس طرح مطابقت ہے؟

جواب:۔ امام ابن ماجہ نے اس حدیث شریف کو ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی سے درس عبرت حاصل کرنا چاہئے اور منصوص اور غیر منصوص مسائل میں رائے زنی سے احتراز کرنا چاہئے کیوں کہ جس قوم میں رائے زنی اور قیاس آرائی آجاتی ہے وہ خود بھی گمراہ ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتی ہے اس لئے اس سے بچتے رہنا چاہئے۔

رجال حدیث:۔

عبدالرحمٰن بن عمرو بن الاوزاعی زبردست ثقہ راوی ہیں [۱]

عبدۃ بن ابی لبابہ الاسدی ثقہ راوی ہیں [۲]

عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید ابن سعد بن سہم السہمی صحابی رسول ہیں [۳]

(۹) بَابُ فِی الْاِیْمَانِ

مسئلہ ایمان کی بحث نہایت اہمیت کی حامل ہے اور جس درجہ اپنے اندر پیچیدگی اور گنجلک رکھتی ہے اس سے کئی درجہ زیادہ تفصیل طلب بھی ہے اسی لئے مختلف جماعتوں نے اس میں معرکۃ الآراء بحث کی ہے اور علماء متاخرین و متقدمین کے تمام گروپ اپنے اپنے مذہب کے مطابق اس کو زیر بحث لائے ہیں، اور متقدمین و متاخرین شارحین حدیث نے اس پر خوب سیر حاصل کلام کیا ہے ہم بھی یہاں انہیں محدثین سے استفادہ کر کے سات مباحث علی وجہ الاختصار ذکر کرتے ہیں (۱) ایمان کی لغوی تعریف (۲) ایمان کی اصطلاحی تعریف (۳) ایمان کی تعریف اور اس میں اختلاف (۴) کیا اعمال جزء ایمان ہیں (۵) ایمان بسیط ہے یا مرکب (۶) ایمان کمی و زیادتی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ (۷) ایمان و اسلام میں نسبت۔

---

[۱] تقریب ص ۱۵۶ [۲] تقریب ص ۱۶۸ [۳] تقریب ص ۱۳۷

ایمان کی لغوی تعریف:۔

أمن يؤمن افعال۔ ایمانا۔ ایمان امن سے ماخوذ ہے لغت میں ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وما أنت بمؤ من لنا۔ ای بمصدق لنا۔ ایمان کو تصدیق کے معنی میں اس لئے لیا ہے کہ انسان نے جس کی بھی تصدیق کر دی ہے اس کو اپنی تکذیب سے مامون کر دیا ایمان کبھی لازم استعمال ہوتا ہے اور کبھی متعدی، اگر لازم مستعمل ہو تو اس کے معنی وثوق اعتماد کے ہوں گے اور متعدی مستعمل ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ متعدی باللام ہو تو اس وقت ایمان اذعان وانقیاد کے معنی میں ہوگا جیسے وما أنت بمومن لنا وقال فرعون آمنتم له دوسرے یہ کہ متعدی بالباء ہو تو اس وقت ایمان کے معنی تصدیق کے ہوں گے جیسے یومنون بالغیب بہر حال اگر ایمان متعدی ہو تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ مصدِق نے مصدَق کو تکذیب ومخالفت سے بچالیا [1]

ایمان کی اصطلاحی تعریف:۔

قاضی بیضاوی، حجۃ الاسلام امام غزالی، علامہ سعد الدین تفتازانی، ملا علی قاری امام ابو عبد اللہ بن محمد اسماعیل الاصفہانی اور امام نووی وغیرہ الفاظ کے قدر اختلاف کے ساتھ ایمان کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ التصديق بما علم بالضرورة انه من دين محمد ﷺ كالتو حيد والنبوة والبعث والجزاء یعنی ان تمام چیزوں کی قلب کی سچائی سے تصدیق کرنا جن کے متعلق بداہۃً محمد عربی ﷺ کے دین میں ہونا معلوم ہو جیسے توحید، نبوت، مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور اعمال کی جزاء وسزا، یعنی اصطلاح میں ایمان ماجاء به النبی ﷺ کی تصدیق قلب کی گہرائیوں سے کرنے کا نام اصطلاح میں ایمان ہے [2]

ایمان کی تعریف اور اختلاف مذاہب:۔

حقیقت ایمان کے متعلق علماء امت اور دیگر گمراہ فرقوں کے مابین شدید اختلاف ہے اور اس میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ صاحب تحفۃ المرأۃ علامہ طاہر رحیمی نے حقیقت ایمان کے متعلق چھ مذہب، صاحب تقریر حاوی مولانا جمیل احمد ومولانا شکیل احمد سیتاپوری نے آٹھ مذہب، اور صاحب تنظیم الاشتات علامہ ابو الحسن ہاتھوڑی نے دس مذہب نقل کئے ہیں۔

مذہب اول:۔ شیخ ابو منصور ماتریدی، امام غزالی، شیخ ابو الحسن اشعری (فی اصح الروایتین) امام الحرمین، امام اعظم ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء ومتکلمین کے نزدیک ایمان صرف، تصدیق قلبی کا نام ہے، البتہ ترک اعمال

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۴۸، تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۲۵، بیضاوی ص ۱۸، تقریر حاوی جلد ۱ ص ۲۰۷، کشف الحاجہ ص ۹۳، تحفۃ المراۃ ص ۹۲ شرح عقائد ص ۱۱۸ [2] تفصیل دیکھئے، بیضاوی ص ۱۸ شرح عقائد نسفی ص ۱۱۹، نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۵ تحفۃ المراۃ ص ۹۲، مرقات جلد ۱ ص ۴۸ تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۲۵ کشف الحاجہ ص ۹۳

صالحہ سے کمال ایمان ختم ہو کر فسق آجاتا ہے باقی رہا اقرار باللسان تو صرف دنیاوی احکام کے اجراء کے لئے شرط ہے ایمان کا جز نہیں ہے ان حضرات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات میں ایمان کی نسبت اور اضافت قلب کی طرف فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ في قلوبهم الايمان، قلبه مطمئن بالايمان، ولم تومن، قلوبهم، ولما يد خل الايمان في قلوبكم ۔ ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی اضافت قلب کی طرف فرمائی ہے، بعض آیات میں قلب کو ایمان کا ظرف بناکر اور بعض میں قلب کو ایمان کا مسند الیہ بناکر ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب ایمان کا محل ہے یا ایمان قلب کی صفت ہے اور یہ بات بالکل ظاہر طے شدہ ہے کہ قلب کے اندر تصدیق کے علاوہ، قلب کی دوسری صفات معتبر نہیں ہیں پس یہ بات متعین ہوگئی کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔

مذہب دوم:۔ اکثر احناف شمس الائمہ سرخسی، اور فخر الاسلام علامہ بزدوی کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

مذہب سوم:۔ جمہور محدثین، متکلمین، فقہاء، معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان ارکان ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے یعنی ایمان تصدیق بالجنان، اقرار باللسان، اور عمل بالارکان کے مجموعہ کا نام ہے۔

مذہب چہارم:۔ فرقہ کرامیہ کے نزدیک ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے نجات کے لئے یہی کافی ہے چاہے تصدیق قلبی حاصل ہو یا نہ ہو۔

مذہب پنجم:۔ جہم بن صفوان اور ان کے معتقدین کے نزدیک ایمان صرف نفس معرفت رب کا نام ہے نہ اقرار باللسان شرط ہے اور نا ہی عمل بالارکان لازم ہے جس کو معرفت خداوندی حاصل ہے اور وہ اقرار لسانی سے قبل ہی وفات پاگیا تو وہ نہ صرف مومن بلکہ مومن کامل ہے۔

مذہب ششم:۔ فرقہ مرجیہ کے نزدیک ایمان صرف قلب کی تصدیق کا نام ہے ایمان کے لئے اقرار نہ شرط ہے نہ ہی جزء ہے بلکہ اعمال کے متعلق ان کا مشہور قول ہے کہ المعصية لا تضرمع الايمان۔ وقالوا إن المومن ان عصى يد خل الجنة۔

مذہب ہفتم:۔ امام احمدؒ کے نزدیک ایمان جمیع مامورات شرعیہ پر عمل کرنے اور جملہ منہیات سے بچنے کے لئے حضور کے دست مبارک پر بیعت کرنیکا نام ہے۔

مذہب ہشتم:۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان امور ثلثہ یعنی تصدیق بالقلب، اقرار باللسان، اور عمل بالجوارح کے مجموعے کا نام ہے اور یہ تینوں ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں حتیٰ کہ کوئی ایک شی بھی فوت ہو جائے تو خوارج کے نزدیک کافر ہو جائے گا اور ایمان کے دائرہ سے نکل جائے گا اور وہ مخلد فی النار ہوگا اور

ابوالحسن معتزلی اور ان کے اصحاب کے نزدیک ایمان سے نکل تو جائے گا مگر حدود کفر میں داخل نہ ہوگا بلکہ ایسا شخص ان کے نزدیک ایمان و کفر کے درمیان ہوگا چونکہ یہ لوگ منزلة بين المنزلتين کے قائل ہیں۔

مذہب نہم:۔ایمان صرف اعمال مفروضہ کی بجا آوری کا نام ہے اعمال و اقرار اور تصدیق کی ضرورت نہیں ہے مگر اسکے قائلین کون لوگ ہیں واللہ اعلم صاحب کشف الحاجہ نے بھی ناموں کی تعیین نہیں کی ہے۔

مذہب دہم:۔فرقہ قدریہ کی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ایمان معرفت الٰہی اور معرفت ماجاء بہ النبی ﷺ کا نام ہے[1]

کیا اعمال جزو ایمان ہیں ؟:۔

ایمان کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور ایمان کی تعریف کے متعلق اختلاف جان لینے کے بعد یہ بات جاننی بھی نہایت ضروری ہے کہ آیا اعمال اسلام نماز روزہ، حج زکوٰۃ صدقات و خیرات ایمان کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہیں یا بالکل ایمان سے خارج ہیں اور اگر داخل ہیں تو اسکی کیا حیثیت ہے اور اگر خارج ہیں تو اسکی کیا نوعیت ہے تو جاننا چاہئے کہ اس کے متعلق تین جماعتیں ہیں۔

اول:۔معتزلہ اور خوارج کی جماعت ہے جو اعمال کو ایمان کے لئے جز حقیقی اور اجزاء مقومہ مانتی ہے اور اعمال کو ایمان کی ماہیت میں داخل مانتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مرتکب کبیرہ باتفاق معتزلہ اور خوارج اسلام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ معتزلہ کے یہاں کفر میں داخل نہیں ہوتا ہے دنیاوی احکام کے اعتبار سے، اور خوارج کے یہاں کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور آخرت کے اعتبار سے دونوں کے یہاں مخلد فی النار ہوگا۔

دوم:۔مرجیہ اور کرامیہ کی جماعت ہے ان کے یہاں اعمال اسلام اور منہیات اسلام ایمان کے لئے نہ اجزاء مکملہ ہیں اور نہ ہی اجزاء مقومہ بلکہ اعمال ایمان سے بالکلیہ طور پر خارج ہیں ایمان کے لئے اعمال صالحہ کسی بھی حیثیت سے ضروری نہیں ہیں۔

سوم:۔اہل سنت والجماعت اور جمہور امت کی جماعت ہے کہ اعمال حقیقت ایمان سے خارج ہیں مگر کمال ایمان میں داخل ہیں اعمال ایمان کے لئے اجزاء مکملہ کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے کہ اعضاء، انسان کی حقیقت سے خارج ہیں مگر کمال انسانیت کے لئے ضروری اور اس میں داخل ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ اعمال اجزاء ایمان میں داخل نہیں ہیں علامہ

---

[1] ان مذاہب کی تفصیل دیکھئے تقریر حاوی جلد ۱ ص ۲۰۸، تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۲۶ تحفۃ الدرر ۱ ص ۹۳ کشف الحاجہ ص ۹۴۔۹۵ مرقات جلد ۱ ص ۸، ۹ ۳ نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۔۲۶

موصوف نے اس مسئلہ پر خوب دلائل فراہم کئے ہے قرآنی آیات، اور احادیث رسول سے یہ ثابت کر دکھایا کہ ایمان کا محل قلب ہے جس کی صفت صرف تصدیق ہے اس لئے ایمان صرف تصدیق ہی کا نام ہے۔

اشکال:۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ تصدیق کا محل قلب ہے اور معرفت کا محل بھی قلب ہی ہے تو ایسا ممکن ہے کہ ایمان سے معرفت الہٰی مراد ہو جیسا کہ فرقہ جہمیہ کا مذہب ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہی ہے؟

جواب:۔ ایمان سے مراد معرفت بچند وجوہ نہیں ہو سکتی ہے (۱) لفظ ایمان لغت عرب میں تصدیق ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے نہ کہ معرفت کے لئے (۲) تمام اہل کتاب، فرعون، نمرود اور دوسرے کفار کو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں معرفت حاصل تھی تاہم ان کو کوئی بھی مومن نہیں کہتا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے تصدیق نہیں کی تھی (۳) کفر ایمان کی ضد ہے اور بالمقابل مستعمل ہوتا ہے اور کفر کہتے ہیں جحود اور تکذیب کو جو قلب سے متعلق ہے لہذا ایمان سے مراد بھی تصدیق ہو گی جو قلب سے متعلق ہے۔

ایمان بسیط ہے یا مرکب؟۔

شیخ ابو منصور ماتریدی، امام غزالی ابوالحسن اشعری امام الحرمین امام ابو حنیفہؒ اور جمہور فقہاء و متکلمین کے نزدیک ایمان بسیط ہے کیونکہ ان کے یہاں ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے رہے اعمال اور اقرار تو یہ اجزاء زوائد ہیں ماہیت ایمان میں داخل نہیں ــــــ امام شافعیؒ جمہور محدثین شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام، اور علامہ بزدوی کے نزدیک ایمان مرکب ہے کیونکہ ان کے یہاں ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں ہے بلکہ عمل بالجوارح اور اقرار باللسان بھی ضروری ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف صرف اختلاف لفظی ہے نہ کہ حقیقی ہے کیونکہ جن بزرگان دین نے ایمان کو مرکب مانا ہے اور اعمال کو ایمان میں داخل مانا ہے وہ اجزاء حقیقی اور اجزاء مقومہ ہونے کی حیثیت سے نہیں کہ اس کے بغیر ایمان کا وجود ہی نہ ہو۔ بلکہ ان حضرات نے اعمال کو اجزاء مکملہ ہونے کی حیثیت سے ایمان کی تعریف میں داخل کیا ہے کہ اعمال سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جن بزرگان دین نے ایمان بسیط مانا ہے اور اعمال کو ایمان سے خارج کیا ہے وہ اجزاء مقومہ ہونے کی حیثیت سے نہ کہ اجزاء مکملہ ہونے کے اعتبار سے لہذا دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے صرف عنوان اور تعبیر کا فرق ہے اور اس فرق کی وجہ اختلاف احوال زمانہ ہے۔

اختلاف کی وجہ:۔

ہر گروہ نے اپنے اپنے زمانے کے باطل فرقوں کے مقابلے میں دینی مصلحت کی خاطر مناسب عنوان اختیار کیا، امام اعظم ابو حنیفہؒ کو زیادہ تر واسطہ معتزلہ اور خوارج سے پڑا جو اعمال صا ۔ کو حقیقت ایمان کا جزو

قرار دیتے تھے اور مرتکب کبیرہ کو خارج از ایمان اور مخلد فی النار مانتے تھے تو اس غلو اور افراط کے مقابلے میں امام صاحب نے یہ تعبیر اختیار فرمائی ــــ مگر دیگر ائمہ کرام کو زیادہ تر واسطہ مرجئہ اور کرامیہ سے پڑا جو اعمال صالحہ کو قطعاً غیر ضروری اور ایمان سے بالکل خارج اور لا تعلق سمجھتے تھے تو اس تفریط کے مقابلے میں ان کی اصلاح کے لئے دیگر ائمہ نے دوسری تعبیر اختیار فرمائی، بہر حال تمام اہل سنت کے یہاں اعمال صالحہ ایمان کا جزو ہیں لیکن جزو زائد ہیں ان کے ترک سے کمال ایمان جاتا رہیگا اور آدمی فاسق کے دائرہ میں آجائیگا تاہم نفس ایمان معدوم نہ ہوگا بلکہ مومن رہیگا اور اعمال سیئہ کی سزا بھگتنے کے بعد جنت ملے گی،

کیا ایمان کمی زیادتی کو قبول کرتا ہے؟۔

اشاعرہ، جمہور محدثین امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے۔امام غزالی، امام الحرمین جمہور فقہاء و متکلمین اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایمان کمی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا ہے ــــ یہ اختلاف در حقیقت پہلے اختلاف پر مبنی ہے امام صاحب کے نزدیک چونکہ ایمان کی حقیقت اور ماہیت صرف تصدیق قلبی ہے جو بسیط ہے اور تصدیق ایمان کے لئے ماہیت ہے لہٰذا و لا تشکیک فی الماهیات کے قاعدے کے اعتبار سے ایمان کے اندر بھی تشکیک اور کمی زیادتی نہیں ہوگی، کیوں کہ تصدیق نام ہے جمیع احکام خداوندی کے قبول کرنے اور ان پر پختہ یقین رکھنے کا، اور اس میں کمی زیادتی کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اگر کسی نے کوئی بھی حکم نہ مانا تو کفر لازم آئے گا اور اگر ذرا برابر یقین کے اندر کمی آئی تو ظن یا وہم یا شک کے دائرہ میں آجائیگا اور ایمان ختم ہو جائیگا ــــ اور محدثین میں سے امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور اعمال ایمان کی تعریف میں داخل ہیں اور اعمال کے اندر کمی زیادتی ہوتی ہے لہٰذا ایمان کے اندر بھی کمی زیادتی ہوگی خلاصہ یہ کہ یہ اختلاف بھی اختلاف لفظی ہے نہ کہ حقیقی ہے پس حنفیہ نے جو یہ فرمایا کہ ایمان کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا ہے اس سے مراد نفس ایمان اور ماہیت ایمان ہے اور جمہور محدثین نے جو یہ فرمایا کہ ایمان کمی و زیادتی کو قبول کرتا ہے تو ان کی مراد کمال ایمان ہے یعنی اعمال اور اخلاص کی وجہ سے ایمان میں کمال و جلا پیدا ہوتا ہے اور ترک اعمال سے کمال ایمان میں نقصان اور کمی آتی ہے لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

ایمان اور اسلام میں نسبت:۔

ایمان اور اسلام میں کون سی نسبت ہے یہ ایک معرکۃ الآرا بحث ہے ہم اختصار سے ذکر کرتے ہیں۔ ایمان کی لغوی و شرعی تحقیق سابق میں گذر چکی ہے اور اب اسلام کی تحقیق پیش خدمت ہے لفظ اسلام لغت میں انقیاد و اطاعت سے عبارت ہے الاسلام گردن نہادن بر طاعت، اور اصطلاح شرع میں جمیع ماجاء به

النبی کو شہادت کے دو کلمے پڑھکر قبول کرنے مامورات کو بجالائے اور منہیات سے باز رہے بعض مرتبہ اسلام کا اطلاق صرف نبی کریم ﷺ کے دین پر ہوتا ہے جیسے کہ ان الدین عند الله الاسلام۔

علماء اسلام کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ ایمان واسلام کے درمیان کیا فرق ہے اور کون سی نسبت ہے؟ اس کے متعلق چار اقوال ہیں۔

قول اول:۔

ائمہ ثلاثہ، محدثین، متکلمین، خوارج اور معتزلہ کا ہے کہ ایمان واسلام کے درمیان ترادف اور تساوی کی نسبت ہے اس قول کے دو دلائل ہیں (۱) وقال موسیٰ یقوم ان کنتم اٰمنتم باللّٰه فعلیه توکلوا ان کنتم مسلمین۔ موسیٰ نے اسی مخاطب کو ایک مرتبہ صفت ایمان کیساتھ ذکر کیا اور دوسری مرتبہ صفت اسلام کے ساتھ ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ (۲) فاخرجنامن کان فیها من المؤمنین فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین۔ اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ قوم لوط کی بستی میں بالاتفاق صرف ایک گھر مسلمان کا تھا، آیت میں ایک جگہ اسی گھر والے کو مسلمین سے اور دوسرے جگہ مومنین سے خطاب کیا گیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ہی ہے۔

قول ثانی:۔

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ امام سبکی علامہ سید زبیدی اور امام غزالی کا ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے لوگوں کے درمیان غلط مشہور ہے کہ دونوں میں ترادف یا تلازم باہمی ہے بلکہ ایمان عام مطلق ہے جو تصدیق قلبی کا نام ہے خواہ اس کے ساتھ تسلیم ظاہری ہو یا نہ ہو اور اسلام خاص مطلق ہے جو تصدیق وتسلیم کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے فکل اسلام ایمان ولاعکس مرقات ص ۵۱ ج ا۔ اس قول کی دلیل ان الدین عنداللّٰه االاسلام ہے آیت شریفہ میں لفظ اسلام دین پر بولا گیا ہے اور دین تصدیق وعمل دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

قول ثالث:۔

اکثر احناف متکلمین اور محققین علماء کا ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تغایر اور تباین کی نسبت ہے مفہوم کے اعتبار سے اور عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے وجود کے اعتبار سے، کیوں کہ ایمان نام ہے صرف تسلیم باطنی کا، اور اسلام نام ہے صرف تسلیم ظاہری کا تو اس میں ایک مادہ اجتماع کا ہوگا اور دو مادے افتراق کے ہوں گے ایک آدمی تسلیم ظاہری اور تسلیم باطنی دونوں صفتوں کے ساتھ متصف ہے جیسے تمام صحابہ کرام خصوصاً ابو بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں یہ تو مادہ اجتماع کا ہے صرف تسلیم

ظاہری ہو، تسلیم باطنی قطعاً نہ ہو جیسے عبداللہ ابن سلول، عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین وغیرہ صرف تسلیم باطنی ہو مگر تصدیق نہ ہو جیسے ابو طالب وغیرہ یہ دونوں مادہ افتراق کی مثال بنے گی ان حضرات کی دلیل قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولو اسلمنا اور حدیث جبریل ہے۔

قول رابع:۔

علامہ سید مرتضٰی زبیدی شارح احیاء العلوم کا ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تغایر فی المفہوم تلازم فی الوجود کی نسبت ہے یعنی دونوں کا مفہوم علیحدہ علیحدہ ہے جیسا کہ ابھی گذرا لیکن ان میں سے ہر ایک کا تحقق دوسرے کے تحقق کو مستلزم ہے کیوں کہ ہر ایک دوسرے کے لئے شرط ہے تو ایمان نام ہے انقیادی باطنی بشرط تسلیم ظاہری کا اور اسلام نام ہے انقیادی ظاہری کا بشرط انقیادی باطنی کا پس ایمان وہ معتبر ہے جو پھوٹ پھوٹ کر اسلام بنتا چلا جائے اور اسلام وہ معتبر ہے جو رچ رچ کر ایمان بنتا چلا جائے، یہی قول تقریبا حافظ ابن حجر اور علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایمان و اسلام کے سلسلہ میں ان کے لغوی استعمالات اور ان کے مفہوم ومراد کے متعلق حافظ ابن رجب حنبلی کا ایک قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے کہ ایمان اور اسلام میں سے جب کسی ایک فرد کو ذکر کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے لیکن جب دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جائے تو فرق ملحوظ ہوتا ہے ایمان سے قلبی تصدیق مراد ہوتی ہے اور اسلام سے انقیاد ظاہری اور فرماں برداری جس کا تعلق عمل سے ہے۔[1]

(٦١) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّنَافِسِيُّ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ اَوْسَبْعُوْنَ بَابًا اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَاَرْفَعُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کے ساٹھ (شک راوی) یا ستر دروازے ہیں اس کا ادنی دروازہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور سب سے اعلی دروازہ لا الہ الا اللہ ہے اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

تشریح حدیث:۔ الایمان بضع وستون اوسبعون بابا

[1] ان تمام تفصیلات دیکھئے تحفۃ الدر آء ص ۹۳۔۹۷ تقریر حاوی جلد ۱ ص ۲۰۸، تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۲۹ تا ۲۹ نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۔۲۶، کشف الحاجہ ص ۱۰۱۔۱۰۴

امام بخاریؒ نے اس روایت کو ابو عامر العقدی عن سلیمان سے روایت کیا ہے اس میں بغیر کسی کے بلاشک بضع وستون کا جملہ ہے، مگر امام ابن ماجہ نے جو روایت سہیل بن ابی صالح عن ابن دینار سے لی ہے اس میں بضع وستون او سبعون باباً شک راوی کے ساتھ ہے مگر امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس روایت کو بغیر شک راوی کے ذکر کیا ہے شک صرف سہیل والی سند میں ہے نیز سہیل بن ابی صالح کی ایک دوسری سند ہے جس میں بغیر شک وشبہ کے مروی ہے اسی حدیث کے دوسرے طرق میں سلیمان بن بلال ہیں جو عبداللہ بن دینار کے استاذ ہیں انہوں نے تو یقین کے ساتھ روایت کیا ہے[1]

بضع باکے فتحہ اور با کے کسرہ دونوں طرح جائز ہے مگر بکسر الباء زیادہ مشہور ہے بضعة ٹکڑے کو کہتے ہیں اور اعداد کے اندر لفظ بضع کے استعمال کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) بضع تین سے لیکر نو تک کے لئے مستعمل ہے، (۲) تین سے لیکر دس تک کے لئے مستعمل ہے (۳) دو سے لیکر دس تک کے لئے مستعمل ہے (۴) بارہ سے لیکر بیس تک کے لئے مستعمل ہے (۵) امام خلیل نحوی نے کہا کہ بضع سے عدد سبع مراد ہے دلیل فلبث فی السجن بضع سنین ہے حضرت یوسفؑ سات سال تک جیل میں رہے تھے (۶) علامہ عینی نے اس کے متعلق متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد زجاج نحوی اور امام اصمعی کے قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ بضع اعداد میں تین سے اوپر اور دس سے نیچے کی اعداد کے لئے مشتمل ہے[2]

اب یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ حدیث شریف میں مذکورہ عدد تحدید کے لئے ہے یا تکثیر کے لئے یا تقلیل کے لئے؟ محدثین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہیں کہ حدیث شریف میں ذکر کردہ عدد تکثیر کے واسطے ہے کیونکہ اہل عرب ستر کا عدد، کثرت بیان کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں قرآن کریم سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اللہ تبارک وتعالی حضور اکرم ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم اگر آپ ان منافقین کے لئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں گے پھر بھی ہم ان کی مغفرت نہیں کریں گے، یہاں سبعین کا لفظ تکثیر کیلئے ہے اب یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر حدیث میں مذکورہ عدد تکثیر کے لئے ہے تو پھر کثرت کی تعبیر کے لئے ان ہی اعداد کو کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے اعداد کی کئی قسمیں ہیں،

(۱) عدد زائد:۔ عدد زائد وہ عدد ہے جس کے اجزاء ترکیبیہ مجموعی اعتبار سے بڑھ جائیں، مثال کے طور پر آپ نے بارہ عدد کر لیا، جب بھی آپ اس کے اجزاء ترکیبی نکالیں گے تو عدد بڑھ جائیگا، مثلاً بارہ کا نصف چھ (۶) ہوگا بارہ کا ثلث چار (۴) ہوگا بارہ کا ربع چوتھائی حصہ تین (۳) ہوگا بارہ کا سدس دو (۲) ہوگا اور بارہ کا نصف سدس، ایک (۱) ہوگا پھر جب ان اجزاء کو ملائیں گے تو بارہ سے بڑھکر سولہ ہو جائیگا، تو مجموعی عدد سے بڑھ گیا اس کو عدد زائد کہتے ہیں۔

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۷ [2] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۷ [3] کشف الحاجه ۱۰۶ تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۳۹

(۲) عدد ناقص، وہ عدد ہے جس کے اجزاء ترکیبیہ مجموعی اعتبار سے کم ہو جائیں، مثال کے طور پر چار کے عدد کو لیجئے تو اس کا ربع ایک (۱) اور نصف دو (۲) ہو گا تو کل ملا کر تین ہوئے جو مجموعی عدد سے کم ہو گئے۔

عدد تام وہ عدد کہلاتا ہے جس کے اجزاء ترکیبیہ مجموعی عدد کے بالکل برابر ہوں نہ کم ہوں نہ زیادہ، مثال کے طور پر چھ کے عدد کو آپ نے لیا تو اس کے اجزاء ترکیبیہ چھ ہی آئیں گے چھ کا نصف (۳) تین اور چھ کا ثلث دو (۲) اور چھ کا سدس ایک ہو گا جو کل ملا کر پھر چھ ہی عدد ہوئے نہ کم ہوئے نہ زائد۔

عدد تام تمام اعداد میں افضل ترین عدد سمجھا جاتا ہے اس لئے مبالغہ کے وقت تام عدد ہی کو استعمال کرتے ہیں مگر مبالغہ کے وقت عدد احاد کو عشرات سے بدل کر مبالغہ کرتے ہیں لہٰذا چھ کا عدد تو احاد میں سے ہے اس لئے اس کو دہائیوں سے بدل کر چھ دہام ساٹھ بنایا اور ستون سے تعبیر کر دیا گیا اور جب عدد تمام ہوتی تو اس کو اتم اور اکمل کرنے لئے ایک اور عدد کا اضافہ کر کے سات دہام ستر سے سبعون سے مبالغہ پیدا کیا گیا ہے[۱]

امام نووی شارح مسلم، علامہ بدر الدین عینی صاحب عمدۃ القاری نے امام ابو حاتم ابن حبان کا قول ان کی کتاب وصف الایمان وشعبہ، سے نقل کیا ہے کہ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی تشریح و توضیح میں ایک مدت صرف کی ہے اور میں نے تمام طاعات الٰہیہ کو شمار کیا ہے تو مذکورہ عدد سے بڑھ گئیں چنانچہ پھر میں نے ذخیرہ حدیث کا مطالعہ کیا اور جن اعمال کو اللہ کے رسول نے ایمانیات میں شمار کیا ان کا میں نے احاطہ کیا تو حدیث میں ذکر کردہ تعداد سے وہ اعمال کم ہو گئے، پھر میں نے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا، اور جن اعمال پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ان تمام کو شمار کیا پھر بھی تعداد کم ہو گئی، تو قرآن وحدیث میں ذکر کردہ مجموعی اعمال کو شمار کیا اور مکررات کو ختم کیا تو اعمال کی تعداد ستر یا اس سے کچھ زائد نکلی، اس تتبع و تلاش کے بعد علامہ عینی نے کہا کہ حدیث میں ذکر کردہ تعداد تحدید کے لئے ہے تکثیر کے لئے نہیں، اور حدیث شریف میں کمال اجزاء کو بتلایا گیا ہے[۲]

اس حدیث شریف کو لا کر مرجئیہ وغیرہ کی تردید کرنی ہے جو اعمال کا بالکلیہ طور پر انکار کر دیتے ہیں اور اعمال کو ایمان سے لاتعلق بتلاتے ہیں اور ان کی تردید اس طرح ہوئی کہ احادیث نبویہ میں جس قدر بھی اعمال صالحہ بیان کئے گئے ہیں سب ایمان سے متعلق ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بجالانے اور اللہ کی طرف سے دیئے گئے احکامات کو مان لینے اور ان پر عمل کرنے سے ایمان میں جلا پیدا ہو گی اور ایمان اپنے کمال کے آخری درجہ پر پہنچے گا جس طرح درخت اپنی شاخوں، پھلوں اور پتوں کی وجہ سے بارونق ہوتا ہے، اسکے اندر حسن وخوبصورتی آتی ہے اور جس طرح ایک درخت شاخوں پھلوں اور پتوں کے بغیر

---

[۱] مستفاد تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۴۹، کشف الحاجہ جلد ۱ ص ۱۰۶ [۲] نووی جلد ۱ ص ۴۷ ان اعمال کی تفصیل دیکھئے نبراس میں ص ۲۶۴ – ۲۶۵ مرقات جلد ۱ ص ۷۰ – ۷۱

ناقص ہوتا ہے اسی طرح ایمان اعمال صالحہ کے بغیر ناقص رہتا ہے اور اسکی رونق ختم ہو جاتی ہے اس لئے مرجیہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا یہ کہنا کہ اعمال صالحہ ترقی ایمان اور زیادتی ایمان کے لئے ضروری نہیں ہیں اور بد عملی، معصیت و منکر امر ایمان پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے غلط ہے قرآن کریم میں جابجا اعمال صالحہ کرنے کی ترغیب اور معصیات و منکرات سے. اجتناب کرنے کی شدید تاکید آئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ کا تعلق ایمان سے ضرور ہے۔

سوال۔یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض روایات میں سبعون اور بعض میں ستون آیا ہے چنانچہ بخاری کی روایت میں ستون کا لفظ بغیر شک راوی کے آیا ہے تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک کلام میں تعارض کا ہونا غیر ممکن ہے پھر اس کی کیا توجیہ ہوگی؟

جواب:۔(۱) دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو پہلے اقل کا علم دیا گیا ہو تو اس وقت آپ نے ستون فرمایا بعد میں اکثر کا علم عطا کر دیا گیا تو پھر سبعون فرمایا لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے (۲) حدیث شریف میں عدد سے مراد تحدید نہیں ہے بلکہ تکثیر کو بیان کرنا مقصود ہے کیوں کہ کسی چیز کی کثرت کو بیان کرنے کے لئے ستر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ میں تم کو ستر بار سمجھا چکا ہوں مگر پھر بھی تم نہیں مانتے ہو تو یہاں ستر سے مراد کثرت کو بیان کرنا ہے نہ کہ تحدید، اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے (۳) ایمان کے بعض اعمال ایسے ہیں کہ جو دیگر بعض اعمال کے ساتھ مشابہ ہیں تو جن صحابہؓ نے مشابہات کو الگ الگ شمار کیا انہوں نے زیادہ بیان کیا اور جن صحابہؓ نے مشابہات کو الگ الگ شمار نہیں کیا انہوں نے کم تعداد بتائی ہے لہذا ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے (۴) چوتھا جواب امام نوویؒ دیتے ہیں کہ عدد قلیل عدد کثیر کے منافی نہیں کیوں کہ عدد قلیل عدد کثیر کے ضمن میں داخل ہے۔

وارفعها لااله الاالله

بعض روایات میں ارفعها کے بجائے افضلها کا لفظ آیا ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے جب ایمان کے ستر شعبے ہیں تو ان میں سے سب سے افضل ترین شعبہ لاالہ الااللہ ہے اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ بہترین ذکر لااله الا الله ہے اور اس کے افضل ترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جب لاالہ الااللہ پڑھ لیتا ہے تو اب اس کی جان و مال سب شرعاً محفوظ ہو گئے اور حدیث میں لاالہ الااللہ سے مراد صرف یہی جز ہے محمد رسول اللہ مراد نہیں ہے ایسا نہیں جیسا کہ بعض محدثین کا کہنا ہے محمد رسول اللہ بھی اس میں داخل ہے۔

ادناها اماطة الاذی عن الطریق

اس جز کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ادناها کا مطلب یہ ہے اس کا حصول نہایت

آسان ہے ہر کس وناکس اس کار خیر کو کر کے ثواب حاصل کر سکتا ہے اس کے کرنے میں کسی قسم کی کوئی دقت اور پریشانی بھی نہیں ہے بلکہ راہ چلتے چلتے اگر راستے میں تکلیف دہ چیز پڑی مل جائے مثلا کانٹا، کیلے کے چھلکے یا کوئی پتھر یا اور گندگی تو اس کو ہر آدمی ہٹا سکتا ہے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے یا اس کا مطلب یہ ہے اس کام کو کرنا نہایت آسان اور سہل ہے۔

والحیاء شعبة من الایمان

حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے اس لئے کہ حیاء تمام اخلاق حسنہ ،اعمال صالحہ ،اوصاف حمیدہ، عادات فاضلہ اور تمام شعب ایمانیہ کیلئے محرک وباعث اور منبع ومصدر ہے کیوں کہ جس کے اندر حیاء ہوتی ہے وہ دنیا وآخرت کی رسوائی اور ذلت سے بچنے کے لئے تمام منکرات شرعیہ اور ممنوعات اسلامیہ سے اجتناب کرتا ہے اور تمام اعمال اور جملہ مامورات الہیہ کو دل وجان سے بجالاتا ہے۔ حیاء لغت میں اس تغیر وانکساری سے عبارت ہے جو بخوف عیب وملامت آدمی کو پیش آتی ہے اور حیاء شریعت کی اصطلاح میں ایک خاص قسم کی کیفیت ہے جس سے انسان گناہوں کے ارتکاب سے باز رہتا ہے اور اعمال صالحہ کی بجاآوری پر آمادہ ہوتا ہے۔

سوال:۔ بعض مرتبہ کافروں میں بھی حیاء ہوتی ہے کیوں کہ وہ لوگوں کے درمیان وطی نہیں کر سکتے لوگوں کے سامنے ننگے نہیں ہو سکتے ہیں لہذا کافروں میں بھی ایمان کا شعبہ پایا گیا حالانکہ ایسا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں (۱) حیاء نفسانی طبعی "وہ احساس وندامت ہے جو کسی قابل ملامت یا قابل عیب چیز کے ارتکاب سے پیدا ہوتا ہے الحیاء النفسانی هو الذی خلقه الله تعالی فی النفوس وهو تغیر وانکسار یعتری المرء من خوف مایلام ویعاب علیه [۱]

(۲) حیاء ایمانی حقیقی۔ وہ قوت وملکہ ہے جو انسان کو منکرات ومنہیات سے روکتا ہے اور مامورات کی بجاآوری پر ابھارتا ہے اور یہ صفت مومن ہی میں پائی جاتی ہے هو خلق یمنع الشخص من القبیح بسبب الایمان [۲] وقال البعض الحیاء ملکة تمنع الانسان من ترك الطاعات وارتکاب المعاصی والفواحش بسبب الایمان [۳]

ادناها اماطة الاذی الخ سے اس جانب اشارہ ہے کہ مومن علۃ الناس کے لئے مفید ہے اور بذات خود نظافت پسند بھی ہے جب وہ کسی تکلیف دہ چیز کا وجود بھی گوارہ نہیں کر سکتا تو دوسروں کی تکلیف کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے اسطرح امن پسندی جو مومن کے لئے ایک طرۂ امتیاز اور خاص وصف ہے اس شان کے ساتھ اس میں نمایاں ہوتی ہے۔

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۷۰ [۲] مرقات جلد ۱ ص ۷۰ [۳] تحفۃ المرآۃ ص ۱۱۰

رجال حدیث:۔

علی بن محمد بن اسحاق الطنافسی۔ ثقہ راوی ہیں[1]

سہیل بن ابی صالح ذکوان السمان ابو یزید المدنی، صدوق راوی ہیں آخری زندگی میں قوت حافظہ خراب ہو گیا تھا[2]

عبداللہ بن دینار الاسدی ابو محمد الحمصی ضعیف راوی ہیں[3]

(٦٢)حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ ثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الاَحْمَرُ عَنْ ابْنِ عَجْلَانَ (٦٣)ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُوبْنُ رَافِعٍ ثَنَاجَرِيْرٌ عَنْ سُهَيْلٍ جَمِيْعاً عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ نَحْوَهُ.

(٦٤)حَدَّ ثَنَاسَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ اَبِیْ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ ثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِیِ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعَ اَلنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يَعِظُ اَخَاهُ فِی الْحَيَاءِ فَقَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ شُعْبَةٌ مِنَ الْاَيْمَانِ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو اپنے بھائی سے حیاء کے متعلق نصیحت کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

تشریح حدیث:۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے بعض حدیث میں الحیاء من الایمان بعض میں الحیاء لایاتی الا بخیر اور بعض میں الحیاء کله خیرا وخیرکله کا لفظ آیا ہے اس روایت پر امام نووی علیہ الرحمہ نے ایک اشکال کیا ہے پھر اس کا جواب دیا ہے اشکال یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ حیاء تمام کی تمام خیر ہی ہے اور حیاء صرف خیر ہی لاتی ہے حالانکہ بعض مرتبہ حیاء دار آدمی اپنی حیاء کی وجہ سے حق کا سامنا نہیں کر پاتا ہے جس کے نتیجے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دے پاتا ہے اسی طرح حیاء بعض مرتبہ آدمی کو حقوق تلفی کے طرح لے جاتی ہے جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے۔ پھر الحیاء خیرکله کا جملہ کس طرح صادق آئے گا۔ امام نووی نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مانع جس کو آپ نے ذکر کیا ہے وہ فی الحقیقت حیاء ہے ہی نہیں بلکہ عاجزی اور بے بسی ہے جس کو لوگوں نے عرف میں حیاء کا نام دیدیا ہے مشابہت کی وجہ سے، حیاء حقیقی شرعی تو یہ ہے کہ آدمی کے اندر ایسی صفت پیدا ہو جائے کہ جو امور قبیحہ کے ترک کا داعی

---

[1] تقریب ص ۱۸۶ [2] تقریب ص ۱۰۵ [3] تقریب ص ۱۲۸

ہواور صاحب حق کی حقوق تلفی سے روک دے، یہی جواب شیخ ابو عمرو بن صلاح اور دیگر ائمہ کرام نے دیا ہے [۱]
اور حدیث باب کا مطلب تو ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کو سمجھا رہا ہے اور حیاء اسے روک رہا ہے اس کو پندو نصیحت سے حیاء چھوڑنے پر مجبور کر رہا ہے اپنے بھائی کو ڈانٹ ڈپٹ رہا ہے حضور اکرم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا حیاء سے مت روکو یہ کوئی بری صفت نہیں ہے بلکہ حیاء تو ایمان کا جز ہے جو ہر مومن کے اندر ہونا چاہیے، آج جو انسانوں سے طرح طرح کی معصیات و منکرات وجود میں آرہی ہیں اس کی واحد وجہ حیاء کا فقدان ہے انسان آدمی سے نہیں شرماتا ہے جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اس لئے کہا گیا اذا فاتك الحياء فافعل ماشئت ۔ یعنی حیاء فوت ہونے کے بعد انسان جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی عار محسوس نہیں کرتا ہے الغرض اس حدیث میں صفت حیاء کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ترغیب ہے، اور مرجئیہ کرامیہ وغیرہ کی تردید بھی،

رجال حدیث:۔

ابو خالد الاحمر ان کا نام سلیمان بن حیان الازدی ابو خالد کنیت ہے صدوق راوی ہیں [۲]
محمد بن عجلان المدنی صدوق راوی ہیں [۳]
عمرو بن رافع بن الفرات القزوینی البجلی ثقہ راوی ہیں [۴]
الزہری۔ یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ ابن الحارث بن زہرۃ بن کلاب القرشی الزہری ہیں کنیت ابو بکر ہے محدثین ان کی جلالت شان پر متفق ہیں [۵]

(٦٥) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ
(٦٦) ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُوْنِ الرَّقِّيُّ ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے کسی ذرہ برابر کبر ہوگا اور وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

---

[۱] نووی شرح مسلم جلد اص ۴۷ [۲] تقریب ص ۹۹ [۳] تقریب ص ۲۲۸ [۴] تقریب ص ۱۹۳ [۵] تقریب ص ۲۳۳

تشریح حدیث:۔

لا یدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من خردل من كبر۔

ذَرَّۃٌ ذُرَرٌ کا واحد ہے ذرر چھوٹی سرخ چیونٹی کو کہتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ذرہ شئ کے اس قلیل اور حقیر جزو کو کہتے ہیں جس کا کوئی وزن ہی نہیں ہوتا ہے سورج کی کرنوں میں قوت باصرہ سے صرف محسوس ہوتا ہے[1]

خردل واحد خردلة رائی، مراد رائی کا دانہ [2]

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے کبر کی حرمت اور ایمان کی عظمت شان کو بیان کیا ہے چنانچہ کبر کی قباحت وشناعت کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبر اتنا بڑا اور سنگین گناہ ہے کہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کے دل میں کبر ہوگا تو جنت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ کبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کبریائی اللہ کی شان ہے متکبر آدمی تکبر کر کے اللہ تعالیٰ کی صفت میں شرکت کا دعوی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرکت کا دعوی کرنا انتہائی سنگین گناہ ہے اس لئے متکبر آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ یہ حدیث معتزلہ اور خوارج کی تائید میں ہو جائے گی جو مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج اور مخلد فی النار قرار دیتے ہیں؟ امام خطابی نے فرمایا کہ یہ حدیث خوارج اور معتزلہ کے مذہب کی تائید میں نہیں ہے بلکہ دیگر تمام نصوص واحادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث شریف کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) تکبر سے مراد ایمان سے اعراض ہو تو اس صورت میں تو حدیث اپنی حقیقت پر محمول ہوگی کہ عدم دخول جنت سے عدم دخول تابیدی مراد ہے کیوں کہ ایمان سے روگردانی کرنے والا کافر ہوگا اور مخلد فی النار ہوگا جنت میں کبھی بھی داخل نہیں ہوگا (۲) دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ دخول جنت کے وقت اس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر نہ ہوگا بلکہ کبر سے بالکل پاک وصاف ہو کر جنت میں داخل ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کا ارشاد ہے **ونزعنا فی صدورهم من غل**[3]۔

علامہ خطابی کے ان دونوں جوابوں کو علامہ نووی شارح مسلم نے مخدوش قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ جواب حدیث کے سیاق وسباق کے بالکل منافی ہے بلکہ صحیح جواب وہ ہے جو قاضی عیاض اور دوسرے محققین علماء نے دیا ہے کہ (۱) اگر متکبر آدمی کو اسکا بدلہ دیا جائے تو عدم دخول جنت ہے تاہم دوسرے مرتکب کبیرہ کے طرح یہ شخص بھی فضل الٰہی کا متوقع ہے (۲) متکبر شخص اپنے گناہ کی سزاء بھگتے بغیر جنت میں داخل نہ

---

[1] نبراس ص ۱۴۱ ، [2] مصباح اللغات ص ۱۹۶ [3] نووی شرح مسلم جلد ا ص ۶۶

ہوگا اور عدم دخول جنت سے عدم دخول اولی مراد ہے۔(۳) ایسا شخص اول وہلہ متقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا[۱]

ولا یدخل النار من کان فی قلبه الخ:۔

حدیث شریف کے اس ٹکڑے سے ایمان اور اسکی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ مومن خواہ کتنا ہی معصیت میں گرفتار ہو اور گناہوں تلے دبا ہوا ہو اگر اس کے قلب میں تصدیق حاصل ہے اور ایمان موجود ہے تو وہ ضرور بالضرور جنت میں جائیگا اور ایک نہ ایک دن ضرور جہنم سے نجات پائے گا، حدیث شریف کے اس ٹکڑے سے فرقہ معتزلہ اور خوارج پر رد مقصود ہے جو مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار قرار دیتے ہیں حدیث صاف بتارہی ہے کہ آدمی معصیت کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا ہے بلکہ ایمان باقی رہتا ہے اور اسی ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔[۲]

سوال۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ صاحب ایمان بھی جہنم میں جائے گا اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مومن جہنم میں نہیں جائیگا تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا حالانکہ کلام رسول میں تعارض نہیں ہوتا ہے؟

جواب۔ اس تعارض کا دفعیہ یہ ہے کہ جن روایات میں یہ آیا ہے کہ گناہ گار مومن جہنم میں جائیگا اس کا مطلب یہ ہے کہ تزکیہ کے لئے جائے گا اور گناہ کے میل وکچیل صاف کرنے کیلئے جائیگا ابد الآباد کیلئے اس کا دخول نہ ہوگا اور جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مومن جہنم میں داخل نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے نہیں جائے گا اگر کچھ دن کیلئے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لھذا دونوں میں تعارض باقی نہ رہا۔ حدیث شریف کا تعلق کتاب الایمان سے بالکل ظاہر ہے۔

رجال حدیث:۔

علی بن میمون الرقی العطار ثقہ راوی ہیں۔[۳]

سعید بن مسلمہ بن ہشام بن عبد الملک بن مروان الاموی، ضعیف راوی ہیں[۴]

علقمہ بن وقاص اللیثی المدنی کبار تابعین میں سے ہیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انھیں رسول ﷺ کی صحبت حاصل تھی غلط ہے اور کہا گیا ہے ان کی ولادت عہد نبوت میں ہو چکی تھی[۵]۔

[۱] نووی شرح مسلم جلد ا ص ٦٦ [۲] مستفاد نبراس شرح عربی شرح عقائد ص ۲۴۱ [۳] تقریب ص ۱۸٦ [۴] تقریب ص ۵۹۴ [۵] تقریب ص ۱۸۲

(٦٧) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَلَّصَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ النَّارِ وَأَمِنُوْا فَمَا مُجَادَلَةُ أَحَدِكُمْ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَقِّ يَكُوْنُ لَهُ فِي الدُّنْيَا أَشَدَّ مُجَادَلَةً مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِرَبِّهِمْ فِي إِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ أُدْخِلُوا النَّارَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا إِخْوَانُنَا كَانُوْا يُصَلُّوْنَ مَعَنَا وَيَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيَحُجُّوْنَ مَعَنَا فَأَدْخَلْتَهُمُ النَّارَ فَيَقُوْلُ اذْهَبُوْا فَأَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ مِنْهُمْ فَيَأْتُوْنَهُمْ فَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِصُوَرِهِمْ لَا تَأْكُلُ النَّارُ صُوَرَهُمْ فَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ النَّارُ إِلٰى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ إِلٰى كَعْبَيْهِ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرَجْنَا مَنْ قَدْ أَمَرْتَنَا ثُمَّ يَقُوْلُ أَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ دِيْنَارٍ مِنَ الْإِيْمَانِ ثُمَّ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ نِصْفِ دِيْنَارٍ ثُمَّ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ فَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْ هٰذَا فَلْيَقْرَأْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ مؤمنین کو (حساب وکتاب کے بعد) جہنم سے نجات دیگا اور وہ مامون ہو جائیں گے تو (ان کا اللہ تعالیٰ سے اتنا سخت نزاع اور مجادلہ ہوگا کہ) تم دنیا میں آپس میں بھی کسی حق پر اتنا سخت نہ جھگڑے ہو گے جتنا کہ (اس روز) مومنین اپنے دوزخی بھائیوں کے متعلق جھگڑیں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (مومنین دلیل پیش کرتے ہوئے) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار وہ ہمارے ہی بھائی ہیں وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے روزہ رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے اور آپ نے انہیں دوزخ میں داخل کر دیا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ جس کو تم پہچانتے ہو نکال لو، مؤمنین ان (جہنمی بھائیوں) کے پاس آئیں گے اور ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے جہنم ان کی صورتوں کو کھائی نہ ہوگی پس ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے کہ جن کی صرف نصف پنڈلیوں تک آگ اثر انداز ہوگی اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنکی ٹخنوں تک آگ جلائے ہوئے ہوگی، مؤمنین ان کو نکال لیں گے پھر اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ اے ہمارے پروردگار جن کے بارے میں آپ نے ہمیں حکم دیا ہم نے ان سب کو نکال لیا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں جن کے دل میں ایک دینار کے برابر ایمان ہے ان کو نکال لو، پھر

فرمائیں گے جن کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی ایمان ہے (ان کو نکال لو) پھر فرمائیں گے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو (ان کو نکال لو) ابوسعید کہتے ہیں کہ جو اس کی تصدیق نہ کرے اسے چاہئے کہ یہ آیت پڑھ لے ان الله لا يظلم مثقال ذرة الخ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کریں گے اور اگر کوئی نیکی ہے تو اسے دوگنا کردیں گے اور اپنی طرف سے بڑا اجر دیں گے۔

تشریح حدیث:۔

واذاخلص الله المومنين من النار

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن جب مومنین اپنے حساب وکتاب سے فارغ ہوجائیں گے اور اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف وکرم سے انہیں دوزخ سے خلاصی عطا کریں گے تو ان کو سب سے زیادہ فکر اپنے ان مسلمان اور مومن بھائیوں کے بارے میں دامن گیر ہوگی جو تاہنوز دوزخ میں جل رہے ہوں گے اور انہیں اب تک نجات نہ ملی ہوگی تو مومنین مخلصین بارگاہ خداوندی میں مسلسل اصرار اور التجاء کریں گے جو بظاہر مجادلہ اور منازعہ کی شکل میں ہوگا جس طرح بچہ اپنے والدین سے مجادلہ کرتا ہے تو والدین خوش ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ مومنین کے مجادلے سے خوش ہوں گے اور ان کی درخواست کو قبول فرماکر انہیں اجازت دیدیں گے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو جہنم سے نکال لیں چنانچہ یہ لوگ انہیں جہنم سے نکالیں گے۔
حدیث پاک میں جہاں مومنین کی محبوبیت کا پتا چلتا ہے وہیں اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت وشفقت بھی بدرجہ اتم ظاہر ہوتی ہے ورنہ چھوٹے کیکیا مجال کے بڑوں کے سامنے مجادلہ کرے، یہ مومنین کی عنداللہ کمال محبوبیت کی بات ہے کہ وہ اللہ رب ذوالجلال کے سامنے اس طرح منازعہ کریں گے اور اپنے مومن بھائیوں کے لئے شفارش کریں گے اور یہ درحقیقت مؤمنین کے لئے کمال اخوت اور کل مومن اخوة کا ایک شاندار مظاہرہ ہے کہ آخرت میں اپنے مؤمن بھائیوں کو فراموش نہ کریں گے بلکہ خیال یہ ہوتا ہے کہ اخوت وبھائی چارگی کا بہترین مظاہرہ آخرت ہی میں ہوگا کیونکہ دنیا جس طرح اخلاق حسنہ اوصاف حمیدہ کا جائے ظہور ہوتی ہے اسی طرح بغض وحسد ،نفرت وعداوت بھی جائے صدور ہے لیکن آخرت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔
ونزعنا مافی صدورهم من غل ۔لہذا اخوت کا شاندار مظاہرہ آخرت ہی میں ہوگا۔

اخرجوامن كان فى قلبه وزن دينار ثم الخ

اس جملے سے معلوم ہوا کہ ایمان کے اندر کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور ایمان اعمال صالحہ کی وجہ سے بڑھتا ہے اور معصیات ومنکرات کی وجہ سے ایمان میں نقص آتا ہے مگر واضح رہے کہ یہ کمی وزیادتی جو ایمان میں ہوتی ہے وہ نفس ایمان میں نہیں ہوتی ہے جو تصدیق قلبی کا نام ہے بلکہ کمال ایمان میں ہوتی ہے مطلب یہ

ہے کہ اعمال صالحہ اور ماموراتِ خداوندی کو بجالانے سے ایمان میں جلا اور کمال پیدا ہوتا ہے اور احکام خداوندی کو فرو گذاشت کرنے سے وہ کمال باقی نہیں رہتا ہے بلکہ ختم ہو جاتا ہے اور ایمان جو حقیقت میں اللہ کے ساتھ ایک عہد کا نام ہے علی حالہ باقی رہتا ہے۔

اس حدیث شریف میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان کسی وجہ سے جہنم میں جائیں گے وہ اپنے تفاوت مراتب اور فرق ایمان ہی کے اعتبار سے فضل خداوندی اور عنایت باری کے مستحق ہوں گے اور اسی فرق مراتب کے اعتبار سے جہنم سے خلاصی ملے گی۔

رجال حدیث:۔

زید بن اسلم العدوی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو اسامہ ہے آپ ثقہ راوی ہیں[1]

عطاء بن یسار الہلالی کنیت ابو محمد ہے مدینہ کے باشندے تھے اور آپ ثقہ راوی ہیں[2]

ابو سعید خدری، نام سعد بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری ہے ابو سعید کنیت ہے آپ ایک جلیل القدر صحابی ہیں آپ سے بہت سی روایتیں مروی ہیں[3]

(٦٨) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ وَكَانَ ثِقَةً عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الإِيمَانَ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهِ إِيمَاناً.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جندب بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نو عمری عنفون (شباب) ہی سے نبی ﷺ کے ساتھ تھے پس ہم لوگوں نے قرآن کریم سیکھنے سے پہلے ایمان سیکھا پھر جب ہم نے قرآن کریم سیکھا تو اس سے ایمان میں اضافہ ہوا۔

تشریح حدیث:۔

فتیان جمع۔ واحد فتی نوجوان مرد۔ حزاور، واحد حزورة حا کے فتحہ کے ساتھ جمع حزاور۔ اور اس کو بعض علماء نے بتشدید الزاء پڑھا ہے تعلمنا فعل ماضی جمع متکلم کا صیغہ از تفعیل۔ سیکھنا، فازددنا من افتعال مصدر ازدیاد، اضافہ ہونا بڑھنا،

فتعلمنا الایمان الخ حضرات صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عقائد کی درستگی

---

[1] تقریب ص ۸۴ [2] تقریب ص ۱۷۹ [3] تقریب ص ۸۹

اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اولیں واجبات خداوندی میں سے ہیں عقائد کی پختگی کے بعد ہی احکام الٰہی کا مکلف انسان بنتا ہے اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول نیز ایمان بماجاء به الرسول کے بعد ہی دیگر عبادت مقام قرب کو پہونچتی ہے اور عنداللہ مقبول ہوتی ہے ایمان کے بغیر کوئی عبادت اللہ کے نزدیک شرف قبولیت سے نہیں نوازی جاتی ہے اسلئے اولاً ایمان لانا عقائد کو پختہ کرنا لابدی ہے۔

فلزددنا به ایماننا.

اس جملے میں ایمان میں زیادتی سے مراد قوت ایمانی میں ترقی ہے اور عقائد واحکام اور مؤمن به کا تفصیلی علم ہے نفس ایمان جو ایک حقیقت اور ماہیت ہے جو تصدیق قلبی سے عبارت ہے اسمیں زیادتی مقصود نہیں ہے اسلئے کہ نفس ایمان اور ماہیت ایمان کے اندر تجزی اور تشکیک نہیں ولاتشکیک فی الماهیات ہاں مؤمن به میں تجزی ہے اس لئے زیادتی سے مراد عقائد مؤمن به کی تفصیل یا مومن به کی تعداد میں اضافہ مراد ہے [۱]

رجال حدیث:۔

حماد بن نجیح نام کے دو راوی ہیں ایک حماد بن نجیح الاسکاف السدوسی ہیں جنکی کنیت ابو عبداللہ ہیں بصرہ کے باشندہ تھے یہ تو صدوق ہیں دوسرے حماد بن نجیح القصاب الرازی ہیں جو ضعیف ہیں [۲]

وکان ثقة کا جملہ دلالت کر رہا ہے کہ اول الذکر راوی مراد ہے۔

عبدالملک بن حبیب الازدی ابو عمران الجونی کنیت ہے اور کنیت ہی سے آپ معروف ہیں آپ ثقہ راوی ہیں [۳]

جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی ثم العلقی صحابی رسول ہیں [۴]

(٦٩) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ نِزَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صِنْفَانِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ اَلْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے (۱) مرجیہ (۲) قدریہ،

تشریح حدیث:۔

لیس لهما فی الاسلام نصیب.

[۱] استفاد کشف الحاجہ [۲] تقریب ص ۶۴ [۳] تقریب ص ۱۶۴ [۴] تقریب ص ۴۴

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری امت میں سے دو جماعت ایسی ہوں گی جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور وہ مرجیہ اور قدریہ ہے۔ بعض علماء امت نے ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے ان دونوں فرقوں کی تکفیر کی ہے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے مگر امت کے سواد اعظم اور جمہور محدثین نے تکفیر نہیں کی ہے اور فرمایا کہ لیس لهما فی الاسلام نصیب سے مقصود نفس نصیب کی نفی نہیں ہے بلکہ حظ کامل اور نصیب وافر کی نفی مقصود ہے، اور اس قول کی تائید ترمذی کی روایت سے بھی ہوتی ہے ترمذی میں من هذه الامة کے بجائے من امتی کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کی امت میں داخل تو ہیں اور داخل ہوتے ہوئے یہ دونوں فرقے وجود میں آئیں گے اور اسلام میں ان فرقوں کا حصہ کامل نہ ہوگا اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے لیس للبخیل من ماله نصیب کہ بخالت پسند کے لئے خود اس کے مال میں کوئی حصہ نہیں ہے اسی طرح مرجیہ اور قدریہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے ان کو اسلام سے معتد بہ حصہ نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کفر سے کفر تاویلی مراد ہے نہ کہ کفر ارتدادی چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت پر علماء محدثین کا کلام ہے لہٰذا متکلم فیہ حدیث سے کسی کا کفر ثابت نہیں ہو سکتا ہے[۱]

حدیث شریف کی یہ تاویل اس لئے کرنی پڑی کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے خواہ وہ بدعتی اور مرتکب کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ اہل حق کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کی اس کے گناہ کے سبب ہم تکفیر نہیں کریں گے۔ حافظ ابن حجر نے اس قول کی تصویب فرمائی ہے۔ واعلم ان مذهب الحق انه لایکفر احد من اهل القبلة بذنب ولایکفر اهل الاهواء والبدع الخ[۲]

تکفیر مسلم کتنا بڑا سنگین گناہ ہے اور کسی مسلمان کی تکفیر کے متعلق فقہاء کرام علماء امت اور محدثین کیا فرماتے ہیں اس کی تفصیل احقر کی تالیف، برق آسمانی بر فرقہ رضاخانی، کے باب دوم میں ملاحظہ کیجئے۔

المرجیة والقدریة

مرجیہ ایک گمراہ فرقہ ہے مگر یہ کون لوگ ہیں اس کے مصداق کون ہیں؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے ابن الملک کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مرجیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام افعال عباد من جانب اللہ متعین ہے بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہے بندہ تو مجبور محض ہے اور جس طرح کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ہے اسی طرح ایمان کے ساتھ معصیت بھی کوئی نقصان

---

۱ مرقات جلد ۱ ص ۱۷۷ تحفۃ الاحوذی ۳ ص ۱۶۳ مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۱۶۱ کشف الحاجہ ص ۱ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۱۲ ۲ نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۳۶ کذا فی المرقات جلد ۱ ص ۱۷۷ شرح عقائد ص ۱۰۹

نہیں دیتی ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ مرجئیہ وہ فرقہ ہے جو ایمان کو قول بلا عمل بتلاتا ہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل کا کوئی دخل ہی نہیں ہے یہی قول علامہ محمود البشیتی نے الفرق الاسلامیہ میں لکھا ہے اورا س پر ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ هم الذين يقولون الايمان كلام مرجئیہ وہ جماعت ہے جو محض کلام کے ذریعے ایمان کی تعریف کرتے ہیں اور عمل کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاری نے علامہ طیبی کے قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرجئیہ در حقیقت جبریہ ہی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ مجبور محض ہے بندے کو نہ تو خلق افعال کا اختیار ہے نہ کسب افعال کا اختیار ہے اور بندے کی طرف جو افعال منسوب ہیں وہ ایسا ہی ہے جس طرح افعال کی اضافت جمادات کی طرف ۱؎

قدریہ بھی اسلامی گمراہ فرقوں میں ایک فرقہ ہے جو تقدیر الٰہی کا منکر ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے سے جو افعال صادر ہوتے ہیں اس میں قضاء و قدر کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ ہی افعال کا خالق بھی ہے اور کاسب بھی، تقدیر الٰہی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ علامہ عبدالکریم شہر ستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ قدریہ معتزلہ ہی کا لقب ہے اور یہ لوگ قدریہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ہم تقدیر کی اچھی بری باتوں پر ایمان لاتے ہیں اس وجہ سے ہم قدریہ ہیں مگر یہ امر واضح ہو کہ یہ تاویل رکیک حدیث القدرية مجوسى هذه الامة سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ۲؎ باقی ہم قدر کی بحث باب القدر میں انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ کریں گے۔

فرقہ مرجئیہ کا بانی کون ؟:۔

اس فرقہ کے موجد و بانی کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے ارجاء کا عقیدہ اختراع کیا وہ حسن بن محمد الحنفیہ ہے لیکن اسکی سوانح حیات میں ملتا ہے کہ یہ عمل کو ایمان سے بالکل علیحدہ نہیں گردانتا تھا بلکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اعمال کی بجا آوری اور ترک معصیت جزو ایمان نہیں ہے بعض لوگوں نے کہا کہ حسن بن بلال مرنی نامی شخص نے اس عقیدہ کو گھڑا تھا، اور بعض لوگوں نے کہا کہ سب سے پہلے اس فرقہ کا بانی ابو سلت سمان ہے جسکی وفات ۱۵۲ھ میں ہوئی ہے۔

جس طرح قدریہ معتزلہ اور خوارج کے مختلف فرقے ہیں اسی طرح مرجئہ کے بھی کچھ فرقے ہیں ثوبانیہ، ضراریہ اسی فرقہ کی ایک شاخ ہے جن کے عقائد قدرے جزوی طور پر بدلے ہوئے ہیں ــــ اس بحث کے ذیل میں شیخ عبدالکریم شہر ستانی نے لکھا ہے کہ ارجاء کے دو معنی آتے ہیں (۱) ارجاء بمعنی تاخیر چنانچہ کہا جاتا ہے ارجه اخاه اى امهله واخره یعنی تو اس کو مہلت دے اور پیچھے کردے (۲) اعطاء

۱؎ مرقات جلد ۱ ص ۷۷ الفجہ اللمعات جلد ۱ ص ۱۱۲ کشف الحاجہ ص ۱۵ مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۱۶۱ ۲؎ مرقات جلد ۱ ص ۷۷ الفجہ اللمعات جلد ۱ ص ۱۱۲ مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۱۶۱ الملل والنحل جلد ۱ ص ۱۸۶ مطبع سوالخضار القدیم بمصر ۱۳۱۷ھ

الرجاء امید دلاتا ہے یہاں ارجاء کے دونوں ہی معنی مراد لیے جاسکتے ہیں پہلے معنی کے اعتبار سے ان کو مرجیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ عمل کو قصد ونیت سے موخر قرار دیتے ہیں اور بالمعنی الثانی مرجیہ کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ایمان ہوتے ہوئے معصیت کو نقصان دہ نہیں سمجھتے ہیں جیسا کہ ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے طاعت مفید نہیں ہوسکتی ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ارجاء کا مطلب ہے تاخیر الحکم الی یوم القیامۃ یعنی مرتکب کبیرہ کے معاملہ کو قیامت تک کے لئے موخر کردینا اور اس سے پہلے اس کے متعلق جنت وجہنم کا کوئی حتمی فیصلہ نہیں کریں گے تو گویا اس معنی کے اعتبار سے مرجیہ اور وعیدیہ دو متقابل فرقے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے ارجاء کے معنی کچھ اور بیان کئے ہیں کہ ارجاء کا مطلب یہ ہے حضرت علیؓ کو درجہ اول سے اتار کر درجہ چہارم میں رکھنا اس معنی کے اعتبار سے مرجیہ اور شیعہ دو باہم متقابل فرقے ہوگئے اور مرجیہ کی بنیادی فرقے کل چار ہیں (۱) مرجیۃ الخوارج (۲) مرجیۃ القدریہ (۳) مرجیۃ الجبریہ (۴) مرجیۃ الخاصہ،

اور غلاۃ مرجیہ کی دو جماعت ہیں (۱) محمد بن اکرام السجستانی اور ان کے اصحاب کی جماعت ہے جن کے یہاں ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے اگرچہ دل میں کفر وشرک ہی کا اعتقاد کیوں نہ ہو وہ مومن کامل اور اللہ کا ولی ہوگا اور اہل جنت میں سے ہوگا (۲) ابو محرز جہم بن صفوان السمرقندی کی جماعت ہے جن کے نزدیک ایمان صرف عقد قلب کا نام ہے لہذا اگر کوئی زبان سے کفر کا اعلان کرے، بتوں کی پرستش کرے، دارالاسلام میں یہودیت ونصرانیت کو لازم جانے عقیدۂ تثلیث کا قائل ہو اور اسی حالت میں موت ہوجائے پھر بھی ایسا شخص مومن کامل اور حقدار جنت ہوگا [۱]

رجال حدیث:۔

علی بن نزار بن حیان الاسدی الکوفی ضعیف ہیں [۲]

عکرمہ ابن ابی جہل ابی ہشام المخزومی فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا [۳]

ابن عباس۔ یہ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں جن کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

(۷۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ كَهْمَسِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنَّا جُلُوساً عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ شَعْرِ الرَّأْسِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ سَفَرٍ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ قَالَ فَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَهُ إِلَى رُكْبَتِهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الْإِسْلَامُ؟

---

[۱] الملل والنحل جلد ۴ ص ۲۰۴ [۲] تقریب ص ۱۸۶ [۳] تقریب ص ۱۸۱

قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَإِنِّي رَسُوْلُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَيْتِ فَقَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ ثُمَّ قَالَ يَامُحَمَّدُ مَاالْإِيْمَانُ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَكُتُبِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ مِنْهُ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ ثُمَّ قَالَ يَامُحَمَّدُ مَاالْإِحْسَانُ ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَّا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَمَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَمَا أَمَارَتُهَا؟ قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا قَالَ وَكِيْعٌ يعني تَلِدَ الْعَجَمُ الْعَرَبَ وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبِنَاءِ قَالَ ثُمَّ قَالَ فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ قُلْتُ اَللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذَاكَ جِبْرَئِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے کہ ہم (ایک دن) حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور سر کے بال غیر معمولی سیاہ تھے اس پر سفر کا کوئی اثر ظاہر نہیں تھا اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا تھا، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ وہ شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنوں کو آپ ﷺ کے گھٹنے سے ملالیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو آپکے زانوں مبارک پر رکھا، پھر کہا اے محمد ﷺ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ (اسلام یہ ہے کہ) اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک میں اللہ تعالی کا رسول ہوں، نماز قائم کرے، زکوۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے تو (اس جواب کی تصدیق کرتے ہوئے) اس شخص نے کہا آپ نے سچ فرمایا اس سے ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ (عجیب وغریب آدمی ہے) سوال بھی کرتا ہے (جو عدم علم کی علامت ہے) پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے (جو علم کی دلیل ہے) پھر اس شخص نے کہا اے محمد (ﷺ) ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے، اس کے تمام رسولوں، تمام کتابوں، آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر کی تصدیق کرنا ایمان ہے، سائل نے پھر کہا آپ نے سچ فرمایا، جس سے ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ سوال بھی کرتا ہے (جو عدم علم اور ناواقفیت کی دلیل ہے) اور خود اس کی تصدیق بھی کرتا ہے (جو علم وواقفیت کی دلیل ہے) پھر اس نے معلوم کیا ہے اے محمد (ﷺ) احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اس طور پر عبادت کرو گویا تم اللہ تعالی کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ

رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے، پھر اس نے سوال کیا قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے تو کہا اچھا اس کی علامات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ باندی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی، وکیع کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عجم عرب کو جنے گا، اور برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس وفقیر بکریاں چرانے والے عالیشان اور بلند و بالا مکانوں میں فخر و غرور کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوں گے ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ تین دن کے بعد ملے تو فرمایا کہ کیا تم اس شخص کے بارے میں جانتے ہو کون تھا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ تھے جو تم کو تمہارے دین کی اساسی باتیں سکھانے کے لئے آئے تھے۔

تشریح حدیث:- **عن عمر قال كنا جلوساً عن النبی ﷺ**

یہ روایت حضرت عمر بن الخطاب کے علاوہ دیگر صحابہ سے مروی ہے یہ حدیث محدثین کے نزدیک حدیث جبرئیل سے معروف ہے اور چونکہ اس حدیث میں دین اسلام کے اساسی احکام کو نہایت جامع اور مکمل شکل میں پیش کئے گئے ہیں اس لئے اس حدیث کو ام السنہ وام الاحادیث بھی کہا جاتا ہے جس طرح کہ سورہ فاتحہ کو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ام القرآن اور ام الکتاب کہا جاتا ہے دین اسلام کی بنیادی چیزیں دو ہیں ایک عقائد دوسرے اعمال، ان ہی دونوں پر اسلام کی عمارت قائم ہے، ان دونوں چیزوں کے بغیر اسلام نامکمل اور ناقص رہتا ہے اور حدیث ہذا میں ان دونوں کو خوب اچھی طرح بیان کر دی گئی ہے اس لئے یہ حدیث ام الاحادیث کہلاتی ہے، چنانچہ ماالایمان کیا ہے؟ اس کے جواب میں وہ تمام عقائد اساسیہ بیان کر دیئے گئے ہیں (مثلاً اللہ پر اس کے رسولوں پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، آخرت کے دن پر اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لانا) جن پر نجات موقوف ہے عقائد کی کتابوں میں اور دوسری چیزیں بھی از قبیل عقائد شمار کرائے گئے ہیں مگر ان چیزوں پر نجات کا مدار نہیں ہے ۔ اسی طرح حضرت جبرئیلؑ کے سوال ماالاسلام؟ اسلام کیا چیز ہے؟ کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے ان تمام بنیادی اعمال اسلام کو بیان کر دیا جو ایک مسلم کامل کے لئے لازم اور شرعاً ضروری ہیں، ان ہی اعمال خمسہ کو ایک دوسری حدیث میں بھی ذکر کیا گیا ہے اس لئے یہ روایت فی الواقع ام الاحادیث ہے اور جامع السنہ ہے۔[1]

فجاء رجل شدیدبیاض الثیاب الخ

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں جاء کے بجائے طلع کا لفظ آیا ہے جو جاء اور اتاہ کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور فصیح ہے اس لئے کہ حضرت جبرئیلؑ نورانی مخلوق ہیں گو کہ اس وقت انسانی شکل میں آپ کے پاس حاضر

---

[1] کشف الحاجہ ص ۱۲۰

ہوئے تھے مگر نورانیت کا اثر نمایاں تھا جس کیلئے طلع ہی کی تعبیر زیادہ موزوں ہے اور جس طرح حضرت جبرئیل انسانی لباس میں آتے تھے اسی طرح دیگر فرشتے بھی آسکتے ہیں یہ حضرت جبرئیل ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔

الثیاب میں الف لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے اصل عبارت شدید بیاض ثیابه ہے شدید سواد الشعر کا لفظ مسلم میں آیا ہے جس کی ترکیب بھی بحذف مضاف الیہ ہو گی مگر روایت ہذا میں مضاف الیہ مذکور ہے۔

حدیث کی دوسری کتابوں میں سواد الشعر کے بجائے سواد اللحية کا لفظ مذکور ہے چنانچہ صحیح ابن حبان میں شدید سواد اللحية کا لفظ ہے بہر صورت کچھ بھی ہو روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ آنے والا شخص نوجوان تھا۔ فجاء میں فا فجایہ ہے یکا یک اچانک کے معنی میں، اس روایت سے معلوم ہو کہ زمانہ طلب علم عنفوان شباب کا وقت ہے کیونکہ اس وقت طلب علم میں پیش آنے والی مشکلات کے تحمل کرنے کی قوت ہوتی ہے نیز اس سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ سفید کپڑے کا استعمال طالب علم کیلئے مناسب ہے۔

لایری علیه اثر سفر ولا یعرفه لحدمنا

حافظ ابوحازم العبدری اور مسند ابویعلی میں یری کے بجائے نری جمع متکلم فعل مضارع کا صیغہ آیا ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ دونوں ہی درست ہیں، اس آنے والے شخص پر سفر کا ذرہ برابر بھی کوئی اثر نہیں تھا جس سے معلوم ہوتا کہ کسی قریب ہی جگہ سے آیا ہے مگر ہم میں سے کوئی اس کو پہچان نہیں رہا تھا جو اس بات کی دلیل تھی کہ کوئی پردیسی مسافر ہے جو دور دراز سے آیا ہے، ملا علی قاری نے علامہ ابوالفضائل علی بن عبداللہ بن احمد المصری کا قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اس آنے والے شخص کو نہیں پہچان رہے تھے رہے نبی تو وہ پہچان رہے تھے مگر سید جمال الدین نے کہا کہ بعض روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ نبی بھی اس آنے والے شخص کو نہیں پہچان رہے تھے یہاں تک کہ جبرئیل چلے گئے حافظ ابن حجر کی بھی یہی رائے ہے،[1]

۔۔۔اب رہا یہ سوال کہ حضرت عمرؓ کو کیسے معلوم ہوا کہ اہل مجلس میں سے کوئی بھی اس کو نہیں پہچان رہا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اوپر قیاس کر کے دوسروں کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہو یا حاضرین نے صراحتاً عدم معرفت کی بات کہی ہو۔ دوسرا جواب ہی اولی ہے کیوں کہ ایک روایت میں آیا ہے جس کے راوی عثمان بن غیاث ہیں کہ فنظر القوم بعضهم الی بعض فقالوا مانعرف هذا لوگ ایک دوسرے کی طرف (حیرت سے) دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم اسے نہیں پہچانتے ہیں![1]

فجلس الی النبی ﷺ

---

[1] مرقات جلد ا ص ۵۰ نووی شرح مسلم جلد ا ص ۲۸

آنے والا شخص حضور کے سامنے بیٹھ گیا،اب یہاں سوال ہے کہ یہ شخص اداب مجلس کا خیال کئے بغیر کیوں بیٹھ گیا سلام تک بھی نہیں کیا؟ جواب۔ مسند امام اعظم میں حضرت حماد عن علقمہ عن مسعود کی روایت ہے کہ حضرت جبریلؑ سلام کر کے مجلس میں داخل ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کے قریب جا بیٹھے لہذا اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

فاسند رکبته الى ركبتيه ووضع يديه على فخذيه الخ

آنے والا شخص اپنے گھٹنوں کو حضور ﷺ کے گھٹنے سے ملا کر بیٹھ گیا،اس طرح بیٹھنا تواضع وادب،اور باتوں کو متوجہ ہو کر سننے کے زیادہ قریب ہے اور سرعت جواب اور مسئول کی خاصی توجہ کا موجب ہے اسلئے حضرت جبریلؑ آپ کے بالکل قریب ہو کر بیٹھ گئے اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ حد درجہ بے تکلف اور متواضع تھے کہ حضرت جبریلؑ اپنے گھٹنوں کو آپ کے گھٹنوں سے ملا کر اور اپنے دونوں ہاتھوں آپ کے زانوے مبارک پر رکھ کر بیٹھ گئے جبکہ حضور ﷺ شروع سے پہچان بھی نہیں رہے تھے کہ آنے والا شخص کون ہے۔اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ معلم کو چاہئے کہ شاگردوں کو دائرہ ادب میں رکھکر بے تکلف رکھے تاکہ علمی سوالات وجوابات میں رعب مانع نہ ہو اور طلبہ ضروری باتوں کو معلوم کرنے میں جھجک محسوس نہ کریں،اس حدیث کے ورود کا سبب بھی یہی ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو چاہو معلوم کرو صحابہ کرام مرعوب زدہ ہو کر سوال نہ کر سکے تو اللہ تعالٰی نے حضرت جبریلؑ کو بھیج کر مسائل واحکام کو سمجھایا،اس حدیث سے جہاں،بہت ساری باتوں کا علم ہوا وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ طلبہ کو چاہئے کہ استاذ کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھیں پھر علمی سوالات کرے۔[۱]

ووضع يديه على فخذيه، علامہ نووی اور امام تورپشتی وغیرہ فرماتے ہیں کہ فخذیہ کی ضمیر حضرت جبریلؑ کی طرف راجع ہے ای **وضع يديه على فخذنفسه** ،لیکن حافظ ابن حجر اور علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ **فخذيه** کی ضمیر حضور اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے اگرچہ بظاہر یہ طریقہ خلاف ادب ضرور ہے لیکن شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے کہ اس طرح بیٹھنے کا مقصد لوگوں کو حیرت زدہ کرنا ہے اور اپنی حقیقت لوگوں سے چھپانا ہے تاکہ لوگ خوب اچھی طرح احکام ومسائل کو ذہن نشین کرلیں[۲] پھر اس جانب اشارہ کرنا ہے کہ اگر سائل سے کوئی غلطی اور ادب کی رعایت نہ ہوسکے تو چشم پوشی سے کام لینا چاہئے۔

ثم قال يامحمد:

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۱۵ [۲] تحفۃ المرآۃ ص ۱۰۰

اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آنے والا شخص نے یامحمد کہا تھا یارسول اللّٰہ کہا؟ حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے ہوسکتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے کہ اولاً یا محمد کہا ہو پھر یارسول اللّٰہ کہا ہو، لیکن یہاں ایک اعتراض ہے کہ ارشاد خداوندی لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا کے پیش نظر نبی کا نام لیکر پکارنا حرام اور ناجائز ہے پھر حضرت جبرئیلؑ نے نام لیکر کیوں پکارا؟ اس کے متعدد جوابات ہیں ہم کچھ نقل کرتے ہیں،

(۱) یہ حرمت انسانوں کے لئے ہے ملائکہ کے لئے نہیں کیوں قرآن کریم کے مخاطب حضرات انسان وجنات ہیں نہ کہ ملائکہ لہٰذا ملائکہ اس حکم میں داخل نہیں (۲) زیادتی اخفاء کے واسطے حضرت جبرئیلؑ نے نام لیکر پکارا کیوں کہ یہ طریقہ گنواروں کا تھا (۳) آنے والے شخص فرشتے نے نئے انداز میں کلام کیا تاکہ زیادہ موجب تعجب ہو، اور لوگ متوجہ ہو کر بات سنیں۔

سوال:۔ صحاح کی بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ بسا اوقات نام لے کر پکارتے تھے حالانکہ ان کا یہ عمل بظاہر نصوص کے خلاف معلوم ہوتا ہے؟

جواب:۔ صحابہ کرام کا یہ عمل قبل التحریم پر محمول ہے فلا اشکال فیہ [1]

ما الاسلام؟ اس سے مقصود اسلام کی حقیقت دریافت کرنا ہے کہ یارسول اللہ اسلام کی حقیقت کیا ہے اس کے اساسی اور بنیادی احکام کیا ہیں، لفظ ما کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت وماہیت دریافت کی جاتی ہے اور اس کے جواب میں ہمیشہ غیر ذوی العقول چیزیں آتی ہیں۔ اس کے برخلاف لفظ من تعیین شخصی کے لئے موضوع ہے اور اس کے جواب میں ذوی العقول اشخاص آئیں گے اسلام کی لغوی وشرعی تحقیق اور ایمان واسلام میں نسبت کے متعلق کلام گذر چکا ہے۔

قال شهادة ان لا اله الا الله الخ

مصابیح میں ایمان کا ذکر پہلے ہے لیکن صحیح مسلم، جامع الاصول، ریاض الصالحین اور شرح السنہ میں اسلام کا ذکر پہلے ہے البتہ بخاری میں ایمان کا ذکر مقدم ہے لیکن وہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ہے اور اس کے راوی حضرت عمر ہیں لہٰذا کوئی بات نہیں ہے اس حدیث میں ذکر کردہ ان پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد قائم ہے جیسا کہ اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں بنی الاسلام علی خمس کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ دونوں ایمان کے لئے شرط ہیں جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

---

[1] تحفۃ المرآۃ ص ۱۰۰ امرقات المفاتیح جلد ۱ ص ۵۱

امرت ان اقاتل حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالوا ذالک عصموا منی دمائھم واموالھم۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف لاالہ الااللہ جزایمان ہے نہ کہ محمد رسول اللہ کا اقرار، اگر محمد رسول اللہ کا اقرار ضروری ہوتا تو حضور اس کو ضرور بیان فرماتے حالانکہ آپ نے بیان نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر ضروری ہے اور حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری ہے تو دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہوا؟
جواب:۔ امام نووی نے اس کا جواب یہ دیا کہ جمہور کے نزدیک یہ حدیث شہادتین ہی پر محمول ہے مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کا لفظ حدیث میں مذکور نہیں ہے۔[1]
چوں کہ ایمان ہی پر تمام عبادتوں کی صحت موقوف ہے اس لئے کلمہ شہادت کو عبادت پر مقدم کر دیا پھر اس کے بعد نماز، روزہ، زکوۃ، اور حج کو ذکر کیا، حج چوں کہ ہر آدمی پر فرض نہیں ہے بلکہ اس کیلئے زاد و راحلہ پر قدرت ضروری ہے اس لئے اس کو تمام عبادتوں سے موخر ذکر کیا ہے اور اسلام قبول کر لینے کے بعد سب سے پہلے جو فریضہ عائد ہوتا ہے وہ نماز ہی ہے جو ہر ایک بالغ شخص کے لئے ہے کوئی بھی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں ہے اس لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو مقدم کیا گیا ہے اور حج اور زکوۃ مالی عبادتیں ہیں جو ہر ایک پر فرض نہیں ہیں بلکہ زکوۃ کے لئے صاحب نصاب ہونا شرط ہے پھر مال نامی حولان حول اور دیگر شرائط کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوتی ہے اور حج میں صاحب نصاب ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ بغیر کسی تنگی و پریشانی آمد و رفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کر سکتا ہو علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لئے اہل و عیال اور لواحقین کے لئے تمام ضروری اخراجات کے بقدر رقم یا سامان فراہم ہو، پھر راستے کے خطرات سے محفوظ ہو تو حج فرض ہے ورنہ نہیں ہے اس لئے ان دونوں کو بعد میں ذکر کیا ہے۔
سوال:۔ حج کے ساتھ بعض روایات میں استطاع الیہ سبیلا کی قید ہے جبکہ استطاعت تو تمام عبادتوں میں ضروری ہے؟
جواب:۔ حج کے لئے ایک خاص استطاعت درکار ہے جو دوسری عبادتوں کے لئے نہیں اس لئے اس کو الگ سے بیان کیا ہے۔
سوال:۔ پھر اس روایت میں استطاع الیہ سبیلا کی قید کیوں مذکور نہیں ہے؟
جواب:۔ ممکن ہے کہ راوی نے کسی مصلحت کی وجہ سے اختصار کر دیا ہو۔

فقال صدقت فعجبنا منه یسأله ویصدقه
اس تعجب کی وجہ یہ ہے کہ آنے والے شخص کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جس کے متعلق معلوم

---
[1] نووی شرح مسلم جلد اص ۲۶

کررہاہے اسے وہ نہیں جانتا ہے مگر تصدیق کرنا اس بات کی علامت ہے کہ شئی مسئول کا علم اس کو حاصل ہے اس لئے کہ تصدیق اسی کی جاتی ہے جس کا علم پہلے سے ہو۔ پھر تعجب کی وجہ ایک یہ بھی ہے ان احکام کو بتلانے والے تو نبی عربی ﷺ ہوں گے حالانکہ نبی کریم ﷺ اس کو پہچان بھی نہیں رہے ہیں اور نہ اس سے کبھی ملاقات ہے پھر یہ شخص تصدیق کیسے کررہا ہے۔

ماالایمان ؟قال ان تومن بالله وملائكته الخ

جس طرح پیغمبرؐ نے ماالاسلام کے جواب میں ان تمام اعمال کو بیان فرمادیا جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور جن کو حدیث بنی الاسلام علی خمس کے تحت بیان کیا گیا، اسی طرح ماالایمان کے جواب میں آقا ﷺ نے تمام عقائد کو بیان فرمادیا جن کے بارے میں تمام علماء متفق ہیں کہ یہی اعمال مدار نجات ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا تعلق جوارح سے ہے ایمان عقائد سے عبارت ہے اور اسلام اعمال سے، اور اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو ایمان واسلام دونوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالی پر ایمان رکھنے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک لغوی دوم شرعی، نبی کریم ﷺ نے ایمان کی جو تفصیل بیان فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان شرعی ہی اسلام میں معتبر ہے ایمان کی لغوی وشرعی تحقیق مع اختلاف مذاہب پر ہم باب کے تحت سیر حاصل بحث کرچکے ہیں آپ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ البتہ اللہ تعالی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود کو تسلیم کرنا پھر اس کو اپنی ذات وصفات مخصوصہ میں یکتا اور وحدہ لاشریک لہ جاننا اور ان تمام صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کا اعتقاد ویقین رکھنا جو قرآن وحدیث سے اللہ تعالی کے لئے ثابت ہیں گرچہ ہماری سمجھ میں نہ آئے، نیز عبادت وپرستش کے لائق صرف اسی خدائے علیم وقدیر کو جانے، اس کے ساتھ کسی غیر کو اس کی ذات وصفات میں شریک نہ کرے، صفات کمالیہ اور صفات جلالیہ پر دل وجان سے یقین رکھے [1] وجود باری پر دلیل حضرت نانوتویؒ کی کتاب تقریر دل پذیر مطالعہ کیجئے شرح عقائد میں برہان تمانع دیکھئے اور تحفۃ المراۃ میں بھی میں وجود باری پر کچھ دلائل موجود ہیں مطالعہ فرمالیں۔

ملائکہ کے لغوی معنی قاصد اور پیغام رساں کے آتے ہیں اور شرعاً وہ جواہر مجردہ نورانیہ (عندالفلاسفہ) یا اجسام لطیفہ نورانیہ (عندالمتکلمین) ہیں جو قدرت الہی سے مختلف اشکال اختیار کرسکتے ہیں قاضی بیضاوی لکھتے ہیں فذهب اكثر المسلمين الى انها اجسام لطيفة قادرة على التشكل بلشكال مختلفة (ملائکہ وہ جسموں والی مخلوق ہے جو مختلف شکل بدلنے کی قدرت رکھتی ہے) [2] اور ملا علی قاری ملائکہ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ وقال بعضهم هی اجسام لطيفة نورانية مقتدرة

---

[1] مظاہر حق جدید جلد ا ص ۶۸، تحفۃ المراۃ ص ۱۰۱، کشف الحاجہ ص ۱۲۴ [2] بیضاوی ص ۵۸

علی تشکلات مختلفۃ۔ تو ملائکہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی ان تمام صفات پر ایمان لائے جو قرآن کریم وحدیث سے مفہوم ہیں مثلاً یہ کہ ان کا وجود خارجی ثابت ہے اور وہ خدائے ذوالجلال کے مکرم وپاک بندے ہیں وہ نہایت مطیع وفرمانبردار ہیں منکرات ومعصیت سے بالکل پاک ہیں ان کی شان میں قرآن کریم نے فرمایا بل عبادمکرمون پ۱۷ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون ۲۸پ اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا ومن الناس ۱۷پ۔ لہٰذا ان چیزوں پر اعتقاد رکھے،

ورسلہ وکتبہ

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد ویقین رکھے کہ اول الانبیاء حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفی ﷺ تک جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لائے اور جتنے بھی رسولوں کو مبعوث کیا گیا سب کے سب سچے اور اللہ تعالی کے برگزیدہ بندے تھے اور افضل ترین انسان تھے جن کو اللہ تعالی نے مختلف زمانوں میں احکامات اور ہدایات دیکر مخلوق کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو اللہ سے جوڑنے کیلئے مبعوث کیا ہے، اور انہوں نے خدائی احکام وہدایات کو پوری صداقت وامانت کے ساتھ اہل دنیا کے سامنے پیش کیا، اور دنیا والوں کو ابدی صداقت ونجات۔ دائمی فلاح وبہبودی کا راستہ دکھانے نیکی اور بھلائی کا کام بتلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، اور اس بات کا بھی یقین رکھے کہ حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء ورسل کے سردار اور آخری نبی ہیں اور آپکی لائی ہوئی شریعت تاقیامت باقی رہیگی اور آپ کی نبوت ورسالت پوری کائنات کے لئے عام ہے۔

نبی اور رسول میں فرق:۔

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالی نے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے چاہے اس پر کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس کے برخلاف رسول وہ انسان اور خداتعالی کا برگزیدہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے کتاب دیکر بھیجتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے اور دونوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے پس ہر رسول نبی ہوگا مگر اس کے برعکس نہیں علامہ سعدالدین تفتازانی، اور علامہ زمخشری کی رائے یہ ہے کہ رسول کیلئے مستقل کتاب ضروری ہے والرسول انسان بعثہ اللہ تعالی الی الخلق لتبلیغ الاحکام وقد یشترط فیہ الکتاب بخلاف النبی فانہ أعم [۲] وقال القاری النبی انسان بعثہ اللہ ولم یومر بالتبلیغ والرسول من امر بہ فکل رسول نبی ولاعکس [۳]

---

[۱] مرقات المفاتیح جلد اص ۵۶ [۲] شرح عقائد ص ۱۶، مرقات جلد اص ۵۷، تحفۃ المرآۃ ص ۱۰۳ [۳] مرقات جلد اص ۵۷

رسول خاص ہو یا عام اس سے قطع نظر کرتے ہوئے ایمانیات کے باب میں مومن کے لئے دونوں ہی پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن یہاں ذہن میں ایک بات آتی ہے کہ ایمان کے متعلق جہاں کہیں بھی پیغمبروں کا ذکر ہے وہاں اکثر صرف رسولوں کا ذکر ملتا ہے۔ جیسے كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله اسی طرح قوموں کی تکذیب وعناد کے بارے میں جہاں ذکر آتا ہے وہاں رسولوں ہی کا ذکر آتا ہے مثلاً كذبت ثمود المرسلين. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالرسول تو واجب اور ایمانیات میں ہے مگر ایمان بالانبیاء ضروری نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء چوں کہ در حقیقت پہلے رسولوں ہی کے موئید اور انہیں کے دین کے داعی ہوتے ہیں اس لئے ان کی تکذیب در حقیقت رسولوں ہی کی تکذیب ہے لہٰذا جس طرح رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح نبیوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جیسا کہ درج ذیل آیتوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ آمنا بالله ومآانزل الينا ومآانزل الى ابراهيم (الى قوله) ومآاوتى النبيون من ربهم لا نفرق بين احد منهم ونحن له مسلمون . انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں تین سو پندرہ رسول ہیں۔ ۲؎ اب جن حضرات نے رسول کی تعریف میں کتاب کو شرط قرار دیا ہے ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ صاحب شریعت نبی نہیں تھے ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی پھر بھی قرآن کریم نے انہیں رسول سے خطاب کیا ہے وكان رسولا نبيا۔ اس لئے بہترین فرق وہ ہے جو حافظ ابن تیمیہ نے کتاب النبوت میں ذکر کیا ہے کہ نبی وہ ہے جس کو اصلاح ناس کے لئے بھیجا گیا ہو۔ اور رسول وہ ہے جو بالذات مخالفین کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہو، اور جس کو دشمن کے ساتھ قتل وقتال کا حکم بھی ہوا ہو خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو ارشاد الساری ص ۶۶۔ ا؎

کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین واعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں بوقت ضرورت اپنے رسولوں اور نبیوں پر کتابیں نازل فرمائی ہیں جن کی تعداد محشی شرح عقائد اور صاحب مظاہر حق جدید کے مطابق ۱۰۴ ہے اور باقی ایک سو صحیفے ہیں جن میں سے ۱۰ حضرت آدم پر، پچاس حضرت شیثؑ پر، تیس حضرت ادریسؑ پر، اور دس حضرت ابراہیمؑ پر نازل ہوئے، وہ سب کے سب کلام برحق خداوندی احکام فرامین الٰہی کا مجموعہ ہیں اور ان میں سے چار کتابیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے یعنی توریت، انجیل، زبور، اور قرآن سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں، پھر ان چاروں میں قرآن شریف سب سے زیادہ جامع اکمل اعلیٰ، اور افضل ہے اسکا ایک ایک حکم اور ایک ایک لفظ برحق اور کلام خداوندی ہے۔ ۲؎

واليوم الآخر والقدر خيره وشره

ا؎ تحفۃ الاحوذی ص ۱۰۳ ۲؎ مظاہر حق جدید جلد ا ص ۶۸، تحفۃ الاحوذی ص ۱۰۳

یوم آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے مابعد الموت اور آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے مثلاً قبر، برزخ کے احوال، نفخ صور، قیامت، حشر و نشر، حساب کتاب، میزان اور صراط جنت وجہنم وغیرہ کا فیصلہ سب برحق اور اپنی جگہ اٹل ہے جن کا وقوع پذیر ہونا لازمی امر ہے اس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

اور ایمان بالقدر کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یا جو کچھ زمانے آئندہ میں ہوگا وہ سب نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت معہود پر وقوع پذیر ہوتا ہے آج جو کچھ بھی عمل ہوتا ہے چاہے از قبیل خیر ہو یا شر سب ازل ہی سے علم خداوندی میں تھا اور راحت و تکلیف، نعمت و آرام اور کلفت و مصیبت میں سے جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ کی طرف سے بندے کے حق میں مقدر ہے اس کے برحق ہونے پر ایمان لائے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ مجبور محض اور مضطر ہے بلکہ کاتب تقدیر نے انسان کو کچھ اختیارات بھی دیے ہیں، یعنی اس کے سامنے دونوں راستے نیکی و بدی کھول کر اس کو اختیار دے رکھا ہے چاہے وہ نیکی کے راستے پر چل کر کامیابی و کامرانی کی منزل طے کرے یا پھر بدی کے راستے پر چل کر دنیا و آخرت کے خسران و نقصان کو خریدے دونوں راستوں کے فوائد و نقصانات کو نگاہوں کے سامنے کر دیا کہ نیکی کا راستہ جنت ہے اور بدی کا راستہ دوزخ ہے لہذا جو چاہو اختیار کر لو۔[1]

ثم قال یا محمد ماالاحسان؟

احسان کے لغوی معنیٰ اخلاص، اور عمل کی مضبوطی، اور اچھی طرح عبادت کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں احسان سے مراد وہ جوہر اخلاص ہے جس سے ایمان و اسلام کی ظاہر صورت یعنی عبادت الٰہی کا صحیح معیار قائم ہو خواہ یہ صفت بصورت مشاہدہ پیدا ہو یا بصورت مراقبہ، عبادت کا یہی صحیح معیار اور حسن فی الحقیقت بندے کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطاء کرتا ہے بندہ اس جوہر سے اپنے آپ کو کس طرح آراستہ کر سکتا ہے اسکا طریقہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو تو اس طرح کرو کہ تم پروردگار کو دیکھ رہے ہو اور مشفق آقا و مولیٰ جب سامنے ہو تو غلام اپنی مفوضہ ذمہ داری کو نہایت خشوع و خضوع، اخلاص اور نشاط قلب سے ادا کرتا ہے

اور ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو آقا کی عدم موجودگی میں نہیں ہو سکتی لیکن اگر یہ کیفیت طاری نہ ہو سکے تو پھر یہ تصور اور یقین کرو کہ ہماری تمام نقل و حرکت کو پروردگار دیکھ رہا ہے ہمارا ہر قول و فعل اس کے سامنے ہے "ونحن اقرب الیه من حبل الورید "اور "وما یلفظ من قول الا لدیه رقیب

---

[1] مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۶۸-۶۹، تحفۃ المرآۃ ص ۱۰۴

عتید" کی نرالی تفسیر نگاہوں کے روبرو ہو، پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

ان تعبد اللّٰہ کی تشریح کرتے ہوئے محدثین دو قول نقل کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ ان شرطیہ ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عبادت کے وقت بندے کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں ا بندہ اپنے پروردگار کی پرستش اس طور پر کرے کہ تمام شرائط و ارکان بجالانے کی وجہ سے فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جائے اور قضا واجب نہ ہو ۲ بندہ اپنے خالق و مالک کی عبادت ایسے طور پر کرے کہ ؟ آئینے مکاشفہ میں انوار تجلیات ربانی اسکے لئے عام ہو رہی ہوں اور وہ تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کر رہا ہو یہ مقام نہایت اعلیٰ ترین ہے جو صرف انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم کو حاصل ہوتا ہے اور صفت احسان کا یہ نہایت اعلیٰ درجہ ہے اسی معنی ثانی کیوجہ سے پیغمبر علیہ السلام نے نماز کو اپنی آنکھوں کا ٹھنڈک قرار دیا ہے قُرَّۃُعَیْنِي فِی الصلاۃ نماز میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے اور سکون قلب کیلئے بہترین ذریعہ ہے کیونکہ وہ وقت انبیاء کے لئے تجلیات الٰہیہ کے مشاہدہ کا ہوتا ہے جو سکون اور ٹھنڈک کا باعث ہے (۳) بندہ عبادت کے وقت یہ دھیان جمائے کہ پروردگار مجھے دیکھ رہا ہے پھر نہایت خشوع اور خضوع گریہ زاری کے ساتھ عبادت کرے اس درجہ کو اصطلاح صوفیہ میں مراقبہ اور ثانی الذکر درجہ کو مکاشفہ سے تعبیر کرتے ہیں ا

دوسرے یہ ہے کہ فان لم تکن تر اہ فانّہ یراك میں ان وصلیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ رب العزت کی عبادت اسطرح کرو گویا کہ اللہ تمہارے سامنے ہے اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ رہے رہو لہٰذا اتنا ہی دھیان جمالینا کہ خدا تعالیٰ ہماری حرکات و سکنات سے پوری طرح واقف ہے اور وہ ذات مجھے دیکھ رہی ہے اس سے کوئی شئی پوشیدہ نہیں ہے یہی خشوع، اخلاص تضرع اور گریہ وزاری پیدا کرے ۳ احسان کو وسط میں لا کر اشارہ کیا کہ اس کا تعلق ایمان و اسلام دونوں سے ہے یا پھر اس جانب اشارہ ہے کہ احسان کا محل قلب ہے۔

زیر بحث حدیث کانك تراہ سے معلوم ہوا کہ رویت باری تعالیٰ اس دنیا میں ممتنع ہے رہا حضور ﷺ کا لیلۃ المعراج میں خدا تعالیٰ کا دیدار کرنا تو یہ اس عالم کی بات ہے دنیا کی نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے البتہ اہل سنت والجماعت کے یہاں یہ متعین ہے کہ آخرت میں رویت باری ہر مؤمن کو نصیب ہوگی انشاء اللہ دیگر فرق ضالہ معتزلہ کرامیہ وغیرہ اس کے منکر ہیں اس کی تفصیل بحث نووی شرح مسلم دیکھئے اور شرح عقائد نسفیہ کا مطالعہ کیجئے۔

قال فمتی الساعة

ا تفہیم الاشات جلد ا ص ۳۵، کشف الحاجہ ص ۱۲۶، تحفۃ الاحوذی ص ۱۰۴ ج کشف الحاجہ ص ۷ ۱۲

ساعت مطلق وقت کو کہتے ہیں لیکن عام طور سے ساعت کا اطلاق وقت قلیل پر ہوتا ہے قیامت کو ساعت سے تعبیر کرنے کی مختلف وجہیں ملا علی قاری نے لکھی ہیں (۱) قیامت بھی صرف ایک گھڑی میں پلک جھپکنے برابر واقع ہو جائے گی کما اشار الیه القرآن "لا تاتیکم الابغتة" (۲) سرعت حساب کی وجہ سے قیامت کو ساعت سے تعبیر کرتے ہیں (۳) قیامت کا پورا زمانہ عند اللہ ایسا ہی ہے جیسے مخلوق کے نزدیک ایک گھڑی، (۴) نیک فالی کی وجہ سے کہ قیامت کا دن ایک گھڑی میں گزر جائے گا۔ یہاں قیامت کے وقوع کے وقت متعین کا سوال تھا ورنہ ساعت تو لغت کے اعتبار سے صرف ایک گھڑی کو کہتے ہیں، اور ساعت کا اطلاق جس طرح قیامت کبریٰ پر ہوتا ہے اسی طرح ایک صدی کے لوگ کے ختم ہو جانے پر بھی ساعت کا اطلاق کرتے ہیں موت ہر انسان کے لئے قیامت صغریٰ ہے فرمایا گیا ہے کہ من مات فقد قامت علیه قیامته اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کی موت اس کے واسطے قیامت صغریٰ ہے۔

قال ماالمسئول عنها باعلم من السائل

بعض روایات میں آیا ہے یہ سوال سنکر حضور اکرم ﷺ نے سر جھکا لیا اور فوراً کوئی جواب نہ دیا، سر اٹھایا پھر جھکا لیا اس طرح آپ نے تین بار کیا پھر فرمایا مسئول سائل سے زیادہ علم اس کے متعلق نہیں رکھتا، یہ ان امور خمسہ میں سے ہے جنکا تفصیلی علم سوائے خدا کے کسی کو حاصل نہیں ہے ان علوم کو مفاتیح الغیب کہا گیا ہے امور خمسہ مفاتیح الغیب کے متعلق تفصیلی کلام ہم آئندہ حدیث میں کریں گے ۔۔حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہیں وقوع قیامت کے تعین کا علم قطعی طور پر نہیں ہے اسی طرح مجھے بھی نہیں ہے الغرض سائل اور مسئول قیامت کے وقوع کا تفصیلی علم نہ جاننے میں برابر ہیں علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی لکھتے ہیں کہ ماالمسئول عنها باعلم من السائل کناية عن تساويهما في عدم العلم لا عن تساويهما مطلقاً [۲] اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یعنی من و تو ہر دو برابریم در نادانستن آں بلکہ ہر سائل و مسئول ہمیں حال وارد و آں را بجز خداتعالی کس نہ داند وے تعالیٰ ہیچ کس را از ملائکہ و رسل بر آں اطلاع نہ دادہ [۳]

اس تشریح سے مبتدعین پر بھی رد ہو گیا جو حضور اکرم ﷺ کے لئے جمیع ماکان ومایکون کا تفصیلی علم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں کیوں کہ علم قیامت بھی ایک علم ہے اور یہ رسول کو بھی معلوم نہیں ہے مگر ہاں حضور اکرم ﷺ کو علم عطائی تمام مخلوق سے بڑھکر حاصل ہے بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر مع ہذا آپ عالم الغیب نہیں ہیں۔ اور علمت علم الاولین والاخرین والی حدیث اسی طرح اور دوسری

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۶۱ [۲] التعلیق الصبیح جلد ۱ ص ۱۰ [۳] اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۴۵

حدیثیں جو علم غیب کے ثبوت پر مبتدعین پیش کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اجمالی علم رسول ﷺ کو دیا گیا یا احکام شرائع کے تمام علوم یا آپ کی شان کے مطابق جو علوم تھے وہ سب عطا کئے گئے اور جو علم شان نبوت کے خلاف تھا اسے نہیں دیا گیا جیسے علم شعر آپ کو نہیں دیا گیا جیسا کہ وما علمناه الشعر

وماینبغی له. سے ظاہر ہے۔

سوال:۔ جب حضرت جبرئیلؑ کو معلوم تھا کہ قیامت کے وقوع کا علم کسی کو بھی نہیں ہے پھر سوال کیوں کیا؟

جواب:۔ اسی لئے سوال کیا تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ قیامت کا علم کسی کو بھی نہیں ہے اور آئندہ کیلئے سوال کا دروازہ ہی بند ہو جائے (۲) اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ جس بات کا علم نہ ہو اُسے خواہ مخواہ غلط نہ بتائے بلکہ لا اعلم. و الا ادری کہدے اس میں قطعاً عار محسوس نہ کرے۔

سوال۔ متی الساعة کے جواب میں تو لست اعلم بها کافی تھا اس سے عدول کر کے لفظ عام کیوں استعمال فرمایا؟

جواب:۔ سامعین پر تعریض کرنی مقصود ہے کہ قیامت کے متعلق جو سائل اور جو بھی مسئول ہو اس کی حالت یہی ہے کہ وقوع قیامت کے متعلق وقت معین کسی کو بھی معلوم نہیں ہے (۲) یا اس لئے عدول کیا کہ کنایہ صریح سے ابلغ ہوتا ہے **الكناية ابلغ من الصراحة** ۔

امام نووی نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ عالم و مفتی کے لئے ضروری ہے کہ جس مسئلے کی توضیح و تحقیق نہ ہو تو غلط نہ بتائے بلکہ لا اعلم کہدے اور یہ اس کے ورع و تقوی کی بات ہوگی [۱]

اسی طرح کا سوال و جواب حضرت عیسیٰؑ اور حضرت جبرئیل کے درمیان اس سے قبل ہو چکا تھا مگر وہاں سائل عیسیٰؑ تھے اور مجیب حضرت جبرئیلؑ حضرت عیسیٰؑ نے وقوع قیامت کے بابت سوال کیا تو حضرت جبرئیل پر جھاڑتے ہوئے کہا **ماالمسئول عنها باعلم من السائل** [۲]

قال فما أمارتها؟

امارۃ بفتح الہمزہ جمع امارات ہے علامت نشانی، مطلب یہ ہے کہ اگر قیامت واقع ہونے کے بارے میں یقینی طور پر علم نہیں ہے کہ کب واقع ہوگی تو پھر اس کی کچھ علامت بیان فرمادیجئے اور اس سے مراد علامت صغریٰ ہے جو علامت کبریٰ سے قبل ظاہر ہوگی۔

قال ان تلد الامة ربتها ۔

قیامت کی منجملہ نشانیوں میں سے یا پھر قیامت واقع ہونے کے ایک علامت یہ ہے کہ لونڈی اپنے

---

[۱] نووی جلد ا ص ۲۸ [۲] مرقات جلد ا ص ۶۲

آقا یا مالک کو جننے لگے گی اسکی تشریح و تعیین میں شارحین کی آراء مختلف ہیں بعض محدثین اسکے حقیقی معنی کو لیتے ہیں اور بعض مجازی معنی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا کہ اس جملہ سے یہاں مراد مربی ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قیامت کے قریب ہر چیز کا معاملہ الٹا ہی نظر آئیگا مائیں جو درحقیقت مربی ہیں ان کی حالت اس طرح خراب ہوگی کہ بچے جو خود اپنی ماؤں کے تربیت کے محتاج ہیں اسلئے ماؤں کی تربیت کریں گے، گویا حافظ نے معنی حقیقی پر محمول کیا ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ اسکی تائید أن تر الحفاة العراة سے بھی ہوتی ہے۔

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری صاحب مظاہر حق جدید لکھتے ہیں کہ اس جملہ کا ایک مطلب تو غلامی کا زمانہ اور رواج کے سیاق میں لیا جاسکتا ہے کہ لوگ کثرت سے باندیاں رکھیں گے اور ان سے خوب اولاد جنوائیں گے پھر انہیں اولاد میں سے جو لوگ بڑے ہو کر مال وجائداد اور حکومت و طاقت کے مالک بنیں گے پھر وہ لاعلمی کے اندر اپنی ماؤں کو خریدیں گے اور اپنی خدمت میں رکھیں گے جنھوں نے انکو جنم دیا تھا، دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب معاشرہ کے اندر جنسی اور بے راہ روی عام ہو جائے گی مرد وزن تمام اخلاقی اور انسانی پابندیوں کو توڑ کر بے محابہ ناجائز تعلقات پیدا کریں گے اور اسکے نتیجے میں ایسے بچے کثرت سے پیدا ہونے لگیں گے جن کو نہ اپنے باپ کی خبر ہوگی اور نہ اپنی ماں کو جانتے ہوں گے اور پھر وہی بچے بڑے ہو کر لاعلمی میں اپنی انہیں ماؤں کو نوکرانی اور ملازمہ بنائیں گے جنھوں نے ان کو جنا تھا تو سمجھو کہ قیامت قریب آگئی[1]

قال وكيع ان تلد العجم العرب. امام وکیع نے فرمایا کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ عجم عربوں کو جنے گا، یعنی اہل عرب اچھے خاندان والے لوگ گھٹیا خاندان والی لڑکیوں سے نکاح کریں گے، واللہ اعلم۔

وان ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البناء

حفاة حاف کی جمع ہے بمعنی ننگے پاؤں جس طرح قاضي جمع قضاة داعي جمع دعاه هادي هداة راع جمع رعاة ہے عراة عاري کی جمع ہے وہ شخص جس کے بدن پر کپڑا نہ ہو، پورا بدن ڈھکا نہ ہو،

عالة عائل کی جمع ہے من عال يعيل۔ض بمعنی تنگدست مفلس فقیر محتاج ومن۔ن۔ کثیر العیال والا ہونا۔ جس میں عموماً فقر وفاقہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] مظاہر حق جدید جلد اص ۷۰ تفصیل دیکھئے اشعۃ اللمعات جلد اص ۴۵۔۴۶، نووی جلد اص ۲۸ مرقات جلد اص ۶۲

رعاء راع کی جمع ہے بمعنی چرواہا جیسے تاجر جمع تجار آتی ہے۔

الشاہ۔ شاۃ کی جمع ہے بمعنی بکری اظہر یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے۔[1]

ان تمام جملوں سے مقصود حالات وزمانہ کی ابتری کو بیان کرنا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حالات اسقدر خراب ہو جائیں گے اور زمانہ اس طرح کروٹ بدلیگا کہ جب تم دیکھو کہ شریف النسل، عالی خاندان، معزز اور مہذب لوگ انقلاب زمانہ میں غش کھا کر اور انقلاب عالم کا شکار ہو کر غریب وافلاس بے روز گاری کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں شریف ومعزز حضرات اپنی حیثیت کھو چکے ہیں اور معاشرتی سماجی سطح پر انکا کوئی اثر ورسوخ باقی نہیں رہا اور وہ لوگ جو کل تک حسب ونسب، شرافت وکرامت، نسل وخاندان، اور تہذیب وتمدن سے کوسوں دور تھے تعلیمی واخلاقی اعتبار سے نہایت پسماندہ تھے غیر منصفانہ سیاست وانقلاب کی بدولت حکومت واقتدار کے مالک بن بیٹھے اور حرام وناجائز مال جمع کر کے بڑے بڑے محلات اور عالی شان بلڈنگیں بنا کر غرباء وفقراء اور معزز لوگوں پر فخر کریں گے زبردستی دین کے راہنما بن جائیں گے اور یہ رذیل لوگ دوسرے شرفاء کا مذاق اڑائیں گے تو سمجھ لو کہ قیامت کا وقت بالکل قریب آگیا۔ اور دنیا آخری سانس لے رہی ہے۔[2]

فلقینی النبی صلی الله علیه وسلم بعد ثلاث۔

اس روایت میں تو یہ ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین دن کے بعد بتلایا کہ وہ حضرت جبرئیلؑ تھے جو تمہیں تمہارے دین سکھانے کے لئے آئے تھے حالانکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اسی وقت اسی مجلس میں بیان کر دیا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے **أنه علیه الصلوة والسلام ذکر فی المجلس۔** تو دونوں میں تعارض ہو گیا؟

جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے علامہ نووی نے اس تعارض کا دفعیہ اس طرح سے کیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کے واپس چلے جانے کے بعد بعض صحابہ کرام جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے مجلس سے فوراً کسی ضرورت سے اٹھے اور چلے گئے اور کچھ صحابہ کرامؓ مجلس ہی میں بیٹھے رہے تو حضور اکرم ﷺ نے ان مجلس والوں سے اسی وقت بیان فرما دیا کہ حضرت جبرئیل تھے، اور جو اٹھ کر چلے گئے تھے ان کو بعد میں ملاقات کے وقت بتایا **فلا تعارض بینهما**۔[3]

قلت الله ورسوله اعلم۔

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۶۳ [2] مرقات جلد ۱ ص ۷۳ تحفۃ المرآۃ ص ۱۰۷ مظاہر حق جدید ص ۷۰ [3] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۸، مرقات جلد ۱ ص ۶۴

سوال: حضرت عمر نے اس قول کے ذریعہ علم باری اور علم رسول دونوں کو مساوی قرار دیا ہے جس سے مذہب رضاخانیت کو تقویت ملتی ہے اور حضور اکرم ﷺ کے لئے علم غیب ثابت ہوتا ہے؟

جواب: آں حضرت ﷺ کا استفسار حضرت جبرئیلؑ کی معرفت سے متعلق تھا لہٰذا حضرت عمر کا جواب بھی حضرت جبرئیل ہی کی معرفت کے متعلق ہوگا تو اس سے حضور اکرم ﷺ کے لئے علم غیب جزئی ثابت ہوا نہ کہ علم کلی، فلا اشکال فیه۔

اتاكم جبرئيل يعلمكم معالم دينكم

معالم دین سے مراد قواعد کلیہ ہیں یعنی حضرت جبرئیل کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ تم لوگوں کو دین کی بنیادی اور اساسی احکام اور اس کے قواعد سکھلائیں اس کے اساسی اصول بتائیں چونکہ جبرئیل کا سوال تعلیم نبوی کا سبب تھا اس لئے مجازاً تعلیم کی نسبت سبب کی طرف کر دی ہے۔

رجال حدیث:۔

کہمس بن الحسن التمیمی البصری ثقہ راوی ہیں[۱]

عبداللہ بن بریدۃ بن الحصیب الاسلمی ابو سہل المروزی ثقہ ہیں[۲]

یحییٰ بن یعمر البصری ثقہ ہیں[۳]

(۷۱) حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَبِيْ حَيَّانَ عَنْ اَبِيْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْماً بَارِزاً لِلنَّاسِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْاِيْمَانُ؟ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلاَ ئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْاٰخِرِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْاِسْلَامُ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئاً وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْاِحْسَانُ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّكَ اِنْ لاَتَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى السَّاعَةُ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ سَاُحَدِّثُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا اِذَاوَلَدَتِ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا فَذٰلِكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا وَاِذَاتَطَاوَلَ رُعَاةُ الْغَنَمِ فِي الْبُنْيَانِ فَذٰلِكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا فِيْ خَمْسٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ فَتَلاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ وَمَاتَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَاتَكْسِبُ

[۱] تقریب ص ۲۱۳ [۲] تقریب ص ۱۲۵ [۳] تقریب ص ۳۷۹

غَداً وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِأَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں میں باہر تشریف فرماں تھے کہ دریں اثنا ایک آدمی آیا اور سوال کیا کہ یارسول اللہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور ملاقات کے دن کی تصدیق کرنا اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانا، پھر اس نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ، اسلام کیا ہے آپ نے فرمایا (اسلام یہ ہے) کہ تم اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ فرض نماز قائم کرو، فرض زکوۃ ادا کرو، اور ماہ رمضان کے روزے رکھو، پھر اس نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا (احسان یہ ہے کہ) اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو پس اگر اس کو نہیں دیکھ سکتے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے پھر اس نے سوال کیا یارسول اللہ قیامت کب برپا ہوگی؟ آپ نے فرمایا مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا ہے البتہ میں اس کی علامتیں بتادیتا ہوں کہ جب باندی اپنے مولیٰ کو جننے لگے گی تو یہ قیامت کی علامت ہے اور بکریوں کو چرانے والے محلات وعالیشان مکانات میں فخر و غرور کرنے لگیں گے تو یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جس کا علم سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہے پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث الخ اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم، اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائیگا اور کس سرزمین پر اس کی موت ہوگی بیشک اللہ تعالی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

تشریح حدیث:۔ وتومن بالبعث

بعث کے لئے الگ سے تومن کا استعمال اس لئے کیا ہے کہ مرنے کے بعد جب ساری گوشت پوست اور تمام ہڈیاں مٹی میں گھل ملکر سڑ جائیں گی انسان کا وجود عنصری ختم ہو جائیگا اس کے بعد پھر اللہ تعالی اپنی قدرت سے پیدا فرمائیں گے پھر تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے زندہ اٹھیں گے جو بظاہر خلاف عقل ہے اسی لئے کفار مکہ اسکا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے، ا ذامتنا وكناترابا وعظا ماء انا لمبعوثون ،، اذا متنا وكنا تراباً وعظاماً ، انا لمدينون .، اذامتنا وكنا تراباً ذالك رجع بعيد۔ یعنی جب ہماری ہڈیاں گل سڑجائیں گی پھر بھی زندہ کئے جائیں گے؟ ایسا نہیں ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کے انکار کو مدنظر رکھتے ہوئے الگ سے کلام مستقل کے ذریعہ اس کو بیان کیا کہ ایسا ضرور ہوگا اس پر ایمان لانا

نہایت ضروری ہے قرآن کریم میں اس عقیدے کو متعدد مقامات پر بیان کیا گیا۔

وتقیم الصلوة المفروضة۔

سوال:۔ وتر اعتقاداً واجب ہے اور عملاً فرض ہے پھر اس کو کیوں بیان نہیں کیا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وتر ضروری نہیں؟

جواب:۔ (۱) یہ واقعہ وجوب وتر سے پہلے کا ہو سکتا ہے اس لئے وتر مذکور نہیں ہے (۲) یہاں فرائض اسلام کا بیان ہے واجبات کا نہیں ہے اس لئے وتر کا ذکر نہیں ہے، اقامت صلوۃ کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) نمازوں کی پابندی اور اس کی محافظت کرنا (۲) اس کی ادائیگی کرنا اسکے جملہ شرائط کے ساتھ، ابو علی فارسی نے اول معنی کو راجح قرار دیا ہے، ۔۔ اور زکوۃ مفروضہ کی قید سے صدقات نافلہ کو نکالنا مقصود ہے، یا جو زکوۃ حولان حول سے قبل ادا کر دی جائے اس سے احتراز ہے [۱]

خمس لایعلمهن الا الله

قیامت کا علم من جملہ ان اشیاء خمس میں ہے جنکا علم حق تعالیٰ شانہ، کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا تفصیلی علم کسی مخلوق کو بھی نہیں دیا ہے بلکہ اس کو اپنے لئے خاص رکھا ہے احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب کہا گیا ہے علم الساعة قیامت کب آئے گی کیا ٹائم ہوگا کون سا سن ہوگا کسی کو بھی معلوم نہیں بارش کب ہوگی، کتنی ہوگی، مفید ہوگی یا نقصان دہ ان تمام تفصیلات کا علم عند اللہ ہے، ماں کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی نیک بخت ہے یا بد بخت، ایک ہے یا دو، ناقص ہے یا کامل، مومن ہے یا کافر، دراز قد ہے یا پست قد، ان تمام تفصیلات کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

سوال، بعض مرتبہ ڈاکٹر وغیرہ آلات کے ذریعے یہ بتا دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی ہے تو پھر یہ مفاتیح الغیب کیسے ہوا؟

جواب، (۱) یہاں مراد ہے بغیر آلات کے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اور ڈاکٹر لوگ تو آلات سے جانتے ہیں تو کوئی منافات نہیں، (۲) ساری تفصیلات ڈاکٹر بھی اپنے آلات سے معلوم نہیں کر سکتے ہیں کہ کافر ہے یا مومن عالم ہوگا یا جاہل۔ امیر ہوگا یا غریب وغیرہ وغیرہ لہذا یہ علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

انسان کل کیا کریگا کہاں رہیگا کیا کمائے گا اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اس لئے انشاء اللہ کہنے کا بھی حکم ہے بسا اوقات انسان طرح طرح کے پلان اور اسکیم بنا کر جاتا ہے مگر موت مقدر ہوتی ہے کسی حادثہ کا

---

[۱] نووی مسلم شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۹

شکار ہوا اور داعی اجل کو لبیک کہا تمام اسکیم اور پلان اپنی جگہ دھرا ہی رہ جاتا ہے معلوم ہوا کہ اس کا علم بھی کسی مخلوق کے پاس نہیں ہے۔

انسان کہاں مریگا کب مریگا کس حالت میں مریگا اس کا علم بھی اللہ ہی کے پاس ہے جس کا اعتراف پوری دنیا کرتی ہے بلا امتیاز مذہب وملت سارے لوگ اس کا یقین کرتے ہیں۔

سوال:۔ بسا اوقات حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی باتیں بتاتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک غزوہ میں بتلادیا تھا کہ ابوجہل یہاں مرے گا عتبہ یہاں مریگا شیبہ یہاں مریگا پھر واقعۃً ایسا ہی ہوا بھی معلوم ہوا کہ انبیاء عالم الغیب ہوتے ہیں؟

جواب: انبیاء کرام کو بذریعہ وحی غیب کی باتوں پر مطلع کردیا جاتا ہے پھر وہ لوگوں کو بتاتے ہیں تو یہ انباء الغیب ہوا نہ کہ عالم الغیب، اور اگر یہ واقعہ اولیا کرام کے ساتھ پیش آئے تو مکاشفہ اور رویا صادقہ پر محمول ہوگا اور الکرامۃ حق کے ذیل میں آئے گا فلا اشکال۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس موضوع پر ایک جامع مضمون لکھا ہے جس سے تمام اشکالات خود بخود ھباء منثورا ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی اور زمانی باعتبار ماضی مستقبل حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبرؑ کو عطا فرمایا گیا فلا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضی من رسول الی آخر الایة (جن رکوع ۲) جنکی جزئیات کی تفصیل وتبویب اذکیاء امت نے کی ہے اور اکوان غیبیہ کی کلیات واصول کا علم حق تعالی نے اپنے ساتھ مختص رکھا، ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی اور نبی کریم ﷺ کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا ہے تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت کے ساتھ مختص ہے رہا، آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم یعنی علم کل بجز اللہ تعالی کے کسی کو نہیں، فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہوگا بای ارض تموت میں غیوب مکانیہ ما ذاتکسب غدا میں زمانیہ مستقبلہ۔ ما فی الارحام میں زمانیہ حالیہ اور ینزل الغیث میں غالبا زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی ماں بچوں کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں پیٹ میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟ اس جہل

بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہرحال ان پانچوں چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں ہے اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہیں پانچ باتوں کی نسبت کیا تھی جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی **کما فی الحدیث** [۱]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں، غیب مطلق، غیب اضافی، غیب مطلق تک کسی نبی یا رسول یا ملک کی رسائی ممکن نہیں ہے اور غیب اضافی پر خواص واقف ہو سکتے ہیں آیت مذکورہ میں علم کی نفی غیب مطلق کی ہے اور غیب اضافی پر اطلاع ووقوف اس طور پر ہو سکتا ہے کہ جب بندے کی روح کے اندر نورانی صفات پیدا ہوتی ہیں اور بندہ دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو کر علم وعمل میں لگ جاتا ہے تو انوار الٰہیہ کا اس پر فیضان ہوتا ہے اور بندہ کا قلب انوار الٰہیہ کے لئے منبسط ہو جاتا ہے جس سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی چیزیں بندہ کے قلب پر منعکس ہوتی ہیں اس طرح بندہ کو فی الجملہ علم حاصل ہو جاتا ہے [۲]

اسماء رجال:۔

ابو زرعۃ بن عمرو بن جریر بن عبد اللہ البجلی الکوفی، کہا گیا کہ ان کا نام ہرم ہے اور کہا گیا کہ ان کا نام عبد اللہ ہے اور کہا گیا کہ ان کا نام عبد الرحمٰن ہے اور بعض نے کہا انکا نام جریر ہے یہ ثقہ راوی ہیں [۳] ابو زرعہ رازی حافظ حدیث تھے اسکے علاوہ ابو زرعہ نام کے دو اور راوی ہیں ایک ابو زرعہ خولانی، ایک ابو زرعہ شیبانی دونوں ہی مجہول راوی ہیں [۴]

(۷۲) حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ قَالاَ ثَنَا عَبْدُ السَّلاَمِ بْنُ صَالِحٍ اَبُوْ الصَّلْتِ الْهَرَوِیُّ ثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُوْسَیٰ الرِّضیٰ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِی بْنِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِیِّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِیْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ قَالَ اَبُوالصَّلْتِ لَوْقُرِئَ هذَا الْاِسْنَادُ عَلیٰ مَجْنُوْنٍ لَبَرَأَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان دل کی معرفت، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرنیکا نام ہے ابو صلت کہتے ہیں کہ اگر اس سند کو پڑھ کر کسی

---

[۱] تفسیر عثمانی ترجمہ شیخ الہند ص ۵۵۲ [۲] مرقات جلد ۱ کشف الحاجہ ص ۱۳۲ [۳] تقریب ص ۲۹۷ [۴] تقریب ص ۲۹۸

مجنون پر دم کیا جائے تو شفا پا جائے گا۔

تشریح حدیث:۔

زیر نظر حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان اشیاء ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے اس سے معتزلہ اور خوارج کے مذہب کو تقویت ملتی ہے جو اشیاء ثلاثہ سے ایمان کو مرکب مانتے ہیں اور قائلین بساطت ایمان کے مذہب میں ضعف آتا ہے، مگر واضح رہے کہ بساطت قائلین کے نزدیک یہ حدیث ایمان کامل پر محمول ہے نفس ایمان پر نہیں نفس ایمان تو تصدیق قلبی سے حاصل ہو جاتا ہے البتہ اجراء احکام دنیویہ کے لئے اقرار باللسان شرط ہے اور عمل بالجوارح سے ایمان میں کمال اور زیادتی ہوتی ہے اور حدیث میں دیگر دوسرے دلائل کی وجہ سے کمال ایمان ہی مراد ہے حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایمان اشیاء ثلاثہ سے مرکب ہے۔

پھر جب کہ اس حدیث کی سند متکلم فیہ ہے اور جرح و تعدیل کے ائمہ نے زبردست کلام کیا ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو الصلت عبد السلام بن صالح ہیں جو محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک غیر معتبر ہیں کوئی محدث بھی ان پر اعتماد کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے عقیل نے ان کے بارے میں کہا کہ یہ شخص کذاب تھا۔ علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے جس کی تائید محدثین کی بہت بڑی جماعت نے بھی کی ہے، امام سیوطی نے لکھا ہے کہ حدیث موضوع تو نہیں ہے کیونکہ ابو الصلت کی توثیق ابن معین نے کی ہے اور اسمائے رجال کے بعض محدثین نے لکھا ہے کہ ابو الصلت نیک آدمی ہیں مگر تشیع کی طرف مائل ہیں اس لئے توثیق کے باوجود ان کی حیثیت مخدوش ہے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابو صلت کے بارے میں امام دار قطنی کا قول نقل کیا ہے کہ انه رافضی خبیث متهم بوضع حدیث الایمان اقرار بالقول ۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں امام دار قطنی کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے قال ابو الحسن وروی حدیث الایمان اقرار بالقول و هومتهم بوضعه لم یحدث به الامن سرق منه فهو الابتداء فی هذا الحدیث ۔ علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری لکھتے ہیں کہ هذا الحدیث موضوع علامہ ابن رجب زبیری نے شرح سنن ابن ماجہ میں ابن الجوزی کے قول سے اتفاق کیا ہے، الغرض اس قدر کلام کے باوجود یہ حدیث کس طرح مستدل بن سکتی ہے کہ ایمان اشیاء ثلاثہ کے مجموعہ سے مرکب ہے۔

رجال حدیث:۔

عبدالسلام بن صالح بن سلیمان ابو الصلت الہروی صدوق راوی ہیں تشیع کی طرف مائل تھے حافظ کہتے ہیں کہ عقیل نے ان کے متعلق افراط سے کام لیا ہے [۱] مگر ماقبل کی تحقیق سے ثابت ہوئی تھی کہ ابو الصلت نہایت ضعیف اور متہم راوی ہیں اکابر امت نے اس کے ضعیف ہونے کی تصویب کی ہے۔

علی بن موسیٰ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین ابن علی الہاشمی صدوق راوی ہیں [۲]

(۷۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى قَالاَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لاَ يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ اَوْ قَالَ لِجَارِهٖ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس ابن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے (شک راوی) یا کہا اپنے پڑوسی کے لئے وہ چیز پسند کرے جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

مسلم شریف میں یہ روایت اسی طرح مروی ہے مگر یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے جس میں **حتی یحب لجارہ اوقال لاخیہ** کا لفظ ہے گویا اس میں شک بالکل برعکس ہوا ہے مگر بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے **لاخیہ** کا لفظ ہی صحیح ہے۔ امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ علماء امت نے اس سے ایمان کامل مراد لیا ہے ورنہ تو اصل ایمان اس صفت کے بغیر بھی باقی رہتا ہے اور **مایحب لاخیہ** سے مراد اطاعت و عبادت اور دیگر مباحات ہیں مطلب یہ ہے کہ آدمی جو بھلائی جو خیر اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں کے لئے بھی پسند کرے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرے اس کو دوسرے بھائیوں کے لئے بھی ناپسند کرے مثلاً اپنے لئے تہجد کی نماز، اشراق، صدقات نافلہ اخلاق فاضلہ کو پسند کرتا ہے تو دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور مثلاً اپنے لئے فلم بینی، انگریزی بال فساق کے ساتھ میل جول پسند نہیں کرتا ہے تو دوسروں کے لئے بھی اس کو پسند نہ کرے اور اگر کوئی اس فعل کا ارتکاب کرے تو اسے روکے اپنے دل میں دکھ تکلیف محسوس کرے کہ میرا بھائی غلط کام کر رہا ہے ہر ممکن سمجھائے گناہوں سے روکنے کی

---

[۱] تقریب ص ۱۶۰ [۲] تقریب ص ۱۸۶

کوشش کرے، یہ ایمانی محبت ہے اور عقلی محبت کا تقاضہ ہے جو حدیث شریف میں مراد ہے فطری وطبعی محبت مراد نہیں ہے یعنی وہ محبت مراد نہیں ہے جو ماں کو بیٹے کے ساتھ اور بیٹے کو والدین کے ساتھ شوہر کو بیوی کے ساتھ اور بیویوں کو شوہر کے ساتھ ہوتی ہے۔

(۷۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اس کے لئے اس کے بیٹے اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

تشریح حدیث:۔

لا یومن احدکم حدیث شریف میں لانفی کمال کے لئے ہے نہ کہ لائے نفی جنس کے لئے، اور اس سے ایمان کامل کی نفی کی گئی ہے نہ کہ نفس ایمان کی، حضور اکرم ﷺ نے اپنی محبت کو تمام چیزوں کی محبت سے بڑھ کر بتایا ہے ایک مومن کامل کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت تمام چیزوں سے بڑھ کر ہو اور ایک مومن کامل آپ علیہ السلام کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب رکھے حتی کہ اولاد، والدین اور اپنے نفس سے بھی زیادہ عزیز رکھے، ایک مرتبہ حضرت علی سے کسی نے معلوم کیا کہ آپ کو حضور سے کتنی محبت ہے حضرت علی نے فرمایا کہ حضور ہمارے نزدیک اپنی اولاد، اپنے والدین اپنی جان اور سخت دھوپ اور شدید گرمی میں زبردست پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیا محبوب ہیں۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حدیث سنی تو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ میرے نزدیک تمام رشتے داروں بیوی بچوں سے زیادہ محبوب ہیں مگر اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ابھی تم کامل مسلمان نہیں ہوئے ہو اور تمہارا ایمان کامل نہیں ہوا ہے زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلتے ہی حضرت عمر کے دل ودماغ کی دنیا اتھل پتھل کر دیا اور بے اختیار بولے یارسول اللہ میری جان آپ پر قربان آپ مجھے جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں حضور ﷺ فرمایا الآن یاعمر اے عمر اب

تمہارا ایمان مکمل ہو گیا اور تم پکے مومن ہو گئے۔

حدیث شریف میں محبت سے مراد محبت عقلی ایمانی ہے نہ کہ محبت طبعی جو انسان کو بیٹے اولاد، اور ماں باپ کے ساتھ ہوتی ہے اگر کسی آدمی کے دل میں اولاد کی محبت زیادہ ہے تو یہ کمال ایمان کے لئے منافی نہیں ہے کیوں کہ یہ محبت طبعی اور فطری ہے جس پر عند اللہ کوئی دارو گیر نہیں ہے یہ محبت انسانی طاقت سے باہر ہے لا یکلف اللّٰه نفساً الا وسعها اور اللہ تعالیٰ بقدر طاقت مکلّف بناتا ہے۔ لیکن علامہ عینیؒ علامہ طیبیؒ، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک محبت طبعی ہی حدیث پاک میں مراد ہے اور یہ کہنا کہ حب طبعی جو قلبی میلان کا نام ہے وہ خارج ہے درست نہیں ہے کیونکہ کبھی عاشق محبت کے اس درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ محبوب کی محبت کو اپنے نفس پر بھی ترجیح دیتا ہے قل ان کان اباء کم وابناء کم وازواجکم وعشیرتکم واموا ل اقترفتموها الخ میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو جن چیزوں میں زائد ہونا ثابت کیا ہے وہ طبعی و فطری ہے لہذا خدا اور رسول کی محبت صرف طبعی و فطری ہونا کافی نہیں ہے بلکہ حب طبعی مرتبہ زائد میں ہونا ضروری ہے اور اس حدیث میں ولد اور والد کی محبت سے زائد ہونے کو بتایا ہے اور حب اولاد اور حب والدین طبعی ہے لہذا رسول کی محبت بھی محبت طبعیہ سے زائد ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ دیگر دلائل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حب طبعی فطری مراد ہے۔

امام نوویؒ اور علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ محبت جو میلان طبیعت کا نام ہے یہ کبھی انسان ان اوصاف کی بنا پر کرتا ہے جن سے حواس لطف اندوز ہوتے ہیں مثلاً حسن صورت، اور کبھی ان اوصاف حمیدہ اخلاق فاضلہ کی وجہ سے محبت کرتا ہے کہ جن سے عقل لذت محسوس کرتی ہے مثلاً فضل و کمال، علم و عمل، ورع و تقوی، اور کبھی دفع مضرت اور احسان کی وجہ سے آدمی کسی سے محبت کرنے لگتا ہے اور کبھی قرابت و رشتہ داری کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور یہ چاروں اوصاف بدرجہ اتم آپ میں موجود تھے آپ تو حسن و جمال کے پیکر ہیں آپ کے حسن کے سامنے چاند کی خوبصورتی بھی ماند رہ جاتی ہے۔

قالت عائشة لنا شمس وللافاق شمس وشمسی تطلع بعد العشاء

آپ کے حسن و جمال اور رخ انور کی چمک اور روشنی سے دھاگا کو سوئی کے ناکے میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور آپ فضل و کمال ورع و تقوی۔ علم و عمل کے بلند مقام پر فائز تھے قرآن کریم کہتا ہے انك لعلیٰ خلق عظیم۔ اور آپ کے احسانات و فضل تو اس درجے میں ہے کہ قرآن کریم کہتا ہے وما أرسلناك الا رحمة للعالمین وبالمومنین روف الرحیم، اور قرابت نبی کریم کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسهم کہ نبی کا تعلق مومنین سے اپنی جان سے زیادہ ہے لہذا جب حب طبعی کے چاروں درجات بدرجہ اتم نبی میں موجود ہیں تو حدیث شریف میں حب طبعی ہی مراد ہو گی نہ کہ حب عقلی۔ امام وقت

محدث عصر علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی تقسیم عقلی اور طبعی کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ محبت نفس کی ایک صفت کا نام ہے جس میں اختلاف اور تعدد متعلق کے اختلاف کی بناپر ہوتا ہے کیوں کہ اگر اس کو آباوابناء کی طرف راجع کیا جائے تو محبت طبعی ہے اور شریعت کی طرف راجع کیا جائے تو محبت شرعی اور عقلی ہے فرق صرف متعلق میں ہو گا ذات محبت میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا محبت جو ایک نفس صفت ہے وہی حدیث شریف میں مراد ہے۔[1]

قاضی عیاض وغیرہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے طریقہ پر چلا جائے اور جن راہوں سے آپ نے منع فرمایا اس سے باز رہا جائے اور نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مخالف طوفان و حوادث کا مقابلہ کیا جائے اور آپ کی شریعت کی حفاظت کے لئے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دیا جائے تو یہی حب نبی کی علامت ہے۔[2]

من ولد ہ ووالدہ والناس اجمعین۔

چوں کہ آدمی اپنی اولاد اور والدین کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالکر والدین اور اولاد کو بچاتا ہے اس لئے نفس کا ذکر نہیں ہے بلکہ والدین اور اولاد جو سب سے زیادہ محبوب تھے ان کا ذکر کافی ہے، اور ولد کو والد پر اس لئے مقدم کیا کہ ولد سے محبت و شفقت زیادہ ہوتی ہے بمقابلہ والدین کے اور جس روایت میں والد کا ذکر مقدم کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ولد والد دونوں کا تعلق جزئیت کا ہوتا ہے مگر والد کا تعلق جزئیت، مقدم ہے اس لئے ذکر کے اعتبار سے بھی مقدم کیا یا چونکہ والد باعتبار زمانہ اور باعتبار شرافت و کرامت کے مقدم ہیں اس لئے ذکر میں بھی مقدم کیا ہے اور والد سے من لہ الولد مراد ہے ماں باپ دونوں داخل ہیں، اور والد و ولد کے بعد الناس کا ذکر عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔[3]

رجال حدیث:۔

حدیث میں ذکردہ رواۃ کا تذکرہ ما قبل میں ہو چکا ہے۔

(۷۵) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ ثَنَا وَكِيْعٌ وَاَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الاَعْمَشِ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ۔

ترجمہ حدیث:۔

بستان تعلیم الاشتات جلد اص ۳۲ نووی جلد اص ۴۹ مرقات جلد اص ۷۳ ۲ نووی جلد اص ۴۹ ۳ تنظیم الاشتات جلد اص ۴۴

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے ہو یہاں تک ایمان لے آؤ اور تم لوگ مومن نہیں ہو سکتے ہو یہاں تک آپس میں محبت کرو کیا میں تم لوگوں کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس کو کر لوگے تو آپس میں محبت کرنے لگوگے، سلام کو عام کرو۔

تشریح حدیث:۔

لاتدخلوا نفی کا صیغہ ہے نہی کا صیغہ نہیں ہے مسلم شریف کی روایت میں لا تدخلون مع النون آیا ہے اور لاتومنوا میں نون کو ہم جنس ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اس حدیث شریف کا مقصد آپس میں اخوت مودت، محبت اور الفت پیدا کرنے کی ترغیب دینا ہے اور آپس میں میل جول رکھنے پر ابھارنا ہے۔ اور آپس میں میل و محبت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ سلام کو عام کرنا ہے یعنی سلام کرنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے عاجزی، انکساری، اور تواضع پیدا ہوتی ہے اور دلوں سے حسد، کبر کینہ اور بغض ختم ہوتا ہے ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ البادی بالسلام بریئ من الکبر۔ سلام میں پہل کرنے والا کبر سے پاک ہوتا ہے بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ أي الاسلام خیر۔ سب سے بہترین اسلام کیا ہے آپ نے فرمایا تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف ۔ یعنی غریبوں اور تنگدستوں کو کھانا کھلانا، اور جانے ان جانے سب کو سلام کرنا۔

تحابوا کی اصل تتحابون ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ برادرانہ تعلق اور میل ملاپ رکھے آپس میں سلام و محبت اور خیر خواہی اور ایثار کا جذبہ پیدا کرے، ایک مومن دوسرے مومن سے جب بھی ملاقات کرے تو خندہ پیشانی اور مسکراتے ہوئے ہونٹوں سے ملے، بشاشت قلب اور طلاقت وجہ کے ساتھ ملے اور ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرے چیں بجبیں انقباض اور بھنوں چڑھا کر ملاقات نہ کرے جس سے نفرت اور دل میں کدورت پیدا ہو۔

ولا تومنوا کا مطلب علامہ نووی کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ تمہارا ایمان کامل و مکمل نہیں ہو سکتا ہے اور تمہارے ایمان کی حالت کی اصلاح نہیں ہو سکتی ہے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو اور محبت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ سلام کو خوب عام نہ کرو لہٰذا اسلام کو خوب عام کرو۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ لا تدخلون الجنۃ حتی تومنوا میں اگر ایمان سے نفس ایمان مراد ہے تو عدم دخول بھی اپنے حقیقی معنی پر محمول ہو کر مطلب یہ ہوگا کہ صرف مومن ہی جنت میں جائیگا پھر کمال ایمان مراد نہ ہوگا۔ اور اگر لاتومنوا سے کمال ایمان مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دخول اولی نصیب نہ ہوگی البتہ کبھی نہ کبھی جنت میں ضرور جائیگا[1]

[1] نووی جلد ۱ ص ۵۴، لمعات التنقیح جلد ۴ ص ۵

افشو السلام

صاحب کشف الحاجہ نے امام نووی کا قول نقل کیا ہے کہ افشاء سلام سے مراد رفع صوت ہے یعنی اتنی بلند آواز سے سلام کرنا کہ مخاطب اسے سن سکے، اگر ایسا نہ کیا تو سنت ادا نہ ہوگی مگر احقر نے اس باب کے تحت نووی شرح مسلم کا مطالعہ کیا لیکن علامہ موصوف کا یہ قول نہ مل سکا ممکن ہے صاحب کشف الحاجہ نے کسی دوسری جگہ سے نقل کیا ہو جہاں تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ مگر قول حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ سلام کے افشاء سے مراد سلام کو رواج دینا اور عام کرنا ہے نا کہ رفع صوت، اور اس کی تائید بعض روایتوں سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک روایت میں افشو السلا م بینکم اور بخاری شریف کی روایت میں تقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف ہے جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ افشاء سلام سے مراد سلام کو خوب رواج دینا اور عام کرنا ہی ہے یہی قول صاحب اشعۃ اللمعات کا بھی ہے [1]

یہاں یہ بات واضح رہے کہ سلام کرنا سنت ہے مگر اس کا جواب دینا اور جواب کا سنانا دونوں ہی واجب ہے اور سلام کا جواب اسکے مثل واجب ہے جس طرح سلام کرنے والے نے سلام کیا، مثلاً کسی نے کہا السلام علیکم تو جواب میں صرف وعلیکم السلام واجب ہوگا اور رحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ ضروری نہیں ہے مگر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ کرنا اولیٰ اور حسن ضرور ہے جیسا کہ فحیوا باحسن منها سے اس کا ثبوت ملتا ہے ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے زائد کلمات اضافہ کرنے کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے وبرکاتہ کے بعد اضافہ کرنا ناپسندیدہ ہے تاہم ایک روایت سے ومغفرتہ کا اضافہ بھی ثابت ہے اس حدیث کے ذیل میں چند مسائل ہیں جو بغرض افادہ قلمبند کیے جاتے ہیں

(۱) گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرے خواہ گھر میں کوئی ہو یا نہ ہو اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو السلام علیکم وعلینا وعلی عباداللہ الصلحین کہے کیوں کہ اگر گھر میں کوئی نہیں ہوتا ہے تو فرشتے جواب دیتے ہیں [2]

(۲) اگر عورت سلام کرے تو جواب دینا آواز بلند واجب نہیں ہے بلکہ جواب ہی نہ دے، خوف فتنہ کے وقت عورت مرد کو اور مرد اجنبیہ کو سلام نہ کرے۔

(۳) بہتر یہ ہے کہ سوار آدمی پیدل چلنے والے کو، چلنے والا بیٹھنے والے کو اور کم لوگوں کی جماعت بڑی جماعت والوں کو سلام کرے۔

(۴) غیر مسلموں کو از خود سلام کرنا شرعاً روا نہیں ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص کسی جماعت کو سلام کرے تو جماعت میں سے ایک کا جواب دیدینا تمام لوگوں کی

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۵ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۵

طرف سے کافی ہو جائیگا ہر ایک کا جواب دینا ضروری نہیں ہے اور اگر کسی جماعت کے ایک آدمی نے کسی کو سلام کیا تو یہ سلام جماعت کی طرف سے کافی ہو جائیگا ہاں اگر کسی متعین فرد کو سلام کیا جائے تو اس کو جواب دینا واجب ہے،

(۶) اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے سلام پہنچا رہا ہے تو جواب دینے کا طریقہ یہ ہے علیہ وعلیکم السلام کہے!

(۷۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ ثَنَا عَفَّانُ ثَنَا شُعْبَۃُ عَنِ الْاَعْمَشِ

(۷۷) ح وَحَدَّثَنَا ھِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف کی ضروری تشریح باب اجتناب البدع والجدل میں حدیث نمبر ۵۰ کے تحت گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے،

رجال حدیث:۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر الہمدانی الکوفی کنیت ابو عبدالرحمان ہے آپ ثقہ راوی ہیں[۲]، عیسیٰ ابن یونس بن ابان الفاخوزی ابو موسیٰ الرملی صدوق راوی ہیں مگر ان کے علاوہ حافظ نے اس نام کے دو راوی اور شمار کئے ہیں یہاں کون مراد ہیں واللہ اعلم[۳]

(۷۸) حَدَّثَنَا نَصْرُبْنُ عَلِیٍّ الْجَھْضَمِیُّ ثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ ثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ الرَّازِیُّ عَنِ الرَّبِیْعِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ فَارَقَ الدُّنْیَا عَلَی الْاِخْلَاصِ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَعِبَادَتِہٖ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ مَاتَ وَاللّٰہُ عَنْہُ رَاضٍ قَالَ اَنَسٌ وَھُوَدِیْنُ اللّٰہِ الَّذِیْ جَاءَ تْ بِہٖ الرُّسُلُ وَبَلَّغُوْہُ عَنْ رَّبِّھِمْ قَبْلَ ھَرْجِ الْاَحَادِیْثِ وَاخْتِلَافِ الْاَھْوَاءِ وَتَصْدِیْقُ ذٰلِکَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فِیْ اٰخِرِ مَانَزَلَ یَقُوْلُ اللّٰہُ فَاِنْ

---

[۱] کشف الحاجہ ۱۳۸ [۲] تقریب ص ۲۲۵ [۳] تقریب ص ۲۰۳

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ قَالَ خَلْعَ الْاَوْثَانِ وَعِبَادَتَهَا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَقَالَ فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا سے رخصت ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کرتے ہوے اور اس کی عبادت کرتے ہوئے بغیر اس کے ساتھ کسی کو شریک جانے، اور نماز قائم کرتے ہوے اور زکوۃ ادا کرتے ہوئے تو وہ اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے حضرت انس کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالی کا دین ہے جسے حضرات رسل لیکر آئے اور اس کو اپنے رب کی طرف سے پہنچادیا، غلط تاویلوں کے ملنے اور نفسانی اختلاف سے پہلے ہی، اور اس بات کی تصدیق اللہ تعالی کی کتاب کی آخر آیت میں ہے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ فان تابوا پس اگر انھوں نے توبہ کرلی اور بتوں اور ان کی پوجا کرنے کو ترک کر دیا اور نماز قائم کی، زکوۃ ادا کی اور اللہ تعالی دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہےفان تابو واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوۃ فاخوانکم۔ پس اگر ان لوگوں نے توبہ کرلی اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

تشریح حدیث:۔من فارق الدنیا علی الاخلاص للہ وحدہ

اخلاص مع اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو ذات وصفات میں ایک مانا جائے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے تمام حاجت روائی، مشکل کشائی اور نفع ونقصان کا مالک اسی ایک ذات کو مانا جائے جو پاک اور بے عیب ہے اسکا کوئی ساجھی نہیں وہ نہ کسی کو جنتا ہے اور نہ کسی سے جنا گیا اس کی ذات لم یلدولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد ہے وہ تمام کائنات کا خالق ومالک ہے وعبادتہ لاشریک لہ اس جملہ میں جو عبادت مذکور ہے اس کی دو مراد ہو سکتی ہے (۱) عبادت سے مراد طاعت اور فرماں برداری ہو، (۲) عبادت سے مراد توحید خداوندی ہو، اللہ کی وحدانیت اور اسکی ربوبیت کا اقرار ہو۔ اس صورت میں واو حرف عطف برائے تفسیر ہوگا اور بصورت اول کہ اگر مطلقا طاعت اور فرماں برداری مراد ہو تو ایسی صورت میں صلوٰۃ وزکوۃ کا ذکر خصوصیت کا ساتھ اس کی عظمت واہمیت کی وجہ سے ہے کیوں کہ نماز کو عبادات بدنیہ میں اور زکوۃ کو عبادات مالیہ میں جو مقام واہمیت حاصل ہے وہ کسی دوسرے رکن اسلام کو نہیں ہے۔

حدیث پاک میں مذکورہ صفات سے آراستہ وپیراستہ ہونے والے شخص کے لئے ایک پیغام مسرت اور روح پرور بشارت ہے کہ ایسے آدمی کو رضاء خداوندی کا پروانہ اور عظیم سعادت میسر ہوگی، جس کسی کے دل

میں توحید ہو اس کو قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل خیر ترک منکرات، اور عندالموت توبہ کی توفیق ملتی ہے اور وہ اس حال میں دنیا سے جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش اور راضی رہتا ہے اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے تو اسے بھی رضاء باری نصیب ہوتی ہے لہٰذا اس سے ان خصائل و اوصاف کو اپنانے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

قال انس هودين الله الخ. راوی حدیث حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بس یہی اس دین الٰہی کا خلاصہ ہے اور مختصر سی شرح ہے جو حضرات انبیاء اور رسل کو دیکر اس دنیا میں مبعوث کیا گیا اور جس کو ان نفوس قدسیہ نے پوری صداقت و امانت اور دیانت داری کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا ہے یہ اور بات ہے کہ ہوئی پرست خواہشات کی اتباع میں دین میں اپنی عقل سے غیر ضروری موشگافیاں بیان کرنے لگے اور دین میں نئی نئی باتیں داخل کر دیں، حدیث شریف کی یہ توضیح و تشریح حضرت انسؓ کی طرف سے ہے یہ پیغمبر کا قول نہیں ہے اور چونکہ فان تابوا والی آیت میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے اس لئے حضرت انس نے اس کو استشہاد میں پیش کیا ہے۔

قال خلع الاوثان وعبادتها.

حضرت انس کی اس تفسیر سے یہ معلوم ہوا کہ توبہ کی صحت کے لئے سابقہ گناہوں کا ترک کرنا ضروری ہے تب ہی توبہ مقبول ہوگی، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحت ایمان و اسلام کے لئے مذاہب باطلہ سے بیزاری اور اس سے تبرا ضروری اور لازم ہے مذاہب باطلہ سے بیزاری اور اس سے تبرا کئے بغیر ایمان و اسلام دونوں ہی عنداللہ معتبر نہیں ہے۔ یہی مذہب امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ہے اور بعض حضرات کلمہ شہادت کے بعد انا برء یٔ من کل دین خالف الاسلام کہنے کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، آخر منازل سے مراد آخر اضافی ہے نہ کہ آخر حقیقی۔

(۷۹) حَدَّثَنَا أَبُوْ حَاتِمٍ ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسَى الْعَبْسِيُّ ثَنَا أَبُوْ جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ أَنَسٍ مِثْلَهُ.

(۸۰) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْأَزْهَرِ ثَنَا أَبُو النَّضْرِ ثَنَا أَبُوْ جَعْفَرٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے م دیا گیا کہ میں لوگوں سے

قتال کرتا رہوں یہاں تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں،

تشریح حدیث:۔

یہ روایت حضرت ابوہریرہ اور معاذ بن جبل کے علاوہ متعدد صحابہ سے مروی ہے چنانچہ مسلم شریف میں ابوہریرہؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے ان میں سے بعض کی مرویات مختصر ہیں اور بعض کی بہت جامع اور تفصیلی، مسلم شریف میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے واضح طور پر مروی ہے اور دیگر صحابہ سے اختصار کے ساتھ مروی ہے اس اختصار اور تفصیل کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث کو متعدد بار ذکر کیا ہو کبھی اختصار کے ساتھ کبھی تفصیل کے ساتھ جس نے جس طرح سن لی اسی طرح حدیث نقل کر دی بعض صحابہ نے تفصیلی روایت سنی تو انہوں نے بالتفصیل بیان فرمائی اور بعض نے اختصار کے ساتھ سنی تو انہوں نے اختصار کے ساتھ روایت نقل کی ہے یا پھر اس اختصار کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ روایت اصلاً بالتفصیل ہی مروی ہو مگر حضرات صحابہ میں بعض نے بعض سے اس لئے اختصار کے ساتھ بیان فرمایا کہ مخاطب نہایت سمجھ دار تھے۔

یہ دنیا وما فیہا سب اللہ رب العزت ہی کی حقیقی ملکیت ہے وہی ذات واحد اس زمین کا حاکم مطلق ہے وہی تمام کائنات ارضیہ وسماویہ کا شہنشاہ اور خالق و مالک ہے اس کی زمین پر اسی کو رہنے کا حق حاصل ہے جو اس کی حاکمیت اور شہنشاہیت کو تسلیم کر کے اس کے قوانین کی پیروی کرے اس کے احکام کی تابعداری کرے اس کے اتارے ہوئے نظام شریعت کے مطابق زندگی گذارے اور اس ذات کی طرف سے مبعوث کیے گئے رسولوں، پیغمبروں کی اطاعت اور فرماں برداری کرے اور ان کے لائے ہوئے قوانین کے تحت زندگی گذارے جو الی یوم القیامۃ کیلئے ہیں، اور جو لوگ ان قوانین کی پابندی سے روگردانی کریں اور خدائی حکمرانوں کے تحت آنے سے تمرد وسرکشی کریں تو رسولوں کا کام یہ ہے کہ ان کے خلاف کوئی کاروائی کریں جو کسی بھی آئین حکومت کے باغیوں کے خلاف ہوتی ہے اسی حقیقت کو اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث پاک میں بیان فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ خدائی قوانین کے باغیوں اور دین وشریعت کے دشمنوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھوں اور ان سے قتل و قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ اپنی تمرد وسرکشی اور اسلام کی دشمنی کو ترک کر کے اسلامی حکومت میں رہنے کا حق حاصل نہ کر لیں، اور انہیں یہ حق ملنے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ خدا تعالی کی وحدانیت اور رسول کی رسالت ونبوت کا صدق دل سے اقرار کریں اور احکام اسلام نماز روزہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کر کے اس کا اظہار کریں، اور دوسری صورت جو اس حدیث میں مذکور نہیں ہے یہ کہ اگر وہ لوگ دامن اسلام سے وابستہ نہیں ہونا چاہتے ہیں اور اسلامی ریاست میں اپنی بود و باش باقی رکھنا چاہتے

ہیں تو جزیہ اور ٹیکس دیں اور اگر کوئی جزیہ نہ دینا چاہیں تو اس کا متبادل ہے کہ وہ اپنی مغلوبیت و محکومت کا اقرار کر کے کسی خاص معاہدہ کے تحت سربراہ ریاست سے صلح کرلے اور پناہ لے کر اسلامی ریاست میں رہے اسلامی قوانین اپنے رحم و کرم کی بنا پر اس کی جان و مال اور عزت کی تحفظ کی ذمہ داری لے لے گا ایسے کو ذمی کہا جاتا ہے۔

أمرت أن أقاتل الناس

امام نووی اور ملا علی قاری کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد اہل اوثان ہیں نہ کہ اہل کتاب کیوں کہ اہل کتاب لا الہ الا اللہ کے معترف ہیں، اس کی تائید میں نسائی کی روایت ہے اس میں أمرت أن أقاتل المشرکین کا لفظ آیا ہے لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ صرف ایک روایت کے مطابق ہے بلاشبہ اہل کتاب لا الہ الا اللہ کے معترف تھے مگر حدیث شریف کا دوسرے جز محمد رسول اللہ کے مقر نہیں تھے اس لئے اہل کتاب بھی اس حکم میں شامل ہوں گے شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ الناس سے عام لوگ مراد ہیں مگر آیت کے ذریعہ اہل کتاب کو خاص کر لیا گیا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب اولی ہے[1]

ویقیمو الصلوٰۃ ویؤتو الزکوٰۃ

یہاں صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ مفروضہ ہے اور اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اس کے تمام شرائط اور ارکان کے ساتھ قائم کرنا، اس حدیث کے ذریعہ امام نووی نے عمداً تارک الصلوۃ کے قتل پر استدلال کیا ہے حضرت امام شافعی کا مذہب بھی اس مسئلے میں یہی ہے کہ تارک الصلوۃ عامداً کو فقہی شرائط کے مطابق قتل کر دیا جائے گا۔[2]

اور زکوٰۃ سے یہاں زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے صدقات نافلہ مراد نہیں، اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے قتال کیا اور تمام صحابہؓ نے اس پر اجماع کیا، اور بعض حضرات نے یقیموا الصلوۃ ویوتو الزکوٰۃ کا مطلب یہ بیان کیا کہ قتال اس وقت تک جاری رکھیں گے یہاں تک کہ وہ لوگ اس کی فرضیت کا اقرار کر لیں۔ اور حدیث شریف میں جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ مذکور ہے اس سے مراد صرف یہی دونوں نہیں ہیں بلکہ اس سے ارکان خمسہ مراد ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے اور ذکر میں ان دونوں کے خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ میں ام العبادت ہیں کیوں کہ نماز کو دین اسلام کا ستون اور زکوٰۃ کو دین اسلام کا پل قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم نے متعدد جگہ زکوٰۃ کو صلوٰۃ سے ملا کر ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] مرقات المفاتیح جلد ۱ ص ۸۰، [2] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۳۹ [3] مرقات جلد ۱ ص ۸۱

سوال:۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ، اور حج کے منکر کے ساتھ قتال نہیں کیا جائے گا کیوں کہ حدیث میں ان دونوں کا ذکر نہیں؟

جواب:۔ صوم اور حج کا ذکر حدیث میں اس لئے نہیں کیا گیا کہ اس وقت تک یہ دونوں فرض نہ ہوئے تھے، دوسرا جواب یہ کہ نماز بدنی عبادت اور زکوۃ مالی عبادت جو کہ اصل تھی اس کو ذکر دینا ہی کافی ہے۔

سوال:۔ حدیث شریف میں قبول جزیہ وغیرہ کی صورتیں مذکور نہیں ہیں جب کہ قتال سے قبل دعوت اسلام دینی چاہئے اگر یہ نہ قبول کرے تو جزیہ لاگو کرنا اسلامی تعلیم ہے۔

جواب:۔ حدیث شریف میں حتى يشهد وا سے مراد اعلاء کلمۃ اللہ ہے جس کی بہت سی شکلیں ہیں مثلاً قبول جزیہ اقرار توحید ورسالت، طلب امن، طلب صلح، ذمیت وغیرہ تو یہاں اعلاء کلمۃ اللہ کی ایک بڑی صورت اور فرد کامل ذکر دیا ہے اور عام مراد لی گئی ہے یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک جزیہ کے احکام نازل نہ ہوئے ہوں اس لئے جزیہ حدیث میں مذکور نہیں ہے [1]

سوال:۔ قرآن مجید نے بآواز بلند اعلان کر دیا کہ لا اكراه في الدين دین کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے لكم دينكم ولى دين، تم اپنے دین پر راضی اور ہم اپنے دین پر راضی، اور ادھر حدیث میں امرت ان اقاتل الناس الخ فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں زور زبردستی ہے اس سے تو معاندین اسلام کا یہ پروپیگنڈہ کہ اسلام تلواروں کے زور سے پھیلا ہے کو تقویت ملتی ہے؟

جواب:۔ یہ تصور کہ اسلام محض تلواروں کے زور سے پھیلا ہے سراسر غلط ہے اور اس حدیث کو مستدل بنانا ناقابل التفات ہے کیوں کہ یہ حدیث شریف مرتدین کے بارے میں ہے اور خود عیسائیوں کے یہاں مرتد کا قتل جائز ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جب کافروں سے جنگ چھڑ جائے تو اس وقت تک جنگ بند نہ ہوگی جب تک کہ اسلام کی حقانیت کا اقرار نہ کرلیں اور یہ حدیث جنگی آرڈی نہیں ہے [2]

اس حدیث کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اسلام کو ظاہر کرے اور کفر کو چھپائے اس کا اسلام بھی ظاہر کے اعتبار سے قبول کیا جائے گا یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زندیقوں، ملحدوں کی توبہ بھی قبول کی جاسکتی ہے مگر علامہ موصوف نے زندیق کے قبول توبہ اور عدم قبول توبہ کے متعلق پانچ اقوال نقل کئے ہیں (۱) احادیث صحیحہ کی وجہ سے زندیق کی توبہ مطلقاً قبول کی جائے گی (۲) مطلقاً زندیق کی توبہ قبول نہ کی جائے گی، بلکہ اسے بالیقین قتل کر دیا جائے گا لیکن اگر زندیق نے صدق دل سے توبہ اور ندامت کی ہوگی تو اسکا نفع آخرت میں ہوگا اور اہل جنت میں سے ہوگا (۳) اگر

---

[1] مستفاد تحفۃ الاحوذی ص ۱۱۵ [2] کشف الحاجہ ص ۱۴۳

ایک مرتبہ توبہ کر چکا ہے تو اس کی توبہ قبول ہوگی لیکن اگر دوبارہ الحاد و بد دینی کرتا ہے تو اسکی توبہ مقبول نہ ہوگی (۴) اگر بلا کسی طلب کے اسلام قبول کیا تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اگر تلواروں کے خوف سے اسلام قبول کیا ہے تو قبول نہ ہوگی (۵) اگر وہ اپنی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور وہ اسکا محرک ہے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی ان تمام اقوال میں قول اول اصح اور اصوب ہے [۱]

امام نووی نے اس حدیث سے پندرہ اہم باتیں اخذ کی ہیں جو بغرض افادہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اس سے حضرت ابو بر صدیقؓ کی شجاعت معلوم ہوتی ہے۔

(۲) ایمان کے لئے اقرار شہادتیں شرط ہے

(۳) احکام اسلام ظاہر پر نافذ ہوتے ہیں باطنی احوال کا علم عند اللہ ہے۔

(۴) اس میں قیاس کا جواز اور اس پر عمل کا ثبوت ہے۔

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ اظہار حق کے لئے مناظرہ کرنا جائز ہے اور پیچیدہ مسائل میں اکابر اور بڑوں سے مشورہ لیا جائے گا۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ جہاد واجب ہے۔

(۷) جو شخص کلمہ پڑھ لے اسکا مال اس کی جان سب محفوظ ہو جاتی ہیں۔

(۸) نماز، روزہ اور دیگر شعائر اسلام سے روگردانی کرنے والے کے ساتھ قتال کیا جائے گا۔

(۹) عموم سے دلیل پکڑنا جائز ہے۔

(۱۰) باغیوں سے قتال کرنا واجب ہے۔

(۱۱) نو ایجاد مسائل میں اجتہاد کا جواز معلوم ہوا اور اسے اہل علم کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت ملا۔

(۱۲) فروعات میں مجتہدین سے غلطی پر ان کی دارو گیر نہ کرنا۔

(۱۳) اگر ارباب حل و عقد میں سے کوئی ایک اختلاف کرے تو اجماع منعقد نہ ہوگا۔

(۱۴) زندیق شخص کی توبہ قبول کی جائے گی

(۱۵) زکوٰۃ سخال میں بھی واجب ہے اس کی اصل کے ساتھ تابع بنا کر [۲]

رجال حدیث:۔

احمد بن الازہر بن منیع ابو الازہر العبدی نیساپوری، صدوق راوی ہیں [۳]

ابو جعفر رازی، نام عیسیٰ بن ابی عیسیٰ عبداللہ بن ہامان، صدوق راوی ہیں [۴]

---

[۱] نووی جلد ۱ ص ۳۹ [۲] نووی جلد ۱ ص ۴۰ [۳] تقریب ص ۴ [۴] تقریب ص ۴۹۲

ربیع بن انس البکری الحنفی، ان پر تشیع کا الزام لگایا گیا ہے، محدثین کے یہاں صدوق راوی ہیں [۱]

(۸۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْأَزْهَرِ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَهْرَامَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرتا رہوں تا آں کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں۔ حدیث کی تشریح گذر چکی ہے۔

رجال حدیث:۔

عبدالحمید بن بہرام الفزاری المدائنی صدوق راوی ہیں [۲]

شہر بن حوشب الاشعری الشامی، صدوق راوی ہیں ان کو روایت بیان کرنے میں بہت زیادہ وہم ہو تا تھا [۳]

(۸۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ الرَّازِيُّ أَنْبَأَ يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ اللَّيْثِيُّ ثَنَا نِزَارُ بْنُ حَيَّانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيْبٌ أَهْلُ الْإِرْجَاءِ وَأَهْلُ الْقَدَرِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عباس اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں دو جماعت ایسی ہوں گی جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو گا ایک مرجیہ دوسری قدریہ

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی مکمل تشریح گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

رجال حدیث:۔

[۱] تقریب ص ۷۷ [۲] تقریب ص ۱۴۷ [۳] تقریب ص ۱۱۰

محمد بن اسماعیل بن ابی ضرار کنیت ابو صالح الرازی ہے موصوف صدوق راوی ہیں ۱؎

عبداللہ بن محمد اللیثی مجہول راوی ہیں ۲؎

نزار بن حیان الاسدی ضعیف راوی ہیں ۳؎

(۸۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ عُثْمَانَ الْبُخَارِیُّ سَعِیْدُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ ثَنَا الْهَیْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ ثَنَا اِسْمَاعِیْلُ یَعْنِیْ ابْنَ عَیَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ مُجَاهِدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایمان کی زیادتی کو قبول کرتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

امام ابن ماجہ اس روایت اور دوسری روایت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان کی زیادتی کو قبول کرتا ہے مصنف کے یہاں یہی معتبر ہے، اس مسئلے کی وضاحت مع اختلاف اقوال باب کے تحت ہم لکھ کر آئے ہیں اس لئے اعادہ نہیں کیا جارہا ہے وہاں اس کو دیکھ لیا جائے۔

رجال حدیث:۔

سعید بن سعد بن ایوب ابو عثمان البخاری، صدوق راوی ہیں ۴؎

الہیثم بن خارجہ المروزی ابو احمد، صدوق راوی ہیں ۵؎

اسماعیل بن عیاش بن سلیم عنسی ابو عتبہ الحمصی، آپ صدوق راوی ہیں ۶؎

عبدالوہاب بن مجاہد متروک الحدیث ہیں امام ثوری نے ان کی تکذیب کی ہے ۷؎

(۸٤) حَدَّثَنَا اَبُوْاِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیُّ ثَنَا الْهَیْثَمُ ثَنَا اِسْمَاعِیْلُ عَنْ جَرِیْرِبْنِ عُثْمَانَ عَنِ الْحَارِثِ اَظُنُّهُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِیْ الدَّرْ داء قَالَ اَلْاِیْمَانُ یَزْدَادُ وَیَنْتَقِصُ۔

ترجمہ حدیث:۔

۱؎ تقریب ص ۱۱۵ ۲؎ تقریب ص ۱۴۱ ۳؎ تقریب ص ۲۶۰ ۴؎ تقریب ص ۹۲ ۵؎ تقریب ص ۲۶۹ ۶؎ تقریب ص ۲۵ ۷؎ تقریب ص ۱٦۷

حضرت ابودرداءؓ سے منقول ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث کی جو ضروری توضیح ہے وہ مع اختلاف واقوال ائمہ ما قبل میں ہو چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

(۱۰) بَابُ فِی الْقَدْرِ

اس باب کے تحت امام ابن ماجہ وہ روایتیں لائیں گے جو ایمان بالقدر سے متعلق ہوں گی اس لئے روایتوں کے ذکر سے قبل کچھ ضروری اور بنیادی باتیں لکھنی ضروری ہیں۔ اس باب کے تحت کل گیارہ مباحث ہیں (۱) قضاء وقدر کی لغوی تحقیق (۲) اصطلاحی تعریف (۳) قضاء وقدر کے درمیان فرق (۴) بیان تمثیل (۵) ازالہ شبہات (۶) ایمان بالقدر کا ثبوت قرآن سے (۷) تاریخ انکار تقدیر (۸) عقیدہ تقدیر اور اسلامی تعلیم (۹) مسئلہ افعال عباد کے متعلق بیان مذاہب مع الدلائل (۱۰) عقیدہ تقدیر کے فوائد (۱۱) تقدیر کی اقسام، اب ہر ایک علیحدہ علیحدہ بالتفصیل رقم طراز ہے۔

قضاء وقدر کی لغوی تحقیق:۔

ابن قتیبہ نے امام القراء امام کسائی سے نقل کیا ہے قَدَرَ۔ قَدْرٌ۔ دال کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ مشہور ہے[۱] اور دونوں طرح سے قرآن کریم میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنَّا کل شئی خلقناہ بقدر، انا انزلناہ فی لیلۃ القدر، وما ننزلہ الا بقدر معلوم۔

قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنا [۲] تقدیر کے معنی حکم لگانا فیصلہ کرنا [۳] اور قضا کا لغوی ترجمہ ہے فیصلہ کرنا قضی یقضی۔ ض۔ قضاء الشئ۔ مضبوطی سے بنانا۔ حاجتہ ضرورت پوری کرنا [۴]

اصطلاح شریعت میں قضاء وقدر کے معنی:۔

اصطلاح شریعت میں قدر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی تخلیق سے قبل اپنے علم میں مقدر کر لیا اور اسی علم خداوندی کے مطابق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اور احکام اجمالیہ جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہیں اس کو قضاء کہتے ہیں [۵]

قضاء وقدر میں فرق:۔

---

[۱] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۲۷ [۲] غیاث اللغات ص ۳۳۶ مصباح اللغات ص ۶۶۲ [۳] مصباح اللغات ص ۶۸۸ [۴] مستفاد تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۳۲ و ص ۸۳ تحفۃ المرآۃ ص ۱۲۸ مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۳۲ نووی جلد ۱ ص ۲۷

بعض علماء نے قضاء و قدر دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے کہ یہ دونوں الفاظ مترادفہ ہیں جو ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ضرور ہے چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ قضاء ان احکام اجمالیہ کا نام ہے جو ازل ہی سے علم خداوندی میں موجود ہیں اور اس اجمال کے بعد تفصیلی جزئیات و توزیع پذیر ہوتے رہتے ہیں وہ قدر ہے مگر حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے احکام اجمالیہ کا علم قدر ہے اور احکام تفصیلہ کا علم قضاء ہے [1]

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ قضاء و قدر دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اس لئے کہ قدر بمنزلہ بنیاد کے ہے اور قضاء بمنزلہ عمارت کے ہے اور امام راغب فرماتے ہیں کہ قضاء قدر سے خاص ہے اور قدر قضاء سے عام ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ قدر اس نقشے کا نام ہے جو مصور کے ذہن میں اولاً ہوتا ہے اور قضاء اس صورت خارجیہ کا نام ہے جو مصور خارج میں تیار کرتا ہے [2]

بیان تمثیل:۔

قضاء و قدر کی مثال ایسی ہی ہے جس طرح ایک انجینئر یا معمار مکان بنانے سے پہلے اس کا ایک نقشہ اور خاکہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے پھر اس نقشہ کو کسی کاغذ پر بناتا ہے پھر اسی کے مطابق خارج میں مکان تیار کرتا ہے اسی طرح خالق کائنات نے اس کائنات کے وجود سے قبل اپنے علم ازلی میں اور پھر لوح محفوظ میں ایک نقشہ قائم فرمایا ہے پھر اسی کے مطابق کائنات میں مختلف انواع و قوع پذیر ہوتے رہتے ہیں تو تقدیر کی بنیاد علم باری اور قدرت باری پر ہے اور انکار تقدیر سے ان دونوں کا انکار لازم آئیگا اور اللہ کی طرف جہل و عجز کی نسبت لازم آئیگی ہے۔

دوسری بات تقدیر علم مظہر ہے مجبر نہیں ہے جس طرح ایک نجوم داں کسی حادثے کے وقوع سے پہلے اس کی خبر دیتا ہے اور پھر پیش آجاتا ہے ظاہر ہے کہ اس نجومی آدمی کا یہ علم واخبار حادثے کے وقوع کا ذریعہ اور سبب نہیں ہے بلکہ صرف اسکی حیثیت مخبر کی ہے اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے علم ازلی قطعی یقینی میں تمام واقعات و حوادثات عالم کو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے تقدیر الٰہی صرف مظہر ہے مجبر نہیں ہے۔

ازالۂ شبہات:۔

مسئلہ تقدیر پر کچھ شبہات ہیں جو شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہ میں بھی ہیں (۱) جب منجانب اللہ

---

[1] تحفۃ المرآۃ ص ۱۱۴ تنظیم الاشتات جلد ا ص ۳۲ مظاہر حق جدید جلد ا ص ۱۳۲ [2] مرقات جلد ا ص ۱۵۸

بندہ کے لئے کفر مقدر ہے تو بندہ کفر کے ارتکاب پر مجبور محض ہوا پھر اس کو ایمان کا مکلف بنانا اور عدم ایمان کی صورت میں جزاء و سزا مقرر کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟ بندہ تو وہی کر رہا ہے جو اللہ نے لکھ دیا؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں بنایا بلکہ اسے قوت کاسبہ اور ملکہ اختیار یہ کی دولت سے بھی نوازا ہے جس کے تحت بندے سے افعال صادر ہوتے ہیں اور جزاء و سزا اعمال و عقاب اسی قوت کاسبہ پر ہوگا بندہ مجبور محض نہیں ہے کیونکہ حرکت اختیار یہ اور حرکت رعشہ میں فرق نہ کرنا اور انسان کو پتھر کی طرح مجبور جاننا حماقت کے سوا اور کچھ نہیں۔

دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ تقدیر سے انسان میں کاہلی کم ہمتی، اور سستی پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ انسان یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ قسمت ہی میں یہی لکھا ہے تو ہاتھ پاؤں ہلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں مسئلہ تقدیر پر ایمان لانے کا حکم دیا وہیں ساتھ ہی ساتھ اسباب کے اختیار کرنے کا بھی حکم دیا ہے اور اس کی تاکید فرمائی گئی ہے مثلاً بیماری میں علاج کرنیکا حکم، جنگ و جدال میں اسلحہ اٹھانے کا حکم اور کسب معاش میں محنت و مشقت اٹھانے کا حکم موجود ہے پھر تقدیر پر کلی اعتماد کر کے بے عملی، سستی اور کاہلی کا سبق لینا یہ انسان کی خود اپنی غلطی ہے نیز رات و دن کا مشاہدہ ہے کہ تلاش رزق میں انسان کبھی تقدیر پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ جاتا ہے بلکہ دن و رات اس کے لئے یکساں بنائے رہتا ہے پھر اعمال شرعیہ میں تقدیر پر بھروسہ کرنے کا کیا مطلب رکھتا ہے۔

تیسرا شبہ اس مقام پر یہ ہوتا ہے کہ جب تمام معاصی و منکرات تقدیر الٰہی واقع ہوتے ہیں حتی کہ کفر جیسا عظیم گناہ بھی تقدیر الٰہی سے صادر ہوتا ہے اس لئے کہ جس طرح خالق خیر اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح خالق شر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور مسلمانوں پر رضا بالقضاء بالاتفاق واجب ہے لہٰذا رضاء بالکفر والمعاصی بھی واجب ہوگا حالانکہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں ایک قضاء ورضاء بمعنی مصدر، یعنی خلق ایجاد، دوسرا قضاء بمعنی المفعول مقضی، یعنی وہ موجود مقدر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندے میں پیدا فرمایا ہے اور بندے کی صفت ہے تو رضا بالقضاء اس صفت پر واجب ہے جو مصدر کے معنی میں ہو کر اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہوتی ہے یعنی تخلیق معصیت اور اللہ تعالیٰ کے علم میں معصیت ہونے کے بارے میں رضا واجب ہے اور اس سے بذات خود معصیت پر رضاء لازم نہیں آتی ہے کیونکہ خالق کے اندر دونوں طرح کی صفات کا ہونا موجب کمال ہے۔ جس کو کہا جاتا ہے کہ خلق شر شر نہیں ہے بلکہ کسب شر شر ہے۔ جس طرح ایک آدمی رائفل، کارتوس، اور بندوق تیار کرتا ہے اور خوب بہترین طریقہ سے بنانا جانتا ہے تو یہ اسکی کمال صفت ہے مگر دوسرا آدمی اس کے تیار کردہ رائفل، کارتوس کو غلط استعمال کرتا ہے اور ناحق لوگوں کو مارتا

پھرتا ہے تو اس میں رائفل بنانے والے کا اس پر راضی ہونا لازم نہیں آتا ہے اور اس کو کوئی برا بھلا نہیں کہتا ہے اسی طرح خلق شر سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ کسب شر پر بھی راضی ہو لے

ایمان بالقدر کا ثبوت قرآن سے:۔

مسئلہ تقدیر کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بالتفصیل بیان کیا گیا ہے چنانچہ سورہ یٰسین میں چاند و سورج کے متعلق بیان کیا گیا ہے وہ اپنی رفتار اور متعینہ راستے پر چل رہے ہیں۔ والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم ـ والقمر قدرناه منازل حتى عاد كالعرجون القديم لاالشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار (پ ۲۳) ان آیات اور بیانات سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کی رفتار اور ان کے راستے متعین ہیں جو علم خداوندی ازلی کے مطابق چلتے رہتے ہیں نیز رات و دن کی آمد و رفت علم باری ازلی کے مطابق ہے، زمین کی غذاؤں کے متعلق فرمایا وقدر فيها اقواتها (پ ۲۴) اور موت کے متعلق ارشاد فرمایا نحن قدرنا بينكم الموت (پ ۲۷) اور مصائب و آلام جو انسانوں پر آتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبرأها (پ ۲۷) اسی طرح عام چیزوں کے متعلق ارشاد فرمایا انا كل شئي خلقنه بقدر (پ ۲۷) وخلق كل شئي فقدره تقديرا (پ ۱۸) وان من شئي الا عندنا خزائنه ومانُنزله الا بقدر معلوم (پ ۱۲) وما تسقط من ورقة الا يعلمها ولا حبة في ظلمت الارض ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين ان آیات مبارکہ سے تقدیر کا ثبوت ملتا ہے ان کے علاوہ دیگر تمام آسمانی کتب و صحائف توریت انجیل اور زبور سے بھی تقدیر کا ثبوت فراہم ہوتا ہے ؎

انکار تقدیر کی مختصر تاریخ:۔

خلافت علی منہاج النبوۃ کے دور آخر تک پوری امت مسئلہ تقدیر پر متفق رہی کسی نے بھی اس میں نزاع نہیں کیا، لیکن جب زمانہ دور نبوت سے دور ہوتا چلا گیا اور خلافت راشدہ کا زمانہ بھی بالکل ختم ہوا چاہتا تھا کہ مسلم کی روایت کے مطابق بصرہ کے ایک شخص معبد جہنی نے کے سب سے پہلے اس مسئلہ کو اٹھایا اور تقدیر کا انکار کر بیٹھا، وہ کہتا تھا کہ الامر انف یعنی وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا کوئی نقشہ حق تعالیٰ کے علم میں نہیں ہے اور حوادثات و واقعات کے وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان حوادثات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق کے مطابق معبد جہنی نے اس عقیدے کو بصرہ کے ایک شخص سیسویہ سے اخذ کیا تھا جو

ل استفادہ تنظیم الاشتات جلد اص ۳۴ تحفۃ المرآۃ ص ۱۴۹ ع ماخوذ بتغیر اللفظ تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۰

مذہبا مجوسی تھا، صحیح مسلم شریف کی کتاب کے آغاز ہی میں یہ قصہ مذکور ہے کہ یحی بن یعمر اور حمید بن عبد الرحمن دونوں حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں حضرت عبداللہ بن عمر سے ملاقات ہوئی تو ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے اس عقیدہ کا تذکرہ کیا، جس سے حضرت عبداللہ بن عمر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس شخص کو بتادو کہ اگر وہ احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کردے پھر بھی وہ قبول نہ ہوگا یہاں تک کہ عقیدہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے، پھر عقیدہ تقدیر کے بجائے افعال عباد کے متعلق گفتگو ہونے لگی[۱]

فتنہ عقیدہ انکار تقدیر کی نوعیت:۔

اور اس کی نوعیت یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ بیت اللہ شریف میں آگ لگ گئی اور بیت اللہ جل گیا، تو ایک شخص نے کہا کہ اللہ رب العزت کی قدرت سے جلا، دوسرے شخص نے کہا تمہاری بات غلط ہے اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے اس طرح یہ عقیدہ رفتہ رفتہ پھیلتا رہا اور اس عقیدے کو ماننے والے رفتار زمانہ کے ساتھ بڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک مستقل جماعت کی شکل اختیار کرلی، جس وقت کعبہ شریف میں آگ لگی تھی اس وقت حضرات صحابہ میں جو حضرات (مثلاً ابن عمر ابن عباس وغیرہ) بقید حیات تھے انہوں نے نہایت شدومد سے اس باطل نظریہ کی تردید کی، اور اس میں کسی طرح کا کوئی دقیقہ فروگذشت نہیں کیا، بلکہ ایڑی چوٹی کا زور لگاکر ان باطل خیالات کا تعاقب کیا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس گمراہ فرقے کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں افعال عباد کا علم قبل الوقوع نہیں ہوتا ہے بلکہ بندے سے افعال صادر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم میں آتا ہے اس کے متعلق علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ عقیدہ تو انکا ضرور تھا مگر اب اس عقیدہ کے حامل حضرات اس فرقہ میں نہیں رہے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہوگیا کہ افعال عباد کا علم قبل الوقوع اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے البتہ ان کے متقدین علماء کا یہ عقیدہ ضرور تھا کہ افعال بندے سے علی وجہ الاستقلال صادر ہوتے ہیں لیکن متاخرین علماء نے اس کا انکار کیا ہے متاخرین کی دلیل یہ ہے کہ ارادہ ایک قدیم صفت ہے اور بندے تو حادث ہیں تو شئی قدیم کا تعلق وربط شئی حادث اور فانی کے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے[۲]

افعال عباد کا مسئلہ اور اسکے متعلق بیان مذاہب مع الدلائل:۔

مسئلہ افعال عباد کے متعلق تین مذاہب ہیں:۔

---

[۱] مسلم شریف جلد ۱ ص ۲۷ مستفاد کشف الحاجہ ص ۱۵۱، تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۱ [۲] کشف الحاجہ ص ۱۵۱

(۱) فرقہ جبریہ، جہمیہ اور مرجیہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال میں بالکل مجبور محض ہے بندے سے افعال کے صادر ہونے میں قطعاً بندے کے ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ تمام افعال عباد اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں بندے کو نہ قوتِ خالقہ حاصل ہے نا ہی قدرت کاسبہ، ان حضرات نے مسئلہ تقدیر اور عقیدہ قدر میں نہایت غلو اور افراط سے کام لیا اور انسان کو پتھر کی طرح مجبور محض بنادیا ہے۔

(۲) فرقہ معتزلہ، قدریہ اور شیعہ کے بعض گروہ اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اپنے افعال (مثلاً ایمان، کفر، طاعت و معصیت) کا خود خالق و موجد ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ کے لئے قوت خالقہ اور قوت کاسبہ دونوں ہی حاصل ہیں، ان حضرات نے مسئلہ تقدیر میں نہایت تفریط سے کام لیا ہے اور بندہ کو مالک و مختار مان کر عقیدۂ تقدیر کا بالکل انکار ہی کر بیٹھے۔

(۳) تیسری جماعت اہل سنت والجماعت کی ہے جو نہ جبریہ کی طرح بندہ کو مجبور محض مانتے ہیں اور نہ قدریہ اور معتزلہ کی طرح بندہ کو کل اختیار دے کر اللہ تعالیٰ کو بالکل بے دخل مانتے ہیں بلکہ ان دونوں جماعت کے بین بین ہے کہ اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ بندے کے افعال اختیار یہ بندہ اور خدا تعالیٰ دونوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں بندے کی قدرت کا تعلق کسب سے ہے یعنی بندہ اپنے افعال کا خود کاسب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق خلق وایجاد سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ افعال عباد کا خالق ہے۔ پھر متقدمین معتزلہ بندہ کے لئے لفظ خالق کے استعمال سے احتراز کرتے تھے کیونکہ سلف کا اجماع تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق موجد اور مبدع نہیں ہے اس سے متقدمین نے صرف نام کا حصر سمجھا مگر جب متاخرین معتزلہ نے دیکھا کہ خالق موجد سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا، لہٰذا یہ حضرات بندہ پر بھی لفظ خالق کا استعمال کرنے لگے اور کھلے لفظوں میں کہتے تھے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے [1]

اہل سنت کی طرف سے دلائل اور گمراہ فرقوں کی تردید:

اہل سنت والجماعت نے افعال عباد کی مخلوق ہونے پر عقل اور نقل دونوں طرح کی دلیلیں پیش کی ہیں، دلیل عقلی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بندہ اپنے افعال کا خالق و موجد ہوتا تو اپنے افعال کے تفصیلی احوال کا بھی علم رکھتا ہے مگر بندہ کو اپنے افعال کے تفصیلی احوال کا علم حاصل نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک چلنا انسان کا فعل اختیاری ہے جو مختلف حرکات و درمیانی سکنات پر مشتمل ہے مگر انسان کو اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ کون سا قدم کتنی دیر زمین پر پڑا رہا اور کون سا

[1] شرح عقائد ص ۷۵، بیان الفوائد جلد ۱ ص ۳۰ تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۳۳، تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۱ الملل والنحل جلد ۳ ص ۲۲

قدم کتنی دیر زمین سے جدا اور فضاء میں معلق رہا اور اسے یہ علم بھی نہیں ہے کہ کس قدم کی حرکت سریع تھی اور کسی قدم کی حرکت بطئی تھی وغیرہ وغیرہ اسی طرح اگر بندہ اپنے باطنی احوال میں غور کرے تو اس میں بھی لا علمی کا اظہار کریگا کیوں کہ کسی شئی کے پکڑنے کے وقت کن کن رگوں اور پٹھوں کو حرکت ہوئی اور کن اعصاب میں کتنا تناؤ ہوا بندے کو معلوم نہیں سوائے اللہ کے، لہٰذا بندے کا اپنے افعال کے تفصیلی احوال سے لاعلم ہونا علم اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے ۱؎

اور اس مسئلے کے ثبوت کے لئے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق و موجد نہیں ہے بلکہ خالق و موجد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے وہ تمام نصوص شرعیہ ہیں جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں (۱) واللّٰہ خلقکم وماتعملون۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور اس چیز کو پیدا فرمایا جس کو تم کرتے ہو (۲) لا الٰہ الا ھو خالق کل شئی فاعبدوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے سوائے اس ذات کے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، پس تم اسکی عبادت کرو، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کو ہر شی کا خالق و موجد قرار دیا ہے اور افعال عباد بھی ایک شئی ہے لہٰذا اسکا بھی خالق و مبدع اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ (۳) افمن یخلق کمن لا یخلق کیا خالق (اللہ رب العزت) اور غیر خالق (معبودان باطل) دونوں برابر ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے استفہام انکاری کے طور پر مقام مدح میں اپنے لئے خالق ہونا قرار دیا ہے اور خالق ہونے ہی کو مستحق عبادت ٹھہرایا ہے اور مدح و تعریف صحیح طور سے اسی وقت ہو سکتی ہے جب صفت خالقیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو اور جب خالق ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہو گی تو پھر بندہ خالق کس طرح بن سکتا ہے ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام افعال خیر و شر کا خالق و مبدع ہے بندہ صرف اس کا کاسب ہے۔ ۲؎ پھر اس بات کی دلیل کہ بندہ اپنے افعال کے کرنے میں مختار ہے مجبور نہیں ہے جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں کہ:

(۱) فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (پ۱۵) جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا دل چاہے کفر کرے، (۲) فمن شاء اتخذ الیٰ ربہ سبیلا (پ۲۹) پس وہ شخص جس نے بنائی اپنے رب کی جانب کوئی راہ، (۳) ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلہ جمیعا (پ۱۱) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو ساری زمین کے لوگ ایمان لے آتے، ان آیات سے یہ بات نہایت واضح طور پر معلوم ہوئی کہ ایمان وہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا ہے بلکہ انسان کو اس سلسلے میں کچھ اختیارات دے رکھے ہیں جس کی بنیاد پر انسان حلال و حرام، ایمان و کفر، اچھائی، خرابی اور کھرے کھوٹے کے درمیان امتیاز کرتا ہے انسان پتھروں کی طرح بالکل مجبور ولاچار نہیں ہے ۳؎

عقیدہ تقدیر اور اسلامی تعلیم:۔

۱؎ بیان الفوائد جلد ا ص ۲۳۱ شرح عقائد ص ۷۶۔ ۲؎ شرح عقائد ص ۷۶ بیان الفوائد جلد ا ص ۲۳۱ ۳؎ تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۱

تقدیر کا مسئلہ چوں کہ مزلۃ الاقدام میں سے ہے اور یہ ایک ایسی خار دار وادی ہے کہ جہاں قدم نہایت پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے اس میدان میں عقلی گھوڑا دوڑانا، اس میں غور وخوض کرنا اس کے متعلق بحث و مباحثہ کرنا لا حاصل ہے اور اس میں عقلیت پسندی کا مظاہرہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اپنے ایمانی وجود کو ایک مہلک راستہ پر ڈالنے کے مترادف ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مسئلہ تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ اسی دوران حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور دیکھا کہ لوگ تقدیر کے مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں اور بحث مباحثہ کر رہے ہیں یہ منظر دیکھکر حضور اکرم ﷺ کا چہرہ انور غصہ سے سرخ ہو گیا اور سخت ناراضگی اور غصہ کے عالم میں فرمایا کہ کیا تمہیں اسی بات پر مامور کیا گیا ہے اور میں تمہارے پاس اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ تقدیر الٰہی کے اسرار اور رموز کی ٹوہ لگاؤ اور تم انسانی عقل و فہم کے ادراک سے بالاتر مسائل کی گتھیاں سلجھاؤ، بلکہ تمہیں تو صرف وہی کام کرنا چاہیئے جس کو اللہ تعالیٰ نے کرنیکا حکم دیا، اور ان امور سے بچتے رہنا چاہیئے جن سے خدا نے بچنے کی تاکید فرمائی ہے خواہ مخواہ کی چیزوں میں نہیں الجھنا چاہیئے، علماء راسخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا ایسا راز و بھید ہے جس کا عام انسانی عقل و فہم میں آنا تو درکنار، اس پر کسی مقرب سے مقرب ترین فرشتہ اور محبوب سے محبوب ترین نبی اور رسول کو بھی مطلع نہیں کیا گیا لہٰذا اس بارے میں غور وخوض، سوچ و فکر اور بحث و مباحثہ سے اجتناب کر کے بس اس عقیدے پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا چاہیئے کہ تمام مخلوق خدا کی پیدا کردہ ہے تمام چیزیں اس کی مشیت سے وقوع پذیر ہوتی ہیں تمام خیر و شر نیک و بد اور اچھائی و برائی کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ہر عمل ہر واقعہ اور جملہ ممکنات لوح محفوظ میں مکتوب ہیں اسی نوشتہ تقدیر کے مطابق وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ سے عرض کیا کہ مجھے مسئلہ تقدیر بتایئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا طویل اور پر خطر راستہ ہے جس کو کبھی بھی طے نہ کر سکو گے، لہٰذا اس راستہ پر نہ پڑو، اس نے پھر معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک گہرا سمندر ہے اس میں نہ اترو، اس نے پھر دریافت کیا، تو حضرت علیؓ نے فرمایا عزیزم تقدیر اللہ کا بھید ہے جو تم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے تمہیں اس کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے[1]

عقیدۂ تقدیر کے فوائد:۔

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عقیدۂ تقدیر پر ایمان لانے میں اور اس مسئلہ کو نہ کسی نبی اور رسول پر اور نہ ہی کسی مقرب فرشتے پر ظاہر کئے جانے میں چند فوائد ہیں (۱) تقدیر پر ایمان لانے سے ایمان

[1] مستفاد مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۱۳۳ مرقات جلد ۱ ص ۱۴۵

میں زیادتی اور اعتقاد میں استحکام پیدا ہوتا ہے یعنی لوح محفوظ کے نقشہ کے مطابق واقعات عالم کو دیکھکر فرشتوں کے وجود کے اعتقاد و تصدیق میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔(۲) عقیدہ تقدیر کو ماننے سے معرفت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کے نقشے کو دیکھکر فرشتوں کو قابل مدح، لائق ستائش اور قابل مذمت انسان کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں پھر ہر ایک کے مرتبے کے مطابق دعا خیر یاد عاشر کرتے ہیں (۳) اس سے صبر جیسی صفت پیدا ہوتی ہے انسان اپنی ناکامی اور مصیبت میں مایوس اور دل برداشتہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں خدا تعالیٰ کی حکمت تصور کر کے صبر کرتا ہے اسی کی جانب قرآن کریم کا اشارہ ہے لکیلا تأسوا علی مافاتکم (پ ۲۷) (۴) جذبہ تشکر پیدا ہوتا ہے عقیدۂ تقدیر کی وجہ سے آدمی اپنی کامیابی حسن و جمال اور کسی بھی کمال و خوبی پر متکبر و مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھکر اس کامیابی پر خدا کا شکر بجالاتا ہے ولا تفرحوا بما اتاکم (پ ۲۷) میں اسی طرف اشارہ ہے (۵) عقیدۂ تقدیر کی وجہ سے انسان بہادر و دلیر ہو جاتا ہے اور اس کے اندر صفت شجاعت آجاتی ہے اور موت و حیات سے بے خوف و خطر ہو کر میدان جہاد کی طرف نکل پڑتا ہے اور نہایت جواں مردی ہمت اور جرأت سے مقابلہ کر کے دشمن کے دانت کو کھٹے کرتا ہے اور جام شہادت نوش کرتا ہے غازی اور مجاہد کہلاتا ہے أن تموت إلا باذن الله كتاباً مؤجل (ا پ ٤) اور قل لن يصيبنا إلا ماكتب الله لنا (پ ۱۰) سے اسی کی طرف اشارہ ہے (٦) مسئلہ تقدیر پر ایمان لانے والا آدمی ظاہری اسباب کی کمی و تنگی کو دیکھکر مختلف تدبیریں اور حیلہ کرتا ہے کہ کسی طرح یہ تنگی دور ہو جائے اور اس میں وہ ہمت نہیں ہارتا ہے کیوں کہ وہ جہاں ظاہری سبب کی طرف نظر کرتا ہے وہیں اس کی نظر مسبب الاسباب اور موثر حقیقی کی ذات پر بھی ہوتی ہے کما فی القرآن كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله پ ۲ [۱]

تقدیر کے اقسام:۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں (۱) تقدیر مبرم، (۲) تقدیر معلق،

تقدیر مبرم وہ ہے کہ جس میں تبدل و تغیر اور رد و بدل کی قطعاً گنجائش نہ ہو بلکہ قطعی طور پر متعین ہو۔

تقدیر معلق وہ تقدیر ہے کہ لوح محفوظ میں مثلاً یہ لکھا ہوا ہو کہ اگر یہ شخص حج وغیرہ کرے گا تو بیس سال بچے گا ورنہ پندرہ سال زندہ رہیگا یہاں یہ بات واضح رہے کہ تقدیر معلق بھی علم الٰہی کے مطابق مبرم ہی ہوتی ہے معلق تو صرف لوح محفوظ کے اعتبار سے ہے قرآن کریم میں يمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب (پ ۱۳) جو فرمایا گیا یہ محو و اثبات لوح محفوظ کے اعتبار سے ہے نہ کہ علم خداوندی کے اعتبار سے [۲]

---

[۱] مستفاد مرقات جلد اص ۱۴۶ تحفۃ المرأۃ ص ۱۵۲ [۲] مرقات المفاتیح جلد اص ۱۴۶

(۸۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ وَأَبُومُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ الرَّقِّيُّ ثَنَا أَبُومُعَاوِيَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَالصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ أَنَّهُ يُجْمَعُ خَلْقُ أَحَدِكُمْ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْماً ثُمَّ يَكُوْنُعَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَقُوْلُ أُكْتُبْ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيْدٌ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَايَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِفَيَدْ خُلُهَاوَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَايَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم سے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا (دراں حالانکہ آپ سچے ہی نہیں بلکہ آپ کی سچائی مسلم ہے) کہ تم میں سے ہر ایک شخص کا مادہ خلقت رحم مادر میں چالیس روز تک جمع رہتا ہے پھر چالیس روز تک دم بستہ کی شکل میں رہتا ہے پھر اگلے چالیس روز میں گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا عمل، زندگی، رزق اور یہ شخص نیک بخت ہوگا یا بد بخت اس کو لکھو، (چنانچہ فرشتہ حکم خداوندی کے مطابق لکھ دیتا ہے پھر آپؐ نے کلام کو موکد کرتے ہوئے فرمایا، کہ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے لاریب تم میں کا ایک شخص اہل جنت جیسا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ جنت اور اس کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جہنم کا عمل کرتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں کا ایک شخص اہل جہنم جیسا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتہ تقدیر اس پر غالب آجاتا ہے چنانچہ وہ اہل جنت کا عمل کرتا ہے اور جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

تشریح حدیث:۔ هو الصادق المصدوق

اس جملے کے متعلق ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ ، کہ اس کو جملہ حالیہ قرار دیا جائے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ فی الواقع سچے ہیں اور آپ کی سچائی بین الناس مسلم بھی ہے

دوسرے یہ کہ اس کو جملہ معترضہ مانا جائے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اس کو جملہ معترضہ قرار دینا ہی اولی اور بہتر ہے کیوں کہ اس وقت تمام صورت میں صفت مذکورہ عام رہے گی کسی ایک حالت کے ساتھ خاص نہ ہوگی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عام طور پر نبی کریم ﷺ کو اس صفت کے ساتھ بیان فرماتے تھے آپ ﷺ اپنوں ہی میں نہیں بلکہ تمام عرب میں آپ اپنی نیکی خوش اخلاقی، دیانت، امانت، صداقت، اور راست بازی کی وجہ سے الصادق الامین کے لقب سے مشہور تھے نام لے کر آپ کو نہیں پکارا جاتا تھا۔ آپ قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ تمام ممالک عرب میں الامین، الصادق کے لقب سے معروف تھے۔[۱]

انه يجمع خلق احدكم في بطن أمه

یعنی انسان کے مادہ خلقت کو اللہ تعالی ماں کے رحم میں ٹھہراتا ہے صاحب نہایہ لکھتے ہیں کہ جمع سے مراد رحم مادر میں نطفہ کا استقرار ہے شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ اس حدیث کی شرح میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالی کی مشیت سے مرد کا نطفہ رحم مادر میں پڑتا ہے اور اللہ تعالی کی مشیت سے اس سے تخلیق بشر ہوتی ہے تو وہ نطفہ عورت کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتا ہے اور چالیس دن تک اسی حالت میں رہتا ہے پھر خون کی شکل میں رحم میں آکر جمع ہو جاتا ہے حدیث شریف میں یجمع سے یہی مراد ہے۔ حافظ ابن حجر جمع کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالی کسی بندے کی تخلیق کا ارادہ کرتے ہیں اور شوہر بیوی سے جماع کرتا ہے تو اس کا نطفہ عورت کی تمام رگوں اور تمام اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے پھر ساتویں دن اللہ تعالی اس کو جمع فرماتے ہیں پھر جس صورت میں چاہتے ہیں بنا ڈالتے ہیں یہ مضمون حدیث شریف میں بھی مذکور ہے [۲]

اربعين يوماً

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیاء کرام کے نزدیک چالیس روز میں درجہ بدرجہ تدریجی طور پر کام کرنے میں حکمت یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا خمیرہ بھی چالیس یوم میں تیار ہوا تھا تو اس طرح حضرت آدمؑ اور بنی آدمؑ کی پیدائش میں ایک گونہ مناسبت ہو جائیگی، مزید براں کہ حضرت موسیٰ کو کتاب عطا کرنے کے لئے چالیس یوم خلوت میں رہنے کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے فتم ميقات ربه أربعين ليلة گویا چالیس دن اور چلہ کشی میں عند اللہ کوئی فی الجملہ خصوصیت حاصل ہے۔ پھر بنی آدم کے نطفے کو اس کی قبر کی مٹی سے گوندھ دیا جاتا ہے جیسا کہ منها خلقنا کم کی تفسیر میں وارد ہے کہ فرشتے اس کے جائے دفن کی مٹی کو لے کر نطفہ سے ملاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان کا خمیر جہاں کا ہو گا وہیں جا کر دفن ہوتا ہے [۳]

---

[۱] مرقات المفاتیح جلد ۱ ص ۱۳۹ امداد الباری جلد ۲ ص ۳۱۸ [۲] مرقات المفاتیح جلد ۱ ص ۱۳۹ [۳] مرقات المفاتیح جلد ۱ ص ۱۴۰

ثم يكون علقة مثل ذالك ثم يكون مضغة مثل ذالك۔

علقة۔علق سے بنا ہے جس کے معنی گوند کے ہیں یہاں دم جامد غلیظ مراد ہے یعنی خون بستہ ،اور مضغة مضغ سے ماخوذ جس کے معنی چبانے کے ہیں یہاں مراد ہے گوشت کا ٹکڑا یعنی وہ خون بستہ گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کرلیتا ہے کہ آدمی اسے چبانا چاہے تو چبا سکتا ہے۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ تو ایک لمحے میں انسان کو پیدا کر سکتا ہے تو پھر اس طرح ایک چلے کے بعد دوسرے چلے میں منتقل کرنے میں اور اس طرح تدریجی طور پر تخلیق کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:۔ اس طرح پیدا کرنے میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں (۱) اگر دفعةً واحدةً پیدا فرمادیتے تو ماں کو عادت نہ ہونے کی وجہ سے سخت تکلیف کا سامنا ہوتا پھر بیمار ہو جاتی ہے اس لئے اس کو نطفے کی شکل میں رکھا تاکہ اس کی عادت ہو جائے پھر اس کے بعد دم بستہ بنا کر ایک مدت اسی حالت میں رکھا تاکہ اس کی عادت بن جائے پھر چالیس روز کے بعد گوشت کے ٹکڑے کی شکل دیدی اور اس پر ایک مدت رکھا تاکہ اس کی بھی عادت ہو جائے اس طرح ولادت کے مراحل تدریجی طور پر انجام پذیر ہوئے تاکہ ماں کو کوئی دشواری پیش نہ آئے،(۲) اس سے مقصود اپنی قدرت اور نعمت کا اظہار ہے تاکہ انسان اپنی حالت پر غور کر کے اللہ کا شکر بجالائے اور اس کی عبادت کرے کہ کتنے مراحل کے بعد یہ صورت و شکل اللہ نے بنائی اور ہمیں پیدا فرمایا (۳) تخلیق کا یہ طریقہ اختیار کر کے اس بات پر لوگوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو ایک کمزور اور رذیل پانی سے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے (۴) تدریجی طریقہ اختیار کر کے بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ کسی کام میں عجلت بازی سے کام نہ لینا چاہیے بلکہ تدریجاً کام کرنا چاہیے اس لئے کہ اللہ باوجود کہ کمال قدرت کا مالک ہے دفعةً واحدةً پیدا کر سکتا ہے مگر تدریجاً پیدا کیا پس انسان کو بدرجہ اولیٰ کسی کام کو تدریجاً انجام دینا چاہیے ،(۵) اس میں انسان کو اپنی حقیقت اور اصلیت میں غور کرنے کی دعوت ہے تاکہ وہ مغرور اور متکبر نہ ہو جائے [۱]

ثم يبعث الله اليه الملك

اس بارے میں روایات متعارض ہیں کہ فرشتے کب رحم مادر میں داخل ہو کر اس بچہ کی تقدیر لکھتے ہیں، چنانچہ اس روایت سے جو یہاں مذکور ہے معلوم ہوتا ہے کہ تین چلہ مکمل ہونے کے بعد فرشتے کو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں جو اس کی تقدیر لکھتے ہیں مگر مسلم شریف کی روایتیں مختلف ہیں پہلی روایت حدیث باب کے مطابق ہے دوسری روایت اس طرح ہے يد خل الملك على النطفة بعد ماتستقر في الرحم باربعين

[۱] مرقات جلد اص ۱۵۰ اشعۃ اللمعات جلد اص ۹۶ تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۵۵

او خمسة واربعين ليلة فيقول يارب شقی يا سعيد ، تیسری روایت میں ہے اذا مر بالنطفة ثنتان واربعون ليلة بعث الله اليها ملکا چوتھی روایت میں ہے ان النطفة تقع فی الرحم اربعين ليلة ثم يتصور عليها الملك - پانچویں روایت میں ہے ان ملكاً مو كل بالرحم اذا اراد الله ان يخلق شئيا لبضع واربعين ليلة الخ چھٹی روایت میں ہے کہ ان الله قدو کل بالرحم ملكاً الخ یہ تمام کی تمام روایتیں بظاہر آپس متعارض ہیں؟

علامہ نووی شارح مسلم نے ان روایات مختلفہ کو اس طرح جمع کیا ہے کہ فرشتے کی ڈیوٹی مقرر ہوتی ہے جس کی وہ پابندی کرتے ہیں اور نطفے کے احوال کا ذکر بروقت کرتے رہتے ہیں اور نطفہ جس حالت میں بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو بتلاتے رہتے ہیں جب کہ اللہ کو پہلے ہی سے علم ہے گفتگو یہاں فرشتوں کے تصرفات کے متعلق ہے جو دو وقت میں ہوتے ہے (۱) جب اللہ تعالیٰ نطفے کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو دم جامد اور خون بستہ کی شکل میں منتقل کرتا ہے تو فرشتہ کو سب سے پہلا علم یہ ہوتا ہے کہ اس سے اولاد ہوگی اور یہ علم پہلے چالیس دن کے بعد ہوتا ہے فرشتے اس وقت اسکا رزق اسکی عمر اسکا عمل اور اس کے نیک بخت اور بد بخت ہونے کے متعلق لکھ دیتے ہیں (۲) پھر اس کے بعد فرشتے اس میں دوسرے وقت میں کوئی دوسرا تصرف کرتے ہیں اور یہ تصرف تیسرے چلّے میں ہوتا ہے کہ اس میں جنین کی صورت گری اور کان، آنکھ، پوشت، گوشت اور ہڈی وغیرہ کی تیاری ہوتی ہے اور نیز اس میں جنین کے مذکر یا مونث ہونے کے بارے میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد اس میں روح ڈالدی جاتی ہے امام نووی اور ملا علی قاری دونوں اس پر متفق ہیں کہ نفخ روح ایک سو بیس دن کے بعد ہوتی ہے [۱]

سوال:۔ بخاری شریف کی روایت ان خلق احدكم يجمع فی بطن امه اربعين ثم يكون علقة الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ امور اربعہ رزق، عمر، اور اسکی شقاوت و سعادت کی کتابت تیسرے چلّے کے بعد ہوتی ہے اور بقیہ دیگر تمام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امور اربعہ کی کتابت پہلے چلّے کے بعد ہی ہوتی ہے تو یہ تعارض ہوا؟

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ثم يبعث الله اليه الملك فيومر باربع كلمات کا تعلق يجمع فی بطن الخ سے ہے اور اگرچہ لفظاً موخر ہے اور اسی کے بھی متعلق ہے اسکا تعلق ماقبل والی عبارت ثم يكون مضغة مثله سے نہیں ہے [۲]

سوال:۔ صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء نطفہ ہی سے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے اور اس

---

[۱] نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۲ مرقات جلد ۱ ص ۱۵۰ [۲] نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۳

سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے چلے میں فرشتے کو مقرر کیا جاتا ہے تو دونوں میں تعارض ہوا؟

جواب:۔ حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ تین چلوں یعنی چار ماہ کے بعد فرشتے کو لکھنے کا حکم ہوتا ہے یا پھر یہ کوئی دوسرا فرشتہ ہے جو تصرف کے لئے نہیں ہے بلکہ کتابت کے لئے ہوتا ہے اور ابتدائے نطفہ سے جو فرشتہ مقرر ہوتا ہے وہ تصرف اور حفاظت کے لئے ہوتا ہے لہٰذا اب دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔

اكتب عمله وأجله ورزقه الخ

اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس کے تمام اعمال خیر اور اعمال شر اسی طرح اسکی مدت حیات یعنی کب تک وہ زندہ رہیگا اور کیا رزق پاوے گا حرام یا حلال قلیل یا کثیر، بدبخت ہوگا یا نیک بخت ساری چیزیں لکھ دیں چنانچہ فرشتے لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں مگر اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا ہے علماء معانی نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کل انسان الزمناه طائره فی عنقه کا یہی مفہوم لیا ہے مگر ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ان افعال کے صدور کو اس انسان سے متعلق کر دیا جاتا ہے جو اس سے لا بدی طور پر صادر ہوتے ہیں اس کے برخلاف نہیں ہو سکتا ہے مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب لوح محفوظ میں تمام چیزیں لکھی جا چکی ہیں تو پھر دوبارہ لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اعمال بنی آدم اجمالاً مکتوب ہیں اب اس کو تفصیلاً لکھوایا جاتا ہے چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کتاب مکتوب تقدیر تین طرح وارد ہیں، (۱) لوح محفوظ میں (۲) چار ماہ کے بعد رحم مادر میں، (۳) شب قدر میں [1]

فوالذی نفسی بیده ان احدکم لیعمل بعمل اهل الجنة الخ

جب کسی بات میں تاکید اور اس کی اہمیت لوگوں کو بتلانا مقصود ہوتا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو والذی نفسی بیدی محمد سے کلام میں زور پیدا کرتے تھے اس حدیث میں نہایت بلیغ انداز میں کلام میں زور پیدا کر رہے ہیں اور اس سے اس کی اہمیت بتلانا مقصود ہے کہ تقدیر کا فیصلہ تدبیر پر غالب ہو کر ہی رہتا ہے چنانچہ ایک شخص پوری عمر جنت والا عمل کرتا رہا تمام اوامر خداوندی کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب سے اجتناب کرتا رہا حتی کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ ادھر مرتا ادھر جنت الاٹ تھی۔ لیکن آخر وقت میں نوشتہ تقدیر غالب آ گیا اور اس نے کوئی ایسا کام کر لیا جو دخول جنت کے لئے منافی تھا اور خاتم بالشر ہوا تو یہ شخص دوزخ میں جائیگا اس کے برخلاف ایک دوسرا شخص جو پوری زندگی

[1] مرقات جلد ا ص ۱۵۱

گناہوں اور نافرمانیوں مارث رہا دوزخ والا عمل کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ تقدیر کا فیصلہ غالب آیا اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا تو اب یہ شخص جنت میں جائیگا اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اعمال کی حیثیت صرف دلالت ظاہر کی ہے دخول جنت میں یا نار کے لئے اسباب حقیقیہ نہیں ہیں بلکہ مقدر میں جو کچھ لکھا ہو گا وہ ہر حال میں ہو کر رہے گا اس لئے آدمی کو اپنے موجودہ اعمال حسنہ سے فریب کھا کر عجب و تکبر کا شکار ہر گز نہ ہونا چاہیے کیوں کہ اصل خاتمہ بالخیر ہے اسی طرح گناہوں و معصیات میں گرفتار شخص کو اللہ کی رحمت اور جود مغفرت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے بلکہ اللہ کی رحمت پر یقین رکھے اس سے مغفرت کا طالب ہو۔

امام نووی اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ذراع سے مراد ذراع حقیقی نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود صرف تمثیل ہے تاکہ مسئلہ جلدی فہم میں آسکے [1] نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف تقدیر کی بنیاد پر یہ فیصلہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی دخل ہے [2]

رجال حدیث:۔

محمد بن فضیل بن غزوان الضبی صدوق راوی ہیں ان پر تشیع کا الزام لگایا گیا ہے [3]

علی بن میمون الرقی العطار ثقہ راوی ہیں [4]

زید بن وہبی ابو سلیمان الکوفی ثقہ راوی ہیں [5]

(۸۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سِنَانٍ عَنْ وَهْبِ اِبْنِ خَالِدٍ الْحِمْصِيِّ عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِنْ هٰذَا الْقَدْرِ خَشِيْتُ اَنْ يُّفْسِدَ عَلَيَّ دِيْنِيْ وَاَمْرِيْ فَاَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ اَبَا الْمُنْذِرِ اَنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِنْ هٰذَا الْقَدْرِ فَخَشِيْتُ عَلٰى دِيْنِيْ وَاَمْرِيْ فَحَدِّثْنِيْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّنْفَعَنِيْ بِهِ فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ كَانَ لَكَ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا اَوْ مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ تُنْفِقُهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قُبِلَ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ فَتَعْلَمَ اَنَّ مَا

---

[1] النووی علی مسلم جلد ۲ ص ۳۳۳ مرقات جلد ۱ ص ۱۵۲ [2] مرقات جلد ۱ ص ۱۵۲ [3] تقریب ص ۲۳۱ [4] تقریب ص ۸۶،
[5] تقریب ص ۸۶

أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَإِنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ وَ أَنَّكَ إِنْ مُتَّ عَلَىٰ غَيْرِ هٰذَا دَخَلْتَ النَّارَ وَلَا عَلَيْكَ أَنْ تَأْتِيَ أَخِيْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَتَسْأَلَهُ فَأَتَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ فَسَأَلْتُهُ فَذَكَرَ مِثْلَ مَا قَالَ أُبَيٌّ وَقَالَ لِيْ وَلَا عَلَيْكَ أَنْ تَأْتِيَ حُذَيْفَةَ فَأَتَيْتُ حُذَيْفَةَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَا وَقَالَ إِيْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَاسْأَلْهُ فَأَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمٰوٰتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَلَوْ كَانَ لَكَ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا أَوْ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ ذَهَبًا تُنْفِقُهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قُبِلَ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ فَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ وَ أَنَّكَ إِنْ مُتَّ عَلَىٰ غَيْرِ هٰذَا دَخَلْتَ النَّارَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن دیلمی کہتے ہیں کہ میرے دل میں مسئلہ قدر کے متعلق کچھ باتیں کھٹکیں جس سے میں نے خوف کیا کہ کہیں میرا دین وعاقبت خراب نہ ہو جائے چنانچہ میں نے ابی ابن کعب کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ ابوالمنذر میرے دل میں مسئلہ قدر کے متعلق کچھ باتیں کھٹک رہی ہیں مجھے اپنے دین وعاقبت کا خوف ہے آپ مجھ سے اس کے متعلق کچھ بیان کرو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے مجھے فائدہ پہنچائے حضرت ابی ابن کعب نے کہا کہ اگر اللہ پاک تمام زمین و آسمان والوں کو عذاب میں مبتلا کرے پھر بھی وہ ظالم نہ ہوں گے اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمائیں تو آپ کی رحمت زمین و آسمان والوں کے لئے ان کے اعمال سے بہتر ہوگی اور تمہارے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو (شک راوی یا جبل احد کے برابر) جسے تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دو تو اللہ تعالیٰ اسے اسوقت تک قبول نہ فرمائیں گے جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ یاد رکھو! جو چیزیں تم کو پہنچنے والی ہیں وہ تو ہر حال میں پہنچ کر رہیں گی اور جو چیز تم کو پہنچنے والی نہیں ہے وہ تمکو نہیں پہنچ سکتی ہے اور اگر تم تقدیر پر ایمان لائے بغیر مر گئے تو جہنم میں داخل ہو گے۔ ویسے تم میرے بھائی عبداللہ ابن مسعود سے بھی معلوم کرلو (حضرت ابن دیلمی کہتے ہیں کہ) میں عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس کے متعلق معلوم کیا، تو انہوں نے بھی وہی بات بتائی جو حضرت ابی ابن کعب نے بیان کی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا تم حضرت حذیفہ کے پاس جاسکتے ہو۔ چنانچہ میں حضرت حذیفہ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بھی وہی بات کہی جو ان دونوں نے کہی تھی، اور کہا کہ تم زید بن ثابت سے جاکر مزید دریافت کرلو، چنانچہ میں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق سوال

کیاتوانہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ اگر اللہ تعالی آسمان وزمین والوں کو عذاب دیں تو اللہ تعالی اس میں ظالم نہ ہوں گے اور اگر اللہ تعالی رحمت کا معاملہ کرے تو اس کی رحمت ان کے لئے بہتر ہوگی اور اگر تمہارے پاس احد کے برابر سونا ہو یا احد پہاڑ کے برابر سونا ہو جسے تم اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرو تو وہ اس وقت تک قبول نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ اور دیکھو جو چیزیں تم کو پہنچنے والی ہیں وہ ہر حال میں پہنچکر رہیگی اور جو چیزیں تم کو پہنچنے والی نہیں ہیں وہ تم کو نہیں پہنچ سکتی ہیں اور اگر تم اس عقیدے کے علاوہ پر مرگئے تو دوزخ میں داخل ہو گے۔

تشریح حدیث:۔ عن ابن الدیلمی

ابن دیلمی سے کون مراد ہیں اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے کہا کہ ابن دیلمی یہ عبدالرحمٰن کے والد ہیں اور بعض نے کہا عبداللہ کے والد ہیں اور دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ضحاک کے والد محترم ہیں الغرض ان کے متعلق حتمی طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ یہ صحابی ہیں یا تابعی ہیں یا تبع تابعیؒ ہیں بہت مشکل اور دشوار ہے البتہ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی صاحب مشکوۃ نے رجال مشکوۃ کے تحت ان کے متعلق لکھا ہے کہ ضحاک بن فیروز الدیلمی تابعی ہیں یہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔[1]

دیلمی دیلم کی طرف منسوب ہے جو ایک مشہور پہاڑ ہے۔

قدوقع فی نفسیشئ من القدر

حضرت ابن دیلمی کے دل میں بشری تقاضوں کی وجہ سے مسئلہ تقدیر کے متعلق کچھ شبہات اور وسوسے آئے اور وساوس اور شبہات کا آنا کمال ایمان کے لئے منافی نہیں ہے البتہ قلب میں آنے والے وساوس و شبہات کی اتباع و پیروی کمال ایمان کے لئے ضرور نقصان دہ ہے بلکہ ایمان ہی کیلئے مخل ہے تو یہ وساوس ابن دیلمی کی ذہنی خلش و تشویش تھی یہ بات نہیں ہے کہ انہیں رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کے بتائے ہوئے احکام پر کلی یقین اور اطمینان نہیں تھا۔ اور یہ ایک سچے طالب علم کی علامت ہے کہ جب دین سے متعلق کوئی اشکال سامنے میں آئے یا کوئی شبہ دل میں جنم لینے لگے تو اس وقت تک چین و سکون کی نیند نہ سوئے جب تک اس شبہ اور اشکال کو دور نہ کر لے جیسا کہ ابن دیلمی نے مختلف حضرات صحابہ کرامؓ کے پاس جاکر اپنے شبہات کو دور کیا پھر سکون قلب نصیب ہوا۔

فقال لوان الله عذب اهل سمٰوته واهل ارضه

اللہ تبارک و تعالی تمام کائنات کا مالک ہے اور ساری کائنات اور اسمیں موجود اشیاء سب کی سب مملوک ہیں جس طرح سے مالک کو اپنے مملوک پر کلی اختیار ہوتا ہے جو چاہے اور جس طرح چاہے اس کے ساتھ

[1] مشکوۃ ص ۶۰۱، مرقات جلد ۱ ص ۱۸۴

برتاؤ کر سکتا ہے وہ اس میں ظالم نہیں ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا مالک ہے اور ساری چیزیں مملوک ہیں اگر اللہ تعالیٰ تمام زمین و آسمان والوں کو عذاب میں مبتلا کر دے تو اسمیں ظلم کرنے والا نہ ہوگا بلکہ یہ عین عدل ہوگا اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کے کوئی بھی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوگا بلکہ فضل الٰہی کی وجہ سے جنت میں جائیگا حضرت عائشہؓ نے یہ سنکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی؟ آپ نے فرمایا کہ میں بھی۔ پتہ چلا کہ اعمال دخول جنت کے لئے علت نہیں بن سکتے ہیں اور اعمال کی وجہ سے کوئی بھی دخول جنت کا مستحق نہیں بن سکتا ہے لہذا اگر اللہ تعالیٰ عذاب دیں تو ظلم نہ ہوگا بلکہ عدل ہوگا کیوں کہ یہ تصرف اپنے ملک سے خارج نہیں ہے۔

ولو رحمهم لكانت رحمته خيرا لهم

اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کریں ان کے گناہوں سے چشم پوشی کرلیں پس تو یہ عنایت باری اور فضل الٰہی بندوں کے اعمال سے بہتر ہوگا اس سے ایک بات معلوم ہوئی کہ مشرک اور کافر کی بھی مغفرت ممکن ہے قدریہ کی طرح یہ کہنا کہ کفار کی بخشش عقلاً محال و ممتنع ہے درست نہیں ہے اسی طرح یہ بھی دائرہ امکان سے خارج نہیں ہے کہ زہاد اور تارک الدنیا فضل خداوندی سے محروم ہو جائیں۔اس لئے آدمی کو اپنے اعمال اور نیکیوں پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے خود پسندی اور اپنے اعمال حسنہ کو دیکھکر غرور اور تکبر نہیں کرنا چاہیے بلکہ آدمی کو ہمیشہ فضل الٰہی اور رحمت باری کو طلب کرتے رہنا چاہیے اور غرور و تکبر سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے،

ولوكان لك مثل احد ذهباً

یہاں راوی کو شک ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مثلُ اُحدٍ فرمایا مثل جبل احد فرمایا اس لئے راوی نے بربنائے احتیاط کلمہ اَوْ کے ذریعے دونوں کو ذکر کر دیا ہے حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ عقائد اسلام کی پختگی اور اس کی درستگی قبول اعمال کے لئے اولین شرط ہے عقائد اسلام ہی پر تمام اعمال کی قبولیت وعدم قبولیت کا دارومدار ہے اگر کسی کا عقیدہ مخدوش ہے اور صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے تو ایسے شخص کی عبادت، نماز روزہ کو ۃ حج اور دیگر تمام نفلی عبادتیں قابل قبول نہیں ہیں اس کے برخلاف اگر عقیدہ درست اور مضبوط ہے مگر اعمال میں کچھ خامی اور کمزوری ہے تو ایسے آدمی کے اعمال، صدقات وخیرات کے قبولیت کی امید قوی ہے، اسی لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کی ملکیت میں احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اس کو راہ خدا میں خرچ کر دے مگر اس کا عقیدہ تقدیر الٰہی پر نہ ہو تو اس کا یہ عظیم صدقہ لائق قبول نہیں ہے معلوم ہوا کہ عقیدہ کی درستگی اور اس کی پختگی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں احد کے ذکر سے مقصود صرف تمثیل ہے تحدید نہیں ہے کیوں کہ اگر

عقیدہ میں کمی ہے تو چاہے زمین و آسمان کے برابر صدقہ کرے خوب اعمال حسنہ کرے پھر بھی لاحاصل ہوگا۔

ان مُتَّ علیٰ غیرھذا

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عقیدہ قدر پر ایمان لائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گیا یا بالفرض محال تم ہی عقیدہ تقدیر کی تصدیق کئے بغیر مرگئے تو اس کی سزا دخول جہنم ہے کیونکہ یہ ایسی بنیادی غلطی اور زبردست خرابی ہے کہ جس کی سزا جہنم ہونی بھی چاہئے، البتہ جو شخص بصدق دل کلمہ گو ہے مگر مسئلہ قدر میں راہ اہل حق سے منحرف ہے تو اس کا دخول جہنم میں ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا بلکہ بطور صفائی ستھرائی کے جہنم میں داخل کیا جائیگا پھر اس کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

فاتیت زید بن ثابت

قدر کا مسئلہ چونکہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور اپنے اندر نزاکت رکھتا ہے کہ ذرہ برابر بھی اس میں ضعف آیا نہیں کہ ایمان جیسی دولت لازوال سے ہاتھ دھونا پڑیگا اس لئے اس کی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے حضرت ابن دیلمی متعدد صحابہ کرامؓ سے ملاقات کر رہے ہیں اور اپنے خلجان کو حل کرنے کے لئے غیر معمولی کوشش کر رہے ہیں اور تمام صحابہ کرامؓ بھی اس سے بخوبی واقف تھے کہ اس سے انحراف درحقیقت ایمان کے زوال کا سبب بن سکتا ہے اس لئے ہر صحابی حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر دوسرے صحابی کے پاس جانے کے لئے مشورہ دے رہے ہیں اس سے حضرات صحابہ کرامؓ کی تواضع وانکساری اور اپنی کم علمی کم مائیگی کا اعتراف بھی بخوبی جھلکتا ہے اور حضرت ابن دیلمی میں بچی تڑپ اور ایک سچے طالب علم کی جو علامت ہے بدرجہ اتم نمایاں ہوتی ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ قضاء وقدر کا مسئلہ اس قدر اہم اور پیچیدہ ہے کہ ہماری محدود عقل اور خام فہم کے لئے عقدۂ لاینحل ہے اگر اس کی شب دیجور میں کوئی چیز مشعل راہ اور منزل مقصود تک راہ نمائی کرنے والی ہے تو وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روشن تعلیمات اور آپ کے پاکیزہ اقوال ہیں۔ عقل وفہم کے ذریعے اس کی گرہ کشی کرنا حماقت اور پاگل پن ہے[1]

رجال حدیث:۔

وہب ابن خالد الحمیری کنیت ابو خالد الحمصی ثقہ راوی ہیں [2]

ابن دیلمی سے ضحاک بن فیروز مراد ہیں جو تابعی اور مقبول ہیں، [3]

ابی ابن کعب انصاری خزرجی ہیں اقرأ الصحابہ میں ان کا شمار ہوتا تھا یہ کاتبان وحی میں سے ایک تھے یہ ان چھ جلیل القدر رفیع المرتبت صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے عہد نبوت ہی میں قرآن کریم کا حفظ کر لیا تھا حضور اکرم ﷺ نے انکی کنیت ابوالمنذر رکھی تھی، اور انکے متعلق سید الانصار بھی فرمایا ۱۹ھ میں وفات

---

[1] مسلم شریف جلد ص ۳۳۲ [2] تقریب ص ۲۷۳ [3] تقریب ص ۱۱۶

ہوئی بعض لکھتے ہیں کہ حضرت ابی ابن کعب کی وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن دیلمی صحابی ہیں اور یہ وہی ابن دیلمی ہیں جنہوں نے آنحضور اکرم ﷺ کی آخری زندگی میں مشہور مدعی نبوت اسود عنسی کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا آنحضور نے اسود عنسی کے قتل کی خبر سنکر فرمایاقتله الرجل الصالح فیروز فاز فیروز [1]

حضرت عبداللہ ابن مسعود جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں حبر امت اور صحابہ کرام میں افقہ شمار کئے جاتے تھے ان کی تحقیق پسندی اور جلاء قلبی ہی کی بات ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں اسلام کی دولت عظمیٰ سے مالا مال ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے اتنے مقرب ہوگئے کہ نعلین مبارک وضو کا برتن اور جائے نماز وغیرہ کی خدمت اپنے ہی ذمہ لے رکھی تھی آپ کے لئے آقاء نے رہائیں بھی دیں۔ ۳۳ھ میں وفات ہوئی [2]

(۸۶) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا وَکِیْعٌ

(۸۷) ح وَحَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَااَبُوْ مُعَاوِیَةَ وَ وَکِیْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ سَعْدِبْنِ عُبَیْدَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السَّلَمِیِّ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کُنَّا جُلُوْساً عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ وَ بِیَدِهٖ عُوْدٌ فَنَکَتَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ مَامِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلاَّ وَقَدْ کُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلاَ نَتَّکِلُ قَالَ لَااِعْمَلُوْ ا وَلَا تَتَّکِلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ ثُمَّ قَرَاءَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے پھر آپ نے اپنے سر مبارک کو اٹھایا اور فرمایا نہیں ہے تم میں سے کوئی شخص مگر اس کا ٹھکانا جنت یا جہنم لکھا جاچکا ہے (صحابہ کرامؓ نے معلوم کیا) یارسول اللہ پھر ہم (نوشتہ تقدیر پر) بھروسہ نہ کر بیٹھیں، آپ نے فرمایا نہیں عمل کرتے رہو اور بھروسہ مت کر بیٹھو، اسلئے کہ ہر شخص کو وہی عمل میسر کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے پھر آپ نے اس آیت کریمہ فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی الخ کی تلاوت فرمائی، پس جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور پرہیز گاری کا طریقہ اپنایا اور اچھی بات (توحید ورسالت) کو سچا جانا تو ہم اس کے لئے آسانی کی جگہ (جنت) میسر کردیں گے اور جس نے راہ خداوندی میں خرچ کرنے سے بخل کیا، اور دنیاوی خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہ کر آخرت کی نعمتوں سے بے پرواہ ہوگیا اور اچھی بات (توحید ورسالت) کو جھٹلایا تو ہم اس کے لئے مشکل کی جگہ (دوزخ میں لے جانے والے اعمال) میسر کردیں گے۔

---

[1] مرقات جلد ا ص ۸۴ کشف الحاجہ ص ۱۵۸ [2] ماخوذ کشف الحاجہ ص ۱۶۰

تشریح حدیث:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی یہ روایت یہاں مختصر مروی ہے ورنہ مسلم شریف جلد ثانی کتاب القدر میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ اس طرح آیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ کے ساتھ ہم بقیع فرقد گئے تھے ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور جلوہ فرماں ہو گئے اور ہم لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے اور آپ کے دست مبارک میں ایک پتلی چھڑی تھی جس سے آپ سر جھکائے ہوئے اس طرح زمین کو کرید رہے تھے کہ گویا کہ آپ کسی اہم معاملہ کے متعلق سوچ وفکر میں ہیں پھر آپ نے سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک شخص کا ٹھکانا جنت یا جہنم لکھا ہوا ہے پھر آپ نے بقیہ مضمون کو بیان فرمایا[1]

مامنكم من احد الا وقد كتب له مقعده من الجنة الخ

یہاں من زائدہ برائے استغراق نفی ہے اور الا وقد کتب کے اندر واو حالیہ ہے اور مستثنی مفرغ ہے مقعده من الجنة ومقعده من النار میں واو بمعنی او ہے بعض روایت میں لفظ او مذکور ہے۔

باب کے شروع میں یہ بات تفصیلی طور پر آچکی ہے کہ انسان جو عمل کرتا ہے چاہے وہ عمل خیر ہو یا عمل شر سب علم خداوندی میں پہلے سے موجود ہیں اور دنیا کے اندر جو بھی واقعات وحوادثات وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ سب پہلے ہی سے اللہ تعالی کے علم ازل میں موجود ہیں اسی طرح یہ بھی علم خداوندی میں طے شدہ ہے کہ کون جنت میں جائیگا کون جہنم میں جائیگا کون ناجی ہوگا کون ناری، اس علم باری کے خلاف سرمو فرق نہ آئیگا۔

سوال۔ یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ **مقعده من الجنة ومقعده من النار** سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے جنت وجہنم دونوں ہی ٹھکانا ہے حالانکہ ٹھکانا تو ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔

جواب۔ اس سوال کا حل یہ ہے کہ یہاں واو اپنے معنی اصلی جمع کے لئے نہیں ہے بلکہ واو بمعنی او ہے لہذا کوئی اشکال نہیں اور واو کا او کے معنی میں ہونا کلام عرب میں شائع وذائع ہے نیز ایک حدیث میں لفظ او ہی آیا ہے مگر محشی بخاری نے لمعات کے حوالے سے لکھا ہے کہ واو کے ساتھ ہی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جنت میں ہر ایک شخص کے لئے ایک جگہ بنائی ہے اور جہنم میں بھی ایک جگہ بنائی پھر انسان جیسا عمل کرتا ہے اسی کے مطابق اس کو اس کے ٹھکانے پر رکھا جاتا ہے[2]

قيل يارسول الله افلا نتكل قال لا.اعملوا ولا تتكلوا

جب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہر شخص کا ٹھکانا جنت یا جہنم میں لکھا جا چکا ہے اور یہ اللہ کے علم میں آچکا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی، اس سے ہر اس شخص کے ذہن میں ایک فطری سوال پیدا ہوگا جو تقدیر الہی

---

[1] مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۳۳ [2] بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۳۸ ۔ حاشیہ (۱)

پر ایمان رکھتا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کیلئے ٹھکانے اپنے علم میں متعین کر چکا ہے اور یقیناً وہی ہوگا جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہ ٹلنے والا نہیں ہے تو پھر اعمال حسنہ کی بجا آوری اور منکرات و منہیات سے اجتناب کی کیا ضرورت ہے ہم تقدیر الٰہی اور نوشتہ خداوندی پر تکیہ لگا کر نہ بیٹھ جائیں اور عمل کو چھوڑ دیں حضور اکرم ﷺ فرمایا نہیں بلکہ عمل کرتے رہو نوشتہ تقدیر پر اعتماد کر کے عمل خیر کو مت چھوڑو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی اعمال کی توفیق دیتے ہیں جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اگر کوئی عمل خیر کر رہا ہے نماز، روزہ، حج، اور دیگر عبادتیں انجام دے رہا ہے تو یہ اس کیلئے نیک فالی اور جنتی ہونے کی علامت ہے اور اگر کوئی عمل بد کرتا ہے تو یہ اس کی شقاوت اور بدبختی کی علامت ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان مالک و مملوکیت کا تعلق ہے تو یہ سوال اٹھانا ہی بیجا ہے کہ ہمارے کرنے سے کچھ فائدہ ہوگا یا نہیں ہوگا ظاہر ہے کہ مامور کا وظیفہ امتثال امر ہے نتائج و عواقب کیا ہوں گے یہ مامور کے وظیفے سے خارج ہے جب تعلق مالکیت و مملوکیت کا ہے تو کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہے کہ عبادت یا ترک عبادت کرے اور اس کو سبب مستقل مان کر دخول جنت و عدم دخول جنت کیلئے علت تامہ ہونے کا فیصلہ کرے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ہمارے اس مشقت عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ ہوگا تو ہی جو ازل میں مقدر ہے اور جب سوال کا منشاء یہی ہے تو جواب بھی بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ اعمال میں مشقت ہے صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں اسکے لئے وہی آسان کر دیتے ہیں نیز اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اعمال کی حیثیت دلالت ظاہرہ کی ہے علت تامہ کی نہیں ہے۔[1]

ثم قرأ فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ

یہ حقیقت درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہے کہ احادیث شریفہ بھی وحی الٰہی اور قرآن کریم سے مستفاد ہیں چنانچہ ارشاد ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کہ آپ صرف وہی باتیں بیان کرتے ہیں جو آپ پر وحی کی جاتی ہیں اپنے نفس کی طرف سے کوئی بات نہیں بیان کرتے ہیں اس لئے احادیث شریفہ میں یہ جا بجا دیکھا گیا ہے کہ آپ نے کوئی اہم مضمون بیان فرمایا پھر اسی سے ہم آہنگ کوئی آیت تلاوت فرمائی۔ مسئلہ قدر بھی چونکہ نہایت اہم اور قابل توجہ مضمون تھا اس لئے آپ نے بطور استشہاد یا بطور تائید آیت تلاوت فرمائی۔

آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے حق کو بلند کیا، اس کے فرمان کی تعمیل کی، عذاب خداوندی سے خوف کھایا جناب رسول اللہ ﷺ جو دین لے کر آئے اسکی تصدیق دل سے کی،

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۱۵۵

کلمہ توحید کو صدق دل سے پڑھااور اس کے تقاضوں پر عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اعمال حسنہ کی بجا آوری کے لئے اسباب اور آسانیاں پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جس نے قانون خداوندی سے رخ موڑا، شریعت اسلامیہ سے اعراض کیا، دعوت اسلام کے قبول کرنے سے روگردانی کی، کلمہ توحید کو نہیں مانااور اس کے جملہ تقاضوں پر عمل پیرا نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لئے دشواریاں اور مشکلات کے اسباب پیدا فرمائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں قاضی بیضاوی اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ جو شخص قانون باری اور اسلامی طریقے سے زندگی گذارتا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسانی اور سہولت کے اسباب وذرائع پیدا فرمادیں گے جیسے دخول جنت اور آیت کے دوسرے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قانون اور اسلام سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے عسرت اور تنگی کے اسباب مہیا فرمائیں گے جیسے دخول جہنم، قاضی بیضاوی نے عسر ویسر کی جگہ آخرت کو قرار دیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول صاحب معالم التنزیل کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تکوینی طور پر بندے سے ایسے اعمال کا صدور کروائیں گے جن سے خوش اور راضی ہوں گے دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے تکوینی اور قدرتی طور پر ایسے اعمال وافعال کا صدور کروائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ غضبناک اور ناراض ہوں گے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ اس شخص سے اعمال صالحہ کا صدور اور منکرات سے اجتناب مشکل ہو جائیگا امام کشاف نے بھی یہی تفسیر کی ہے تو گویا صاحب معالم التنزیل اور کشاف نے عسر ویسر کے اسباب کا محل وقوع اسی دنیا کو قرار دیا ہے امام کشاف فرماتے ہیں کہ طریقہ خیر کو یسر سے اس لئے تعبیر کی ہے کہ اس کا انجام دخول جنت ہے جو فراخی اور آسانی کی جگہ ہے اور اعمال شر کو عسر سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ یہ اعمال موصل الی النار ہوتے ہیں جہاں تنگی اور عسر ہے ملا علی قاری ان دونوں قولوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ امام کشاف اور صاحب معالم التنزیل کا قول حدیث کے مفہوم کے مطابق ہے قاضی بیضاوی نے جو تفسیر کی ہے وہ تشریح حدیث کے مفہوم کے خلاف ہے فسنیسرہ کے سین کو قاضی بیضاوی نے استقبال کے لئے مانا ہے اور دیگر حضرات نے اسے تاکید کیلئے قرار دیا ہے [1]

(۸۸) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّنَافِسِيُّ قَالَا ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَحْيَىٰ بْنِ حِبَّانَ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِىْ كُلٍّ خَيْرٌ اَحْرِصْ عَلٰى

---

[1] دیکھئے مرقات جلد ۱ص ۱۵۶

مَایَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجِزْ فَاِنْ اَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اِنِّیْ فَعَلْتُ كَذَاوَلٰكِنْ قَدَّرَاللّٰهُ وَمَاشَاءَ فَعَلَ فَاِنْ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطٰنِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طاقت ور مومن کمزور مومن کے مقابلہ میں بہتر اور اللہ کے نزدیک محبوب ہے اور ہر ایک میں خیر ہے اس چیز پر پابندی کرو جو تمہیں نفع دے اور اللہ تعالی سے مدد مانگو اور عاجز مت رہو، پس اگر تمہیں کوئی نقصان آپہنچے تو یہ مت کہو کہ (اے کاش) ایسا ایسا کیا ہوتا (تو یہ نہ ہوتا) بلکہ یہ کہو اللہ تعالی نے مقدر کردیا اور جو چاہا کیا، اگر ایسا کیا ویسا کیا شیطانی وساوس کے لئے راہ ہموار کرتا ہے

تشریح حدیث:۔المومن القوی خیر واحب الی الله من المومن الضعیف

حدیث پاک میں قوی سے مراد وہ شخص ہے جس کا ایمان مضبوط، ارادے پختہ، عقیدے مستحکم اور یقین بما جاء بہ النبی ﷺ کامل و مکمل ہو۔ تو ایسا شخص جو پختہ ارادے کا مالک ہو بلند ہمت اور مضبوط طبیعت کا ہو وہ اللہ تعالی کے نزدیک اس مومن سے افضل اور پسندیدہ ہے جو کمزور، نحیف ولاغر، عقیدے میں تزلزل ارادے میں خام اور یقین غیر کامل ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص پختہ طبیعت اور بلند ہمت طاقت ور ہوگا وہ دشمنان اسلام سے مقابلہ کے لئے میدان جہاد میں بے خوف وخطر ہو کر کود پڑیگا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بلا جھجک کے کریگا اور اس کے راستے میں آنے والی تمام مصیبتوں کو برداشت کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہ کریگا اسی طرح اسلام کے دوسرے ارکان نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی ادائیگی میں آگے آگے رہیگا اس کے برخلاف جو شخص کمزور ہوگا اس کے ارادے مضمحل، یقین غیر کامل ہوگا تو وہ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں، اسلام کی راہ میں پیش آنے والی تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کے تحمل کرنے میں جھجک محسوس کریگا اور مصائب و آلام کو برداشت نہ کرسکے گا۔

وفی کل خیر احرص علیٰ ماینفعك ۔

چاہے مومن قوی ہو یا ضعیف فی الجملہ دونوں میں بھلائی ہے کیوں کہ دونوں کے اندر ایمان موجود ہے اور نفس ایمان میں دونوں قدرے مشترک ہیں لہذا خیر و بھلائی دونوں کے اندر موجود ہے لیکن آدمی ان چیزوں پر اپنے آپ کو آمادہ کرے جو اس کے لئے مفید ہوں اور دارین میں فلاح و بہبودی کا ذریعہ ہوں۔ ایمان بالقدر میں اس روایت کی تخریج کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس میں تقدیر پر ایمان رکھنے کا ذکر ہے اور اپنے عواقب وانجام کو جان لینے کے بعد کسی بھی کار خیر میں توکل علی اللہ میں قطعاً غفلت نہ برتنی چاہئے کیونکہ یہ دنیا

دارالاسباب ہے اسباب کا سہارا لیناہی پڑیگا اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

واستعن باللہ ولا تعجز

مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے نفس کی خواہشات پر کلی اعتماد نہ کر بیٹھے اس لئے کہ بسااوقات انسانی طبیعت ایک چیز کے حسن کا فیصلہ کرتی ہے مگر حقیقت میں وہ اس کے لئے مضرت رساں ہوتی ہے اس لئے عمل صالح پر اللہ سے استقامت کی دعا کرتے رہنا چاہیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے وہی اعمال کرنے کی توفیق دیں گے جو ان کے لئے نفع بخش اور فائدہ مند ہوں گے اور انسان کو چاہیے کہ اعمال خیر کو ترک کر کے یہ عذر نہ کرے کہ اگر ہماری قسمت میں لکھا ہوتا تو ہم ضرور کرتے، کیونکہ یہ شیطانی وسوسے ہیں جو شیطان انسان کے دلوں میں پیدا کرتا رہتا ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اس وقت فرمایا تھا **کان الانسان اکثر شئ جدلا** کہ انسان بڑا ہی جھگڑالو ہوتا ہے جب انہیں تہجد کے لئے اٹھایا تھا اور انہوں نے عذر خواہی کرتے ہوئے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ضرور اٹھتے [1]

حدیث شریف میں مزید یہ فرمایا کہ آدمی کو جب کوئی مصیبت آپہونچے تو یہ نہ کہے کہ اگر میں ایسا کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی کیوں کہ یہ پہلے سے تمہارے لئے مقدر تھی جو ہر حال میں آکر رہتی اس لئے اس وقت یہ کہنا چاہیے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا ہو گیا اور یہ یقین رکھے کہ یہی ہمارے حق میں بہتر ہے اگر چہ طبیعت اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

رجال حدیث:۔

علی بن محمد ابن اسحاق الطنافسی ثقہ راوی ہیں [2]

عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی کنیت ابو محمد الکوفی ثقہ راوی ہیں [3]

ربیعۃ بن عثمان بن ربیعۃ بن عبداللہ ابن ہدیر التیمی کنیت ابو عثمان المدنی، صدوق راوی ہیں [4]

محمد ابن یحییٰ بن حبان الانصاری المدنی ثقہ راوی ہیں [5]

(۸۹) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَيَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ قَالَا ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ سَمِعَ طَاوُساً يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسىٰ فَقَالَ لَهُ مُوسىٰ يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ بِذَنْبِكَ فَقَالَ لَهُ آدَمُ يَا مُوسىٰ اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهِ وَخَطَّ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهِ أَتَلُومُنِي عَلىٰ أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً فَحَجَّ آدَمُ مُوسىٰ فَحَجَّ آدَمُ مُوسىٰ

---

[1] انجاح الحاجہ ص ۹ [2] تقریب ص ۱۸۶ [3] تقریب ص ۱۴۴ [4] تقریب ص ۷۸ [5] تقریب ص ۲۳۶

فَحَجَّ آدَمُ مُوسَىٰ ثلاثاً

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عمرو بن دینار سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت طاؤس سے فرماتے ہوئے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے خبر دے رہے تھے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین باہم بحث و مباحثہ ہوا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدمؑ سے کہا اے آدمؑ تم ہمارے باپ ہو تم نے ہی ہمیں ذلیل کیا اور جنت سے اپنے جرم کی پاداش میں ہمیں نکلوادیا، حضرت آدمؑ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ہم کلامی کے لئے منتخب کیا، اور تمہارے لئے تورات کو اپنے دست مبارک سے لکھا تو کیا تم مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل مقدر فرمایا تھا، چنانچہ حضرت آدمؑ موسیٰ علیہ السلام سے جیت گئے آپؐ نے اس کلمہ کو تین مرتبہ فرمایا۔

تشریح حدیث:۔

احتج آدم و موسیٰ

حضرت موسیٰ اور آدم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک طویل عرصہ کا فاصلہ ہے پھر یہ مباحثہ اور مناظرہ ان دونوں کے درمیان کس طرح ہوا اس کی کیا صورت پیش آئی؟ اس سوال کے جواب میں علماء نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

(۱) حضرت آدم و موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان یہ مناظرہ دنیاوی زندگی میں پیش آیا تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو موسیٰؑ کے زمانے میں زندہ فرمایا تھا یا صرف ان کی روح کو اس دنیا میں بھیج دیا گیا تھا اس طرح دونوں حضرات کی ملاقات ہوگئی یہی رائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ کی ہے کیونکہ شہداء کی زندگی تو ثابت بالنص ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی قبر سے حجاب ظاہری اٹھا دیئے ہوں اور حضرت موسیٰؑ نے حضرت آدمؑ کی روح سے گفتگو کی ہو۔

(۳) بعض علماء نے فرمایا کہ قدرت الٰہی سے یہ مباحثہ اور مناظرہ عالم رؤیا میں ہوا ہے اور حضرات انبیاء کا خواب وحی الٰہی کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۴) بعض شراح حدیث نے فرمایا کہ یہ مکالمہ شب معراج میں پیش آیا تھا۔

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ موسیٰؑ کی روح کو منجذب کر کے اس جگہ پہنچادیا گیا ہو جہاں حضرت موسیٰؑ موجود تھے پھر مکالمہ ہوا۔

(۶) علامہ ابن عبدالبر مالکی کا قول یہ ہے کہ آدمؑ کی وفات کے بعد عالم برزخ میں یہ روحانی ملاقات ہوئی ہو یہی رائے علامہ قابسی کی بھی ہے۔

(۷) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مکالمہ تا ہنوز ہوا ہی نہیں ہے بلکہ عالم آخرت میں یہ مکالمہ پیش آئے گا اور چوں کہ اسکا وقوع بالکل یقینی ہے اس لئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس طرح ماضی کے صیغے کے ساتھ قرآن میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ عند ربہا کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ یہ مناظرہ عالم علوی میں ہوا ہے[1]

علامہ عینی کی اس تحقیق پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ہی کی کیا خصوصیت تھی کہ مکالمہ انہیں کے ساتھ ہوگا تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ پہلے نبی ہیں جن کی شریعت میں سختی تھی، توبہ کے لئے قتل نفس، طہارت کے لئے ناپاک جگہ کو قینچی سے کترنا، گناہ کرنے والے لوگوں کا نام دروازوں پر منجانب اللہ لکھا جانا وغیرہ وغیرہ تکالیف شاقہ تھیں اور انبیاء علیہم السلام مختلف المزاج والطبیعہ لے کر پیدا ہوتے تھے مگر سب کے اندر صدق مقالی، حق پسندی تھی لیکن بعض انبیاء ادب و تواضع کی وجہ سے حقیقت حال کی دریافت میں فی الجملہ جری تھے حضرت موسیٰ ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو تحقیق و طلب و تفتیش و تجسس میں ادب و تواضع کے تقاضوں کو حائل نہ ہونے دیتے تھے بلکہ بے دھڑک سوال کر لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ رویت باری کے مطالبہ میں منفرد ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی نے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا تھا اسی طرح ان کی زندگی کے اور واقعات و روایت موجود ہیں تو عین ممکن ہیکہ اس افتاد طبع کی بنا پر حضرت آدمؑ سے صرف حضرت موسیٰ ہی سوال کریں، جب کہ یہ سوال دوسرے انبیاء کے ذہنوں میں بھی موجود ہوگا[2]

انت ابونا خیبتنا و اخرجتنا من الجنة

بعض روایت میں ہے **انت آدم الذی اغویت الناس و اخرجتهم من الجنة**۔ اور بعض روایت میں **اهبطت الناس بخطيئتك الى الارض** کے الفاظ آئے ہیں جو تقریباً معنیٰ کے اعتبار سے سب یکساں ہیں **خیبتنا** کے معنیٰ ہیں تم نے ہمیں نقصان اور خسارے میں ڈال دیا، اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نقض وعدہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حواؑ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا **لا تقربا هذه الشجرة** اس درخت کے قریب بھی مت جانا مگر حضرت آدم تو ایک بشر ہی تھے شیطان کے ورغلانے میں آ گئے **فاکل منها** اور درخت سے کچھ کھا لیا اور ازل کا فیصلہ غالب ہو کر رہا حضرت آدم و حواؑ دونوں جنت سے باہر نکال دیئے گئے، اگرچہ حضرت آدم کا یہ تناول نسیاناً تھا نہ کہ قصداً و ارادۃً۔

---

[1] دیکھئے۔ ارشاد الساری جلد ۷ ص ۱۹۰، مرقات جلد ۱ ص ۱۴۷، لمعات اللمعات جلد ۱ ص ۹۵ تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۸۶ کشف الحاجہ ص ۱۶۶، تحفۃ المرأۃ ص ۱۵۴، نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۳۳۵، بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۷۹ کا حاشیہ [2] کشف الحاجہ ص ۱۶۸

عصمت انبیاء کامسئلہ :۔

لیکن یہاں ایک مسئلہ یہ آتا ہے کہ آیا حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر حضرت آدم سے یہ لغزش صادر کیوں ہوئی کیا یہ عصمت کے منافی نہیں ہے؟۔

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ عصمت انبیاء کے متعلق چار مذاہب ہیں،

(۱) فرقہ کرامیہ مرجیہ، یہود ونصاریٰ اور اشعریہ میں سے ابن طیب باقلانی وغیرہ گمراہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہ صغیرہ وکبیرہ دونوں کا صدور ہوتا ہے اور قصداً وعمداً ہوتا ہے[۱] یہ کہ وہ احکام الٰہی کی تبلیغ میں جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔

(۲) فرقہ کرامیہ میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ میں بھی کذب واقع ہوا ہے حتی کہ کفر بھی کر لیتے ہیں، نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ دونوں قول خالص کفر ہیں اور شرک محض ہیں ایسے عقائد رکھنے والا شخص مرتد اور مباح الدم ہے۔

(۳) فرقہ اشعریہ میں سے ابن فورک کی رائے یہ ہے کہ حضرات انبیاء سے گناہ کبیرہ کا صدور قطعاً ممکن نہیں ہے البتہ صغائر کا صدور ان سے عمداً بھی ہو جاتا ہے۔

(۴) اہل سنت والجماعت، معتزلہ نجاریہ، خوارج، اور شیعہ کے یہاں حضرات انبیاء کرام تمام صغائر وکبائر سے بالکل پاک اور معصوم ہوتے ہیں ان سے گناہوں کا صدور ممکن نہیں ہے ابن فورک اور باقلانی کے استاذ ابن مجاہد اشعری کی بھی یہی رائے ہے[۱]

اب سوال یہ ہے کہ جب اہل سنت کے نزدیک انبیاء کرام سے صغائر وکبائر دونوں کا صدور محال ہے تو حضرت آدم سے کیوں صدور ہوا یہ تو عصمت انبیاء کرام کے خلاف اور منافی ہے؟

جواب :۔ یہاں خطیہ سے مراد گناہ حقیقی نہیں ہے علامہ ابو محمد علی ابن محمد بن حزم ظاہری المتوفی ۴۵۶ھ نے لکھا ہے کہ گناہ کے لئے قصد وارادہ ضروری ہے حالانکہ قرآن کریم کی آیت **فنسی ولم نجد له عزما** (پ ۱٦) بتارہی ہے کہ آدم سے یہ لغزش نا سیاً صادر ہوئی ہے[۲]

رہی **وعصی آدم ربه فغوی** والی آیت تو چونکہ آمر کے حکم کے خلاف کیا تھا اس لئے اس کی شناعت اور سنگینی کو بیان کرنے کے لئے معصیت کی شکل دی ہے اور غوی کے ساتھ ذکر کیا،

دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت احکام شرعیہ کا محل نہیں ہے لہذا شجر ممنوعہ کھانے کی ممانعت تشریعی حکم نہ تھا بلکہ تشفقی حکم تھا یعنی یہ حکم شفقت ومہربانی کے اظہار کے لئے تھا جس کے خلاف کرنا گناہ نہیں ہوتا ہے

---

[۱] کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل جلد ۴ ص ۲ [۲] کتاب الفصل فی الملل جلد ۴ ص ۴ مرقات جلد ۱ ص ۱۴۸

مگر باعث ضرر ہو تا تھا اس لئے یہاں خطیہ سے مراد خطا اجتہادی ہے اور ایک معمولی سی لغزش ہے مگر **حسنات الابرار سئیات المقربین** کی وجہ سے آدم کی عظمت کے پیش نظر سنگین غلطی تھی۔اس لئے **فغوی** فرمایا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت آدمؑ لفظ ہٰذہ اسم اشارہ قریب کی وجہ سے ایک خاص درخت کی ممانعت سمجھی ہو حالانکہ نوعی بندش تھی اس لئے یہ اجتہادی غلطی تھی حقیقی نہیں اور اجتہادی غلطی عصمت کے منافی نہیں ہے۔[1]

ان جوابوں میں پڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کا جواب یوں دیا جائے کہ یہ خدا تعالیٰ کی مصلحت تھی اور آدم کو اس روئے زمین پر بھیج کر ایک مخلوق کی آبادی مقصود تھی اس لئے یہ تمام کام اللہ نے کروایا اور آدم نے کیا جس کے نتیجے میں انہیں دنیا میں بھیجدیا گیا جس سے ایک نسل چلی ہے اور ایک بہت بڑی مخلووق آباد ہو گئی۔

یا موسی اصطفاك بكلامه وخط لك التوراة بيده

بیدہ کے متعلق شارح مسلم علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس میں دو مذہب ہیں (۱) اس میں بلا کسی تاویل کے اس پر ایمان لایا جائے حالانکہ ید کے ظاہری معنی اللہ کے لئے ثابت نہیں ہے، (۲) ید سے مراد حقیقی نہ ہو بلکہ اس کی تاویل کی جائے کہ اس سے مراد قدرت خداوندی ہے۔[2]

اور **اصطفاك الله** کا مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمکلامی کے لئے خاص کیا اور کوہ طور پہ اللہ تم سے ہم کلام ہوئے اور تمہارے اوپر اپنی کتاب توارت نازل فرمائی اور تورات کو تمہارے لئے اپنے دست قدرت سے لکھا ہے۔

اتلو منی علی امر قدره الله علیّ الخ

اور میری پیدائش سے چالیس سال قبل لکھا اس میں تم نے **وعصی آدم ربه فغوی** کو پایا اور پڑھا پھر بھی تم میری غلطی پر مجھے ملامت کرتے ہو، اور مجھ سے جھگڑتے ہو کہ تم نے ایسا کیا؟ یہ میری قسمت میں میری پیدائش سے چالیس سال قبل ہی لکھدیا گیا تھا کہ آدم ایسا کریں گے۔ یہاں **قدر** سے مراد **کتابت فی اللوح المحفوظ** ہے یا پھر کتابت سے مراد کتابت فی صحف التوارۃ ہے۔۔ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کے قول کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ شجرہ ممنوعہ کے کھانے میں آدم کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ انکا مقصد صرف یہ ہے اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے یہ لکھدیا تھا کہ آدم سے ایسا ایسا ہو گا تو پھر جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔[3]

---

[1] کتاب الفصل فی الملل جلد ۴ ص ۴ تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۴ [2] نووی مسلم جلد ۲ ص ۳۳۵ [3] مرقات جلد ۱ ص ۱۴۸

اب یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ ارتکاب معصیت میں تقدیر کا سہارا لینا عند الجمہور جائز ہی نہیں بلکہ سنگین جرم اور عظیم گناہ ہے اس لئے کہ اگر تمام جرائم پیشہ لوگ، اور جملہ فساق وفجار اپنے آپ کو معصوم اور بے گناہ ثابت کرنے کے لئے تقدیر کا سہارا لینے لگیں گے اور اعمال سیئہ کو تقدیر الٰہی کا نتیجہ قرار دیکر انسانی عمل کے دخل کا بالکل انکار کر دیں گے تو قانون عالم کے ساتھ یہ بدترین مذاق ہوگا اور شرعی حدود وتعزیرات بے معنی ہو کر رہ جائیں گے پھر حضرت آدمؑ نے ارتکاب معصیت میں تقدیر کا سہارا کیوں لیا ہے؟

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر سے سہارا لینے کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) معاصی پر جری ہونے اور اپنی شرمندگی کو ختم کرنے کے لئے فعل شنیع کو تقدیر کی طرف منسوب کر دیا جائے اور تقدیر کا سہارا لے کر اپنے بے قصور کو ثابت کرے تو یہ بدترین گناہ ہے۔

(۲) توبہ واستغفار اور ندامت وشرمندگی کے باوجود دل مطمئن نہ ہو تو مسئلہ تقدیر سے سہارا لے کر دلوں کو سکون بہم پہنچا جائے تو یہ امر مستحسن ہے۔

حضرت آدمؑ پر ہونے والے اشکال کا جواب دیتے ہوئے محدث عصر ابن حجر ہند علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ **أجيب بان الممنوع انما هو ملكان فى دار التكليف وتلك المناظرة وقعت بعد الخروج عنه.** یعنی تقدیر کا سہارا لینے کی ممانعت دار التکلیف دنیا میں ہے اور حضرت آدم کا تقدیر پر سہارا لینا دار التکلیف سے رخصت ہونے کے بعد ہوا لہٰذا عالم برزخ میں تقدیر پر سہارا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مولانا عبد الغنی مجددی، علامہ نووی ملا علی قاری وغیرہ سے یہی جواب منقول ہے۔[۱]

دوسرا جواب یہ ہے کہ موسیٰؑ کی ملامت عالم اسباب سے نکل جانے کے بعد عالم ارواح میں تھی اور وہ بھی اسی لغزش پر جو توبہ سے معاف ہو چکی تھی جس کا انہیں کوئی حق نہ تھا اسلئے حضرت آدمؑ نے موسیٰؑ کو الزام دینے کیلئے محض خاموش اور لاجواب کرنے کے لئے تقدیر کا سہارا لے کر شدید مغالطہ دیا کہ حضرت موسیٰؑ کا ذہن کسب وسعی عبد کی طرف قطعاً منتقل نہ ہوا ورنہ فی نفسہٖ حضرت آدمؑ بندے کے کسب عبد کے بلاشبہ قائل تھے ورنہ **ربنا ظلمنا انفسنا** کہنے کی کیا ضرورت تھی اپنے قصور کا اعتراف نہ فرماتے اور معافی کے خواستگار نہ ہوتے، حالانکہ حضرت آدمؑ نے اپنی غلطی پر ندامت کے آنسو بہائے معلوم ہوا کہ وہ اپنی غلطی کے قائل تھے۔ حدیث شریف کی تفصیلی شرح دیکھئے [۲]

---

[۱] انجاح الحاجہ حاشیہ ۶ نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۵، فیض الباری جلد ۴ ص ۲۰۶ [۲] مرقات جلد ۱ ص ۱۴۷ تا ۱۴۸، التعلیق الصبیح جلد ۱ ص ۷۷۔ ۷۶، فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۳، تحفۃ الاحوذی جلد ۳ ص ۱۹۶ تا ۱۹۵ کتاب شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل لابن قیم ص ۱۳ تا ۱۹ یہ حوالے مصباح الزجاجہ سے لئے گئے ہیں۔

رجال حدیث:۔

ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ بن ابان السلمی الدمشقی الخطیب صدوق راوی ہیں[1]

یعقوب بن حمید بن کاسب المدنی نزیل مکہ صدوق راوی ہیں مگر انہیں وہم ہوتا تھا[2]

سفیان بن عیینہ بن ابی عمران کنیت ابو محمد الکوفی ثم المکی حافظ حدیث امام حجت اور ثقہ راوی ہیں[3]

عمرو بن دینار المکی ثقہ راوی ہیں اور عمرو بن دینار البصری الاعور ضعیف راوی ہیں اور عمرو بن دینار الکوفی مجہول ہیں[4]

طاؤس بن کیسان الیمانی ابو عبدالرحمن الحمیری ثقہ اور فقیہ راوی ہیں[5]

(۹۰) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَامِرِبْنِ زُرَارَةَ ثَنَاشَرِيْكٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَبِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا ہے تا آں کہ چار چیزوں پر ایمان نہ لے آئے (۱) اللہ تعالیٰ پر کہ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے (۲) اور میں اللہ کا رسول ہوں (۳) اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر (۴) تقدیر پر۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف میں ان چار بنیادی عقیدوں کا ذکر ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی ایک کا بھی انکار کردے تو ایمان سلب ہو جائیگا اور ایسا شخص اسلام کے دائرہ سے نکل کر کفر کے حدود میں چلا جائیگا۔ شاہ عبدالغنی مجددی لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں لایومن کے اندر جولا ہے یہ نفی جنس کے لئے ہے اور یہاں اصل ایمان کی نفی مراد ہے[6] جبکہ کتاب الایمان میں جتنی بھی احادیث اس قسم کی گذری ہیں سب میں لا نفی کمال کے لئے تھا۔ چونکہ حدیث شریف میں ایمان بالقدر کا تذکرہ ہے اس لئے امام ابن ماجہ نے اس روایت کی یہاں تخریج کی ہے۔

حدیث شریف کی بقیہ تشریح واضح ہے۔

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن عامر زرارۃ الحضرمی ابو محمد الکوفی صدوق راوی ہیں[7]

---

[1] تقریب ص ۳۶۷ [2] تقریب ص ۳۸۳ [3] تقریب ص ۹۶ [4] تقریب ص ۱۹۳ [5] تقریب ص ۱۱۰ [6] مرقات جلد ۱ ص ۱۷۶، انجاح الحاجۃ / لمعات جلد ۱ ص ۱۱۱ [7] تقریب ۱۳۳

علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم الہاشمی رسول اللہ ﷺ کے عم محترم کے لڑکے ہیں آپ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا، باتفاق اہل سنت خلیفہ رابع ہیں[1]

(۹۱) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا ثَنَا وَكِيْعٌ ثَنَا طَلْحَةُ بْنُ يَحْيٰى طَلْحَةُ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَمَّتِهِ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى جَنَازَةِ غُلَامٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰى لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ قَالَ اَوَغَيْرُ ذَالِكِ عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلاً خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلاً خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ آبَائِهِمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول ﷺ کو انصار کے ایک بچے کے جنازہ میں مدعو کیا گیا تو میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس بچے کے لئے خوش خبری ہے جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے اس نے کوئی عمل سوء نہیں کیا اور نہ زمانہ بلوغیت کو پایا، آپ نے (حضرت عائشہ کو بطور تنبیہ) فرمایا کہ کیا ایسا ہی ہے اے، عائشہ یا اس کے علاوہ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو جنت کے لئے پیدا فرمایا جب کہ وہ اپنے اپنے باپ کی پشت میں تھے اور کچھ لوگوں کو جہنم کے لئے پیدا فرمایا جب کہ وہ اپنے باپ کے صلب میں تھے۔

تشریح حدیث:۔ طوبیٰ لهذا

طوبیٰ بروزن فعلیٰ اسم تفضیل مونث ہے اسکے معنی کی تعیین میں علماء نے اختلاف کیا ہے چنانچہ اس میں آٹھ اقوال ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد طوبیٰ لهم کی تفسیر فرح (خوشی) اور قرۃ عین (آنکھ کی ٹھنڈک) سے کی ہے۔

(۲) بعض لوگوں نے کہا کہ طوبیٰ حبشی زبان میں جنت کا نام ہے۔

(۳) دوسرے بعض حضرات نے کہا کہ ہندی زبان میں جنت کا نام ہے۔

(۴) بعض لوگوں نے کہا کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔

(۵) بعض لوگوں نے کہا کہ طوبیٰ سے اس کی نیکی کا کنایہ کیا گیا ہے۔

(۶) بعض لوگوں نے کہا کہ طوبیٰ جنت میں اس کا ٹھکانا ہے۔

---

[1] تقریب ص ۱۸۴

(۷) بعض لوگوں نے کہا کہ طوبیٰ سے مراد اس کی کرامت اور بھلائی ہے۔

(۸) بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اطیب کا مونث ہے جس کے معنی راحت وسکون کے ہیں [1] اصول وقواعد کے اعتبار سے یہی قول درستگی کے زیادہ قریب تر ہے۔

عصفور من عصافیر الجنة

عصفور ایک خاص چڑیا ہے جسکو فارسی میں کنجشک اور اردو میں گوریا کہتے ہیں، رہی یہ بات کہ حضرت عائشہؓ نے اس چھوٹے بچے کو عصفور کیوں کہا مناسبت تمثیل کیا ہے؟ مناسبت تمثیل کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ بچے کا صغر ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح عصفور ایک چھوٹی چڑیا ہے اسی طرح یہ بچہ بھی چھوٹا ہے مگر یہ وجہ تمثیل عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کیوں کہ اگر وجہ تمثیل صغر ہوتی تو کائنات میں اس سے بھی چھوٹی شئی موجود ہے اس سے تشبیہ دیدیتی تو بے جانہ ہوتا۔ اس لئے دوسرے بعض لوگوں نے یہ بیان فرمایا کہ عدم ذنوب میں عصفور کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے یعنی جس طرح عصفور (چڑیا) گناہوں سے پاک ہے اسی طرح بچہ بھی عدم تکلیف کی وجہ سے پاک وپوتر ہے لیکن اس پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر عدم ذنوب میں تشبیہ مقصود ہوتی تو اس کے علاوہ بہت سے پرندے تھے اس سے تشبیہ دیدیتی عصفور کی کیا خصوصیت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عصفور ان چڑیوں کو بولا جاتا ہے جو کبوتر سے چھوٹی ہوتی ہیں، اور اس قسم کی جتنی بھی چڑیاں ہوتی ہیں وہ اکثر اوقات نظروں کے سامنے ہوتی ہیں اس لئے اولاً نظر اس پر پڑے گی اس لئے عصفور سے تشبیہ دی ہے بعض لوگوں نے کہا کہ بچہ کو **عصفور من عصافیر الجنة** سے تشبیہ دینا درست ہی نہیں ہے اس لئے کہ جنت میں کوئی عصفور ہی نہیں ہے تو غیر موجود سے تشبیہ دینا بے اصل بات ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ جنت میں کوئی پرندہ نہیں ہے عدم علم کی علامت ہے خود حدیث شریف سے ثابت ہے کہ **ان فی الجنة طیر ا کلمثال البخت** ۔نیز اللہ نے فرمایا **ولحم طیر مما یشتھون** معلوم ہوا کہ جنت میں پرندے ہوں گے [2]

لم یعمل السوء ولم ید رکه

السوء بفتح السین اور بضم السین دونوں طرح پڑھا گیا ہے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے قبیل سے کوئی گناہ نہیں کیا، اس لئے کہ حقوق العباد سے متعلق جو گناہ ہوں گے اس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک خود صاحب حق معاف نہ کردے گا، اور حقوق اللہ سے متعلق گناہ اللہ تعالیٰ معاف کردے گا اور **لم یدرکه** کا مطلب یہ ہے کہ موت تک اس سے کوئی گناہ صادر نہیں

[1] مرقات جلد ا ص ۱۵۳ [2] مرقات جلد ا ص ۱۵۳

ہوا ہے یا عدم بلوغ اور عدم تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے،

اوغیر ذالك یاعا ئشة

اس میں مشہور روایت بفتح الواو، وضم الراء وکسر الکاف ہے اور اصل عبارت اس طرح **أتعتقدین ما قلت والحق غیر ذالك وهو عدم الجز م لکونه من اهل الجنة**۔ یعنی تم یہ اعتقاد کرتی ہو کہ یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک ہے حالانکہ بالقطع کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی، اس صورت میں واو حالیہ ہوگا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور واو عاطفہ ہے اس صورت میں تقدیری عبارت اس طرح ہوگی **أوقع هذا و یحتمل غیر ذالك**، بعض لوگوں نے واو کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا ہے، اور بعض نے او کو بل کے معنی میں لیا ہے جس طرح قول باری **مائة الف او یزیدون** میں او بل کے معنی میں ہے اسکے علاوہ دیگر اور احتمالات ہیں دیکھئے [1]

الغرض نبی کریم ﷺ نے اس سے حضرت عائشہ کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ بے سوچے سمجھے حتمی طور پر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کیا پتہ کون کہاں جائیگا اور کس کا کیا حال ہوگا ابھی نطفہ صلب کے اندر ہوتا ہے اور اس کے بارے میں علم الٰہی میں فیصلہ ہو جاتا ہے کہ فلاں جنتی ہے فلاں جہنمی ہے اور بندوں کو اسکا علم بھی نہیں ہے لہٰذا حتمی طور پر کسی کے بارے میں جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے حضرت عائشہؓ کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اس طرح باتیں ہرگز نہ کرنی چاہیے جو شرعاً درست نہ ہوں[2]

اطفال المسلمین کا حکم:۔

امام نوویؒ، شاہ عبدالحق دہلویؒ، ملا علی قاری اور امام ابو محمد بن علی بن احمد بن حزم الظاہری (المتوفی ۴۵۶ھ) اور تمام علماء اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے نابالغ بچے تبعاً للابوین بالیقین جنتی ہیں۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں توقف اور سکوت اختیار کیا جائے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث عائشہؓ ہے، کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ کو محض اس پر تنبیہ فرمائی کہ انہوں نے انصار کے ایک بچے کے متعلق کہدیا تھا کہ یہ بچہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک ہے اہل سنت کی طرف سے اس حدیث شریف کے متعدد جوابات دیئے جاتے ہیں (۱) حدیث عائشہ ابتداء پر محمول ہے بعد میں آپ کو اطفال مسلمین کے قطعی جنتی ہونے کا علم دیا گیا تھا چنانچہ ایک حدیث میں ہے **والمولود فی الجنة**۔ دوسری حدیث میں ہے **ان المومنین واولا دهم فی الجنة** معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے نابالغ بچے جو مر جائیں وہ بالیقین جنتی

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۱۵۴، تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۸۰، اشعة اللمعات جلد ۱ ص ۹۹ [2] مرقات جلد ۱ ص ۱۵۴ کشف الحاجہ ص ۱۷۲

ہوں گے نیز ایک حدیث اور ہے جو بالکل صحیح ہے **مامن مسلم یموت له ثلاثة من الولد لم یبلغو الحنث الا ادخله الجنة بفضل رحمته ایاهم**۔ پس ان احادیث سے روز روشن کی طرح یہ بات آشکارہ ہو گئی کہ مسلمانوں کے بچے بالیقین جنتی ہیں (۲) مسلمانوں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہو کر جنتی ہوتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قول سے اس بچے کے والدین کا قطعی جنتی ہونا معلوم ہو رہا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ادب سکھانے کے لئے انکار فرمایا[1]

اطفال مشرکین کے متعلق بیان مذاہب مع الدلائل:۔

اطفال مشرکین جو بالغ ہونے سے قبل مر جائیں ان کے بارے میں ملا علی قاری صاحب **مرقات المفاتیح** نے سات قول نقل کیے ہیں (۱) والدین کے تابع ہو کر وہ بچے دوزخ میں جائیں گے۔ (۲) **کل مولود یولد علی الفطرة** کی حدیث کے پیش نظر اطفال مشرکین سب جنتی ہیں (۳) اطفال مشرکین اہل جنت، کے خدمت گزار ہوں گے (۴) جنت اور جہنم کے درمیان میں ہوں گے نہ وہ منعمین میں سے ہوں گے اور نہ وہ معذبین میں سے، (۵) اطفال مشرکین علم باری کے مطابق اگر وہ زندگی پاتے تو ایمان اور اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوتے تو یہ جنتی ہوں گے اور اگر زندگی پانے کے بعد کفر کرتے تو وہ جہنمی ہوں گے، (۶) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اولاد مشرکین کے بارے میں توقف کیا جائیگا قطعی طور پر ان کے جنتی اور جہنمی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا، (۷) بعض حضرات نے کہا کہ اولاد مشرکین کے لئے آگ دھکا دی جائے گی اور اس میں داخل ہونے کا حکم دیا جائیگا اگر وہ داخل ہو جائے گی تو جنت کے اندر داخل کیا جائیگا ورنہ پھر جہنم میں داخل ہونا پڑے گا، حافظ ابن حجر صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ یہ تمام اقوال اس وقت تک تھے جب تک اطفال مشرکین کے متعلق کوئی علم پیغمبر کو نہیں دیا گیا تھا اب تمام علمائے امت کے نزدیک اطفال مشرکین جنتی ہیں[2]

امام نووی، شاہ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی، علامہ ابن حزم ظاہری، علامہ محمد طاہری رحیمی صاحب تحفۃ المرآۃ اور شیخ محمد ابوالحسن چاٹ گامی صاحب تنظیم الاشتات کی تحقیق کے مطابق اولاد مشرکین میں اصل الاصول تین مذاہب ہیں[3]

مذہب اول:۔

خوارج میں سے فرقہ ازراقہ جو نافع بن ازرق کی طرف منسوب ہے ان کے نزدیک اطفال مشرکین جو

---

[1] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۳۳۷، اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۹۹، مرقات جلد ۱ ص ۱۵۴، تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۶ [2] مرقات جلد ۱ ص ۱۶۶ [3] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۳۳۷، اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۹۹، تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۹، تنظیم الاشتات جلد ۱ ص ۸۷، الفصل فی الملل والاہواء جلد ۴ ص ۷۲ کشف الحاجہ ص ۱۷۳

عہد طفولیت میں انتقال کر گئے وہ تبعاًللوالدین جہنمی ہیں، وہ دائمی طور پر دوزخ میں ڈالے جائیں گے، فرقہ ازراقہ اپنے مسلک کی تائید میں درج ذیل نصوص واحادیث پیش کرتے ہیں، (۱) حضرت نوحؑ نے بدعا کی تھی رب لا تذرني على الارض من الكلفرين دياراً انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجراً كفاراً، طریقہ استدلال یہ ہے کہ کافر کے بطن سے تو کافر ہی پیدا ہوگا اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کے بچوں کیلئے بھی تباہی وبربادی کی بددعا کی تھی لہذا کافر کے بچے بھی ان ہی کے تابع ہوکر ناری ہوں گے، (۲) ان خديجة ام المومنين رضي الله عنهاقالت يارسول الله اين أطفالي منك قال في الجنة قالت فأطفالي من غيرك قال في النار (۳) الوائدة والمؤودة في النار۔ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں کم سن اور نومولود بچے کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے تو حدیث شریف میں صراحت ہے کہ درگور کی ہوئی نومولود اولاد بھی جہنمی ہے (۴) یہ حضرات ان دلائل نقلیہ کے علاوہ عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر اولاد مشرکین جنت میں ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مومن ہیں اس لئے کہ جنت میں تو صرف مومن ہی جائیگا اور جب وہ بچے مؤمن ہیں تو لازم ہے کہ ان بچوں کو مسلمانوں کی طرح دفن کیا جائے ان کے درمیان وراثت بھی جاری ہو، ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے [۱]

فرقہ ازراقہ کے دلائل کا جواب:۔

علامہ ابن حزم ظاہری (۴۵۶ھ) ان کے مستدلات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت نوحؑ نے اپنے زمانے کے تمام کفار کے لئے بددعاء کی تھی نہ کہ علی الاطلاق ہر زمانے کے کفار کے لئے، فلم يقل ذالك على كل كلفر بل قال ذالك على كفارقومه خاصةوانما اراد كفار وقته الذين كلنوا على الارض حينئذٍ فقط [۲] نیز علامہ ابن حزم ظاہری آگے لکھتے ہیں کہ اگر فرقہ ازراقہ کو علم فقہ سے ادنی مناسبت بھی ہوتی تو اس طرح کی باتیں ہرگز نہ لکھتے اور انہیں معلوم ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعاء خاص تھی اسلئے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے والد کافر و مشرک تھے مگر ان سے سید المرسلین اور ابراہیم خلیل اللہ جیسے اکمل انسان اور کامل مومن پیدا ہوئے۔ موصوف جلالت شان میں آگے مزید لکھتے ہیں ولكن الا رزاقة كانواعراباً جهالا كالانعام بل هم أضل سبيلا [۳]

یہی جوابی مضمون حضرت قتادہ، محمد بن کعب، ربیع ابن زید وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے مادعا عليهم الا بعد انه اخرج الله تعالىٰ كل مؤمن من اصلابهم واعقم ارحام نسلهم [۴] لہذا اوامر مخصوصہ سے عموم پر استدلال قطعاً درست نہیں ہے۔

---

[۱] الفصل فی الملل والاھواء والنحل جلد ۴ ص ۷۲۔ ۷۳ [۲] کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل جلد ۴ ص ۷۳ [۳] حوالہ سابق [۴] روح المعانی ج ۲۹ ص ۷ مکتبہ مصطفائیہ

دوسری دلیل:۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی روایت کے بارے میں بحر العلوم علامہ ابن حزم ظاہری کا یہ تبصرہ نقل کر دینا کافی ہے کہ واما حديث خديجةؓ فساقط مطرح لم يروه قط من فيه خير[1]

حضرت خدیجہ کی روایت اس درجہ کی نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے اعلیٰ اور صحیح حدیثوں کی موجودگی میں ایسی کمزور حدیث سے استدلال کرنا کج فہمی اور کم علمی کی واضح دلیل ہے۔

تیسری دلیل:۔

الوائده والموؤدة فی النار سے استدلال کرنا چند وجوہ باطل ہیں (۱) یہ حدیث شریف ثابت نہیں ہے بلکہ قریب موضوع ہے چنانچہ علامہ ابن عبد البر المالکی اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لا اعلم احداً روی هذا الحديث عن الزهری غير ابی معاذ وهونا سی الحديث لا يحتج بحديثه [2] (۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں یہ بھی احتمال ہے موودہ بالغہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نابالغہ ہو و يحتمل انها كانت بلغةو يحتمل انها تكون غير بالغة [3] اور جب دونوں کا احتمال ہے تو اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کے قاعدے سے اس سے حجت پکڑنا درست نہیں ہے (۳) حدیث مذکور سے استدلال اس لئے بھی ناجائز ہے کہ اس حدیث کے الفاظ میں رد و بدل ہے اس کی تفصیل دیکھئے [4] (۴) ملا علی قاریؒ نے چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ وائدہ سے مراد دایہ اور موودہ سے مراد موودہ لھا لڑکی کی ماں ہے لہٰذا اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا وقد تؤول الوائده لقابلة لرضاهابه والموؤدة بالمؤودة لها وهی ام الطفل [5] اس حدیث کا تفصیلی جواب ملاحظہ کیجئے۔[6]

فرقہ ازراقہ کی چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تدفین نماز جنازہ اور توارث کا سلسلہ دنیوی معاملات ہیں جو تعامل الناس نہ ہونے کی وجہ سے ان پر جاری نہ ہوں گے اور جب کہ ان کی نجات اور اسلام و فطرت کا حکم اخروی امر ہے پھر اگر دنیوی آمور کو نجات کے لئے علامت قرار دیا جائے تو بہت سے اشکالات سامنے آجائیں گے۔ نماز جنازہ نہ پڑھنا ان کے مسلمان نہ ہونے کی علامت نہیں ہے اس لئے کہ شہداء پر بھی نماز جنازہ (عند الشافعی) نہیں پڑھی جاتی ہے اسی طرح عدم توارث بھی عدم مؤمن ہونیکی دلیل نہیں ہے کیوں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان میں بھی توارث نہیں چلتا ہے باوجود کہ یہ حضرات مؤمن ہی نہیں بلکہ اکمل الانسان اور خلاصہ کائنات ہیں تفصیل ملاحظہ ہو [7]

---

[1] کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۴ [2] مرقات جلد ۱ ص ۱۸۳ [3] مرقات جلد ۱ ص ۱۸۲ [4] کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۴ [5] مرقات جلد ۱ ص ۱۸۲ [6] کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۴،۷۵ [7] کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۶

مذہب ثانی:۔

اطفال مشرکین کے بارے میں امت کا ایک طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جنتی ہیں یا جہنمی بلکہ اس مسئلہ میں تو توقف اور کف لسان کرنا چاہئے کیونکہ ادلہ اس بارے میں متعارض ہیں، چنانچہ بذل المجہود اور انوار المحمود میں تصریح ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ اس میں توقف کے قائل ہیں، متوقفین کی دلیل اس بارے میں یہ ہے کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے اطفال مشرکین کے بارے میں معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا **الله اعلم بما كانوا عاملين** اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا نیز دوسری دلیل حدیث باب کا یہ جملہ **او غير ذالك يا عائشه** ہے جو بظاہر توقف پر دلالت کر رہا ہے۔

متوقفین کے مستدلات کا جواب:۔

علامہ بن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں سے استدلال کرنا قطعا درست نہیں ہے اس لئے کہ جہاں کہیں بھی آپ نے صحابہ کرام کے سوالات پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا وہ تمام کے تمام ان اوقات تک محدود ہوتے تھے جب تک کہ آپ کو ان پر مطلع نہ کر دیا جاتا تھا، امام تورپشتی حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن حزم ظاہری وغیرہ لکھتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں منسوخ ہو گئی ہیں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بار آپ نے فرمایا **وما ادری ما يفعل بی ولا بكم** کہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا پھر بعد میں آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا **ليغفر لك الله ما تقدم وما تاخر** کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے شہداء بدر میں سے حضرت عثمان بن مظعون کے بارے میں معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا **ما ادری و انی رسو ل الله ما يفعل بی** کہ تم عثمان بن مظعون کے متعلق دریافت کرتے حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا تو آپ کا یہ ارشاد اس فیصلے کی اطلاع سے قبل کا ہے کہ شہداء بدر جنتی ہیں کوئی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا [1]

اور جو حضرات اطفال مشرکین کو تبعا للوالدین جہنمی قرار دیتے ہیں ان کا یہ فیصلہ قرآنی آیات **ولا تكسب كل نفس الا عليها۔ ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ** کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود اور ناقابل التفات ہے [2]

---

[1] کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۶۔۷۷، نووی جلد ۲ ص ۳۳۷ [2] کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۴

رہا کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ اولاد مشرکین کے سامنے آگ جلائی جائے گی اور ان کو اس میں دخول کا حکم ہوگا تو یہ بھی غلط باطل اور لغو ہے اس لئے کہ یہ مضمون ایک حدیث سے ماخوذ ہے جس کو قابل حجت مان لینے سے اس کی حقیقت صرف یہ رہتی ہے کہ حدیث مجانین اور ان لوگوں کے حق میں ہے جو بالغ ہوں اور انہیں اسلام کا علم نہ ہو عن الا سود بن سریع التیمی عن النبیؐ قال یعرض علی الا صم الذی لا یسمع شئیا وَالا حمق والھرم ورجل مات فی الفترة فیقول الا صم رب جلد الا سلام وما اسمع شئیاً ویقول الا حمق جلد الا سلام وما اعقل شئیاً ویقول الذی مات فی الفترة ما اتا ناك من رسول قال البزاز ونھب عنی ما قال الرابع قال فیا خذنوا موا ثیقھم لیطیعنه فیرسل الله الیھم ﷺ دخلوا النار فوالذی نفسی بیده لو دخلو ھا لکانت علیھم برد ا وسلام[۱]

مذہب ثالث:۔

جمہور علماء محققین، مفسرین و متکلمین اور اہل السنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اولاد مشرکین جنتی ہیں وہ تکذیب اور تکفیر میں اپنے والدین کے تابع نہیں ہیں بلکہ وہ فطرت انسانی پر قائم رہتے ہوئے اخروی لحاظ سے مؤمنین اور مسلمین کے زمرے میں شمار ہوں گی اور اس پر جمہور کے پاس بے شمار دلائل نقلیہ وعقلیہ موجود ہیں۔

(۱)واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظھورھم وذریتھمْ واشھد ھم علی انفسھم الست بربکم قالو ا بلیٰ ۲؎(۲)فاقم وجھك للدین حنیفا فطرة الله التی فطر االنا س علیھالا تبدیل لخلق الله ذالك الدین القیم.۳؎(۳)لا نفرق بین احدمنھم ونحن له مسلمون ،،الی قوله صبغة الله ومن احسن من الله صبغةونحن له عابدون ٤؎(٤)قال النبی ﷺ کل مولود یولد علی الفطرةفابواه یھودانه وینصرانه ویمجسانه ویشرکانه ٥؎(٥)انه رای ابراھیم علیه السلام فی روضه خضراء مفتخر فیھا من کل نو ر ونعیم وحوالیه من احسن صبیان واکثرھم فسأل علیه السلام عنھم فاخبر انھم من مات من اولاد النا س قبل ان یبلغو ا فقیل یا رسول الله واولاد المشرکین قا ل ولو لاد المشرکین ٦؎(٦)ان سلمان قال ولولاد المشرکین خدام اھل الجنة۷؎

ان دلائل بینات سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ اولاد مشرکین کو فطرت انسانی پر رکھتے ہوئے مسلمان اور مومن شمار کرلیں گے چونکہ ہر مولود فطرت انسانی ہی پر پیدا ہوتا ہے مگر ماحول کا اثر، والدین کی تربیت

---

[۱] کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۹ [۲] سورہ اعراف پ ۹ آیت نمبر [۳] سورہ روم پ ۲۱ [۴] سورہ بقرہ پ ۱ [۵] مشکوۃ ج ۱ [۶] رواہ البخاری [۷] شرح السنہ ص ۱۵۷

سے بچے کے اندر فساد آتا ہے اس لئے اگر قبل البلوغ انتقال کر جائیں تو وہ ان دلائل کی روشنی میں مومن شمار ہوں گے۔ ۱

رجال حدیث:۔

طلحہ بن یحیی بن طلحہ بن عبداللہ التیمی المدنی صدوق راوی ہیں ۲

ابو بکر ابن شیبہ یہ عبداللہ ابن محمد بن ابراہیم بن عثمان الواسطی ہیں جو ثقہ ہیں۔ ۳

(۸۸) حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَ عَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِىُّ عَنْ زِيَادِ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ الْمَخْزُوْمِىِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مُشْرِكُوْا قُرَيْشٍ يُخَاصِمُوْنَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْقَدَرِ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ قریش کے مشرکین آئے اور نبی کریم ﷺ سے مسئلہ قدر پر مخاصمہ کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی **یوم یسحبون فی النار علی وجوھھم ذوقوا مس سقر انا کل شیء خلقناہ بقدر** ۔ جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ کہا جائے گا آگ کا مزا چکھو ہم نے ہر چیز پیدا فرمائی ہے پہلے ہی سے ٹھہرا کر۔

تشریح حدیث:۔

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مشرکین قریش اور جملہ اہل عرب مسئلہ قدر سے بخوبی واقف تھے پھر ان لوگوں کا سوال محض بحث و مباحثہ اور جدل و مخاصمہ کے لئے تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے بھی اسی بات کو الکوکب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اہل عرب کے شعراء کرام کے اشعار اور ان کے بعض مرثیے اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ اہل عرب مسئلہ قدر سے واقف تھے۔

خلقناہ بقدر

یعنی ہم کائنات کی جملے اشیاء کو اپنے علم ازلی اور فیصلہ ازلی کے مطابق نیست سے ہست میں لائے ہر چیز کی پیدائش سے قبل اللہ نے اس کے متعلق ازل ہی میں لکھدیا تھا کہ فلاں چیز پیدا کروں گا اور فلاں چیز پیدا نہیں کروں گا۔ قاضی بیضاوی نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ہر چیز لوح محفوظ میں اپنے وقوع سے قبل

---

۱ دلائل کی تفصیل دیکھئے کتاب الفصل جلد ۴ ص ۷۷ تا ۷۹۔ کشف الحاجہ ص ۷، ۱۷، مصباح الزجاجہ ص ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴۔ ۲ تقریب ص ۱۱۸ ۳ تقریب ص ۱۴۰

ہی لکھی جا چکی ہے لہذا یہ دنیا کی چیزیں اسکا سارا نظام اور سارے واقعات اور حوادثات سب لوح محفوظ میں مکتوب ہیں اسی کے مطابق کائنات میں موجود ہوتے رہتے ہیں، بہر حال اگر مخاصمہ و مجادلہ کرنے والے مشرکین قریش تقدیر کے منکر تھے تو آیت سے مقصود ان کی تردید اور عقیدہ کا اثبات ہے اور اگر وہ مشرکین تقدیر کے معترف تھے تو آیت کریمہ کا مقصد ان کو خاموش کرنا ہے۔

رجال حدیث:۔

سفیان ابن سعید بن مسبوق الثوری ابو عبداللہ الکوفی زبردست حافظ حدیث فقیہ، عابد اور ثقہ تھے[1]
زیاد بن اسماعیل المخزومی بعض نے یزید ابن اسماعیل بتایا ہے ان کا قوت حافظہ اچھا نہ تھا صدوق روای ہیں[2]
محمد بن عباد بن جعفر بن رفاعہ بن امیہ بن عائذ ابن عبداللہ بن عمر بن مخزوم المکی ثقہ راوی ہیں[3]

(۸۹) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ ثَنَا مَالِكُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ ثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ عُثْمَانَ مَوْلَىٰ اَبِيْ بَكْرٍ ثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَذَكَرَ لَهَا شَيْئاً مِّنَ الْقَدَرِ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْاَلْ عَنْهُ۔

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَاه حَازِمُ بْنُ يَحْيىٰ ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ سِنَانٍ ثَنَا يَحْيىٰ بْنُ عُثْمَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جا کر مسئلہ قدر پر کچھ بات ذکر کی، تو حضرت صدیقہؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص تقدیر کے مسئلہ میں مباحثہ کریگا قیامت کے روز اس سے باز پرس ہوگی اور جس نے تقدیر کے مسئلہ میں مباحثہ نہیں کیا اس سے کچھ باز پرس نہ ہوگی۔

تشریح حدیث: من تكلم في شئ من القدر سئل عنه يوم القيامة۔

حدیث شریف میں مسئلہ تقدیر پر بحث و مباحثہ کی ممانعت موجود ہے اور حدیث شریف کی تخریج کا مقصد بھی یہی ہے کہ آدمی کو تقدیر کے مسئلہ میں الجھنا نہیں چاہیے، قدر کے عقدہ لاینحل کی گرہ کشی میں خواہ مخواہ مخاصمہ اور مجادلہ کر کے اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس میں بحث و تمحیص سے کوئی نتیجہ نکلنے

---

[1] تقریب ص ۹۶ [2] تقریب ص ۸۳ [3] تقریب ص ۲۲۳

والا نہیں ہے بلکہ الثانی قیامت کے دن ایسے شخص سے سوال ہوگا اور انہیں عدالت خداوندی میں جواب دینا ہوگا البتہ یہاں یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ گفتگو کی دو صورتیں ہیں (۱) عقلی دلائل کی روشنی میں گفتگو کرنا۔ (۲) نقلی دلائل قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کرنا، گفتگو کی پہلی قسم شرعاً ممنوع اور حدیث شریف میں بھی مراد ہے اور گفتگو کی دوسری صورت شرعاً مذموم نہیں ہے بلکہ یہ جائز ہے قدر کے بارے میں اقوال نبویہ کو بیان کیا جائے تو یہ باعث ضرر نہیں ہے جیسا کہ ابن دیلمی کی روایت اس کی موئید بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے اپنے ذہنی خلجان کو رفع کرنے کے لئے اقوال رسول کا سہارا لیا اور دوسرے صحابہ کرام کے پاس جانے کی تلقین بھی کی ہے، ابن دیلمی کی روایت ہی سے گفتگو کی پہلی شکل کی ممنوعیت بھی ثابت ہوگئی ہے کہ ابن دیلمی کے عقلی دلائل کا جواب دینے کی کسی صحابی نے کوشش بھی نہیں کی۔[۱]

ومن لم يتكلم فيه لم يسئل عنه

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے تقدیر کے مسئلے میں بحث ومباحثہ، جدل ومجادلہ نہیں کیا، اور اس کی گرہ کشی کے لئے اپنی عقل وفہم کو استعمال نہیں کیا، تو اس سے قیامت کے دن اس کے متعلق سوال نہیں ہوگا کہ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا، اس لئے کہ انسان صرف دلائل نقلیہ کی روشنی میں ایمان بالقدر کا مکلف ہے لہذا جن چیزوں کی بنیاد نقلی دلائل پر ہے اور عقل کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے تو ان پر اجمالی طور پر ایمان لانا کافی ہے تفصیلی ایمان کا بندہ مکلف نہیں ہے اس لئے سوال بھی نہ ہوگا اور جن مسائل واحکام کی حقیقت کا انکشاف انسان اپنی عقل ودانائی سے کر سکتا ہے وہاں ایمان بالاقرار مطلوب ہے اور انکار پر قیامت کے روز مواخذہ ہوگا۔ حدیث شریف میں چوں کہ ایمان بالقدر کا ذکر ہے اور اس میں بحث ومباحثہ کی ممانعت ہے اس لئے حدیث شریف کی تخریج یہاں کی گئی۔

رجال حدیث:۔

مالک بن اسماعیل النہدی ابو غسان الکوفی ثقہ راوی ہیں۔[۲]

یحیی ابن عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ التیمی حدیث کے معاملے نہایت ڈھیلے تھے۔[۳]

(۹۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا أَبُوْمُعَاوِيَةَ ثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِيْ هِنْدٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى أَصْحَابِهٖ وَهُمْ يَخْتَصِمُوْنَ فِي الْقَدَرِ فَكَأَنَّمَا يُفْقَأُ فِيْ وَجْهِهٖ حَبُّ الرُّمَّانِ مِنَ الْغَضَبِ فَقَالَ بِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَوْبِهٰذَا خُلِقْتُمْ تَضْرِبُوْنَ الْقُرْآنَ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ بِهٰذَا

[۱] مرقات جلد اص ۱۸۳ [۲] تقریب ص ۳۲۸ [۳] تقریب ص ۳۷۶

هَلَكَتِ الْأُمَمُ قَبْلَكُمْ قَالَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو مَاغَبِطْتُ نَفْسِي بِمَجْلِسٍ تَخَلَّفْتُ فِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاغَبِطْتُ نَفْسِيْ بِذَالِكَ الْمَجْلِسِ وَتَخَلُّفِيْ عَنْهُ۔

ترجمہ حدیث:۔

عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ میں تشریف لائے اور وہ لوگ مسئلہ تقدیر پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے (یہ دیکھ کر) آپ کا چہرۂ انور شدت غضب سے اس طرح سرخ ہو گیا گویا (آپ کے چہرۂ انور پر) انار نچوڑ دیا گیا ہو آپ نے (صحابہ کرامؓ کو مخاطب بنا کر) فرمایا کیا تم اس کے مکلف ہو یا تم اس کے لئے پیدا کیے گئے ہو کہ تم قرآن کریم کی آیات کو دوسری بعض پر چسپاں کرتے ہو (یاد رکھو) تم سے پہلے کی امتیں (اسی بحث و مباحثہ) کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ہیں عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ مجھے اس مجلس کے ترک پر شدید افسوس ہوا جن میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ میری شرکت نہ ہو سکی لیکن اس مجلس میں شرکت پر افسوس نہ ہوا۔

تشریح حدیث:۔ وهم يختصمون في القدر

واو حالیہ ہے اور اختصام سے مراد باہمی بحث و مباحثہ ہے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کچھ حضرات لاعلمی کی وجہ سے مسئلہ قدر و قضا کے موضوع پر بحث و مباحثہ میں الجھ گئے تھے شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ بعض صحابہ کہتے تھے کہ اگر سب کچھ نوشتہ تقدیر کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں اور ساری چیز تقدیر الٰہی کے تابع ہیں تو پھر کسی عمل پر ثواب اور کسی عمل پر عقاب کیوں ہوتا ہے؟ اور بعض صحابہ کرام یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت سے کچھ لوگوں کو جنت کے لئے اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے لئے بنا رکھا ہے اس میں کیا راز ہے اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے بعض حضرات بولے کہ ثواب، عقاب جنت و جہنم نیک بختی اور بد بختی کا معاملہ اگرچہ فیصلہ خداوندی اور تقدیر الٰہی سے تعلق رکھتا ہے مگر بندوں کو کچھ اختیارات بھی ملے ہیں جس سے وہ نیکی و بدی دونوں کرنے پر من وجہ قادر ہے اس پر دوسرے نے کہا اچھا بتاؤ وہ اختیارات کس نوعیت کے ہیں اس اختیار و کسب کو کس نے ایجاد کیا ہے اور کہاں سے آئے۔[1]

الغرض صحابہ کرام میں اس طرح کی گفتگو چل رہی تھی اور انداز گفتگو بحث و مباحثہ کا تھا کہ اسی دوران اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور یہ منظر دیکھ کر آپ نہایت سخت ناراض اور شدید غضبناک ہو گئے اور رخ انور نہایت سرخ ہو گیا راوی کہتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انار آپ کے چہرے پر نچوڑ دیا گیا

[1] مرقات جلد ۱ ص ۱۷۲

ہے اس سے مقصود شدت غضب کو بتلانا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں کیا اللہ نے تمہیں اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تم لایعنی اور بے ضرورت چیزوں میں پڑو اور غیر متعلق چیزوں کی کھود کرید کرو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تمہیں اس پر مامور کیا ہے کہ تم اس میں پڑو اور نہ مجھے اس لئے مبعوث کیا کہ تقدیر کے مسائل کی گھتیوں کو سلجھاؤں بلکہ تمہاری تخلیق کا مقصد صرف اور صرف اوامر الٰہی کی بجا آوری اور منہیات خداوندی سے اجتناب ہے لہٰذا تم صرف اسی میں لگے رہو اور میری بعثت کا مقصد صرف اللہ کے احکام کو تم تک پہنچانا ہے قدر و قضا کے مسئلے میں غور و فکر کرنا عقلی گھوڑا دوڑانا نہیں ہے تو پھر آخر تم اس مسئلہ میں الجھکر عاقبت کو کیوں خراب کرتے ہو یاد رکھو اسی میں بحث و مباحثہ کی وجہ سے سابقہ امتیں ہلاک ہوئیں ہیں پھر بھی تم اس میں پڑتے ہو تقدیر تو ایک راز ہے جو کسی بھی مخلوق پر ظاہر نہیں کیا گیا لہذا تم تقدیر کے علم و حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرو جو سامنے آئے تو اسی پر راضی و مطمئن رہو۔

عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده

اس قسم کی روایات کو محدثین کی اصطلاح میں روایۃ الابناء عن الآبا کہا جاتا ہے اس حدیث کو عمرو بن شعیب نے اپنے والد بزرگوار سے اور ان کے والد شعیب نے اپنے دادا محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عن ابیه عن جده میں ابیه کی ضمیر کا مرجع عمرو بن شعیب ہے اور عن جده کا مرجع شعیب ہے نہ کہ عمرو بن شعیب، مطلب یہ کہ شعیب اپنے دادا عبداللہ سے روایت کرتے ہیں جو صحابی ہیں اس صورت میں حدیث مرفوع ہوگی مگر اسمیں انتشار ضمائر لازم آتا ہے لہذا افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ ابیه وجده دونوں کی ضمیر کا مرجع عمرو ہی ہوں اس صورت میں انتشار ضمائر لازم نہیں آئیگا مگر عمرو کے دادا سے مراد محمد نہیں ہوں گے جو کہ تابعی ہیں بلکہ ان سے مراد محمد کے والد عبداللہ ہوں گے کیونکہ دادا کے باپ کو بھی دادا کہہ دیا جاتا ہے اس صورت میں حدیث مرفوع بھی ہو جائے گی اور انتشار ضمائر بھی لازم نہ آئیگا۔ اور اگر عن ابیه وجده کی ضمیر اسم اول کی طرف راجع کریں تو معنی یہ ہوں گے کہ عمرو نے اپنے باپ شعیب سے، اور شعیب نے عمرو کے دادا محمد تابعی سے روایت کی ہے اس صورت میں ابیه وجده دونوں کی ضمیر کا مرجع اسم اول ہوگا مگر حدیث مرسل ہو جائیگی کیوں کہ محمد تابعی ہیں، اسلئے پہلی شکل جو ذکر کی گئی ہے وہی اولیٰ ہے!

رجال حدیث:۔

داؤد بن ابی ہند القشیری ثقہ راوی ہیں [2]

عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص صدوق راوی ہیں [3]

---

[1] تنظیم الاشتات جلد اص ۹۳، مظاہر حق جدید جلد اص ۱۵۷ [2] تقریب ص ۷۳ [3] تقریب ص ۱۹۳

(۹۱) حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالاَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا يَحْيىٰ بْنُ أَبِي حَيَّةَ أَبُوْ جَنَابِ الْكَلْبِيُّ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاَعَدْوىٰ وَلاَ طِيَرَةَ وَلاَ هَامَّةَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ الْبَعِيْرَ يَكُوْنُ بِهِ الْجَرَبَ فَيُجْرِبُ الْإِبِلَ كُلَّهَا قَالَ ذٰلِكُمُ الْقَدَرُ فَمَنْ أَجْرَبَ الْأَوَّلَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اسلام میں) نہ چھوت ہے اور نہ بدشگونی اور نہ کسی پرندے سے بدفالی۔ (آپ کی یہ بات سنکر) ایک اعرابی آدمی آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا یارسول اللہ ﷺ آپ اونٹ کو دیکھ رہے ہیں کہ کھجلی تو کسی ایک کو ہوتی ہے پھر تمام اونٹوں میں ہو جاتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ یہ تقدیر کی باتیں ہیں (اچھا یہ بتاؤ کہ) پہلے اونٹ میں کس نے کھجلی پیدا کی،

تشریح حدیث:۔ لاعدویٰ

عدویٰ اعداء کا اسم ہے جب کوئی بیماری مریض سے متعدی ہو کر دوسرے کو لگ جاتی ہے تو اس کو عدویٰ کہا جاتا ہے، محدثین نے اس جملے کی تشریح میں قدرے اختلاف کیا ہے، چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی مرض مؤثر حقیقی ہو کر متعدی نہیں ہوتا ہے دور جاہلیت میں عام طور سے یہ عقیدہ لوگوں میں خوب پایا جاتا تھا کہ اگر کوئی تندرست وصحت مند آدمی کسی مریض کے پاس بیٹھے یا اس کے ساتھ کھائے تو اس کا مرض اس تندرست آدمی میں منتقل ہو جاتا ہے پس اسی جاہلی عقیدے کا حدیث شریف میں ابطال کیا گیا ہے کہ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا ہے بلکہ خدائے وحدہ لاشریک لہٗ نے جس طرح اول کو مرض میں مبتلا کر دیا اسی طرح اس کو بھی کر دیا، ورنہ اول مریض کو مرض کہاں سے لاحق ہوا ظاہر بات ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ہی مرض میں مبتلا کیا، دیگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ لاعدویٰ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی خاص امراض میں اسباب کے لحاظ سے یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ مؤثر حقیقی تعدیہ ہے حدیث شریف فمن أجرب الاول سے اسی جانب اشارہ ہے۔

سوال:۔ لیکن یہاں ایک زبردست سوال ہے کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ امراض متعدی نہیں ہوتے ہیں، مریضوں سے دوری اختیار نہیں کرنی چاہئے حالانکہ فر من المجذوم كفرارك من الاسد لا يورد لمرض على مصح ، لايوردن ذوعاهة اى ذومرض على مصح اور اس طرح کی دوسری

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مریضوں سے الگ تھلگ رہنا چاہئے ان سے قربت اور نزدیکی ہرگز اختیار نہیں کرنی چاہئے تو ان دونوں میں بظاہر تعارض ہوا،

جواب:۔ اس تعارض کے دفع کرنے میں محدثین کی مختلف رائیں ہیں شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں کہ حدیث لا عدوىٰ سے دور جاہلیت کے ان عقائد باطلہ کی تردید مقصود ہے جو لوگوں میں رائج تھے کہ امراض خود بخود متعدی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت وفعل کا کوئی دخل نہیں ہے اور حدیث شریف لایورد الممرض علیٰ مصح سے مقصود یہ ہے کہ بعض امراض بحکم خداوندی عادۃً متعدی ہوتے ہیں چنانچہ اطباء نے بیان کیا ہے کہ سات امراض ایسے ہیں جو متعدی ہوتے ہیں (۱) جذام (۲) جرب (۳) جدری (۴) حصبہ (۵) بخر (۶) رمد (۷) امراض وبائیہ۔ لہٰذا پیغمبر نے ان سے بچنے کی تاکید فرمائی کہ مریض کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مگر عقیدہ یہ رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیگا تو اسکے باوجود مبتلا کر سکتا ہے[۱]

بعض علماء نے فرمایا کہ ابوہریرہؓ والی روایت میں لاعدوىٰ کا لفظ نہیں ہے ابوسلمہ روای کہتے ہیں کہ لاادری انسی ابوهريرة اونسخ. لہٰذا مریضوں سے بعد اختیار کرنے والی روایتیں ہی معتبر ہیں مگر امام نووی اس پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قول دووجہ سے صحیح نہیں ہے (۱) راوی کا نسیان اس حدیث میں جس کو وہ بیان کررہاہے صحت حدیث کے منافی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا واجب ہے (۲) ابوہریرہؓ کی طرف سے یہ اختصار ہے کیوں کہ مسلم شریف میں یہ روایت ابوہریرہؓ کے علاوہ دوسرے راویوں سے ثابت ہے چنانچہ سائب بن یزید۔ جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، ابن عمر وغیرہ سے مروی ہے۔

علامہ مازری اور قاضی عیاض وغیرہ فرماتے ہیں کہ لايورد ممرض علی مصح کی روایت لاعدوىٰ سے منسوخ ہے مگر امام نووی نے اس قول کو دووجہوں سے غلط قرار دیا ہے (۱) نسخ کیلئے شرط یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں تطبیق متعذر ہو حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ تطبیق ممکن ہے جو ابھی گذر چکی، (۲) نسخ کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ تاریخ کا علم ہو کہ کون حدیث پہلے کی ہے اور کون حدیث بعد کی ہے اور یہاں اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے لہٰذا حدیث شریف کو بلاوجہ منسوخ قرار دینا درست نہیں ہے[۲]

اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حدیث لا عدوىٰ اپنے ظاہری مفہوم پر محمول ہے کہ امراض قطعاً متعدی نہیں ہوتے ہیں اور حدیث شریف لایورد ممرض علی مصح سے جو نہی مفہوم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مریضوں کو تندرستوں کے سامنے مت لاؤ کیوں کہ اس کی بدبو اور رائح کریہہ سے انہیں تکلیف ہوگی[۳]

---

[۱] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۳۰، تنظیم الاشتات جلد ۳ ص ۱۴۳، اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۵۸۲ [۲] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۳۰ [۳] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۳۰

شارح بخاری صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ لاعدویٰ الخ والی حدیث اور فر من المجذوم والی روایت دونوں ہی صحیح اور ثابت ہیں اور ان کے ظاہری تعارض کے درمیان توفیق و جمع کی شکل یہ ہے کہ ایک مریض سے میل میلاپ رکھنا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تندرست اور صحت مند کے لیے بروئے اسباب مرض اور بیماری کا سبب بنادیتے ہیں لیکن ایسا ہونا ضروری نہیں ہے معلوم ہوا کہ کسی مریض سے اختلاط علت مرض نہیں ہے بلکہ علت حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے اور فر من المجذوم سے جو ممانعت اختلاط من المریض ثابت ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص مریض کے پاس جائیگا اور اگر بحکم باری مرض لاحق ہو جائے اور وہ یہ سمجھ لے کہ مخالطت عرض لاحق ہوا تو خواہ مخواہ کی بداعتقادی پیدا ہو گی تو سداً للذرائع کے طور پر ممانعت کر دی گئی ہے۔[1]

اگر تعدیہ کا یہی مفہوم ہے جو دور جاہلیت میں جہلاء عرب کا تھا اور آج وہم پرست اقوام کا ہے تو کوئی ڈاکٹر کوئی حکیم تندرست نہ رہتا کیونکہ انہیں تو روزانہ مریضوں سے مخالطت کرنی پڑتی ہے حالانکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے۔

ولاطیرۃ

طیرۃ بروزن عنبۃ بکسر الطاء و فتح الیاء یہی لغت زیادہ مشہور ہے بعض حضرات نے بسکون الیاء طیرۃ پڑھا ہے مگر قول اول اصح ہے بعض حضرات نے اس کو طار یطیر سے مصدر مانا ہے مگر دوسرے بعض حضرات نے کہا اس وزن پر کوئی مصدر نہیں آتا ہے، طیرۃ عام طور پر بدشگونی کے مفہوم میں مستعمل ہوتا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ فال کا لفظ نیک فالی کیلئے مستعمل ہوتا ہے اور طیرۃ کا لفظ بدشگونی کے لئے مستعمل ہوتا ہے **الفرق بین الفال والطیرۃ ان الفال من طریق حسن الظن باللہ والطیرۃ لاتکون الافی السوء**[2]۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ فال نیک فالی اور بدفالی دونوں کے مستعمل ہوتا ہے لیکن اکثر نیک فال اور مسرت بخش چیزوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور طیرۃ صرف بدفالی ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے علماء نے کہا کہ مجازاً سرور کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے **قال العلماء یکون الفال فیما یسر وفیما یسوء والغلب فی السرور والطیرۃ لاتکون الا فیما یسوء قالوا وقد یستعمل مجازاً فی السرور**[3]۔

جہلاء عرب مختلف چیزوں کے ذریعہ بدشگونی اور نیک شگونی لیتے تھے مثال کے طور پر سفر میں جانے سے پہلے پرندوں کو اڑاتے تھے اگر پرندہ دائیں جانب اڑتا تو سفر کرتے تھے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو سفر نہیں کرتے تھے اور بدشگونی لیتے تھے جلب منفعت اور دفع مضرت میں اس کو مؤثر سمجھتے تھے حدیث شریف میں اسی

---

[1] مستفاد کشف الحاجہ ص ۱۸۳ [2] فتح الباری ج ۲۳ ص ۲۲۹ مطبوعہ انصاری دہلی ۱۳۰۰ھ [3] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۳۲

باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ دفع مضرت اور جاب منفعت میں بدشگونی لینا کوئی چیز نہیں ہے ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں خداوند تعالیٰ نے لکھدیا ہے لہذا تشاؤم کے ذریعے عقائد کو خراب کر کے آخرت کی زندگی کو مت برباد کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر یقین کامل رکھو اور اس کے نوشتہ تقدیر پر راضی ہو جاؤ۔[1]

ولا هامة

هامة بفتح المیم مخففاً یہی مشہور ہے بعض نے بفتح المیم مشدداً پڑھا ہے ہامہ سے کیا مراد ہے اسمیں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا کہ یہ ایک بہت بڑا پرندہ ہے راتوں کے پرندوں میں سے، بعض علماء نے کہا کہ ہامہ سے الو مراد ہے جب اہل عرب میں سے کسی کے گھر پر بیٹھتا تو وہ اس سے اپنی موت یا بعض اہل کی موت کی بدشگونی لیتے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ پرندہ ہے جو بزعم عرب میت کی بوسیدہ ہڈیوں سے بنتا ہے اور اڑتا رہتا ہے جو نحوست کا سبب ہے، یا میت کے سر سے ایک پرندہ نکل آتا ہے جس کا نام ہامہ ہے جو ہمہ وقت یہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے پانی دو مجھے پانی دو اور جب تک اس کے قاتل کو نہ قتل کیا جاوے یہ فریاد جاری رہتی ہے بعض نے کہا کہ مقتول شخص کی روح یا اس کی ہڈی ہی بوم کی شکل اختیار کر لیتی ہے بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے وہ پرندہ مراد ہے جو میت کے گھر آیا جایا کرتا ہے اور اس کے گھر والوں کی خبریں لے آیا اور لے جایا کرتا ہے[2]

الغرض اس سے کچھ بھی مراد ہو آں حضرت ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے فاسد عقائد اور گندے خیالات کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ ذالكم القدر جو کچھ بھی ہوتا ہے سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اور تقدیر الٰہی کے مطابق وجود میں آتا رہتا ہے اگر امراض میں تعدیہ ہوتا اور مریضوں سے مخالطت کی وجہ سے بیماری منتقل ہوتی تو پھر پہلے اونٹ کو خارش کیوں آئی اس نے تو کسی سے مخالطت نہیں کی معلوم ہوا کہ سب کچھ تقدیر باری اور فیصلہ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔

رجال حدیث:۔

یحییٰ ابن ابی دحیا الکلبی ابو جناب کو محدثین نے کثرت تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے[3]

(۹۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى الْخَرَّازُ عَنْ عَبْدِ الأَعْلَى بْنِ أَبِي الْمُسَاوِرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ الْكُوفَةَ أَتَيْنَاهُ فِي نَفَرٍ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْكُوفَةِ فَقُلْنَا لَهُ حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ

---

[1] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۳۱، تنظیم الاشتات جلد ۳ ص ۱۴۲، مرقات جلد ۹ ص ۳ [2] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۳۰، تنظیم الاشتات جلد ۳ ص ۱۴۳، اشعة اللمعات جلد ۳ ص ۵۸۲، کشف الحاجہ ص ۱۸۴، فتح الباری جلد ۲ ص ۲۴۲ مطبوعہ انصاری دہلی ۱۳۰۸، مرقات جلد ۹ ص ۳ [3] تقریب ص ۲۷۵

ﷺ فَقَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَاعَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ اَسْلِمْ تَسْلَمْ قُلْتُ وَمَاالْاِسْلَامُ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ كُلِّهَا خَيْرِهَا وَشَرِّهَا حُلْوِهَا وَمُرِّهَا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ جب عدی بن حاتم کوفہ تشریف لائے تو ہم فقہائے اہل کوفہ کا ایک وفد آپ کے پاس پہونچا اور ہم نے ان سے کہا کہ آپ نے جو کچھ حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے اسکو ہم سے بیان کیجئے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے عدی بن حاتم اسلام قبول کرلو محفوظ ہو جاؤ گے میں نے کہا (حضرت) اسلام کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ (اسلام یہ ہے) کہ اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں اور تقدیر کی تمام باتوں۔ اچھی بری، خوشگوار اور ناگوار سب پر ایمان لاؤ۔

تشریح حدیث:۔

حضرات صحابہ کرام کے شب و روز، ان کے لیل و نہار اور ہمہ اوقات قرآن کریم وحدیث کی تعلیم و تعلم میں گذرتے تھے ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ گذرتا تھا کہ جس میں وہ قرآن وحدیث سیکھتے سکھاتے نہ ہوں لیکن اس واقعہ سے مزید ان کی پیاس کا پتہ چلتا ہے کہ کوفہ جو علم و عمل کا گہوارا سمجھا جاتا تھا جہاں قرآن وحدیث کے علوم کا چشمہ ابلتا تھا وہاں کے چوٹی کے فقہاء کرام حضرت عدی بن حاتم کے پاس محض اس لئے آئیں کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث حاصل کریں جو عدی بن حاتم نے حضور اکرم سے سنی ہے چوں کہ حدیث شریف میں ایمان بالقدر کا ذکر ہے اس لئے امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی تخریج اس باب کے تحت کی ہے۔

رجال حدیث:۔

یحییٰ بن عیسیٰ التمیمی النھشلی صدوق راوی ہیں مگر ان پر تشیع کا الزام لگایا ہے[1]

عبدالاعلیٰ فضل بن مساور صدوق راوی ہیں[2]

(۹۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ ثَنَا اَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ غُنَيْمِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْقَلْبِ مِثْلُ الرِّيْشَةِ تُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ

---

[1] تقریب ص ۲۷۷ [2] تقریب ص ۲۰۵

بِفَلاۃٍ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ پر جسے ہوائیں چٹیل میدان میں الٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں۔

تشریح حدیث:۔

مثل القلب مثل الريشة

زیر نظر حدیث شریف میں دلوں پر وارد ہونے والی کیفیات کو پرندوں کے پر کے ساتھ تشبیہ دیکر سمجھایا گیا ہے کہ انسان کا قلب اللہ تعالیٰ کی زیر قدرت اور زیر تصرف بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ چٹیل میدان میں کسی پرندے کا پر پڑا ہو اور ہوائیں اس کو جس طرح چاہتی ہیں اس الٹ پلٹ کرتی ہیں جدھر چاہتی ہیں لے جاتی ہیں اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے اللہ جس طرح چاہتا ہے موڑتا ہے جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے کبھی خیر کی طرف دل کو مائل کر دیتا ہے تو انسان اعمال صالحہ کو انجام دینے لگتا ہے اور کبھی شر کی طرف مائل کر دیتا ہے تو اعمال سئیہ کا صدور ہونے لگتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے **أن القلوب بين اصبعين من اصابع الله يقلبها كيف يشاء**۔ کہ قلوب بنی آدم اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اور جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، ریح کے بجائے ریاح بصیغہ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اگر ہوا ایک ہی طرف چلے تو وہ چیز اس طرح الٹ پلٹ نہیں ہو سکتی ہے جس طرح چاروں طرف سے ہوائیں چلنے کی صورت میں الٹ پلٹ ہوگی [1]

الغرض جس طرح اس پر کی کیفیت تیز ہواؤں کی صورت میں ایک طرح نہیں رہتی ہے بلکہ پر کبھی ادھر ہوتا ہے کبھی ادھر ہوتا ہے اسی طرح انسان کا قلب بھی دگر گوں رہتا ہے کبھی اس پر اچھے خیالات کا ورود ہوتا ہے کبھی برے خیالات، کا اور یہ سب کچھ تقدیر الٰہی اور مشیت ایزدی کے مطابق ہوتا ہے اس سے الگ کچھ نہیں۔ حالات قلب پر عبد العزیز دباغ کی ایک الہامی تقریر دیکھیے [2]

رجال حدیث:۔

عبد اللہ ابن نمیر ہمدانی ابو ہشام الکوفی کبار محدثین میں سے ہیں ثقہ راوی ہیں [3]

اسباط بن محمد بن عبد الرحمٰن بن خالد بن میسرۃ اشعری ثقہ ہیں مگر امام ثوری نے ان کی تضعیف کی ہے [4]

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۱۷۶ [2] تبریز جلد ۱ ص ۱۴۸ بحوالہ کشف الحاجہ ص ۱۸۶ [3] تقریب ص ۱۴۴ [4] تقریب ص ۱۸

یزید بن ابان الرقاشی ابو عمر البصری ضعیف راوی ہیں [1]
غنیم بن قیس المازنی العصری البصری ثقہ راوی ہیں [2]

(۹۴) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا خَالِیُ یَعْلیٰ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ جَارِیَۃً اَعْزِلُ عَنْھَا قَالَ سَیَأْتِیْھَا مَاقُدِّرَ لَھَا فَاَتَاہُ بَعْدَ ذٰلِکَ فَقَالَ قَدْ حَمَلَتِ الْجَارِیَۃُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَاقُدِّرَ لِنَفْسٍ شَیْئًا اِلَّا ھِیَ کَائِنَۃٌ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یارسول اللہ میری ایک باندی ہے جس سے میں عزل کرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اسکے لئے جو مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے گا پھر وہ شخص کچھ دنوں کے بعد آیا اور کہنے لگا باندی تو حاملہ ہو گئی آپ نے فرمایا جس شخص کے لئے جو چیز مقدر ہو چکی ہے وہ بہر حال ہو کر رہے گی۔

تشریح حدیث:۔ **إن لی جارية اعزل عنها**

اس حدیث شریف میں چوں کہ عزل کا تذکرہ ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر قدر تفصیلی گفتگو کی جائے تاکہ مسئلہ بالکل منقح ہو کر سامنے آجائے تو یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں تین بحثیں ہیں (۱) عزل کی تعریف (۲) عزل کے متعلق ائمہ کے اقوال (۳) عزل کا حکم شرعی اور صحابہ کی آراء۔

بحث اول عزل کی تعریف:۔

عزل لغت میں جدا کرنے کے معنی میں آتا ہے **عزل يعزل (ض) عزلا عن كذا** جدا کر دینا [3]
اصطلاح شریعت میں عزل کہتے ہیں استقرار حمل کے خوف سے جماع کے وقت منی کو فرج کے باہر گرانا، حافظ ابن حجر عسقلانی امام نووی، ملا علی قاری، شیخ عبدالغنی مجددی، شیخ عبدالحق دہلوی، سید شریف جرجانی، اور محدث کبیر حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری محشی بخاری شریف وغیرہ حضرات نے عزل کی تعریف الفاظ کے قدر اختلاف کے ساتھ یوں کی ہے۔ **العزل هوأن يجامع فاذا قارب الانزال نزع اوانزل خارج الفرج** [4]

---

[1] تقریب ص ۲۷۹ [2] تقریب ص ۲۰۲ [3] مصباح اللغات ص ۵۳۹ [4] نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۴۶۴ مرقات المفاتیح جلد ۶ ص ۲۳۶ اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۱۲۰ فتح الباری جلد ۹ ص ۲۴۳ ابن ماجہ ص ۱۴۰ کتاب التعریفات ص ۱۳۶ بخاری جلد ۲ ص ۷۸۴ بین السطور منظم الاشتات جلد ۲ ص ۱۸۳

بحث دوم عزل کے متعلق اقوال ائمہ :۔

اپنی باندی کے ساتھ عزل کرنا بغیر اس کی رضامندی کے بھی جائز ہے جبکہ حرہ منکوحہ کے ساتھ عزل کرنے کے لئے اس سے اجازت لینی اور اس کی رضامندی ضروری ہے حرہ منکوحہ کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرہ منکوحہ سے بھی عزل کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا بلا کراہت جائز ہے **لا ن المراۃ لا حق لھا فی الجماع اصلا عندہ،**

اس کے برخلاف حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ منکوحہ حرہ سے عزل کے لئے اجازت لینی ضروری ہے اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر عزل جائز نہیں اس لئے کہ جماع کرنا عورت کے حقوق میں سے ہیں اور وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے **لأ ن الجماع من حق الحرۃ ولھا المطالبۃ بہ**

نیز حضرت عمر کی ایک حدیث شریف میں ہے **انہ نھی ان یعزل عن الحرۃ الا باذنھا** ۔حرہ عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے روکا گیا ہے حضرت عمر کی یہ روایت مذہب حنفیت کی بھر پور تائید کر رہی ہے اس روایت کی وجہ سے بہت سے شوافع بھی جمہور کے ساتھ ہو گئے ہیں چنانچہ علامہ ابن عبدالبر مالکی، علامہ ابن ہبیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر منکوحہ عورت حرہ ہو تو اسکی اجازت کے بغیر عزل کرنا ناجائز ہے **قال ابن عبد البر لاخلاف بین العلماء انہ لا یعزل عن الزوجۃ الحرۃ بغیر اذنھا،** ۱ ؎

اگر کسی کی باندی کسی کی منکوحہ ہو تو اس سے عزل کرنے کے لئے اس کے مولیٰ سے اجازت لینی پڑے گی جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ امام مالک امام احمد بن حنبل (ایک قول کے مطابق) اور جملہ احناف کا مذہب بھی یہی ہے ۲ ؎ حضرت امام ابو یوسف امام محمد فرماتے ہیں کہ خود اس منکوحہ باندی سے اجازت ضروری ہے مولیٰ سے اجازت لینی ضروری نہیں **لان الوطی حقھا حتی ثبت لھا ولا یۃ المطالبۃ بالوطی وفی العزل تنقیص حقھا فیشترط رضا ھا کما فی الحرہ** ۳ ؎

امام احمد بن حنبل کے چار اقوال میں سے ایک قول صاحبین ہی کے قول کے مطابق ہے ۴ ؎

بحث سوم عزل کا حکم شرعی :۔

عزل کے سلسلے میں عہد صحابہ کرام و تابعین میں بنیادی طور پر دو مذہب ملتے ہیں۔

پہلا مذہب :۔

---

۱ ؎ فتح الباری جلد ۹ ص ۲۴۷ ۲ ؎ تنظیم الاشتات جلد ۲ ص ۱۸۳ ۳ ؎ ہدایہ جلد ۲ ص ۳۴۲ ۴ ؎ فتح الباری جلد ۹ ص ۲۴۸ تنظیم الاشتات جلد ۲ ص ۱۸۳

حضرت عمر، حضرت عثمان، عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابوامامہ، حضرت نافع علامہ نودی اور محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ اس کے بات قائل ہیں کہ عزل مکروہ اور تقریبا ناجائز ہے کیوں کہ یہ فعل نسل انسانیت کے لئے زبردست مضر ہے اور یہ واد خفی کے ہم معنی جس کی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔[1]

ان حضرات کی دلیل مسلم شریف کی روایت ہے جو حضرت جذالہ بنت وہب اسدی سے مروی ہے آپ ﷺ نے عزل کے بارے میں فرمایاذالك الوأد الخفی، وهی الموؤده سئلت [2]

دوسرا مذہب:۔

عزل کے متعلق دوسرا مذہب یہ ہے کہ عند العذر بوقت مجبوری عزل جائز ہے اور اس وقت یہ عزل واد خفی میں نہیں آتا ہے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، محدثین و مفسرین اور جمہور امت کا یہی مذہب ہے اور یہی مذہب مفتی بہ اور صحیح ترین مذہب ہے، عورت لاغر و کمزور ہے حمل کو برداشت نہیں کر سکتی ہے یا اس کو بچہ یا خود اپنی جان کا خوف ہو تو ان اعذار کے وقت عزل کی گنجائش ہے اور یہ عزل وادی خفی میں نہیں آیگا [3]

دلائل جمہور:۔

بوقت اعذار شرعیہ عزل کے جواز پر جمہور علماء کی طرف سے، بخاری، مسلم، ترمذی اور صحاح کی دیگر کتابوں کی حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو حضرت جابرؓ، ابو سعید خدریؓ سے مروی ہیں۔

عن جابر قال قلنا یارسول الله انا کنانعزل فزعمت الیهود انها الموؤدة الصغری فقال کذبت الیهود ان الله اذا اراد ان یخلقه فلم یمنعه [4]

عن جابر قال کنا نعزل علی عهد النبی ﷺ والقرآن ینزل [5]

عن ابی سعید الخدری کنانعزل فسألنا رسول الله ﷺ فقال اوانکم لتفعلون قالها ثلاثاما نسمة کائنة إلی یوم القیامة الا هی کائنة [6]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عزل صحابہ کرامؓ بوقت ضرورت کیا کرتے تھے تب ہی تو اس مسئلے کو حضور اکرم ﷺ سے دریافت فرما رہے ہیں۔ اور اپنے اس فعل کے جواز و عدم جواز کے متعلق رسول سے معلوم کر رہے ہیں مگر حضور اکرم ﷺ نے ان حضرات کو منع نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ عزل جائز ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۶ ص ۲۳۸ [2] مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۶۶ مشکوۃ شریف ص ۲۷۶ [3] مصباح الزجاجہ ص ۱۰۷ [4] ترمذی شریف جلد ۱ [5] بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۸۴، مسلم شریف جلد ۱ ص ۴۶۵ [6] بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۸۴ مسلم جلد ۱ ص ۴۶۴

جواب:۔

رہی یہ بات کہ اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے جس میں عزل کو واد خفی کہا گیا ہے، ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حدیث میں نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور فقہ حنفی کے مایہ ناز محقق علامہ ابن الہمام نے حضرت علی اور حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے کہ عزل واد خفی نہیں ہے[۱] اور دور حاضر کے مستند عالم دین بے مثال محدث وفقیہہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی بن مفتی محمد شفیع صاحب، الدیوبندی ثم پاکستانی ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ عزل اگر کسی غرض صحیح سے ہو تو جائز ہے حرہ کے ساتھ اس کی اجازت سے، اس لئے کہ وطی اس کا حق ہے اور باندی کے ساتھ مطلقاً، احادیث جواز اس صورت پر محمول ہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص اس کام کو انفرادی طور پر انجام دے اور اگر کسی شخص کو عزل سے غرض فاسد ہو مثلاً مفلسی کا اندیشہ یا لڑکی ہونے سے بدنامی کا خیال تو ایسی صورت میں عزل ناجائز ہے روایات ممانعت اسی صورت پر محمول ہیں [۲]

ضبط ولادت کا حکم شرعی:۔

جب عزل کا مسئلہ چل پڑا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضبط ولادت، خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلے میں کچھ باتیں نقل کر دوں جو آج کل ہمارے زمانے میں جدید تعلیم یافتہ موڈرن قسم کے لوگ اور مغربی تہذیب وتمدن سے مرعوب ہو کر نس بندی اور برتھ کنٹرول کے نام سے بڑے زور وشور سے تحریک چلاتے ہیں اس موضوع پر ہم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی جسٹس پاکستان کی ایک جامع مدلل اور مختصر تحریر نقل کر دیں، موصوف لکھتے ہیں۔

ہمارے زمانے میں خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول کے نام سے جو تحریک چلی ہے اس کے عدم جواز میں شبہ نہیں، اول تو اس لئے کہ ضبط ولادت کی اجازت جن مقامات پر ثابت ہے ان کا حاصل انفرادی طور پر ضبط ولادت کرنا ہے لیکن اس کو ایک عام عالمگیر تحریک بنا لینا درست نہیں، دوسرے اس تحریک کی غرض بھی فاسد ہے کیوں کہ منشاء خشیت املاق۔ ہے اور یہ نص قرآنی فاسد ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا تقتلوا اولادکم خشية املاق [۳]

اس میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ حکم قتل اولاد کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خشية املاق کے الفاظ سے اس فعل کی شناعت کا ایک عام حکم بیان فرمادیا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے بخوف

---

[۱] مرقات جلد ۶ ص ۲۳۸، ۲۳۹ [۲] درس ترمذی جلد ۳ ص ۳۲۳ [۳] سورۂ اسراء پ نمبر ۱۵ آیت ۳۱

مفلسی تحدید نسل ہوتی ہو وہ ناجائز ہے دراصل یہ تحریک باری تعالی کے نظام ربوبیت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ومامن دآبة فی الارض الا علی الله رزقها** ۱؎ ۔
اور قانون قدرت یہ ہے کہ ہر زمانے میں پیداوار کی مقدار اس دور کی ضروریات کے مطابق ہوتی ہے مثلا پرانے زمانے میں تمام سفر گھوڑوں کے ذریعہ ہوتے تھے اس دور میں اس قسم کے سفر میں کام آنے والے جانوروں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اور اب چونکہ سفر دوسری گاڑیوں پر ہونے لگے ان کی نسل بھی کم ہو گئی۔ اسی طرح پہلے زمانے میں پٹرول وغیرہ کی ضروریات محدود تھیں مثلاً اس کا استعمال خارش زدہ اونٹ کے جسم پر بطور علاج کیا جاتا تھا اس دور میں اس کی پیداوار بھی کم تھی اور اب تمام زندگی پٹرول کے گرد گھوم رہی ہے تو زمین نے بھی اس کے خزانے اگل دیے اس حقیقت کو اللہ تعالی نے اس آیت میں واضح فرمایا **وان من شیٔ إلا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم** ۲؎ اور **انا کل شئی خلقناه بقدر** ۳؎ نیز ارشاد ہے **ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر مایشاء** ٤؎ ۔
تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ضروریات کے مطابق وسائل کی پیداوار کا نظام قدرت ہی کی طرف سے ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ضبط ولادت کی یہ تحریک کسی بھی معقول بنیاد پر قائم نہیں بلکہ محض ایک سیاسی فریب ہے اب تو رفتہ رفتہ ماہرین معاشیات بھی اس نتیجہ کی طرف آ رہے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کی یہ تحریک نہایت مضرت رساں ہے اور معاشی طور پر اس کی کوئی اجازت نہیں اس مسئلہ کی مزید تفصیل احقر کے رسالہ ضبط ولادت کی عقلی و شرعی حیثیت میں موجود ہے واللہ اعلم ۵؎

سيأتيها مقدلها

مطلب یہ ہے کہ مانع حمل کے لئے اس ظاہری روک تھام میں کوئی فائدہ نہیں ہے اللہ تعالی جس کے وجود کو تمہارے نطفہ سے لکھ چکے ہوں گے وہ ہر حال میں ہو کر رہیگا اس لئے عزل وغیرہ کا طریقہ اختیار کرنا علوق اور عدم استقرار کے لئے کوئی سود مند ہے

رجال حدیث:۔

۱؎ سورہ ہود پ ۱۲ آیت ۶ ۲؎ سورہ حجر پ ۱۴ آیت ۲۱ ۳؎ سورہ قمر پ ۲۷ آیت ۴۹ ٤؎ سورہ شوریٰ پ ۲۵ آیت ۲۵ ۵؎ درس ترمذی جلد ۳ ص ۳۲۴، عزل کے متعلق مزید دیکھئے عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۹۵ بذل المجہود جلد ۳ ص ۲۶۰ ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۵ فیض الباری ۴ ص ۳۰۵، نیز عزل کے متعلق جدید معلومات کیلئے فقیہہ بے بدل نابض وقت مفکر اسلام قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی مدظلہ کے زیر ادارت نکلنے والا رسالہ بحث و نظر کا پہلا شمارہ کا فقہی سیمینار نمبر کا مطالعہ مفید ہوگا

سالم ابن ابی الجعد رافع الغطفانی الکوفی ثقہ راوی ہیں۔[۱]

(۹۵) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عِیْسیٰ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَبِیْ الْجَعْدِ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَایَزِیْدُ فِی الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ وَ لَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِیْئَۃٍ یَعْمَلُھَا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شئی عمر کو نہیں بڑھاتی ہے مگر نیکی، اور تقدیر کو کوئی شئی بدل نہیں سکتی ہے مگر دعاء۔ اور بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے جو وہ کرتا ہے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

زیر نظر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر الٰہی اور فیصلہ خداوندی میں بسا اوقات تبدیلی ہوتی ہے حالانکہ علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تقدیر الٰہی ایک اٹل حقیقت ہے جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے پھر سوال یہ ہے کہ اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے، علماء محققین نے حدیث شریف کو کس صورت پر محمول کیا ہے؟

علماء محققین نے اس حدیث شریف کی مختلف تشریح و توضیح کی ہے بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں تقدیر معلق مراد ہے جس میں اللہ تعالی یہ لکھدیتا ہے کہ اگر بندہ فلاں نیک کام کریگا تو اس کی عمر میں اتنی زیادتی ہوگی اور نہیں کرے گا تو نہیں ہوگی اور یہ تبدیلی صرف بندوں کے حق میں ہوتی ہے اللہ تعالی کے علم کے مطابق کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے اور علم خداوندی میں تقدیر صرف تقدیر مبرم ہے تقدیر معلق کوئی چیز نہیں ہے البتہ بندوں کے حق میں تقدیر معلق ہے جس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے **یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب** ۔اس صورت میں کوئی اشکال نہ ہوگا[۲]

بعض شراح حدیث نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ یہاں حدیث شریف اپنے ظاہر پر محمول ہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں ان تینوں چیزوں کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ فی نفسہ عمر میں کوئی کمی وزیادتی نہیں ہوتی ہے لیکن نیکی میں اتنی طاقت و قوت ہے کہ اگر بالفرض عمر میں اضافہ ہوا کرتا تو نیکی کی بدولت ہوتا اسی طرح تقدیر الٰہی کو کوئی چیز بدل نہیں سکتی ہے لیکن دعا میں اتنی تاثیر ہے اور اس قدر قوت

---

[۱] تقریب ص ۸۶ [۲] تنظیم الاشتات جلد ۳ ص ۱۶۳

وطاقت ہے کہ اگر بالفرض تقدیر بدل سکتی ہے تو دعاء سے بدل سکتی ہے اور گناہوں اور معصیات میں اس قدر نحوست ہے کہ آدمی رزق سے محروم کردیا جاتا ہے۔ صاحب اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق دہلوی کی یہی رائے گرامی ہے[1]

بعض محدثین کرام نے یہ کہا ہے کہ عمر میں زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوقات میں برکت دی جائیگی اور اپنی مقررہ زندگی میں اسقدر کار خیر انجام دیگا کہ جس کے لئے طویل عرصہ درکار ہے مگر نیکی تقوی وصلاح کی برکت اپنی چند سالہ زندگی میں وہ عظیم کارنامہ انجام دیگا کہ اس کیلئے طویل عمر درکار ہے جیسے علامہ عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہما اللہ العزیز نے اپنی قلیل عمر میں کثیر کام انجام دیئے ہے، یا زیادتی فی العمر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی نیکی اور خدمات جلیلہ کی وجہ سے اس کا کام قیامت تک روشن رہیگا وہ دنیا سے چلا جائے گا مگر اس کی خدمات کی وجہ سے لوگ اس کو یاد رکھیں گے یہی زیادتی فی العمر ہے اور تقدیر تغیر و تبدل کا مطلب یہ ہے کہ دعاء کی برکت سے تقدیر کو ہلکا کردیا جائیگا اور بندے کے اندر تقدیری امور کو برداشت کرنے کی صلاحیت اور طاقت پیدا کردی جائیگی، جب کہ رزق سے محرومی کا مطلب یہ ہے کہ معاصی و گناہ کی نحوست کی وجہ سے اس کے رزق کی برکت اٹھالی جائے۔

وان الرجل ليحرم الرزق بخطيئة يعملها

اشکال یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ رات و دن کا مشاہدہ ہے کہ فاسق و فاجر بلکہ کافر اصل مومن مطیع کے مقابلہ میں زیادہ رزق یافتہ ہے اور انہیں زیادہ عیش و آرام کی چیزیں حاصل ہیں تو پھر اس حدیث میں یہ کہنا کہ معصیت رزق سے محروم کردیتی ہے کیوں کر درست ہوا؟

جواب:۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں رزق سے مراد رزق آخرت یعنی ثواب ہے اور گناہوں کی وجہ سے ثواب سے محروم ہونا بالکل ظاہر ہے (۱) دوسرا جواب یہ ہے کہ رزق سے محرومی کا مطلب یہ ہے اس سے رزق کی برکت اٹھالی جاتی ہے اور تمام اسباب راحت ہوتے ہوئے راحت نصیب نہیں، نیند سے محروم، داؤں کے ذریعے انہیں محو خواب کیا جاتا ہے ہر وقت مال و دولت کی فکر دامن گیر رہتی ہے، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کا قول ہے کہ کفار و فساق کو جو مال و دولت اور اسائش و آرام کے سامان فراہم ہیں، تو یہ سامان راحت تو ضرور ہے مگر عین راحت نہیں ہے سامان راحت کو خریدا جاسکتا ہے مگر عین راحت تو ذکر الٰہی سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ خرید کر، (۳) یہ حدیث ان بعض گناہ گار مومن کیلئے خاص ہے جن کو اللہ تعالی کی مصائب و آلام میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک وصاف کرنا چاہتے ہیں اور انہیں جنت میں داخل کرنا

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۱۱۱۔۱۱۲

چاہتے ہیں۔[1]

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ الانصاری ابو محمد الکوفی ثقہ ہیں، اور عبداللہ بن عیسیٰ بن خالد الخزار ضعیف راوی ہیں۔[2]

حضرت ثوبان نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں آپ کی وفات کے بعد شام چلے گئے تھے اور مقام حمص میں ۵۴ھ وفات ہوئی۔[3]

(۹۶) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَفَّافُ ثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْعَمَلُ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ أَمْ فِي أَمْرٍ مُسْتَقْبَلٍ قَالَ بَلْ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سراقہ بن جعشم کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ ذرا بتایئے کہ) عمل (بھی) ان تقدیرات (الٰہیہ) میں سے ہے جن پر قلم خشک ہو چکا ہے (اور وہ بغیر کسی ردوبدل کے علی حالہ باقی رہے گا) اور مقادیر بھی جاری ہو گئیں ہیں یا امر مستانف ہے (جس کی کتابت ابھی نہیں کی گئی ہے) آپؐ نے فرمایا کہ عمل ان چیزوں میں سے ہے جسکو لکھکر قلم خشک ہو چکا ہے اور مقادیر بھی جاری ہو گئیں ہیں اور ہر ایک کو وہی اسباب فراہم کئے جائیں گے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

تشریح حدیث:۔ **العمل فیما جف القلم**

سائل کا مقصد یہ ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم سے جو اچھے یا برے اعمال صادر ہوتے ہیں کیا یہ اعمال بھی پہلے سے لکھے جا چکے ہیں یا اعمال پیش آمد اور نت نئے ہوتے ہیں پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تمام اعمال خیر اور اعمال شر کی کتابت پہلے ہو چکی ہے اور تقدیر کا فیصلہ بھی اس پر چل چکا ہے کہ ایسا ہو گا اور ایسا نہیں ہو گا مسلم شریف کی روایت سے جسکو صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بطور استشہاد اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی **ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقوٰها**۔ کہ اللہ تعالیٰ شر و خیر، برائی و تقویٰ دونوں کا الہام پیدائش سے پہلے کر چکا ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ برائیوں کا الہام برائی کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ برائی سے بچنے کے لئے ہے۔ حدیث شریف کا تعلق باب سے بالکل ظاہر ہے۔

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۱۱۲، مرقات جلد ۹ ص ۱۹۹ تنظیم الاشتات جلد ۳ ص ۱۶۴ [2] تقریب ص ۱۳۸ [3] تقریب ص ۴۰

وکل میسر لما خلق له

اس جملے سے متعلق کلام سابق میں گذر چکا ہے

رجال حدیث:۔

عطاء بن مسلم الخفاف ابو مخلد الکوفی صدوق راوی ہیں روایت حدیث میں بہت غلطی کرتے تھے[1]

سراقہ بن مالک جعشم الکنانی مشہور و معروف صحابی رسول ہیں حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں ۲۴ھ میں وفات ہوئی[2]

(۹۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّىٰ ثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ ﷺ إِنَّ مَجُوسَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْمُكَذِّبُونَ بِأَقْدَارِ اللّٰهِ إِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ وَإِنْ لَقِيتُمُوهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر وہ لوگ مر جائیں تو تم مت حاضر ہو اور اگر ان سے ملاقات ہو تو سلام مت کرو۔

تشریح حدیث:۔ان مجوس هذه الامة المكذبون بأقدار الله

ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ مجوس وہ لوگ ہیں جو دو معبود مانتے ہیں ایک خالق خیر جس کو یزداں کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرمن کہتے ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مجوس کہتے ہیں کہ خیر تو نور کا فعل ہے اور شر تاریکی اور ظلمت کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے اسی طرح فرقہ قدریہ کہتے ہیں کہ خیر تو منجانب اللہ ہے اور شر من جانب الشیطان اور نفس کی طرف سے ہے تو گویا اس نے کائنات میں دو معبود فرض کئے اور دو خدا کے قائل ہوئے حالانکہ اہل السنت والجماعت اور جمہور علماء کے نزدیک خیر و شر سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے البتہ خلق شر کی نسبت تفصیلاً اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا روا نہیں ہے چنانچہ شیخ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف المقدسی (المتوفی ۹۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ

قالوا ومانكرنا ه من صحة الاطلاق اجمالاً لا تفصيلاً كما يصح بالاجماع والنص ان يقال الله خالق كل شئ ولايصح ان يقال خالق القاذورات وخالق القردة والخنازير مع

---

[1] تقریب ص ۱۷۹ [2] تقریب ص ۸۸

کونها مخلوقة له اتفاقا وکما یقال له ملك السموات والارض ای مالکها ولایقال له الزوجات والاولاد۔

علماء کے اس گروہ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اجمالا یہ کہنا (کہ تمام کائنات اللہ تعالی کی مراد ہے) صحیح ہے لیکن تفصیلا صحیح نہیں ہے (کہ کفر ظلم اور فسق اس کی مراد ہے) یہ اسی طرح صحیح ہے کہ جس طرح اجماع اور نص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز کا خالق ہے لیکن تفصیلاً، یہ کہنا صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ گندگیوں اور بندروں اور خنزیروں کا خالق ہے حالانکہ بالاتفاق یہ بھی اسی ہی کی مخلوق ہے اور جیسے یہ درست ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اسی کے لئے ہے (یعنی اسی کی ملکیت ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں ہیکہ اس کیلئے بیبیاں اور اولاد ہیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ امت سے مراد امت اجابت ہے [۲] اور قدر و قضاء کی تکذیب کرنے والے کو مجوس سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح مجوس خالق شر کے لئے مستقل ایک خدا مانتے ہیں اسی طرح قدریہ کا بھی عقیدہ ہے کہ خالق شر خدا نہیں ہے بلکہ بندے خود اس کے خالق ہیں اللہ تعالیٰ افعال شر کے خالق نہیں ہیں کیوں کہ اللہ پر اصلح للعباد واجب ہے تو تشبیہ کی مناسبت کی وجہ یہ ہوئی کہ جس طرح مجوس افعال خیر کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرتے ہیں اور افعال شر کی اضافت نفس اور شیطان کی طرف کرتے ہیں اسی طرح قدریہ بھی کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ قدریہ کو مجوس سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مجوس تعدد الٰہ کے قائل ہیں اسی طرح قدریہ کے مذہب سے بھی تعدد الہ کا ثبوت ملتا ہے [۳]

ان مرضوا فلا تعودهم

علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ فرقہ قدریہ دائرہ اسلام سے خارج ہے لہذا ان کے نزدیک انکی عیادت وغیرہ کی ممانعت اپنے ظاہر پر محمول ہوگی یعنی حقیقت میں ان کی عیادت کرنا ان کے جنازہ میں شرکت کرنا، ان کو ابتدا بالسلام کرنا یہ ساری چیزیں شرعاً ناجائز ہوں گی حالانکہ عیادت، تجہیز و تکفین اور غم کے موقعوں پر شرکت کرنا اسلامی تعلیم اور حسن اخلاق میں سے ہے بلکہ بعض موقعہ پر احادیث میں ان چیزوں کو مسلمانوں پر واجب قرار دیا گیا ہے خوشی کے موقعوں پر آدمی تو شرکت وغیرہ سے اعراض کرتا ہے مگر غموں کے مواقع پر اخلاقی فریضہ سمجھ کر شرکت کرتا ہے مگر حدیث میں غموں میں شرکت سے ممانعت آئی ہے تو ان کو مواقع مسرت و خوشی میں شرکت کی بدرجہ اولی ممانعت ہوگی۔

---

[۱] مسامرہ طبع مصر جلد ۲ ص ۳ہکذا فی الخیالی ص ۲۷ طبع مجتبع دہلی [۲] مرقات جلد ۱ ص ۱۷۸ [۳] مرقات جلد ۱ ص ۱۷۹

جمہور علماء اہل السنت والجماعت کے یہاں فرقہ قدریہ اہل قبلہ میں سے ہیں اور مسلمان ہی ہیں اور یہ حدیث بر سبیل زجر و توبیخ ہے کہ شاید ان کی اصلاح ہو جائے اور اپنے فاسد عقائد سے توبہ کر لے حافظ ابن حجر کی یہی رائے ہے کہ اہل سنت کے نزدیک قدریہ وغیرہ کافر تو نہیں ہیں لیکن فاسق و گمراہ ضرور ہیں۔[۱]

رجال حدیث:۔

محمد بن مصطفٰی بن بہلول الحمصی القرشی صدوق راوی ہیں،[۲]

بقیۃ بن لولید بن صائد بن کعب الکلاعی صدوق راوی ہیں بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے[۳]

الاوزاعی امام عبدالرحمان بن عمرو بن ابی عمرو الاوزاعی ہے نہایت ہی ثقہ راوی ہیں اور زبردست فقیہہ بھی ہیں[۴]

عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج المکی ثقہ راوی ہیں لیکن حدیث مرسل بیان کرتے تھے اور تدلیس بھی کرتے تھے[۵]

محمد بن مسلم بن تدرس الاسدی المکی ابوالزبیر صدوق راوی ہیں ولکن کان یدلس[۶]

العبد غلام رسول منظور پھتراوی

اللیلۃ المتخللۃ من السبت

۱۵/ ۱۶/ ۵/ ۱۴۲۰ھ ۲۷/۹/۱۹۹۹

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۱۷۹، تحفۃ المراۃ ص ۱۶۳ [۲] تقریب ص ۲۳۴ [۳] تقریب ص ۲۳۴ [۴] تقریب ص ۳۶ [۵] تقریب ص ۱۵۶ [۶] تقریب ص ۱۶۵ [۷] تقریب ص ۲۳۳

(۱۱) بابٌ فی فضائل اصحاب رسول الله ﷺ

صحابی کی تعریف:۔

حافظ ابن حجر، ملا علی قاری، شاہ عبدالحق محدث دہلوی صحابی کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں **هو من لقی النبی صلی الله علیه وسلم وعلی آله وصحبه وسلم مومنا به ومات علی الاسلام ولو تخللت ردة فی الاصح**[۱]

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے استاذی الجلیل محدث کبیر حضرت مولانا و مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی محدث دارالعلوم دیوبند رقمطراز ہیں، صحابی وہ شخص ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر ان کا خاتمہ ہوا ہو اگر ملاقات نبوی کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہوئے ہوں تو امام شافعیؒ کے نزدیک بدستور صحابی رہیں گے مگر امام مالک اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک اسلام لانے کے بعد دوبارہ زیارت نبوی نہ ہو ان کو صحابی نہیں کہیں گے کیوں کہ جس طرح اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام برائیاں کالعدم ہو جاتی ہیں مرتد ہونے سے بھی سابقہ تمام نیکیاں کالعدم ہو جاتی ہیں حافظ ابن حجرؒ چوں کہ شافعی ہیں اس لئے اول مذہب کو اصح کہا ہے حالانکہ دلائل کی قوت کے اعتبار سے دوسرا قول اصح ہے[۲]

فضائل صحابہؓ:۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین افضل المسلمین، قرآن حکیم کے مخاطبین اولین، خیر الامم اور روح کائنات تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی صحبت اور نصرت کے لئے چن لیا تھا یہ وہ قدسی صفات نفوس ہیں جن کے تقویٰ وطہارت، صلاح وخیر، پاک بازی، راست گوئی حق شناسی کی تعریف خود رب العالمین نے کی ہے جن کی تربیت خود دست قدرت نے فرمائی ہے وہ جہاں آپس میں اخوت و بھائی چارگی، مواساۃ و غمگساری، محبت و مودت، ایثار قربانی میں **رحماء بینهم** کی شاندار تفسیر تھے، اور جہاں محامد ومکارم، اخلاق و عادات اوصاف و کمالات میں آپ علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کی بے مثل و بے مثال نمونہ تھے وہیں اسلام کے جاں باز سپاہی، دین حنیف کے شاندار کمانڈر اسلام کے خلاف چلنے والی باد سموم کے لئے آہنی دیوار، باطل کے مقابلے کیلئے شمشیر بے نیام اور **اشداء علی الکفار** کی عظیم الشان اور نرالی تفسیر تھے

---

[۱] نخبۃ الفکر ص ۸۱، مرقات جلد ۱۱ ص ۲۷۲، اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۴۱، مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۲۵۰ [۲] تحفۃ الدرر ص ۴۸

اور کیوں نہ ہوتے انہیں معلم رسول اللہ ملے درسگاہ بیت اللہ ملی اور نصاب کتاب اللہ ملی ہے سبحان اللہ پھر وہ آسمان رشدوہدایت کے ستارے کیوں نہ قرار پاتے **ذالك فضل الله يوتيه من يشاء**

صحابہ کی ثناخوانی قرآن کریم کی زبانی:۔

اللہ تعالی نے حضرات صحابہ کرام کو مختلف طریقوں سے جانچا پر کھا کبھی انہیں آگ کے دہکتے انگاروں پر لٹا کے جانچا، کبھی انہیں سخت دھوپ زبردست گرمی میں تپتے ہوئے ریت پر لٹا کے سینے پر بھاری بھاری چٹان رکھوا کے پرکھا، کبھی سولی پر لٹکا کے امتحان لیا کبھی بدر میں، کبھی احد میں کبھی خندق میں تو کبھی خیبر میں تو کبھی میدان جنگ میں چمکتی ہوئی تلواروں کے چھاؤں میں انہیں پرکھا اور جب اس میں اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کی تو قرآن انہیں **اولئك هم المفلحون ۔اولئك هم المهتدون ۔اولئك هم الفائزون۔ اولئك هم الراشدون اولئك حزب الله اولئك هم خيرالبرية** اور **رضی الله عنهم ورضوانه** جیسے القاب سے پکارا ہے اور قرآن کریم ان کے لئے **كلا وعدالله حسنى** جنت کا وعدہ کیا ہے **خالدين فيها** کی بشارت اسی دنیا میں سنائی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رضا کار بندے گردانا ہے،

صحابہ کی ثناخوانی نبوت کی زبانی:۔

ان کے ان ہی خصوصیات وامتیازات کی بناء پر حضور اکرم، سرور عالم رحمت مجسم، نبی مکرم، رسول معظم ﷺ نے انہیں اپنے اعتماد و بھروسے کا مرکز ومحور قرار دیا ہے صحیح حدیث میں موجود ہے کہ بعض مرتبہ آقائے دوعالم ﷺ کی مجلس مبارکہ میں کسی مافوق الفطرت کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ نے حضرات شیخین ابوبکر وعمر کی عدم موجودگی میں یہ کلمات فرمادیتے ہیں **آمنت به انا ابوبکر وعمر** ۔ان کی عدم موجودگی ان کی طرف سے ایمان کی شہادت دینا یہ ان دونوں کے اوپر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرنے کی طرف اشارہ ہے اسی لئے صحابہ کرام کی عدالت، فقاہت ثقاہت مسلم ہے آپ نے اعلان کردیا ہے **اصحابی کاالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم** میرے صحابہ رشد وہدایت کے درخشندہ ستارے اور مہربان تاباں ہیں تم جنکی بھی اتباع کروگے کامیاب اور راہیاب ہو جاؤ گے فرمایا **الصحابة کلهم عدول** سب صحابہ عادل ہیں ان کی عدالت کی گواہی زبان نبوت نے دی ہے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا **اذاذکر القدر فامسکوا واذاذکر اصحابی فامسکوا** کہ مسئلہ قدر اور صحابہ کو زیر بحث بنانے سے اجتناب کرو، وہ اخلاص وللہیت، خلوص وفاء کی آخری منزل تک پہنچے ہوئے تھے اس لئے فرمایا **لوان احدکم انفق مثل احد ذهبا مابلغ مداحدهم ولا نصیفه۔**

ایک جگہ فرمایا اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم یلونھم ثم یظھر الکذب
ایک اور مقام پہ ارشاد نبوی ہے لاتمس النار مسلما رانی أورای من رانی

مشاجرات صحابہ کرام اور اہل حق کا مذہب:۔

صحابہ کرام کا جو مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت، قرآن کریم کی نصوص اور اجماع امت سے ثابت ہے وہ اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت ہے لیکن اس کے بعد قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام صحابہ کرام باجماع امت واجب التعظیم والتکریم اور لائق صد احترام ہیں اور تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں اگر ان کے درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو ہمارے لئے کیا طریقہ کار ہونا چاہیئے خصوصاً یہ سوال ان معاملات میں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جن میں ان حضرات کا اختلاف جنگ وجدال ضرب وحرب قتل وقتال اور خون ریزی تک پہنچ گیا ہو ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ہی فریق حق پر ہوگا اور دوسرا خطاء پر ہوگا اس خطاء وصواب کا معاملہ عمل وعقیدے کے لئے طے کرنا جو نہایت ضروری ہے مگر اس سنگین صورت میں دونوں فریقوں کی یکساں تعظیم وتکریم اور ادب واحترام کس طرح باقی رکھا جاسکتا ہے جس کو بھی خطاء پر قرار دیا جائیگا اس کی تنقیص ایک لازمی اور بدیہی امر ہے تو اب امت کو کونسا طریقہ کار اپنانا چاہیئے کہ جس سے کسی فریق کی تنقیص لازم نہ آئے۔

علماء امت نے عقیدے اور عمل کے لئے دو متضاد اقوال میں سے ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار کیا ہے اور دوسرے فریق کے قول کو چھوڑ دیا ہے مگر جس فریق کے قول کو چھوڑا ہے اس کی ذات وشخصیت کے متعلق کوئی ایسا جملہ نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص مترشح ہوتی ہو۔ خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریقوں کی تعظیم یکساں واجب ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کو برا کہنا ناجائز ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ حق پر تھے ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر تھے مگر ان کی یہ خطاء اجتہادی تھی جس پر شرعاً کوئی دارو گیر نہیں بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی سعی مرکوز کرنے پر خطاء ہونے سے بھی ایک اجر بہر حال ملیگا مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں اہل السنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بعض ثابت شدہ روایات کی بھی تاویل کی جائیگی تاکہ امت مسلمہ ان قدسی صفات حضرات صحابہ کرام کے بارے میں شکوک وشبہات سے محفوظ رہے اور جو روایات قابل تاویل نہ ہوں گی ان کو مردود سمجھا جائیگا کیوں کہ صحابہ کرام کا تقدس، تقویٰ وطہارت مقام و مرتبہ، نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ان کے مقابلے متعصبانہ افتراء پردازی اور صحابہ کرام کے تقدس کو پامال کرنے والی روایات بلاشبہ مردود ہوں گی۔ چنانچہ حافظ تقی الدین (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

وما نقل فیما شجر بینهم واختلفوا فیه فمنه ما هو باطل وکذب فلا یلتفت الیه وما کان صحیحا اولناه تاویلا حسنا لان الثناء علیهم من الله تعالی سابق وما نقل من الکلام اللاحق محتمل للتاویل والشکوک والموهوم لا یبطل المتحقق والمعلوم هذا۔[۱]

صحابہ کرام کے جو آپسی اختلافات منقول ہیں ان کا ایک حصہ بالکل باطل اور جھوٹ ہے جو قابل توجہ ہی نہیں اور جو کچھ صحیح ہے اس کی ہم بہتر تاویل ہی کریں گے کیوں کہ حق تعالی کی طرف سے ان کی تعریف مقدم ہے اور بعد کا منقول کلام قابل تاویل ہے مشکوک اور موہوم چیزیں یقینی اور ثابت شدہ شئی کو باطل نہیں کر سکتی یہ عقیدہ محفوظ کر لو۔

حضرات علماء کرام نے صحابہ کرام کے باہمی اختلافات ومعرکہ کو جنگ وجدال سے تعبیر نہیں کیا ہے بلکہ ادباً مشاجرہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یہ عربی کا لفظ ہے شجرۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایسے تنے دار درخت کے ہیں کہ جن کی شاخیں اطراف وجوانب میں پھیل گئیں ہوں اور درختوں کی شاخوں کا ایک دوسرے میں گھس جانا مجموعی حیثیت سے کوئی عیب نہیں رکھتا بلکہ درخت کے لئے زینت اور کمال ہے اسی مناسبت سے حضرات صحابہ کرام کے باہمی نزاعات واختلافات کو مشاجرت کہا جاتا ہے اس میں بحث ومباحثہ، جدل ومناظرہ اور بلا وجہ ان روایات میں غور وخوض کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مشاجرت صحابہ کرام میں کف لسان اور سکوت کو اسلم قرار دیا گیا ہے۔[۲]

صحابہ کرام تنقید سے بالاتر ہیں:۔

ماقبل کی جملہ تفصیلات وتوضیحات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ تمام صحابہ کرام باوجود محاربات ومشاجرات مقدس گروہ اور باکمال شخصیات ہیں قرآن کریم کے شواہد وبینات کے سامنے تاریخی روایات مردود ہیں روایات کا بیشتر حصہ مسخ ہو کر رہ گیا اور جو روایات ہم تک پہنچیں بھی ہیں وہ رطب ویابس سے خالی نہیں، اس لئے تمام اہل السنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ چلا آرہا ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کا ذکر اچھائی سے کرنا واجب ہے ان کی شان میں نازیبا کلمات بولنا ان کی تنقیص کرنا، انہیں ہدف ملامت بنانا اور ان پاک نفوس کا ذکر برائی سے کرنا باطل وناجائز ہے حضور اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی شان میں بدگوئی اور ان پر سب وشتم کی ممانعت فرمائی ہے ذیل میں چند حدیثیں درج ہیں۔

قال رسول الله ﷺ لا تسبوا احدا من اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذهبا ما

---

[۱] بحوالہ محاضر ہرد مودودیت جلد ۴ ص ۲۱ [۲] تفصیلی بحث دیکھئے محاضرہ رد شیعیت جلد ۵ ص ۲۴، محاضرہ رد مودودیت جلد ۴ ص ۲۰ بیان الفوائد جلد ۲ ص ۲۳۲ نبراس شرح عربی شرح عقائد ص ۳۰۷

ادرک مد احدھم ولا نصیفہٗ[1] اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہنا کیوں کہ تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو وہ ثواب میں صحابہ کرامؓ کے ایک مد بلکہ آدھے مد جو کے خرچ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے الصارم المسلول میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں لفظ سبؓ ایسے عام معنی کے لئے آیا ہے جو لعن وطعن کرنے کے مفہوم سے عام ہے[2] لہٰذا ایسا کلام اور ایسے کلمات جن سے کسی صحابی کی تنقیص ہو توہین یا دل آزاری ہوتی ہو تو یہ سب لفظ سبّ میں داخل ہیں۔

اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقداذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشك ان یاخذہ[3] لوگو۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اللہ سے ڈرنا ان کو میرے بعد اعتراضات کا نشانہ نہ بنانا جو ان سے محبت کریگا تو مجھ سے محبت کی بناء پر ان سے محبت کریگا اور جو ان سے دشمنی رکھے گا تو مجھ سے دشمنی کی بناء پر دشمنی رکھے گا اور جو ان کو تکلیف دیگا اس نے مجھ کو تکلیف دیا اور جس نے مجھکو تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی اس کو عنقریب اللہ عذاب میں مبتلا کریگا۔

یہ حدیث ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے کافی ہے جو رسول اللہ کے صحابہ کرامؓ کو آزادنہ تنقید کا نشانہ بناتے ہیں یا ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جو صحابہ کرام کی تقدس وعظمت کو مجروح کرتی ہیں یا ان کا پڑھنے والا اور سننے والا صحابہ کرام سے بدگماں ہوئے بغیر نہ رہے یا کم از کم ان کے دل میں ان کا اعتماد باقی نہ رہے اب جو لوگ صحابہ کرام کو ہدف ملامت، اور تنقید کا نشانہ بنا کر ان کی عزت، عظمت، رفعت بلندی، پردھاوا بول رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے باغی ہیں اور سخت وعید کے مستحق اور غضب الٰہی کے حقدار ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

اذا رأیت الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علیٰ شرکم[4] جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کرام کو برا بھلا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

ان مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر کے ساتھ کرنا واجب ہے اور ہر ایک کی تعظیم اور ان پر اعتماد کرنا لابدی ہے صحابہ کرام کو برائی کے ساتھ ذکر کرنے والے کو بداعتقاد اور گمراہ کہا گیا ہے چنانچہ محدث جلیل حافظ حدیث ابوزرعہ رازی (متوفی ۲۶۰ھ) فرماتے ہیں

اذا رأت الذین الرجل ینتقص احد امن اصحاب رسول اللہ ﷺ فاعلم انہ زندیق

---

[1] مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۱۰ [2] الصارم المسلول بحوالہ مقام صحابہ ص ۵۴ [3] مشکوۃ ص ۵۵۴ [4] مشکوۃ جلد ۲ ص ۵۵۴

وذالك ان الرسول ﷺ عندنا حق والقرآن حق وانما ادى الينا هذا القرآن والسنن اصحاب رسول الله ﷺ وانما يريدون ان يجرموا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم اولى وهم زنادقه[1] جب تم کسی کو حضور اکرم ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص و تنقید کرتے دیکھو تو یقین کرلو کہ وہ زندیق ہے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ اور قرآن ہمارے نزدیک برحق ہے اور ہم تک قرآن کریم اور سنن رسول اصحاب رسول اللہ (ﷺ) نے ہی پہنچائی ہیں تو یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کردیں تاکہ کتاب و سنت سے اعتماد اٹھ جائے حالانکہ یہ لوگ خود جرح کے زیادہ لائق ہیں کیوں کہ یہ زنادقہ اور بے دین ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی تنقیص و تنقید نہایت سنگین جرم اور عظیم گناہ ہے کیوں کہ اس سے اسلام کی بنیاد کھوکھلی ہو کر رہ جاتی ہے اور دین اسلام ایک افسانہ اور کہانی و قصہ بن کر رہ جاتا ہے اس لئے محقق ابن ہمام حنفی اور علامہ ابن ابی شریف شافعی فرماتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابہ کرام کے وجوب تزکیہ کا ہے کہ ان سب کی عدالت مان لی جائے اور ان میں طعن کرنے سے روکا جائے اور ان کی ایسی ثناء اور صفت بیان کی جائے جیسی کہ اللہ کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (جتنی امتیں ہیں) تمکو متوسط امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو الخ[2]

ان ہی دلائل واضحہ اور بینات ساطعہ کی وجہ سے متفقہ فیصلہ ہے کہ صحابہ کا قول و عمل ان کے فتاوے اور فیصلے امت کے لئے معیار اور کسوٹی ہیں ان سے راہ فرار اختیار کرنا گمراہی اور ضلالت کو مول لینا ہے اور جادۂ مستقیم سے انحراف اور حضور اکرم ﷺ کے قول **ماانا عليه واصحابي** کے صریح خلاف اور منشاء شریعت سے کھلی بغاوت کرنا ہے اس لئے کہ نجات صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ اور ان سے براہ راست فیض یافتہ صحابہ کی اتباع میں ہے اس کے علاوہ نجات تلاش کرنا حماقت ہے۔

صحابہ میں فرق مراتب:۔

جملہ صحابہ کرامؓ آفتاب رشد وہدایت اور ایمان وایقان کے روشن مینارے ہیں ان کے اخلاق و عادات اسلامی تعلیم کا شاندار نمونہ ہیں اور امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ ہیں تو کیا ایسے وقت میں ان کے درمیان فرق مراتب کرنا بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت دینا از روئے شرع امر محمود ہے، یا نفس مذموم ہے؟

علامہ نوویؒ شرح مسلم میں علامہ ابو عبداللہ مارزی کا قول نقل کرتے ہیں کہ صحابہ میں باہم فرق مراتب بیان کرنے اور ان میں افضل و مفضول ہونے میں شدید اختلاف ہے۔

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد [2] ترجمہ مسامرہ و مسایرہ ص ۱۳۰

چنانچہ ایک جماعت کا خیال ہے کہ تمام ہی صحابہ عدالت وثقاہت، عظمت ورفعت، تقویٰ وطہارت اور عہد رسالت وہدایت کے تابندہ ستارے اور ایمان واسلام کے خورشید درخشاں ہیں آں حضرت ﷺ نے ان سب کی زیر دست تربیت فرمائی ہے لہٰذا ایسی رفیع الشان عظیم المرتبت شخصیتوں کو کسی کو کسی پر فوقیت دینا ان کے درمیان تفاضل اور فرق مراتب کا قائل ہونا صحیح نہیں ہے امت کو اس مسئلے میں سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔

لیکن امت کا سواد اعظم اس بات کا قائل ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجود تمام کے تمام ہدایت کے روشن آفتاب وماہتاب ہیں مگر ان کے درمیان فرق مراتب ضرور ہیں جب انبیاء ورسل میں فرق مراتب اور افضل ومفضول پائے جاتے ہیں تو صحابہ میں کیوں نہیں پائے جائیں گے نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے صحابہؓ کے فرق مراتب کا کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے خود زبان نبوت سے ان کے درمیان فرق مراتب کی تصریح موجود ہے حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے، **كنا نقول في زمن النبي ﷺ لا نعدل بابي بكر احد ثم عمر ثم عثمان**۔ ابن عمرؓ دوسری روایت میں حضور اکرم ﷺ کی تقریر سے ثابت کرتے ہیں، **كنا نقول ورسول الله ﷺ حي افضل امة النبي ﷺ بعده ابو بكر ثم عمر ثم عثمان**۔

معلوم ہوا کہ صحابہ میں فرق مراتب تو حضور اکرم ﷺ کی تقریر سے بھی ثابت ہے اس لئے اس کا انکار کسی طرح بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔[1]

صحابہ میں فرق مراتب اور تفضیل پر اتفاق کر لینے کے بعد خود جمہور میں اختلاف ہو گیا کہ کون صحابہ افضل ہیں ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ شرح السنۃ سے ابو منصور ماتریدی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس بات پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں اور ان میں بھی ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہے یعنی سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق، پھر حضرت عمرؓ فاروق، پھر حضرت عثمان غنیؓ، پھر حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، خلفاء اربعہ کے بعد افضل عشرہ مبشرہ پھر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے والے صحابہ ہیں، اسی طرح وہ صحابہؓ ہیں جن کو السابقون الاولون کہا جاتا ہے اور دونوں قبلوں بیت المقدس اور کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع ملا وہ ان صحابہ سے افضل ہیں جو بعد میں داخل اسلام ہوئے۔[2]

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تفضیل صحابہ پر اتفاق کر لینے کے بعد فرقہ خطابیہ حضرت عمر فاروق کو راوندیہ حضرت عباس کو اور شیعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور اہل السنۃ والجماعت حضرت ابو بکر صدیق کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں پھر اس کے بعد حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، پھر حضرت علی کی فضیلت کے قائل ہیں، بعض کوفی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں، لیکن اصح قول یہی ہے کہ حضرت عثمان غنی حضرت علی سے مقام ومرتبہ میں بلند وبالا ہیں۔ قاضی عیاض کہتے ہیں ایک

---

[1] استفاد نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۲ [2] مرقات جلد ۱۱ ص ۲۷۲ مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۲۵۱

جماعت کا خیال یہ ہے جن میں علامہ ابن تیمیہ علامہ ابن عبدالبر بھی سر فہرست ہیں کہ جو صحابہ حضور اکرم کی حیات طیبہ میں وفات پا گئے تھے وہ ان صحابہ سے افضل ہیں جو حضور کے بعد وفات پائے مگر یہ قول دلائل کی روشنی میں بالکل نا قابل التفات ہے۔ پھر علماء میں یہ اختلاف ہوا کہ صحابہ کی یہ فضیلت علی الترتیب قطعی ہے یا ظنی اسی طریقے سے یہ فضیلت ظاہری ہے یا ظنی؟ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی یہ ترتیب فضیلت قطعی ہے اور امام ابو بکر باقلانی کا کہنا ہے کہ یہ ترتیب فضیلت اجتہادی اور ظنی ہے۔

فَضْلُ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

اس باب میں ان روایات کو امام ابن ماجہ لائیں گے جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت سے متعلق ہوں گی چوں کہ باتفاق جمہور امت تمام صحابہ کرامؓ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ افضل ہیں اس لئے ان کے ذکر کو مقدم کیا تاکہ تقدم وضعی تقدم شرفی کے مطابق ہو جائے، خلیفہ اول یار غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مختصر سوانح حیات ذیل میں قلم بند کی جاتی ہے۔

نام شجرۂ نسب:۔

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن ابوقحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیمم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہرہ بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے مرہ پر جا کر آپ کا سلسلہ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمی بن بنت صخر بن کعب بن سعد ہے یہ ابوقحافہ کی چچازاد بہن تھیں اور ام الخیر کے نام سے مشہور و معروف تھیں آپ کے والد ابوقحافہ کا نام عثمان تھا اور آپ کو زمانہ جاہلیت میں عبدالکعبہ کہا جاتا تھا آنحضور ﷺ نے آپ کا نام عبداللہ منتخب کیا آپ کا اسم گرامی عتیق بھی بتلایا گیا ہے مگر علامہ جلال الدین سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عتیق آپ کا نام نہ تھا بلکہ یہ آپ کا لقب تھا۔ [۲]

صدیق کا خطاب:۔

پوری امت مسلمہ کا اجماعی فیصلہ ہے کہ آپ کا لقب صدیق ہے چوں کہ آپ نے بلا خوف و خطر ہو کر آن حضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی بلا تامل تصدیق فرمائی اور صدق کو اپنے اوپر لازم کر لیا جب آپ پر اسلام پیش کیا گیا تو آپ بے جھجک مشرف باسلام ہو گئے اسلام اور پیغمبر کے دامن رحمت میں آ گئے، معراج کے متعلق جب کفار آنحضرت ﷺ کے قول کا مذاق اڑا رہے تھے اور ابو بکر صدیق سے معلوم کیا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ راتوں رات ساتوں آسمان جنت و جہنم سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المقدس کی سیر کی تو آپ کا اس کے

---

[۱] نووی علی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۳ [۲] تاریخ اسلام اکبر نجیب آبادی جلد ۱ ص ۲۵۱، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۱۳

بارے میں کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا کہنے والا کون ہے کہنے لگے آپ کے محمد نبی اس کے مدعی ہیں تو حضرت ابو بکر نے بلا تامل فرمایا اگر محمد یہ کہتے ہیں تو بالکل سچ کہتے ہیں ہم تو اس سے بھی عجیب وغریب چیز پر ایمان لاچکے ہیں کہ پلک جھپکنے کے برابر جبرئیلؑ کی آمد اور ان کی لائی ہوئی خبر پر ایمان لاتے ہیں یہ تو راتوں رات کی بات ہے جو کچھ تعجب خیز نہیں ہے ابو بکر نے آپ کے اقوال کی پوری تصدیق فرمائی جب حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو صدیق کے خطاب سے نوازا بعد میں یہی مشہور ہو گیا۔ [1]

اولاد وازدواج:۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پہلی بیوی قتیلہ بنت عبدالعزی تھی جس سے عبداللہ بن ابی بکر اور ان کے بعد اسماء بنت ابی بکرؓ جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ تھیں پیدا ہوئے، دوسری بیوی آپ کی ام رومان تھیں ان کے بطن سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ زوجہ رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے، جب حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغوش اسلام میں پناہ لی اور اسلام کی دولت لازوال سے بہرہ ور ہوئے تو پہلی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا لہٰذا آپ نے اس کو طلاق دیدی، دوسری بیویؓ ام رومان مسلمان ہو گئیں، مسلمان ہو جانے کے بعد بھی آپ نے دو اور شادی کی ایک اسماء بنت عمیسؓ کے ساتھ جو جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے، دوسری شادی حبیبہ بنت خارجہ انصاریہؓ جو قبیلہ خزرج سے تھیں ان سے کی، ان کے بطن سے ایک لڑکی ام کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں [2]

عہد صدیقیت کے چند اہم کارنامے:۔

حضور اکرم ﷺ کے سانحہ ارتحال کے بعد باتفاق صحابہ آپ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تمام صحابہ نے بیک زبان ہو کر آپ کو اپنا خلیفہ اور پیشوا تسلیم کیا، اور آپ کے دست اقدس پر بیعت کی، حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ہر طرف فتنہ وفساد کفر وارتداد کی آندھیاں چلنے لگیں خطرہ تھا کہ کہیں آفتاب اسلام ان تاریکیوں میں نہ آجائے جہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے۔ کچھ لوگ مانعین زکوۃ پیدا ہو گئے جو زکوۃ دینے سے انکار کرنے لگے، اور جن کے دلوں میں نور ایمان کی چمک پورے طور پر منعکس نہیں ہوئی تھی ایک ایک کر کے مرتد ہونے لگے یہ وقت اسلام کے لئے بڑا نازک تھا ادھر حضرت محمد عربیؐ نے اپنی وفات سے کچھ ہی پہلے رومیوں سے جنگ موتہ کا انتقام لینے کے لئے لشکر اسامہ کو تیار کیا تھا ادھر زید بن حارثہ کے بیٹے حضرت اسامہ کو اس کا سردار مقرر کیا تھا بعض حضرات صحابہ نے حکم دیا کہ اس وقت بڑا نازک وقت ہے اس لئے کچھ عرصہ کے لئے لشکر اسامہ کی روانگی کو ملتوی کر دیا جائے اور پہلے مرتدین اسلام سے نمٹ لیا جائے مگر حضرت

---

[1] خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۴۴ [2] مستفاد تاریخ اسلام اکبر نجیب آبادی جلد ا ص ۳۰۹

ابو بکر صدیقؓ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ میں اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتا ہے جسے خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے باندھا ہو۔ الغرض لشکر اسامہ کو روانہ کیا اور ادھر عزم صدیقی کے ساتھ مرتدین اور مانعین زکوۃ سے نہایت حوصلہ مندی اور جواں مردی کے ساتھ جہاد کا اعلان کر دیا بعض لوگ کہنے لگے جو لوگ صرف زکوۃ ادا کرنے ہی سے انکار کرتے ہیں ان کے ساتھ نرمی کی جائے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا خدا کی قسم اگر کوئی عہد رسالت میں بکری کا بچہ بھی بلکہ اونٹ کی رسی بھی زکوۃ میں دیدیتا تھا اور اب انکار کر رہا ہے تو اس سے بھی جہاد کرونگا الغرض حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دور خلافت کا بیشتر حصہ کفر وارتداد کو ختم کرنے اور مدعیان نبوت کو قتل کرنے میں صرف کیا اور یہ آپ کی حیات طیبہ کے چند اہم کارنامے ایسے ہیں جو آپ ہی کا حصہ ہے اور پوری امت پر عظیم الشان احسان ہے [1]

علالت ورحلت:۔

۷ر جمادی الاخری ۱۳ھ کو حضرت ابو بکر بخار میں مبتلا ہوئے پندرہ روز تک مسلسل بخار کا سلسلہ جاری رہا، آخر کار ۲۱ر ۲۲ر جمادی الاخری یا ۲۲ر ۲۳ر جمادی الاخری ۱۳ھ کی درمیانی شب میں جو سہ شنبہ کی شب تھی بعد نماز مغرب بعمر تریسٹھ سال راہی ملک بقا ہوئے، رات ہی کو غسل دیا گیا حضرت فاروق اعظمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عشاء کی نماز سے قبل حجرہ عائشہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیئے گئے، آپ کی مدت خلافت دو سال تین ماہ دس روز کی ہوئی وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری زمین فروخت کر کے وہ روپیہ ادا کر دیا جائے جو میں نے وظیفہ خلافت کی صورت میں وصول کیا ہے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی کفن کے متعلق فرمایا کہ جو کپڑا اس وقت میرے بدن پر ہے اسی کو دھو کر اس میں کفنا دینا حضرت عائشہ نے کہا اباں جان یہ تو پرانا ہے آپ نے فرمایا میرے لئے یہی کافی ہے [2]

(۹۸) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اِنِّي اَبْرَأُ اِلٰى كُلِّ خَلِيْلٍ مِّنْ خُلَّتِهٖ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا اِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ قَالَ وَكِيعٌ يَعْنِي نَفْسَهٗ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سنو میں ہر دوست کی

---

[1] تفصیلی واقعات ملاحظہ کیجئے تاریخ اسلام جلد اص ۲۵۱ تا ۳۰۹ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۷ تا ۶۹ [2] تاریخ ملت جلد ۲ ص ۸۶ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۶۴ تاریخ اسلام جلد اص ۳۰۶

دوستی سے الگ تھلگ ہوں اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بناتا بے شک تمہارا ساتھی اللہ تعالیٰ کا دوست ہے حضرت وکیع کہتے ہیں کہ صاحب سے حضور اکرم ﷺ نے خود اپنی ذات کو مراد لیا ہے۔

تشریح حدیث: الا انى ابرأ إلى كل خليل من خلته

الا حرف تنبیہ ہے جس سے مخاطب کو متوجہ کیا جاتا ہے اور ابرأ کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں براءت ظاہر کرنا۔ خلہ کی تفسیر میں امام نووی شارح مسلم نے کم وبیش آٹھ اقوال نقل کئے ہیں مگر اصح ومشہور یہ ہے کہ اس کو خلۃ بضم الخاء سے مشتق مانا جائے تو اس کے معنی خالص اور جانی دوست کے ہوں گے لفظ خلۃ کے معنی میں سرایت کرنے والی دوستی اور محبت کا مفہوم ہے یعنی ایسی محبت ودوستی جو قلب کی گہرائیوں تک اسطرح سرایت کر رہی ہو کہ باہمی رازونیاز اور دل کی باتوں میں کوئی خفاء باقی نہ رہے محبوب کو محب کے ظاہر تو ظاہر باطنی جذبات، خیالات اور احساسات تک پر حکمراں اور محرم اسرار بنادینے کا تقاضا کرے پس حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر میرے لئے یہ روا اور جائز ہوتا ہے کہ مخلوق میں کسی کو اس شان وصفیت کے ساتھ اپنا سچا جانی اور محبوب بناؤں کہ اس کی محبت وعقیدت کے جذبات میرے دل کے نہاخانوں میں سرایت کر جائیں اور میرا محرم اسرار بن جائے دلی رازونیاز اس پر بے حجاب ہو جائے تو میں ابو بکر صدیقؓ ہی کو اس شان سے دوست بناتا جو اس کی اہلیت بھی رکھتے ہیں مگر میں نے ان خصوصیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست بنالیا ہے جس کی دوستی میرے ظاہر پر حکمراں ہے اور باطن پر بھی اور وہی محرم اسرار ہے اس لئے مخلوق میں اس شان وصفت کے ساتھ میرا کوئی دوست نہیں ہے[1]

اور اگر خلۃ بفتح الخاء سے مشتق مانا جائے تو اس وقت احتیاج وافتقار کے معنی ہوں گے اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں کسی کو اپنا ایسا دوست کہ جس کی طرف اپنی ضرورتوں حاجتوں کے وقت رجوع کروں اپنے جملہ معاملات ومہمات میں اس پر اعتماد واعتبار کروں تو لاریب حضرت ابو بکر صدیق کو بناتا لیکن ایسے تمام امور مہمہ میں میرا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس لئے مخلوق میں کسی کو بھی اپنا ایسا دوست نہیں بنایا دوسرے معنی سیاق وسباق کے زیادہ موزوں ہیں مگر محدثین نے اول معنی کو راجح قرار دیا ہے[2]

مذکورہ بالا تشریح وتوضیح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ابو بکرؓ ایسے خیر مجسم، سلیم الطبع، حق پسند، راست گوتھے کہ ان کی صداقت وصدیقیت اور اشاعت اسلام میں غیر معمولی خدمات کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے قلب میں ان کی محبت سماجائے مگر حضرت ابو بکر بھی بشر ہی تھے اور یہ شان رسالت

---

[1] نووی شرح علی مسلم جلد ۲ ص ۲۷۲ [2] مرقات جلد ۱۱ ص ۲۸۱

ونبوت اور تقاضائے عبدیت کے خلاف ہے کہ غیر اللہ سے بے پناہ محبت کی جائے اور ان کی محبت کو دلوں میں سمویا جائے نبی کی ذات اقدس سے یہ سبق ملتا ہے کہ بندہ کے لئے یہ بات تقاضائے عبدیت اور بندگی کے خلاف ہے کہ اس کے دل میں دنیا کے کسی فرد بشر کی محبت پیوست وجاگزیں ہو۔

وان صاحبکم خلیل الله، حدیث شریف کے اسی مضمون کو مسلم کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے **لا تخذت ابابکر ولکنه لخی وصاحبی وقد اتخذالله صلحبکم خلیلا** اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صاحب سے مراد خود نبی کی ذات اقدس ہے یعنی اللہ تعالی نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ خلیل اور حبیب دونوں ہیں، اور حضرت ابراہیم صرف خلیل اللہ ہیں، حبیب اللہ نہیں، نیز خلت کی جو دو تشریحیں ماقبل میں ہوئیں وہ اللہ تعالی کے حق میں مراد نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالی کے حق میں وہی معنی مراد ہیں جو ان کی جلالت شان اور رفعت مکان کے مناسب ہوں کیوں کہ اللہ تعالی کی باتوں پر کوئی بھی بشر وملک مطلع نہیں ہے۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ خلت کا درجہ زیادہ بڑا ہے یا محبت کا؟ ایک جماعت دونوں میں برابری کے قائل ہے پس ہر حبیب خلیل اور ہر خلیل حبیب ہوگا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ حبیب کا درجہ زیادہ بڑھا ہوا ہے بمقابلہ خلیل کے، کیونکہ حبیب حضور اکرم ﷺ کی صفت ہے، بعض لوگوں نے فرمایا کہ خلیل کا درجہ زیادہ اونچا ہے کیونکہ یہ بھی حضور اکرم ﷺ کے لئے ثابت ہے بلکہ یہ فرمایا کہ خدا کے علاوہ میرا کوئی خلیل نہیں ہے جبکہ محبت حضرت خدیجہ حضرت عائشہ وغیرہ کے لئے بھی آپ نے ثابت فرمائی ہے[۱]

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن مرہ نام کے فن اسماء رجال میں تین راوی ہیں (۱) عبداللہ بن مرہ الہمدانی ثقہ ہیں (۲) عبداللہ بن مرہ الزرقی مجہول ہیں (۳) عبداللہ بن مرہ الزوقی صدوق ہیں[۲]

ابوالاحوص نام کے بھی تقریبا چھ راوی ہیں تفصیل ملاحظہ کیجئے[۳]

(۹۹) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا ثَنَااَبُوْ مُعَاوِیَةَ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَانَفَعَنِیْ مَالٌ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ فَبَكٰی اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ اَنَاوَمَالِیْ اِلَّا لَكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔

---

[۱] النووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۳ [۲] تقریب ص ۱۴۱ [۳] تقریب ص ۲۸۷

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جتنا نفع مجھے ابو بکر کے مال نے دیا کسی اور کے مال نے نہیں دیا، راوی کہتے ہیں کہ ابو بکر (یہ سن کر) رو پڑے اور فرمایا یا رسول اللہ میں اور میرا مال صرف آپ ہی کے لئے ہے۔

تشریح حدیث:۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس وقت آپ کا ساتھ دیا جب پورا مکہ بلکہ پوری دنیا آپ کی دشمن تھی حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد آپ بلا پس و پیش ایمان لائے اور اتنی قربانیاں دیں کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام لوگوں کے احسان کا بدلہ چکا دیا مگر ابو بکر صدیق کا بدلہ چکانہ سکا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے جناب سے بہتر دے گا ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے چندے کا اعلان کیا تو حضرت عمر فاروق نے گھر کا نصف سامان لا کر خدمت نبوی میں حاضر کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے گھر کا سارا سامان قدم نبوی میں ڈال دیا، حضور اکرم ﷺ نے معلوم کیا ابو بکر گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا تو فرمایا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کا نام چھوڑ دیا بقیہ سارا سامان حاضر کر دیا یا رسول اللہ ﷺ، اس دن حضرت عمر نے فرمایا میں ابو بکر سے کبھی نہیں بڑھ سکتا ہوں، الغرض یہ حضرت ابو بکر ہی تھے جنہوں نے ہمیشہ ہر موڑ پر اپنے آپ کو زر خرید غلام سے بھی زیادہ فرماں بردار ثابت کیا، اور سچے جانثار کی طرح وفادار رہے چنانچہ ہجرت کے واقعات اور آپ کو کندھے پر سوار کر لینے جیسے واقعات سے آپ کے تمام فضائل کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۱۰۰) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ عَنْ فِرَاسٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كُهُولِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ لَا تُخْبِرْهُمَا يَا عَلِيُّ مَادَامَا حَيَّيْنِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابو بکر اور عمر ادھیڑ عمر جنتیوں خواہ وہ پہلو میں سے ہوں یا بعد والوں میں سے انبیاء و مرسلین کے علاوہ سب کے سردار ہوں گے مگر اے علی جب تک یہ دونوں بقید حیات رہیں انہیں مت بتانا۔

تشریح حدیث:۔ ابوبکر وعمر سید کهول اهل الجنة

کہول یہ کہل کی جمع ہے کہولت سے انسان کی عمر کا ایک خاص حصہ مراد ہے جو زمانہ شباب میں یعنی ۳۵ ر سال یا چالیس کے بعد سے ساٹھ تک ہے، یہاں معلوم ہونا چاہئے کہ جب بچہ بطن مادر میں ہوتا ہے تو جنین کہتے ہیں، اور شروع ولادت سے لیکر ڈھائی سال تک کے بچہ کو طفل، ڈھائی سال سے لیکر سات سال تک صبی، سات سال سے لے کر پندرہ سال تک مراہق، پندرہ سال سے لے کر اکیاون سال تک شباب، اکاون سال سے لے کر اسی سال تک شیخوخت، اسی سال سے لے کر زندگی کے آخری دن تک کہولت اور ہرم کہتے ہیں۔[1]

مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں ہر جانے والا شخص جوان العمر ہوگا جنت میں کہولت کی عمر کے لوگ نہیں ہوں گے تو پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ان کے سردار کیسے ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ کہولت کے یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب یہاں یہ ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر جنت میں ان لوگوں کے سردار ہوں گے جنہوں نے کہولت کی عمر کو پہنچکر وفات پائی ہے اور جب ان لوگوں کے سردار ہوں گے تو جوان العمر طبقہ کے سردار بدرجہ اولی ہوں گے۔[2]

سوال:۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں نوجوانوں کے سردار حضرت حسنؓ حسینؓ ہوں گے اور اس سے معلوم ہوتا کہ ابو بکر و عمر ہوں گے تو دونوں میں تعارض ہوا؟

جواب:۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے حضرات حسنینؓ نوجوانوں کے سردار ہوں گے اور یہ حضرات کہولت رسیدہ لوگوں کے سردار ہوں گے **فلا تعارض بینهما۔**

رجال حدیث:۔

حسن بن عمارۃ البجلی ابو محمد الکوفی۔ بغداد شریف کے قاضی تھے متروک الحدیث شمار کئے گئے ہیں۔[3]

فراس۔ ابن یحیی الہمدانی صدوق راوی ہیں۔[4]

(۱۰۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَهْلَ دَرَجَاتِ الْعُلٰى يَرَاهُمْ مَنْ اَسْفَلَ مِنْهُمْ كَمَا يَرَى الْكَوْكَبَ الطَّالِعَ فِي الْاُفُقِ مِنْ اٰفَاقِ السَّمَاءِ وَاِنَّ اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ مِنْهُمْ وَاَنْعَمَا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اونچے طبقے

---

[1] تسہیل السامی جلد ۱ ص ۱۷ [2] کشف الحاجہ ص ۱۹۸ مرقات جلد ۱۱ ص ۳۱۵ [3] تقریب ص ۵۵ [4] تقریب ص ۲۰۴

والے لوگوں کو نیچے طبقے والے اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ افق آسمان پر طلوع ہونے والا ستارہ دیکھائی دیتا ہے اور ابو بکر و عمر ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے بلکہ ان سے بھی آگے ہوں گے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے لئے جنت میں اعلی درجات بیان کئے گئے ہیں، کہ یہ دونوں بزرگ ہستیاں جنت میں اتنے اعلی و بلند مقام پر ہوں گی کہ لوگ ان کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح آسمان میں ستاروں کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں اور اس سے مقصود بلندیٔ درجات بیان کرنا ہے، انعما یہ بصیغہ تثنیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر اہل درجات اعلی میں سے نہیں ہیں بلکہ ان سے بھی فائق ہیں، بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ حضرات جنت نعیم میں داخل ہوں گے دونوں ہی معانی کی صورت میں ان کے اہل درجات اعلی میں ہونا ظاہر ہے۔ علامہ سیوطی نے حاشیہ ترمذی میں بحوالہ تاریخ ابن عساکر لکھا ہے کہ میں نے انعما کے معنی ابو سعید خدری سے معلوم کیا تو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات بلند مقام والوں میں سے ہیں اور اسکے اہل ہیں حدیث شریف کی یہی تشریح و توضیح سفیان بن عیینہ سے بھی منقول ہے [1]

رجال حدیث:۔

عطیہ بن سعد بن جنادۃ الکوفی کنیت ابو الحسن صدوق راوی ہیں [2]

سعد بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری کنیت ابو سعید الخدری صحابی رسول ہیں [3]

(۱۰۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا مُؤَمَّلٌ قَالاَ سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مَوْلَى لِرِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنِّي لاَ أَدْرِي مَا قَدْرُ بَقَائِي فِيكُمْ فَاقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت حذیفہ بن الیمان روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کب تک تمہارے درمیان رہوں لہذا تم لوگ میرے بعد ان دونوں کی اقتدا کرنا اور آپ نے حضرت ابو بکر و عمر کی جانب اشارہ فرمایا۔

---

[1] ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۶ [2] تقریب ص ۱۸۰ [3] تقریب ص ۸۹

تشریح حدیث:۔لا ادری ملقد رُبقائی فیکم الخ

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ما استفہامیہ ہے مطلب یہ ہے کہ میں کتنے یوم تمہارے درمیان بقیہ حیات رہوں گا مجھے قطعاً علم نہیں ہے زندگی کے لمحات کتنے باقی رہ گئے ہیں مجھے علم نہیں ہے لہذا میری وفات کے بعد تم ابو بکر و عمر کی اتباع کرنا ان کو اپنا پیشوا ماننا ان کو اپنا امام تسلیم کرنا لے

اس حدیث شریف سے حضرت ابو بکر و عمر کی خلافت کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے جہاں بھی ان حضرات کے فضائل بیان کئے گئے ہیں وہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت ابو بکر کا تفوق حضرت عمر پر معلوم ہوتا ہے

رجال حدیث:۔

عبدالملک بن عمیر الکوفی ثقہ راوی ہیں ۲

ربعی بن حراش ابو مریم العبسی ثقہ راوی ہیں ۳

حذیفة بن الیمان، یمان کا نام حسیل ہے باپ بیٹے دونوں صحابی رسول ہیں حضرت حذیفہ کی وفات حضرت علیؓ کی خلافت میں ۳۶ھ میں ہوئی ۴

(۱۰۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا يَحْيىٰ بْنُ آدَمَ ثَنَا اِبْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَمْرِوبْنِ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ حُسَيْنٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ سَمِعْتُ بْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ لَمَّا وُضِعَ عُمَرُ عَلَى سَرِيْرِهٖ لِيُكَفِّنَهُ النَّاسُ يَدْعُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ اَوْقَالَ يُثْنُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُرْفَعَ وَاَنَا فِيْهِمْ فَلَمْ يَرُعْنِيْ اِلاَّ رَجُلٌ قَدْزَحَمَنِيْ وَاَخَذَ بِمَنْكِبِيْ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ فَتَرَحَّمَ عَلىٰ عُمَرَ ثُمَّ قَالَ مَاخَلَّفْتَ اَحَداً اَحَبَّ اِلَيَّ اَنْ اَلْقَى اللّٰهَ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ لَيَجْعَلَنَّكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَعَ صَاحِبَيْكَ وَذَالِكَ اِنِّي كُنْتُ اُكْثِرُ اَنْ اَسْمَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ذَهَبْتُ اَنَا اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ خَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَكُنْتُ اَظُنُّ لَيَجْعَلَنَّكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ جب حضرت عمر (وفات کے بعد) تخت پر (غسل کے لئے) رکھے گئے (تو لوگوں کا ازدہام ہو گیا) تو لوگ انہیں

لے مرقات جلد ۱۱ ص ۳۱۵ ۲ تقریب ص ۱۶۵ ۳ تقریب ص ۷۷ ۴ تقریب ص ۵۱

کفنانے لگے اور حضرت عمر کو تخت سے اٹھائے جانے سے قبل لوگ دعاء واستغفار کرتے رہے (شک راویوں یا ابن عباس نے فرمایا کہ) لوگ ان کی تعریف اور ان کے حق میں دعاء کرتے رہے اور لوگوں میں بھی تھا مگر مجھے ایک آدمی کے علاوہ کسی سے بھیڑ محسوس نہیں ہوئی البتہ ایک شخص مجھے برابر دھکا دیتا رہا یہاں تک اس نے میرے مونڈھے پکڑ لئے میں مڑا تو اچانک حضرت علی بن ابی طالب تھے جو حضرت عمر پر کلمات ترحم (یرحمک اللہ رحمک اللہ) کہہ رہے تھے پھر کہنے لگے اے عمر تم نے اپنے پیچھے کسی ایسے آدمی کو نہیں چھوڑا جو میرے نزدیک اس قدر محبوب ہوں اس جیسے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کسی نے ملاقات نہیں کی اور خدا کی قسم میرا خیال یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھکو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا، اس لئے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بہت زیادہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ذهبت انا وابوبکر وعمر دخلت انا ابوبکر وعمر، الخ میں اور ابو بکر وعمر ساتھ چلے میں اور ابو بکر ساتھ داخل ہوئے اور میں اور ابو بکر وعمر ساتھ نکلے، اس لئے میرا خیال تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھکو اپنے دونوں دوستوں کے ساتھ ضرور بضرور رکھے گا۔

تشریح حدیث: لما وضع عمر علی سریره

یہ واقعہ حضرت عمر فاروق کی وفات کے دن کا ہے میت کو تخت پر دو وجہ سے رکھا جاتا تھا ایک غسل دینے کے لئے دوسرے قبرستان کی طرف لے جانے کے لئے یہاں دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں مگر ملا علی قاری نے پہلے معنی کو لیا ہے مگر بعض شراح حدیث نے دوسرے معنی کو راجح قرار دیا ہے قبل ان یرفع کا جملہ بھی اسی کا مؤید ہے [1]

مع صاحبیك

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ صاحبین سے مراد حضرت نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ ہیں اور حضرت عمرؓ کی معیت کہاں ہوگی؟ تو اس کے متعلق ملا علی قاری نے علامہ سیوطی کا قول ذکر کیا ہے کہ قبر کی معیت مراد ہے یا جنت کی، دونوں قول ہیں مگر آئندہ آنے والی روایت ہکذا نبعث سے اشارہ ملتا ہے کہ یہاں قبر اور جنت دونوں جگہ کی معیت مراد ہے اور احقر کی ناقص رائے کے مطابق دونوں جگہ (قبر و جنت) کی معیت مراد لینا اولیٰ ہے چنانچہ آج نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ تینوں حضرات ایک ہی جگہ آرام فرما ہیں [2]

رجال حدیث:۔

یحییٰ بن آدم بن سلیمان الکوفی ابو زکریا حافظ حدیث اور ثقہ راوی ہیں [3]

---

[1] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۱۳ مستفاد کشف الحاجہ ص ۲۰۰ [2] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۱۳ کشف الحاجہ ص ۲۰۰ [3] تقریب ص ۲۷۳

ابن المبارک یہ عبداللہ ابن المبارک المروزی ہیں جو زبردست حافظ حدیث اور نہایت ثقہ راوی ہیں [1]

زہیر ابن عبداللہ ابن ابی ملیکہ التیمی المدنی صحابی ہیں [2]

(۱۰۴) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مَیْمُوْنِ الرَّقِّیُّ ثَنَا سَعِیْدُ بْنُ مُسْلَمَةَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اُمَیَّةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ فَقَالَ ھٰکَذَا نُبْعَثُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ (ایک مرتبہ) حضرت ابو بکر و عمر کے ساتھ نکلے اور ارشاد فرمایا کہ ہم اسی طرح (میرے دائیں بائیں ابو بکر و عمرؓ ہوں گے) حشر کے دن اٹھائے جائیں گے۔

تشریح حدیث:۔

ترمذی شریف کی روایت میں صراحت ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر دائیں بائیں جانب تھے اور پیغمبر ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور فرمایا کہ قیامت کے دن ہم تینوں اسی طرح ساتھ اٹھائے بھی جائیں گے اس سے حضور اکرم ﷺ کا ان دونوں کے ساتھ تعلق اور محبت کا پتہ چلتا ہے جو ابو بکر و عمر کیلئے تھی،

رجال حدیث:۔

سعید بن مسلم بن بانک المدنی ابو مصعب ثقہ راوی ہیں [3]

اسماعیل ابن امیہ عمرو بن سعید بن العاص ابن امیہ ثقہ راوی ہیں [4]

(۱۰۵) حَدَّثَنَا اَبُوْ شُعَیْبٍ صَالِحُ بْنُ الْهَیْثَمِ الْوَاسِطِیُّ ثَنَا عَبْدُالْقُدُّوْسِ بْنُ بَکْرِ بْنِ خُنَیْسٍ ثَنَا مَالِکُ بْنُ مِغْوَلٍ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرَ سَیِّدَا کُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اہل جنت کے ادھیڑ عمر والوں کے سردار ہوں گے خواہ وہ پہلے کے ہوں یا بعد کے مگر نبیوں اور رسولوں کے سردار نہ ہوں گے۔

---

[1] تقریب ص ۱۴۰ [2] تقریب ص ۸۲ [3] تقریب ص ۹۳ [4] تقریب ص ۲۳

تشریح حدیث:۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ کہل کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس کی عمر ۳۰/یا ۳۴ سال سے تجاوز کر جائے اور یہ اکاون سال تک اطلاق ہوتا ہے [۱] بعض روایت میں لا تخبر هما یا علی کا لفظ آیا ہے یعنی جب تک یہ لوگ بقیہ حیات رہیں انہیں یہ خوشخبری مت سنانا ملا علی قاری نے روکنے کی علت دو بیان فرمائی ہے (۱) اگر دنیا کی زندگی میں انہیں بتلادو گے تو بشری تقاضہ میں گرفتار ہو کر عجب میں مبتلا ہو جائیں گے (۲) تم ان کو مت خوشخبری دینا میں ان کو خود خوشخبری سناؤں گا مگر مادام حیین کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں پہلی توضیح زیادہ مناسب ہے [۲]

رجال حدیث:۔

صالح ابن الہیثم الواسطی ابو شعیب المصری فی صدوق راوی ہیں [۳]

عبد القدوس ابن بکر بن خنیس الکوفی محدثین نے ان کے لئے لاباس کا لفظ استعمال کیا ہے [۴]

مالک ابن مغول الکوفی ابو عبد اللہ ثقہ راوی ہیں [۵]

عون ابن ابی جحیفہ السوائی الکوفی ثقہ راوی ہیں [۶]

(۱۰۶) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الْحُسَيْنِ وَ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيْنِ قَالَ ثَنَا مُعْتَمَرُبْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قِيْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْهَا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب آپ کے نزدیک کون ہے آپ نے فرمایا عائشہ، کہا گیا یا رسول اللہ مردوں میں سے فرمایا اسکے والد یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی تشریح اور توضیح ترجمہ حدیث بالکل واضح ہو چکی ہے مزید اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر تمام صحابہ کرامؓ میں افضل ہی نہیں تھے بلکہ افضل ترین تھے

---

[۱] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۱۵ [۲] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۱۵ [۳] تقریب ص ۱۱۳ [۴] تقریب ص ۱۶۳ [۵] تقریب ص ۲۳۹ [۶] تقریب ص ۱۹۹

رجال حدیث:۔

احمد بن عبدة بن موسی الضبی ابو عبد اللہ البصری ثقہ راوی ہیں اور احمد بن عبد اللہ ملی ابو جعفر صدوق راوی ہیں ۱؎
حسین بن حسن بن حرب السلمی ابو عبد اللہ المروزی صدوق راوی ہیں ۲؎

معتمر بن سلیمان التیمی ابو محمد البصری یلقب بالطفیل ثقه من کبار التاسعة مات سنة مأتین سبع وثمانین وقد جاوز ثمانین۔۳؎

فضل عمر رضی الله عنه :۔

اسکے تحت امام ابن ماجہ ان روایات کو لائیں گے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل کے متعلق ہوں گی، حضرت ابو بکر کے بعد باتفاق جمہور اہل سنت حضرت عمر بن الخطاب افضل ترین اور اشرف ترین صحابہ میں سے ہیں اس لئے ان کا ذکر حضرت ابو بکر کے بعد لا رہے ہیں، روایات کے آغاز سے قبل حضرت عمر فاروق کی مختصر سوانح عمری قلم بند کی جاتی ہے۔

نام وسلسلہ نسب:۔

نام عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی کعب کے دو بیٹے تھے ایک کعب دوسرے مرہ، مرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، آٹھویں پست میں آپ کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب سے مل کر ایک ہو جاتا ہے، آپ کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق تھا جو زبان نبوت سے آپ کو عطا کیا گیا تھا والدہ محترمہ کا اسم گرامی حنتم تھا آپ کی ولادت مبارکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے بارہ یا پندرہ سال کے بعد اور ہجرت نبوی سے تقریباً چالیس سال پہلے ہوئی ہے۔

حالات قبول اسلام:۔

آپ بچپن میں اونٹوں کے چرانے کے کام پر مامور تھے جب آپ نے جوانی کی دلہیز پر قدم رکھا تو شرفائے عرب کے دستور کے مطابق سپہ گری، شہسواری، اور تیر اندازی اور پہلوانی کی تعلیم حاصل کی اور تقریر اور نسب دانی میں بھی مہارت پیدا کر لی تھی اور لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا جسکا عرب میں رواج کم تھا اسلام کے حلقے میں داخل ہونے سے قبل عکاظ کے بازاروں میں جہاں سالانہ بہت بڑا میلا لگتا تھا اور اہل فن

۱؎ تقریب ص ۸ ۲؎ تقریب ص ۵۷ ۳؎ تقریب ص ۲۵۰ ۴؎ تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۱۰، تاریخ ملت حصہ دوم ص ۹۲ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۶۹

کا اجتماع ہوتا تھا اکثر آپ دنگل و کشتی لڑا کرتے تھے اور ملک عرب کے نامی اور مشہور پہلوانوں میں شمار کئے جاتے تھے گھوڑ سواری میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ گھوڑے پر اچھل کر بیٹھ جاتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے کہ بدن کو حرکت نہ ہوتی، عرب کے دیگر ذی فہم لوگوں کی طرح آپ نے بھی تجارت کا مشغلہ اختیار کیا تھا جو اسلام لانے کے بعد بھی بدستور جاری رہا [1]

حلقہ بگوش اسلام:۔

آپ کی عمر مبارک ابھی ستائیس سال کی تھی کہ رسول اکرم ﷺ نے مکہ کی وادیوں میں صدائے حق بلند کی، عمر کو یہ صدائے پاک کچھ بھلی نہ لگی، اور اس کے ماننے والوں کو شدید تکلیف دینے کی ٹھان لی، اور اس آواز حق کو دبانے کی لئے عزم کر لیا، عمر کی یہ مخالفت اور اسلام دشمنی پیغمبر اسلامؐ کے لئے نہایت دل آزار باعث تکلیف اور بہت سخت تھی اس لئے آپ نے دعا فرمائی **اللھم اعزالاسلام با حدالر جلین اما ابن ھشام و اما عمر بن الخطاب** پروردگار عالم اسلام کو عمر بن ہشام ابو جہل یا عمر بن الخطاب کے ذریعے تقویت دے۔

نبی کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی، اور حضرت عمر نبی کے قتل کے ارادے سے ننگی تلوار لے کر چلدیئے راستہ میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک شخص سے ملاقات ہوئی، انھوں نے خطرناک صورت کو دیکھ کر معلوم کیا خیریت تو ہے؟ کہاں کا ارادہ ہے حضرت عمر نے جواب دیا کہ محمد کا کام تمام کرنے جا رہا ہوں ا نہوں نے کہا اپنے گھر کی بھی تم نے خبر لی ہے تمہارے بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں، عمر نے الٹے پاؤں جھٹ بہن کے گھر کا راستہ لیا، قرآن مجید کی تلاوت میں بہن مصروف تھیں، عمر کے قدموں کی آہٹ سن کر قرآن مجید کے اوراق چھپا لئے مگر عمر نے دم بھر پٹائی کی مگر ایمان کی حلاوت و چاشنی چونکہ رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی اس لئے عمر کی یہ ساری کوشش ناکام رہی اور خود حضرت عمر کے دل کی دنیا بدل گئی اور قرآن کی آیت سن کر بے اختیار پکار اٹھے **اشھدان لا الہ اللہ و اشھد ان محمد الر سول اللہ** کفرو شرک کی یہ بجلی جب اسلام کی تلوار بن گئی تو ضعیف مسلمانوں کو تقویت ملی، ابن عباس کی روایت ہے کہ جس دن عمر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اس دن مشرکین بولے کہ آج مسلمانوں نے ہم سے سارا بدلہ لے لیا اور اس دن یہ آیت نازل ہوئی **یا یھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المؤمنین** عمر کا اسلام لانا ہی فتح اسلام کا ذریعہ اور اسلام کی عزت و تقویت کا سبب بنا، آپ چالیس مسلمان مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے آپ سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں [2]

---

[1] استفادہ تاریخ اسلام جلد ا ص ۳۱۰ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۶۹ [2] تاریخ اسلام جلد ا ص ۳۱۰، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۹۳ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۷۰

شادی اور اولاد:۔

آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں اور ان سے متعدد اولادیں پیدا ہوئیں سب سے پہلا نکاح زمانہ جاہلیت میں زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح سے کیا، ان کے بطن سے، عبد اللہ، عبد الرحمن، اور حضرت حفصہؓ، زوجہ رسول پیدا ہوئیں، زینب مکہ میں ایمان لائی اور وہیں وفات پائی، یہ عثمان بن مظعون کی بہن تھی، دوسرا نکاح دور جاہلیت میں ملیکہ بنت جرول خزاعی سے کیا ان کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے، ۶ھ میں ان کو طلاق دیدی، تیسرا نکاح تاریخ اسلام کے مطابق قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی سے کیا، اور مولانا زین العابدین کے قول کے مطابق ام حکیم بنت حارث سے کیا، ان کو بھی طلاق دیدی، چوتھا نکاح ۷ھ جمیلہ بنت عاصم سے کیا جن کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے، چھٹا نکاح ام کلثوم بنت علی سے چالیس ہزار مہر پر کیا، ان کے بطن سے حضرت زید اور رقیہ پیدا ہوئے، اور ساتواں نکاح قریبہ بنت امیہ سے کیا، حضرت عمر کی کل اولاد یہ تھیں، زید اکبر، زید اصغر، عاصم، عبد اللہ، عبد الرحمن اکبر، عبد الرحمن اوسط، عبد الرحمن اصغر، عبید اللہ، عیاض، حفصہ، رقیہ، زینب، فاطمہ [1]

حضرت عمر کا انتخاب:۔

حضرت ابو بکر صدیق کے مرض میں زیادتی ہوئی اور آپ نے یہ محسوس کیا کہ اب دنیا سے جانے کا وقت بالکل قریب آپہنچا ہے تو آپ کو خلیفۃ المسلمین کی فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر اس کو نہ طے کیا گیا تو مسلمانوں میں باہم نزاع اور اختلاف وانتشار ہوگا، اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا لہذا آپ نے کافی غور وفکر کے بعد حضرت عمر بن خطاب کو خلیفۃ المسلمین کے لئے نامزد کیا جس کی تمام اکابر صحابہ نے تصدیق وتصویب فرمائی گو بعض صحابہ نے یوں بھی کہا کہ عمر بہترین شخص تو ضرور ہیں مگر ان کے مزاج میں سختی ہے حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ جب خلافت کا بوجھ پڑیگا تو خود یہ سختی دور ہو جائیگی۔ بالآخر سب نے حضرت ابو بکر کی اس نامزدگی سے اتفاق رائے کی، اور خلیفۃ المسلمین مان کر ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ [2]

خلافت فاروقی پر ایک نظر:۔

یوں تو حضرت عمر فاروقؓ بہت سے انسانی وایمانی کمالات کے جامع اور اسلامی اوصاف سے آراستہ وپیراستہ تھے۔ مگر عزم وارادہ کی قوت، جراءت وہمت، عزم واستقلال اور شجاعت وبسالت آپ کے وہ اوصاف تھے جن میں آپ منفرد اور یکتا تھے، آپ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان دار ارقم بن ابی ارقم میں

---

[1] تاریخ اسلام جلد اص ۳۶۶ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۵۰، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۱۸۶ [2] تاریخ ملت جلد ۲ ص ۹۱

خفیاً نماز جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے اور آپ کے اسلام لانے کے بعد علی الاعلان صحن کعبہ میں نماز باجماعت ہونے لگی، اور کلمہ توحید کی صدا مکہ کی گلیوں میں گونجنے لگی۔ عنان خلافت سنبھالتے ہی آپ نے عزم کر لیا کہ مشرق و مغرب کے طول و عرض میں اسلامی علم بلند کریں گے اور گوشے گوشے میں دین حق کا ڈنکا بجائیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کی دس سالہ مدت خلافت میں ۲۲۵۱۰۳ مربع میل پر اسلامی پرچم بلند تھا شام، فلسطین، مصر، جزیرہ، روم بلقان ایشائے کوچک، سوڈان، خوزستان آرمینہ، فارس، آذربیجان، کرمان خراسان، ترکستان، اور مکران (جس میں بلوچستان بھی تھا) حکومت اسلامی کے زیر نگیں آگئے تھے۔ اور یہ فتوحات صرف خراج وصول کرنے کے لئے نہ تھیں بلکہ اصل مقصد دین اسلام کی روشنی گھر گھر پہنچانا۔ اللہ سے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانا۔ ناانصافی بددیانتی بداخلاقی بدکرداری دغا و فریب سے نجات دلانا اور کلمہ حق کو چہار دانگ عالم میں بلند کرنا تھا۔ آپ نے تمام مفتوحہ ممالک میں دینی و تبلیغی مراکز قائم کئے، مساجد مدارس کی تعمیر کروائی، اور عمال کو ہدایت دی کہ ہر ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے، چنانچہ آپ ہی کے دور خلافت میں بصرہ اور کوفہ میں شاندار مسجد تعمیر کی گئی۔ اور ہر ہر قبیلے کے لئے الگ الگ مسجد تعمیر کی گئی اسی طرح مصر و شام، فسطاط اور بیروت میں عظیم الشان وسیع و عریض جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ جو آج بھی ان کی لافانی اور بے مثال یادگار ہے بعض مورخین نے آپ کے دور خلافت میں تعمیر کی گئی مسجدوں کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔ جملہ مفتوحہ علاقوں میں اسلامی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے لئے، علماء، فقہاء اور واعظین مقرر کر دیئے چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابو درداء کو ملک شام میں اور حبان بن ابی جبلہ کو مصر میں، اور عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین کو بصرہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا ان کی تنخواہیں بھی مقرر کیں تاکہ وہ فارغ البال ہو کر سکون کے ساتھ اشاعت دین میں منہمک رہیں۔ آپ اپنے کو بادشاہ نہیں بلکہ خادم سمجھتے تھے رعایا کے آرام و آسائش کا خیال آپ کو بےچین رکھتا تھا اس کے لئے راتوں کو گشت لگایا کرتے تھے اور حاجتمندوں کی حاجت کو پورا فرماتے تھے، اور مقدمات و خصومات، میں عدل و انصاف کی وہ بے مثال خدمات انجام دیں جو آج بھی دنیا اش اش کرتی ہے اور آپ کے فیصلے کو دستور العمل بناتی ہے۔[1]

شہادت عمر فاروقؓ اور قیامت صغریٰ:۔

مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک نصرانی غلام فیروز نامی تھا جس کی کنیت ابو لولو تھی اس نے ایک روز بر سر بازار حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کی شکایت کی کہ مغیرہ مجھ سے زیادہ ٹیکس وصول کرتا ہے آپ نے

---

[1] خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۴۴، تاریخ اسلام جلد اص ۲۰۷، تاریخ اسلام حصہ دوم۔

معلوم کیا کتنا وصول کرتا ہے کہا روزانہ دو درہم اور میں نجاری نقاشی اور آہنگری کا پیشہ کرتا ہوں حضرت عمر نے فرمایا تمہاری آمدنی کے اعتبار سے کچھ زیادہ نہیں ہے غلام ابولولو ناراض ہو کر چلا گیا، آپ کے خلاف دل میں نفرت وعداوت کی آگ سلگانے لگا یہاں تک کہ وہ منحوس دن بھی آگیا کہ ۲۷ رذی الحجہ ۲۳ھ بروز چہار شنبہ کو ابولولو بدبخت نے آپ پر عین نماز میں قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اور لگاتار چھ وار کئے، اور خود بھی اپنے آپ کو خنجر مار کر خودکشی کرلی، آپ کے زخمی ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمان بن عوف نے نماز پوری فرمائی حضرت عمر کو اسی خون آلود شکل میں گھر لایا گیا، ہوش آنے کے بعد لیٹے لیٹے نماز ادا کی، اور قاتل کے بارے میں معلوم کیا کہ کون میرا قاتل ہے لوگوں نے کہا مغیرہ کا غلام ابولولو ہے آپ نے شکر ادا کیا کہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے میری موت نہیں ہو رہی ہے الغرض بے مثال قائد، عدل وانصاف کا درخشاں ستارہ یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو اپنے وارثوں کو روتا بلکتا عالم اسلام کو غمگین چھوڑ کر غروب ہوگیا، جنازہ کی نماز صہیب رومیؓ نے پڑھائی اور آپ کے بیٹے عبداللہ نے آپ کو روضۂ رسول میں بائیں جانب سپرد خاک کیا[1] رضی الله عنه ورضوانه۔

(۱۰۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ اَبُوْ مُحَمَّدٍ ثَنَا اُسَامَةُ اَخْبَرَنِي الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَيُّ اَصْحَابِهٖ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ قَالَتْ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ ثُمَّ اَيُّهُمْ قَالَتْ عُمَرُ قُلْتُ ثُمَّ اَيُّهُمْ قَالَتْ اَبُوْ عُبَيْدَةَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن شقیق روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے معلوم کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے نزدیک صحابہ میں کون زیادہ محبوب تھا حضرت عائشہ نے کہا ابوبکر، میں نے معلوم کیا پھر کون؟ جواب دیا حضرت عمر، میں نے کہا پھر کون محبوب تھا ان نے جواب دیا کہ حضرت ابوعبیدہ۔

تشریح حدیث: قلت ثم ایهم قالت ابوعبیدة

حضور اکرم ﷺ نے مخصوص لوگوں سے اظہار محبت فرمایا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ آپ کو اوروں سے محبت نہ تھی یا جس ترتیب سے آپ نے محبت کا اظہار فرمایا صحابہ کے درمیان باہمی فضائل بھی اسی ترتیب سے ہوں، اس لئے کہ محبت جس طرح مجموعی فضل وکمال کی بنا پر ہوتی ہے اسی طرح فضیلت جزئی کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے اور اسباب محبت بھی مختلف ہوتے ہیں، جیسا کہ آپ کی محبت فاطمہ کے ساتھ رشتہ جزئیت کی وجہ سے، حضرت عائشہ سے رشتہ زوجیت کی وجہ سے تھی معلوم ہوا کہ مختلف لوگوں سے جو محبت ہوتی ہے اس کے اسباب بھی مختلف ہوتے ہیں اور اسی اختلاف کی وجہ سے نوعیت محبت بھی جدا جدا

---

[1] تاریخ اسلام جلد ا ص ۲۶۳، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۱۸۳، خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۴۱

ہوتی ہیں اور اس میں شدت وضعف آتا ہے نیز یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ وجود محبت وجود فضل وکمال کو مستلزم نہیں ہے اور وجود فضل وکمال محبت کی علت نہیں ہے اس لئے پیغمبر کی جو محبت مختلف لوگوں سے تھی وہ ضروری نہیں کہ فضل وکمال ہی کی بنیاد پر ہو۔ اسی وجہ سے ترتیب فضیلت میں بعض کو بعض پر مقدم کردیا ہے جیسا کہ زیر نظر حدیث شریف میں حضرت عبیدہ کی محبت کو حضرت عثمان وعلی کی محبت پر مقدم کردیا ہے حالانکہ یہ ترتیب فضیلت کے خلاف ہے مگر حضرت ابوعبیدہ کی یہ فضیلت جزئی ہے نہ کہ فضیلت کلی اسلئے مجموعی فضیلت کی ترتیب میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن شقیق العقیلی البصری ثقہ راوی ہیں[1]

(۱۰۸) حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ الطَّلْحِيُّ ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ خِرَاشٍ الْحَوْشَبِيُّ عَنِ الْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ نَزَلَ جِبْرِئِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَقَدِ اسْتَبْشَرَ اَهْلُ السَّمَاءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر اسلام لائے تو حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور عرض کیا اے محمد آسمان والوں کو حضرت عمر کے اسلام لانے پر بہت خوشی ومسرت ہوئی۔

تشریح حدیث:۔

اهل السماء سے مراد ملائکہ ہے یعنی حضرت عمر کے قبول اسلام سے فرشتوں نے بھی جشن وخوشی منائی، کیوں کہ حضرت عمر کے قبول اسلام سے، دین اور مسلمانوں کو جو تقویت ملی، اور اسلام کو، جو سربلندی حاصل ہوئی اور اللہ تعالی نے جو آپ سے خدمات لیں وہ اس لائق ہیں کہ ان پر رشک کیا جائے اور ان پر غبطہ کیا جائے، اس حدیث شریف کی تخریج کا مقصد حضرت عمر کی فضیلت کو بیان کرنا ہے جو واضح ہے۔

رجال حدیث:۔

اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن محمد ابن یحیی بن زکریا بن طلحہ التیمی الطلحی الکوفی صدوق راوی ہیں[2]

عبداللہ بن خراش ابن حوشب الشیبانی ابو جعفر الکوفی ضعیف راوی ہیں بعض لوگوں نے کذب کی بات بھی کہی ہے[3] عوام بن حوشب ثقہ راوی ہیں[4]

(۱۰۹) حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّلْحِيُّ اَنْبَادَاوُدُ بْنُ عَطَاءٍ الْمَدِيْنِيُّ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ

---

[1] تقریب ص ۱۳۲ [2] تقریب ص ۲۶ [3] تقریب ص ۱۲۸ [4] تقریب ص ۱۹۹

أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوَّلُ مَنْ يُصَافِحُهُ الْحَقُّ عُمَرُ وَ أَوَّلُ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَ أَوَّلُ مَنْ يَأْخُذُ بِيَدِهٖ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابی بن کعب نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلا وہ شخص جس سے حق تعالیٰ کا مصافحہ وسلام ہوگا حضرت عمر ہیں اور حضرت عمر پہلے وہ شخص ہوں گے جن کا ہاتھ پکڑ کر حق تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔

تشریح حدیث:۔اول من یصافحہ الحق

اس حدیث شریف میں حضرت عمر فاروقؓ کی جزوی فضیلت کا تذکرہ ہے سب سے پہلا وہ انسان جس سے حق تعالیٰ مصافحہ کرے گا اور سلام کریگا وہ حضرت عمر فاروق ہی کی ذات بابرکت ہے حق سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علماء کرام کی متعدد رائیں ہیں (۱) حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو، (۲) حق سے مراد وہ فرشتہ ہو جو حق پر معاونت کرنے پر مامور ہے اور حق کے اندر مدد کرنے والا ہے حافظ ابن حجر کی یہی رائے ہے (۳) حق سے مراد حق والا ہے یعنی جو شخص حق سے مربوط ہے وہ حضرت عمر سے مصافحہ وسلام کرے گا یہ توضیح حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کی تقریری درس کی کاپی سے لی گئی ہے (۴) بعض حضرات نے کہا کہ حق سے یہاں باطل کی ضد مراد ہے اور سلام ومصافحہ سے حضرت عمر اور حق کے درمیان باہمی مقاربت وتعلق کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی حق گویا ان کے رگ وریشہ میں پیوست ہو گیا ہے علامہ سید انور شاہ کشمیری کی یہی رائے ہے،

مگر ان توضیحات کے بعد یہاں حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی لیا جاسکتا ہے اور وہ اپنی شان کے مطابق حضرت عمر کو سلام ومصافحہ کریگا نیز حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب لکھنوی نے جامع المناقب میں حق کا ترجمہ اللہ ہی سے کیا ہے اور حق خود ذات باری کا صفاتی نام بھی ہے۔[1]

اس حدیث کیبارے میں علامہ عماد الدین بن کثیر جامع المسانید میں فرماتے ہیں کہ **هذا الحديث منكر جدا** ، داؤد ابن عطاء، علامہ ذہبی اور علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور موضوع ہے ابن ماجہ کا یہاں اس روایت کا لانا رقت مزاجی کی بنیاد پر ہے۔

---

[1] مصباح الزجاجہ ص ۲۷ ۱۲ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ العالی کی درسی تقریر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، انجاح الحاجہ ص ۱۱

رجال حدیث:۔

داؤد بن عطاء المدینی پلے درجے کے ضعیف ہیں جب مدینۃ الرسول کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو مدنی لکھتے ہیں اور جب مدینۃ المنصور کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو مدینی لکھتے ہیں، اور جب شہر مدائن کی طرف نسبت ہوتی ہے تو مدائنی لکھتے ہیں [۱]

صالح بن کیسان المدنی ثقہ راوی ہیں [۲]

محمد بن مسلم بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ ابن الحارث بن زہرۃ بن کلاب القرشی کنیت ابو بکر نہایت ثقہ راوی ہیں اور حافظ حدیث ہیں [۳]

سعید ابن المسیب بن حزان ابی وہب بن عمرو بن عابد ابن عمران بن مخزون القرشی المخزومی کے بارے میں علامہ ابن المدینی فرماتے ہیں **لا اعلم فی التابعین اوسع علما واتفق العلماء علی ان مرسلاته اصح المراسیل**، [۴]

(۱۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ أَبُو عُبَيْدٍ الْمَدِينِيُّ ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الْمَاجِشُونِ حَدَّثَنِي الزَّنْجِيُّ بْنُ خَالِدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، خدایا خاص طور پر حضرت عمر بن الخطاب کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔

تشریح حدیث:۔

یہ حدیث شریف امام ترمذی نے **بلحب هذا الرجلين بأبي جهل أو بابي عمر** کے الفاظ سے ذکر کی ہے وہاں **خلصة** کا لفظ مذکور نہیں ہے، اور زیر نظر حدیث میں **خلصة** کا لفظ مذکور ہے تو اس کی توضیح یہ ہوگی کہ حضورؐ کو بذریعہ وحی بتلادیا ہوگا کہ ابو جہل تو ازل ہی سے ابو جہل ہے اس کے مقدر میں ایمان لانا نہیں ہے بلکہ کفر مقدر ہے اس لئے خاص طور پر حضرت عمر فاروق ہی کے لئے دعاء فرمائی [۵] چنانچہ یہ دعا شرف قبولیت سے ہمکنار ہوئی اور زمانہ رسالت ہی میں آپ سے اسلام کو بڑا فروغ ہوا اور مسلمانوں کو

---

[۱] انجاح الحاجہ ص ۱۱ [۲] تقریب ص ۱۱۲ [۳] تقریب ص ۳۳۳ [۴] تقریب ص ۹۴ [۵] انجاح الحاجہ ص ۱۱، کشف الحاجہ ص ۲۰۵

تقویت ملی، اور عہد رسالت کے بعد جو کام اللہ تعالیٰ نے آپ سے لیا وہ کسی بھی تاریخ کے طالب علم پر مخفی نہیں ہے بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر حضرت عمر کی عمر مبارک دس سال تک اور وفا کرتی تو دنیا سے کفر و شرک کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔ اور ہر طرف اسلامی علم نصب ہوتا۔

رجال حدیث:۔

زیر بحث حدیث کی سند میں عبدالملک بن الماجشون ہے جس کی وجہ سے روایت ضعیف قرار دی گئی اور مسلم بن خالد الزنجی بھی ہیں جس کو امام بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور ابو حاتم و امام نسائی وغیرہ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے گو کہ بعض محدثین نے توثیق بھی کی ہے۔

(۱۱۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُسْلِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ وَخَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ عُمَرُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے فرماتے ہوئے سنا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں اور ابو بکر کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر عمر ہیں۔ حدیث کا مطلب واضح ہے۔

رجال حدیث:۔

عمرو بن مرۃ بن عبداللہ بن طارق الجملی المرادی ابو عبداللہ الکوفی ثقہ راوی ہیں [1]

عبدالله بن مسلمة بكسر اللام المرادى الكوفى صدوق تغير حفظه [2]

(۱۱۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ الْمِصْرِيُّ اَنْبَاَ اللَّيْثُ ابْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَ اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُنِيْ فِي الْجَنَّةِ فَاِذَا اَنَا بِامْرَاَةٍ تَتَوَضَّأُ اِلٰى جَنْبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا الْقَصْرُ فَقَالَتْ لِعُمَرَ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهٗ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَبَكٰى عُمَرُ فَقَالَ عَلَيْكَ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَغَارُ.

---

[1] تقریب ص ۱۹۶ [2] تقریب ص ۱۳۱

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف فرماں تھے کہ فرمانے لگے کہ دریں اثنا کہ میں سو رہا تھا میں اپنے آپ کو جنت میں اس حال میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک ایسی عورت کے پاس ہوں جو ایک محل کے پاس بیٹھی وضو کر رہی ہے میں نے اس سے معلوم کیا کہ یہ محل کس کا ہے، تو جواب دیا کہ حضرت عمر کے لئے ہے، تو مجھے حضرت عمر کی غیرت یاد آئی اور میں الٹے قدم مڑ گیا، حضرت ابو ہریرہؓ راوی حدیث کہتے ہیں کہ حضرت عمر رو پڑے اور فرمایا کہ میری ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

تشریح حدیث:۔

تخریج حدیث کا مقصد حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت بیان کرنا ہے اور جنت میں جو وضو کرنیکا تذکرہ ہے حالانکہ جنت گندگی اور آلائش کی جگہ نہیں ہے تو یہ وضو کرنا ممکن ہے کہ نظافت طبع یا تسبیح و تہلیل کی عظمت کے پیش نظر ہو یا ترغیب الی الصلوۃ کے پیش نظر ہو نہ کہ گندگی دور کرنے اور حصول طہارت کیلئے فلا اشکال فیہ۔

رجال حدیث:۔

محمد بن الحارث بن راشد بن طارق الاموی المصری صدوق راوی ہیں [1]

لیث بن سعد ابن عبدالرحمٰن الفہمی ابوالحارث المصری ثقہ اور فقیہہ راوی ہیں [2]

(۱۱۳) حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَىٰ بْنُ خَلَفٍ ثَنَا عَبْدُالْاَعْلَىٰ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی نے حق حضرت عمرؓ کی زبان پر رکھ دیا جس کو وہ بیان کرتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے صحابہ کرام میں مشہور تھی بارہا قرآن کریم آپ کی خواہش کے مطابق نازل ہوا بلکہ بسا اوقات جو کلمات آپ کی زبان سے جاری ہوئے وہی عرش سے قلب نبی

---

[1] تقریب ص ۲۱۷ [2] تقریب ص ۲۱۳

کا اجتماع ہوتا تھا اکثر آپ دنگل و کشتی لڑا کرتے تھے اور ملک عرب کے نامی اور مشہور پہلوانوں میں شمار کئے جاتے تھے گھوڑ سواری میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ گھوڑے پر اچھل کر بیٹھ جاتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے کہ بدن کو حرکت نہ ہوتی، عرب کے دیگر ذی فہم لوگوں کی طرح آپ نے بھی تجارت کا مشغلہ اختیار کیا تھا جو اسلام لانے کے بعد بھی بدستور جاری رہا [1]

حلقہ بگوش اسلام:۔

آپ کی عمر مبارک ابھی ستائیس سال کی تھی کہ رسول اکرم ﷺ نے مکہ کی وادیوں میں صدائے حق بلند کی، عمر کو یہ صدائے پاک کچھ بھلی نہ لگی، اور اس کے ماننے والوں کو شدید تکلیف دینے کی ٹھان لی، اور اس آواز حق کو دبانے کی لئے عزم کر لیا، عمر کی یہ مخالفت اور اسلام دشمنی پیغمبر اسلام کے لئے نہایت دل آزار باعث تکلیف اور بہت سخت تھی اس لئے آپ نے دعا فرمائی **اللهم اعزالاسلام با حدالر جلین اما ابن هشام و اما عمر بن الخطاب** پروردگار عالم اسلام کو عمر بن ہشام ابوجہل یا عمر بن الخطاب کے ذریعے تقویت دے۔

نبی کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی، اور حضرت عمر نبی کے قتل کے ارادے سے ننگی تلوار لے کر چل دیئے راستہ میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک شخص سے ملاقات ہوئی، انھوں نے خطرناک صورت کو دیکھ کر معلوم کیا خیریت تو ہے؟ کہاں کا ارادہ ہے حضرت عمر نے جواب دیا کہ محمد کا کام تمام کرنے جارہا ہوں انہوں نے کہا اپنے گھر کی بھی تم نے خبر لی ہے تمہارے بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں، عمر نے الٹے پاؤں جھٹ بہن کے گھر کا راستہ لیا، قرآن مجید کی تلاوت میں بہن مصروف تھیں، عمر کے قدموں کی آہٹ سن کر قرآن مجید کے اوراق چھپا لئے مگر عمر نے دم بھر پٹائی کی مگر ایمان کی حلاوت و چاشنی چونکہ رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی اس لئے عمر کی یہ ساری کوشش ناکام رہی اور خود حضرت عمر کے دل کی دنیا بدل گئی اور قرآن کی آیت سن کر بے اختیار پکار اٹھے **اشهدان لا اله الله و اشهد ان محمد الر سول الله** کفر و شرک کی یہ بجلی جب اسلام کی تلوار بن گئی تو ضعیف مسلمانوں کو تقویت ملی، ابن عباس کی روایت ہے کہ جس دن عمر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اس دن مشرکین بولے کہ آج مسلمانوں نے ہم سے سارا بدلہ لے لیا اور اس دن یہ آیت نازل ہوئی **یا یها النبی حسبك الله و من اتبعك من المؤمنین** عمر کا اسلام لانا ہی فتح اسلام کا ذریعہ اور اسلام کی عزت و تقویت کا سبب بنا، آپ چالیس مسلمان مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے آپ سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں [2]

---

[1] استفادہ تاریخ اسلام جلد ا ص ۳۱۰ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۶۹ [2] تاریخ اسلام جلد ا ص ۳۱۰، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۹۳ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۷۰

پر نازل بھی ہوئے ہیں مسلم شریف کی روایت میں صراحت ہے کہ پہلی امتوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے
جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ حق کا القاء فرمایا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ میری امت میں اگر کوئی ایسا فرد
ہے تو حضرت عمر بن الخطاب ہیں چنانچہ مسلم ہی کی روایت سے تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت عمر خود فرماتے
ہیں کہ **ولفقت ربی فی ثلاث فی مقام ابراهیم والحجاب واسلری بدرا** آپ نے مقام ابراہیم پر
نماز کی خواہش ظاہر کی تو قرآن کریم **واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ** فرما کر حضرت عمرؓ کے جذبات
صادقہ کا احترام کیا، عورتوں کے لئے پردے کی تمنا کی تو قرآن کریم **یایها النبی قل لازواجك وبناتك
ونساء المومنین یدنین علیهن من جلابیبهن الخ** کی شکل میں نازل ہوا۔ اور بدر میں قیدیوں کا مسئلہ
آیا تو قرآن حضرت عمر کی رائے کے مطابق نازل ہوا۔

نیز اس کے علاوہ بھی متعدد مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کی رائے گرامی کے مطابق اللہ نے عرش سے حکم
نازل کیا جس کو حضرت عمر نے بیان کیا ہے چنانچہ منافقین کی نماز جنازہ کے متعلق روایت مسلم شریف میں موجو
د ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی وفات ہوئی تو اس کے لڑکے نے آپ کے پاس آکر عرض کیا کہ
آپ اپنا پیراہن مبارک عطاء کر دیں اور نماز بھی آپ ہی پڑھائیں ان دونوں باتوں کو آپ نے قبول کر لیا
چادر تو اسی وقت دیدی مگر نماز جنازہ کے لئے جانے لگے تو حضرت عمر نے آپ کے پیراہن شریف کو پکڑ لیا
کہ یا رسول اللہ آپ اس منافق پر نماز جنازہ پڑھیں گے؟ جبکہ ممنوع ہے آپ نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے
چنانچہ آپ نے نماز پڑھادی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ **ولا تصلی علی احد منهم مات ابد اولا تقم علی
قبره** ۔ اسی طرح ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات رسول اللہ کے پاس کسی مطالبہ کے لے موجود تھیں تو
حضرت عمر نے فرمایا **عسی ربه ان طلقكن ان یبدله ازواجا خیرا منكن** چنانچہ بعد میں بلفظہ آیت
بن کر اتری۔[۲] ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ واقعۃً حق تعالیٰ شانہ نے حضرت عمر کی زبان پر حق ہی
جاری کیا تھا اور آپ کی زبان سے صرف حق ہی نکلتا تھا اور حق بیانی میں آپ کو کوئی حجاب قطعاً مانع نہ تھا
جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے بخوبی معلوم ہوا۔

---

[۱] مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۷۶ [۲] مسلم نووی جلد ۲ ص ۲۷۶

فَضْلُ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

سلسلۂ نسب:۔

آپ کا اسم گرامی عثمان، کنیت ابو بکر، لقب ذوالنورین، اور والد کا نام عفان والدہ کا نام اوریٰ ہے بعض علماء نے آپ کی کنیت ابو عمرو ابو عبداللہ بتائی ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب ہے آپ کی نانی آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی حقیقی بہن تھیں جو حضرت عبداللہ کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی تھیں، اسی طرح حضرت عثمان حضور اکرم ﷺ کی پھوپی زاد بہن کے بیٹے تھے، آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جاملتا ہے۔[1]

حالات قبل از اسلام:۔

حضرت عثمان کی ولادت باسعادت واقعہ فیل کے چھٹے سال ہوئی، آپ کا خاندان دور جاہلیت میں نہایت معزز و مکرم سمجھا جاتا تھا آپ کے پرداد امیہ قریش کے نامور سرداروں میں سے تھے قریش کا قومی جھنڈا ان ہی کے پاس رہتا تھا، قریش کے باہمی لڑائیوں میں اکثر بھی خاندان سپہ سالاری کا فریضہ انجام دیتا تھا، آپنے عربوں کے دستور کے خلاف کچھ لکھنا پڑھنا سیکھا، جوان ہوئے تو تجارت کا کام شروع کیا، اپنی دیانت وامانت صداقت وحقانیت کی وجہ سے تجارت میں بڑی کامیابی حاصل کی، آپ نے عہد جاہلیت میں کبھی بھی نہ بت پرستی کی نہ شراب پی نہ جوا کھیلا حضرت ابو بکر سے گہری دوستی تھی آپ لوگوں اور اپنی قوم کی نظر میں اس قدر محبوب اور پسندیدہ تھے کہ عورتیں اپنے بچوں کو لوری دیتی تھی تو کہتی تھیں۔ **احبك والرحمان حب قريش عثمان** خدا کی قسم میں تجھ سے ایسی محبت و پیار کرتی ہوں جیسی قریش حضرت عثمان سے محبت کرتے ہیں۔[2]

حضرت عثمان آغوش اسلام میں:۔

آپ کو چوں کہ حضرت ابو بکر صدیق سے گہرا تعلق اور پچی دوستی تھی اس لئے حضرت ابو بکر اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے دوستوں کو دین کی دعوت دیتے تھے انہیں قبول اسلام کی ترغیب دیتے تھے، ان ہی میں حضرت عثمان، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ بھی تھے یہ تینوں حضرات سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی مخلص کوشش اور بے لوث جذبہ کی وجہ سے داخل اسلام ہوئے اور سابقین اولین میں شمار ہوئے اور ساری عمر

---

[1] تاریخ اسلام جلد ا ص ۲۶۷ ۳ تاریخ ملت جلد ۲ ص ۱۹۳ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۵۴ [2] تاریخ ملت جلد ۲ ص ۱۹۳ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۵۴

حضور اکرم ﷺ کی رفاقت اور مسلمانوں کی بے لوث خدمت گذاری میں صرف کر دی۔ل

نکاح اور اولاد:۔

قبول اسلام کے بعد آپ کو رسول اکرم ﷺ کے دامادی رشتہ کا شرف حاصل ہوا، آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرا اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم سے انکا نکاح کر دیا اسی لئے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے حضرت رقیہ نے آپ کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی اور ۲ھ میں غزوہ بدر کے موقع پر وفات ہوئی ان سے ایک لڑکے عبداللہ پیدا ہوئے، اور ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے آپ کی کوئی اولاد نہ ہوئی ۹ھ میں وفات پائی۔ ان کے بعد آپ نے دیگر عورتوں سے بھی شادی کیں، جو حسب ذیل ہیں (۱) فاختہ بنت غزوان ان سے ایک فرزند عبداللہ اصغر پیدا ہوئے (۲) ام عمرو بنت جندب ان کے بطن سے عمر۔ خالد۔ ابان۔ اور مریم پیدا ہوئے (۳) فاطمہ بنت ولید ان کے بطن سے ولید اور سعید یا ام سعید پیدا ہوئے (۴) ام البنین بنت عیینہ، ان کے بطن سے عبدالملک اور عتبہ پیدا ہوئے (۵) رملہ بنت شیبہ ان کے بطن سے۔ ام ابان اور ام عمر پیدا ہوئیں (۶) نائلہ بنت فرافصہ یہ قبیلہ بنی کلب سے تھیں عیسائی تھیں مگر اسلام قبول کر لیا تھا، ان کے بطن سے مریم پیدا ہوئیں۔ نائلہ کے علاوہ حضرت عثمان کی شہادت وقت رملہ بنت شیبہ، ام البنین بنت عیینہ، اور فاختہ بنت غزوان بھی نکاح میں تھیں ۲

حضرت عثمان اور تاج خلافت:۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، اور آپ کی دنیا سے رخصت کا وقت بالکل قریب آپہنچا تو صحابہ کرام کی جماعت نے آپ سے درخواست کی کہ اے امیر المومنین آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد فرمادیں تاکہ آپ کے بعد مسلمانوں میں اختلاف و نزاع نہ ہو، آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ سیدنا ابو بکر صدیق نے ایسا ہی کیا ہے اور اگر میں ایسا نہ کروں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے پھر حضرت عمر فاروق اعظم نے انتخاب خلیفہ کے لئے تین یوم مقرر فرما کر حضرت مقداد بن الاسود کو حکم دیا تھا کہ میری تدفین کے بعد تین دن کے اندر اندر کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں، اور اگر متفقہ طور پر فیصلہ نہ ہو سکے تو جدھر کثرت رائے ہو وہی امیر منتخب ہوگا اور اگر دونوں رائیں برابر ہوں تو عبداللہ بن عمر کا فیصلہ حرف آخر ہوگا مگر انہیں خود خلیفہ بننے کا حق نہ ہوگا، چنانچہ حضرت فاروق اعظم کی تدفین عمل میں آنے کے بعد وصیت فاروقی کے مطابق

ل خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۵۴ تاریخ ملت ص ۱۹۴ ۲ تاریخ طبری ص ۵ ص ۱۴۸، بحوالہ عہد زریں ص ۱۹۲، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۲۴۴

حضرت مقداد ابن اسود نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمان اور حضرت عبداللہ بن عمر کو لیکر حضرت مسور بن مخرمہ اور بقول بعض حضرت عائشہ کے مکان میں جمع ہو گئے، اور گفتگو شروع ہو گئی کچھ دیر کے بعد تین حضرات نے اپنی ذمہ داریوں کو دوسروں کے سپرد کر دی، زبیر نے علی کو، سعد بن وقاص نے عبدالرحمان بن عوف کو اور حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کو اب حق انتخاب صرف تین صاحب حضرت علی، حضرت عثمان، اور حضرت عبدالرحمان بن عوف کو رہ گیا، یہ تینوں حضرات خوب غور و فکر کرنے لگے بالآخر انتخاب کا حق عبدالرحمٰن بن عوف پر آپڑا مگر اس ذمہ داری کو آپ نے تنہا مناسب نہ سمجھا اس لئے راتوں کو جاجا کر لوگوں سے آزادانہ خیال معلوم کرتے تھے کہ عثمان و علی میں کون زیادہ خلافت کے حق دار ہیں اس طرح تین روز گذرا کے بعد اکثروں کی رائے حضرت عثمان بن عفان کے بارے میں ہوئی چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نماز فجر سے فراغت کے بعد اور بقول بعض نماز عصر سے فراغت کے بعد مسجد نبوی میں تشریف لائے، نئے خلیفہ کا نام سننے کے لئے مسجد پہلے ہی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، حضرت عبدالرحمٰن نے اولا خوب دعا مانگی اس کے بعد حضرت عثمان کو بلا کر خلافت کا اعلان کر دیا حضرت عبدالرحمٰن بیعت ہوگئے آپ کا بیعت کرنا تھا کہ مجمع ٹوٹ پڑا اور چاروں طرف سے لوگ بیعت کرنے لگے اور حضرت علیؓ نے بھی بیعت کر لی اس طرح آپ کے سر مبارک پر خلافت کا سہرا باندھ دیا گیا یہ واقعہ ۲۹/ ذی الحجہ ۲۳ھ یا بقول بعض تین محرم الحرام ۲۴ھ کا ہے۔[1]

خلافت عثمانی ایک نظر میں:۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب باتفاق صحابہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تو اپنے پیش رو حضرت فاروق اعظم کے جانشیں ہونے کی حیثیت سے ایک وسیع و عریض بلاد و امصار اور طول و عرض میں پھیلے ہوئی حکومت کی ذمہ داریوں کا بار اٹھانا پڑا زمانہ خلافت میں فتوحات اسلامیہ کو جس کی داغ بیل حضرت ابو بکر و عمر نے ڈالی تھی خوب فروغ اور رواج دیا، اور کئی ملکوں کو اسلامی پرچم کے زیر نگیں کر لیا آپ ہی کے عہد خلافت میں افریقہ، طرابلس، تونس، الجزائر، اور مراکش وغیرہ کے وسیع و عریض علاقوں میں اسلام کا علم بلند کیا گیا، حضرت عثمان کے زمانے خلافت کا ایک بہت اہم کارنامہ بحری مہمات ہیں حضرت عمر فاروق اعظمؓ تو افواج اسلام کو دریا عبور کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے مگر حضرت عثمان نے حضرت معاویہ کو اس کی اجازت دی اور انہوں نے زبردست جنگی بیڑا اٹھایا عبداللہ بن قیس کو امیر البحر اور بحری کمانڈر متعین کیا، چنانچہ افواج اسلام نے بحر روم کا سینہ چاک کر کے قبرص کو فتح کر لیا، اور یہی بیڑا مصر و شام کے ساحلوں پر رومی طاقتوں کے

[1] استفاد ملخصا تاریخ اسلام جلد ا ص ۲۷۵، ۳، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۱۸۸۔۱۹۱ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۵۱ تا ۱۵۳

دانت کھٹے کرتا رہا۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے جو حیرت انگیز فوجی انتظامات کئے تھے حضرت عثمان نے ان کو اور مزید مستحکم کیا، خوب ترقی دی فوجی محکمہ کو انتظامی محکمہ سے الگ کر دیا، فوجیوں کے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کیا، اور فوجی نظام نہایت ہی مضبوط بنایا عہد عثمانی میں مسجد حرام اور مسجد نبوی دونوں کی توسیع کی گئی، مدینہ اور کوفہ میں مہمانوں کیلئے دارالضیوف کا انتظام کیا گیا، حضرت عثمان کا سب سے بڑا اور اہم دینی کارنامہ حفاظت قرآن کریم اور اس کی اشاعت ہے شیخین کے زمانے میں جو قرآن کریم جمع کیا گیا تھا اس کو لغت قریش پر کتابت کروا کے تمام دور دراز بلاد و امصار میں شائع کیا، اور دوسرے مصاحف جن سے اختلاف کا شدید اندیشہ تھا سب کو معدوم قرار دیا تاکہ کوئی منافق فتنہ نہ ابھار سکے، حضرت عثمان کے زمانے میں جدہ ساحل سمندر اور جمعہ کے دن اذان ثانی کا اضافہ فرمایا گیا اور تمام صحابہ کرامؓ اس فعل شرعی پر خاموش رہے جو حجت شرعی کی دلیل ہے[1]

شہادت عثمان غنیؓ:۔

حضرت عثمان غنیؓ سے بعض مفسدین نے خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا مگر حضرت عثمان بحکم رسول ﷺ خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے تو مفسدین نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا، اور چالیس روز تک محاصرہ جاری رہا اور دن بدن سخت سے سخت ترین ہوتا چلا گیا، ان کا آب ودانہ بھی روک دیا گیا بلکہ حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ نے کھانے کا کچھ سامان لیکر پہنچانے کی کوشش بھی کی تو ظالموں نے ان سے بھی تعرض کیا اور بزور طاقت انہیں روک دیا، یہ صورت حال دیکھ کر بیشتر صحابہ کرام خانہ نشین ہو گئے اور کچھ مدینہ چھوڑ کر باہر چلے گئے تاہم کچھ صحابہ کرامؓ آپ کی حفاظت کے واسطے موجود تھے جن میں حضرت حسن، حسین، حضرت محمد، حضرت عبداللہ حضرت ابوہریرہ، سعید بن عاص، اور مراون وغیرہ شامل تھے ان سے متعدد بار جھڑپیں بھی ہوئیں، جب مفسدین اور بلوائیوں کا محاصرہ طول پکڑ گیا اور آپ کو اپنی شہادت پر یقین کامل ہو گیا، اور ادھر بلوائیوں کو بھی یقین کامل ہو گیا کہ حضرت عثمان خلافت سے دست بردار ہونے والے نہیں ہیں تو انہوں نے آپکو شہید کرنیکا فیصلہ کر لیا، اور چوں کہ صدر دروازے پر حضرات حسنین اور عبداللہ بن زبیر، اور محمد بن طلحہ وغیرہ مدافعت کے واسطے موجود تھے اسلئے ان سے مقابلہ کو غیر مناسب سمجھتے ہوئے دیوار پھاند کر آپکے مکان میں گھس آئے اور آپ اس وقت تلاوت قرآن میں مشغول تھے محمد بن ابی بکر آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے حضرت عثمان نے فرمایا بھتیجے آج اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو تمہاری یہ حرکت قطعاً پسند نہ آتی محمد بن ابی بکر شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ

---

[1] خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۹۳ تا ۱۹۰، تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۴۱۵

گیئے غافقی نے پیشانی پر ایک گرز مارا جس سے پہلو کے بل گر پڑے سودان بن عمر نے تلوار سے آپ پر وار کیا، نائلہ بنت فرافصہ نے اپنے ہاتھ سے روکا جس سے ان کی انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ عمرو بن حمق سینہ مبارک پر چڑھ بیٹھا اور نو زخم لگائے جس سے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور جنت الاعلیٰ میں اپنی جگہ مقرر کر لی۔ انا لله وانا الیه راجعون۔

پھر کوئی شقی ازلی آگے بڑھا اور گردن مبارک کو جسم سے جدا کر دیا خون عثمانی کے قطرے جس آیت پر گرے وہ یہ تھی فسیکفیهم الله وهو السمیع العلیم ۔ اور یہ واقعہ قتل اس طرح خفیہ طور پر ہوا کہ محافظین کو بھی پتہ نہ چل سکا جب علم ہوا تو اپنی جگہ دم بخود ہو کر رہ گئے کسی کو بھی یقین نہ تھا کہ باغی مسند الرسول میں خلیفۃ الرسول کے حلقوم پر چھری پھیر دیں گے مفسدین نے خلیفۃ المسلمین کے گلشن حیات کو تاراج کرنے کے بعد کاشانہ خلافت کو لوٹا پھر بیت المال پر ہاتھ لگایا یہ سارا واقعہ ۱۷ یا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ عصر کے وقت کا ہے تین روز تک نعش بے گور و کفن پڑی رہی ان ظالموں کے خوف سے کسی میں بھی دفن کی ہمت نہ ہوتی تھی چند لوگ حضرت علیؓ کے پاس گئے تو ان کی سفارش سے دفن کی اجازت ملی مغرب وعشاء کے درمیان جنازہ اٹھایا گیا سترہ آدمیوں نے ملکر نماز جنازہ پڑھی حضرت جبیرؓ بن مطعم یا حضرت زبیر نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی، جنت البقیع کے قریب حشن کوکب میں عروس خلافت کو رنگین کپڑوں میں دفن کر دیا رضی الله عنه ورضوا عنه[1]

(۱۱۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ مُحَمَّدُبْنِ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِیُّ ثَنَا اَبِیْ عُثْمَانَ ابْنُ خَالِدٍ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ اَبِیْ الزِّنَادِ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِكُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَرَفِیْقِیْ فِیْهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نبی کے لئے جنت میں ایک دوست ہوگا اور میرا دوست جنت میں عثمان بن عفان ہوں گے۔

تشریح حدیث:۔ ورفیقی فیها عثمان بن عفان

رفیق عام طور سے سفر کے ساتھی پر بولا جاتا ہے اور کبھی کبھار مطلق ساتھی پر بھی بول دیتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے اس حدیث میں حضرت عثمان غنی کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا گیا ہے کہ

[1] تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۲۱۲، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۲۳۹، خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۸۶

حضرت عثمان کا مقام اس قدر بلند اور اونچا ہے کہ اللہ اکبر جنت میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھی ہوں گے مگر بعض روایت میں آیا ہے کہ **لکل نبی خاصة من اصحابه وان خاصتی من اصحابی ابوبکر وعمر** تو اس سے تو حضرت ابوبکر و عمر کی رفاقت سمجھ میں آتی ہے تو بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا؟

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دوست ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کیلئے متعدد دوست ہوں گے اور اس حدیث میں خاص طور پر حضرت عثمان کا ذکر کرنا ان کی افضلیت کو بیان کرنے کے لئے ہے[1] بعض علماء نے بیان کیا کہ حضرت عثمان کو رفاقت طفیلی ہوگی اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں آپ کے نکاح میں تھیں اور وہ دونوں جنت میں ہوں گی۔ ارشاد خداوندی **والحقنابهم ذريتهم**، کے مطابق اور حضرت عثمان داماد ہونے کے ناطے آپ کے ساتھ رہیں گے۔

روایت کی سند میں عثمان بن خالد بالاتفاق ضعیف ہیں، اس لئے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے نیز اس کی سند میں طلحہ بن عبیداللہ ہیں جو محدثین کے نزدیک مخدوش ہیں۔

رجال حدیث:۔

محمد بن عثمان بن خالد الاموی ابو مروان العثمانی المدنی صدوق ہیں[2]

عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد عبداللہ بن ذکوان المدنی صدوق ہیں[3]

(۱۱۵) حَدَّثَنَا اَبُوْمَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِیُّ ثَنَا اَبِیْ عُثْمَانُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَقِیَ عُثْمَانَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ یَاعُثْمَانُ هٰذَا جِبْرَئِیْلُ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ زَوَّجَكَ اُمَّ كُلْثُوْمٍ بِمِثْلِ صَدَاقِ رُقَیَّةَ عَلٰی مِثْلِ صُحْبَتِهَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد کے دروازے کے پاس حضور علیہ السلام کی حضرت عثمان سے ملاقات ہوئی تو فرمایا اے عثمان یہ حضرت جبرئیل ہیں انہوں مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شادی رقیہ کے مہر مثل کے ساتھ اور ان ہی کے برابر صحبت پر ام کلثوم سے کر دی ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۲۲ [2] تقریب ص ۲۲۸ [3] تقریب ص ۱۵۲

تشریح حدیث:۔

زیر بحث حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت زینب کا نکاح آسمان پر پڑھا گیا اور عاقد اللہ رب العزت تھے جیسا کہ قرآنی آیات سے اسکا ثبوت ملتا ہے فلما قضى زيد منها وطرا زوجنا كها میں حضرت زینب ہی کا نکاح بیان کیا گیا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالی نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنھا کا نکاح حضرت عثمان غنی کے ساتھ آسمان پر کر دیا، حضرت عثمان وہ واحد صحابی ہیں جن کے نکاح میں دو صاجزادی رسول ؐ کے بعد دیگرے آئیں اسی شرف نوازی کی وجہ سے آپ کو ذو النورین کہا جاتا ہے، حضرت ام کلثوم اور رقیہ رضی الله عنهما اولاً ابو جہل کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں ابو جہل نے اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کر دیا تو عتبہ اور عتیبہ نے دونوں صاجزادی رسول کو قبل الدخول طلاق دیدی پھر ۳ھ میں حضرت عثمان کا نکاح ام کلثوم سے ہوا حضور اکرم ﷺ کی تین صاجزادیوں زینب رقیہ اور ام الکلثوم کی وفات حضور کی زندگی میں ہو گئی تھی البتہ حضرت فاطمہ کی وفات وفات نبوی کے چھ ماہ بعد ہوئی اور ام کلثوم کی وفات ۹ھ میں ہوئی۔

صداق صاد کے ضمہ کے ساتھ مہر کو کہتے ہیں بعض علماء نے صداق کو بتثلیث الصاد پڑھا ہے اور مہر بالفتح مشہور اور زبان زد ہے مگر اصحاب لغت لکھتے ہیں بکسر المیم زیادہ فصیح ہے گو کہ بالفتح مشہور ہے۔

یہ روایت گذشتہ روایت کی طرح کمزور اور ضعیف ہے مگر محدثین فضائل کے باب میں اس طرح کی ضعیف روایت کو لیتے ہیں اور باب فضائل میں اس طرح کا ضعف قابل تحمل ہے۔

(۱۱۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ رَأْسَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَوَثَبْتُ فَاَخَذْتُ بِضَبْعَيْ عُثْمَانَ ثُمَّ اسْتَقْبَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ هٰذَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت کعب بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس کو قریب بتایا اسی دوران ایک شخص اپنا سر ڈھکے ہوئے گذرا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اس دن حق پر ہوگا تو میں نے یکایک لپک کر عثمان کا بازو پکڑ لیا اور میں نے حضور اکرم ﷺ کے روبرو کر کے معلوم کیا یہی تو ہے آپ نے فرمایا یہی ہے۔

تشریح حدیث:۔ ذكر رسول الله ﷺ فتنة فقربها

اللہ کے رسول اللہ ﷺ اس فتنہ کی پیشن گوئی فرمارہے ہیں جو حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ پیش آنے والا تھا جس کا تذکرہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے اور شہادت عثمان کے ذیل میں احقر نے مختصراً لکھا ہے مسلم شریف کی روایت میں بھی مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ کے کسی باغ کی چہار دیواریوں میں لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اسی دوران کسی نے آنے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا اجازت دیدو تو حضرت ابو بکرؓ تھے پھر آپ نے فرمایا انہیں جنت کی خوشخبری دیدو کچھ لمحے کے بعد کسی اور نے آنے کی اجازت طلب کی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا عمر ہیں آپ نے فرمایا آنے کی اجازت دیدو اور انہیں جنت کی بشارت سنادو، کچھ دیر کے بعد کسی اور شخص نے آنے کی اجازت مانگی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا حضرت عثمان ہیں آپ نے فرمایا آنے کی اجازت دیدو اور جنت کی خوشخبری دیدو البتہ انہیں زبردست فتنہ کا سامنا کرنا ہے[1] الغرض حضرت عثمان کے ساتھ پیش آنے والے فتنے کا تذکرہ مختلف احادیث میں مذکور ہے۔

رجل مقنع راسه

یہ کون آدمی تھا؟ یہ حضرت عثمان غنیؓ تھے کیوں کہ حضرت عثمان انتہائی حیادار صحابی تھے اس لئے سر کو ڈھکے ہوئے تھے صحابی نے اپنے شک کو دور کرنے کے لئے حضرت عثمان کا بازو پکڑ کر حضور اکرم ﷺ کے سامنے کر دیا اور معلوم کیا تا کہ کسی غیر کا احتمال ہی نہ رہے حضور نے اس کی تصدیق فرمائی کہ ہاں یہی شخص ہے جو اس فتنے کے دن حق پر ہوگا۔

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی ابو محمد الکوفی ثقہ ہیں[2]

ہشام بن حسان الازدی القردوسی ابو عبداللہ البصری ثقہ ہیں[3]

محمد بن سیرین الانصاری ابو بکر بن ابی عمرۃ البصری ثقہ ہیں[4]

کعب بن عجرۃ الانصاری المدنی ابو محمد مشہور صحابی ہیں[5]

(۱۱۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ثَنَا الْفَرَجُ بْنُ فُضَالَةَ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا عُثْمَانُ إِنْ وَلَّاكَ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ يَوْمًا فَأَرَادَكَ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تَخْلَعَ قَمِيصَكَ الَّذِي قَمَّصَكَ اللَّهُ فَلَا تَخْلَعْهُ يَقُولُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ النُّعْمَانُ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا مَنَعَكِ أَنْ تُعْلِمِي النَّاسَ بِهَذَا قَالَتْ أُنْسِيتُهُ.

---

[1] مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۷۷ [2] تقریب ص ۱۲۳ [3] تقریب ص ۳۶۶ [4] تقریب ص ۲۲۲ [5] تقریب ۲۱۲

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عثمان اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ معاملہ (خلافت کاملہ) سپرد کیا، اور منافقین تجھ سے یہ چاہیں کہ تمہاری اس قمیص (خلافت) کو اتار دیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہنائی ہے تو تم اسکو مت اتارنا۔ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا، حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آپ کو کس چیز نے لوگوں کو یہ حدیث بتانے سے روکا، تو حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ مجھ سے اس حدیث کو بھلا دی گئی تھی۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف میں بھی حضرت عثمان کے ساتھ پیش آنے والے فتنے کا ذکر ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ہدایت ہے کہ جب منافقین یہ چاہیں کہ خلعت خلافت آپ سے اتاریں اور لوگ خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے کہیں تو اے عثمانؓ تم از خود خلعت خلافت کو مت اتارنا اس لئے کہ تم حق پر ہو گے اور وہ باطل پر ہوں گے چنانچہ بلوائیوں نے جب آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور خلافت کے تاج کو اتارنے پر مجبور کرنے لگے آپ کے خلاف طرح طرح کے الزام تراشی اور پروپیگنڈہ کرنے لگے کسی نے یہ الزام لگایا کہ بیت المال سے اقربا پروری کرتے ہیں کسی نے یہ بہتان باندھا کہ چراگاہ کو اپنے جانوروں کے لئے خاص کر لئے ہیں اس طرح بے بنیاد الزام لگا کر آپ کے قتل کے درپے ہوئے جو بالآخر شہادت عثمان کی شکل میں ظاہر ہوئی،

فاراد ك المنافقون یہاں منافق سے منافق فی الایمان والاعتقاد اور منافق فی العمل دونوں ہو سکتے ہیں،

رجال حدیث:۔

فرج بن فضالہ بن النعمان التنوخی الشامی ضعیف راوی ہیں[1]

ربیعہ بن یزید الدمشقی ابو شعیب الایادی ثقہ راوی ہیں [2]

النعمان بن بشير بن سعد بن ثعلبة الانصارى الخزرجى له ولابويه صحبة ثم سكن الشام ثم ولى امرة الكوفة ثم قتل [3]

---

[1] تقریب ص ۳۰۲ [2] تقریب ص ۷۸ [3] تقریب ص ۳۶۲

(۱۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا ثَنَا وَکِیْعٌ ثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ مَرَضِہٖ وَدِدْتُ اَنَّ عِنْدِیْ بَعْضَ اَصْحَابِیْ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا نَدْعُوْ لَکَ اَبَابَکْرٍ فَسَکَتَ قُلْنَا اَلَا نَدْعُوْا لَکَ عُمَرَ فَسَکَتَ قُلْنَا اَلَا نَدْعُوْا لَکَ عُثْمَانَ قَالَ نَعَمْ فَجَاءَ عُثْمَانُ فَخَلَا بِہٖ فَجَعَلَ النَّبِیُّ ﷺ یُکَلِّمُہٗ وَوَجْہُ عُثْمَانَ یَتَغَیَّرُ قَالَ قَیْسٌ فَحَدَّثَنِیْ اَبُوْ سَہْلَةَ مَوْلٰی عُثْمَانَ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ یَوْمَ الدَّارِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَہِدَ اِلَیَّ عَہْدًا فَاَنَا صَائِرٌ اِلَیْہِ وَقَالَ عَلِیٌّ فِیْ حَدِیْثِہٖ وَاَنَا صَابِرٌ عَلَیْہِ قَالَ قَیْسٌ فَکَانُوْا یَرَوْنَہٗ ذٰلِکَ الْیَوْمَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرے اصحاب میں سے کوئی میرے پاس ہو، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ابو بکر کو بلا دیں؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، ہم نے عرض کیا کیا حضرت عمر کو بلادیں؟ پھر بھی آپ نے خاموشی اختیار فرمائی ہم نے عرض کیا کیا حضر عثمان کو بلادیں؟ آپ نے جواباً فرمایاہاں، چنانچہ حضرت عثمان تشریف لائے اور تنہائی میں آپ کے پاس بیٹھ گئے آپ حضرت عثمان سے گفتگو فرمارہے تھے اور حضرت عثمان کا چہرہ ردوبدل ہورہاتھا، حضرت قیس کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوسہلہ مولی عثمان نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفان نے محاصرہ کے دن فرمایاکہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے صبر کی وصیت کی تھی اس لئے میں وصیت پر قائم ہوں اور حضرت علیؓ نے اپنی حدیث میں بیان فرمایاکہ میں صبر کرنے والا ہوں حضرت قیس کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے محاصرہ کے دن لوگ ان کے صبر کو دیکھ رہے تھے۔

تشریح حدیث:۔ان رسول اللہ ﷺ عهد الی عهداً

اس روایت کی تخریج امام ترمذیؒ نے بھی کی ہے اور امام ترمذی نے اسی حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایافیہ قصۃ طویلۃ۔اس میں طویل قصہ ہے۔وہ عہدو پیمان کیاتھاجو حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے سرگوشی کی ہے اس کو خود حضرت عثمان غنیؓ نے بیان فرمایاکہ مجھ سے صبر واستقامت کی تلقین کی تھی کہ لوگ تمہاری خلافت کے خلاف پروپیگنڈے کریں گے اور خلعت خلافت کو اتارنے کی ناجائز کوشش کریں گے تمہارے اوپر مصائب وآلام کے پہاڑ ڈھائیں گے تو اس وقت تم صبر واستقامت سے کام لینا خلعت

خلافت کو ہر گز نہ اتارنا کیوں کہ تم اس دن حق پر ہو گے چنانچہ بلوائیوں نے آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ ڈھائے مگر آپ صبر واستقامت اور عزم واستقلال کے پہاڑ بنے رہے آپ کے متوسلین ومحبین نے اصرار بھی کیا کہ ان بلوائیوں کے خلاف کاروائی کی جائے ان سے مقابلہ کیا جائے اور اجازت طلب کی مگر آپ نے صرف نہ یہ کہ ناپسند فرمایا بلکہ صراحتاً منع بھی فرمایا اور حضور اکرم ﷺ کی وصیت پر مکمل طور پر عمل پیرا رہے، جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں اسکی تفصیل موجود ہے۔

رجال حدیث:۔

عبداللہ بن نمیر ہمدانی ابو ہشام الکوفی ثقہ راوی ہیں[1]

قیس بن حازم البجلی ابو عبداللہ الکوفی ثقہ راوی ہیں[2]

فَضْلُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

نام وسلسلہ نسب:۔

آپ کا اسم گرامی علی، کنیت ابو الحسن اور ابو تراب، لقب حیدر، اور اسد اللہ ، والد کا نام ابو طالب ، والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے، آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے، علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب، آپ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد بھی ہیں، حضرت فاطمہ بنت رسول آپ کے ہی نکاح میں تھیں، حضرت علی بعثت نبوی سے دس سال قبل پیدا ہوئے تھے آپ کے والد ابو طالب کثیر العیال اور خاندان قریش کے چشم وچراغ اور مکہ کے سردار تھے جب خواجہ عبد المطلب کا انتقال ہو گیا تو آپؐ ابو طالب کی زیر تربیت پروان چڑھے اور بڑی محنت ومشقت اور پیار ومحبت کے ساتھ پالا، جب آپ نے حق کا اعلان کیا تو پوری دنیا دشمن بن گئی اس وقت بھی تو ہر موڑ پر آپ سد سکندری بن کر کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے مگر آپ کی سخت خواہش اور تمنا کے باوجود وہ کلمہ نہ پڑھ سکے اور کفر کی حالت میں راہی بقاء ہوئے[3]

حضرت علی دامن اسلام:۔

اللہ کے رسول اللہ ﷺ جب منصب نبوت پر فائز ہوئے اور پہلی بار آپ پر وحی نازل ہوئی اور نبوت کے بار گراں کو اپنے دوش پر لئے ہوئے اپنے گھر واپس آئے اور اعلان حق کیا تو سب سے پہلے اس دولت سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ مالا مال ہوئیں۔ حضرت علی اس وقت دس سال کے تھے کہ ایک دن حضرت علی نے

---

[1] تقریب ص ۱۴۴ [2] تقریب ص ۲۱۰ [3] تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۴۲۶ ، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۲۲۸، خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۲۰۰

رسول اللہ ﷺ اور ان کی محترم شریک زندگی خدیجۃ الکبری کو دیکھا کہ وہ بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو نہایت طفلانہ حیرت کے ساتھ معلوم کیا کہ آپ دونوں یہ کیا کر رہے تھے، آپ نے اولا اپنی نبوت کی خبر دی پھر فرمایا کہ ہم خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کر رہے تھے اور ہم تمہیں بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، حضرت علی نے اپنے والد سے مشورہ لینے کی مہلت لی، آپ نے فرمایا ابھی کسی سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں، اگر تمہیں تامل ہے تو تم خود غور و فکر کر لو، چنانچہ حضرت علی رات بھر غور و فکر کرنے کے بعد دوسرے دن صبح دربار رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے پھر پوری زندگی اسلام کے حامی اور داعی رہے، محققین علماء کی رائے یہ ہے کہ عورتوں میں، خدیجۃ الکبری نوجوانوں میں حضرت صدیق اکبرؓ، بچوں میں حضرت علی، اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔[1]

ازواج و اولاد:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مختلف اوقات میں نو شادیاں کیں اور ان کے علاوہ آپ کی کئی باندیاں بھی تھیں ان سب سے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں، سب سے پہلا نکاح آپ نے جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہؓ خاتون جنت سے کیا، ان سے تین صاحبزادے حسن، حسین، محسن پیدا ہوئے مگر محسن زمانہ طفولیت ہی میں انتقال کر گئے، اور دو صاحبزادیاں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں، جب تک فاطمہ بقید حیات رہیں آپ نے کسی اور سے نکاح نہ کیا جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو پھر متعدد عورتوں سے نکاح کیا، جنکی تفصیل درج ذیل ہے، (۱) ام المومنین بنت حزام عامریہ جن سے چار فرزند عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔ عباس کے علاوہ سب میدان کربلا میں شہید ہوئے، (۲) لیلیٰ بنت مسعود تیمیہ جن سے دو لڑکے عبید اللہ اور ابو بکر پیدا ہوئے، (۳) اسماء بنت عمیس خثعمیہ، ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے (۴) بنت ربیعہ جشمیہ یہ ام الولد تھیں ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے (۵) امامہ بنت ابو العاص، یہ حضرت زینب بنت رسول کی بیٹی اور رسول کی نواسی تھی ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے (۶) خولہ بنت جعفر حنفیہ، ان سے محمد بن حنیفہ پیدا ہوئے (۷) ام سعید بنت عروہ ابن مسعود، ان کے بطن سے ام الحسین اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں (۸) محیات بنت امرا القیس کے ان کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی جو بچپن میں ہی فوت ہو گئیں اور آپ کے پاس متعدد باندیاں تھیں جن سے حسب ذیل اولاد پیدا ہوئیں، ام ہانی، میمونہ، زینب، صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ نفیسہ، مگر آپ کی نسل صرف پانچ لڑکوں سے چلی، حسن، حسین، محمد بن حنیفہ، عباس اور عمر۔[2]

---

[1] خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۲۰۱ تاریخ ملت جلد ۲ ص ۲۴۸ [2] خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۲۴۲ تاریخ اسلام جلد ا ص ۵۰۹ تاریخ ملت جلد ۲ ص ۳۶۳

خلعت خلافت کے لئے انتخاب:۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ کی فضاء ظلم وزیادتی اور فتنہ وفساد کے غبار سے تاریک تھی، دارالسلطنت پر آفاقیوں کا قبضہ تھا اکابر صحابہ کی بڑی تعداد فوجی، وانتظامی فرائض کی ادائیگی کے لئے دور دراز علاقوں میں منتشر تھی اور کچھ مدینہ منورہ میں تھے تو وہ فتنہ سے بچنے کے لئے گھروں میں خلوت نشیں تھے، شہادت عثمان کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہا اور قاتلین عثمان کا سرغنہ غافقی بن حرب مسجد نبوی مصلی رسول پر امامت کے فرائض انجام دیتا رہا اس اثنا میں بعض حضرات نے حضرت علی کا نام خلافت کیلئے تجویز کیا اور ان سے منصب خلافت قبول کرنے کی درخواست کی، بعض نے اختلاف رائے بھی کیا، کوفی حضرات زبیر کو، بصری حضرات طلحہ کو مصری حضرات علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے مگر تینوں نے منصب خلافت قبول کرنے سے انکار کردیا، تو یہ لوگ حضرت سعد بن وقاص، اور حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے پھر حضرت علی کے پاس پہنچے، حضرت علی نے شروع میں قبول منصب سے انکار کیا مگر جب یہ دیکھا کہ اکابر صحابہ کی یہی رائے ہے تو آپ نے خلافت کے بار گراں کو اپنے دوش ناتواں پر اٹھالیا بروز جمعہ ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ کو آپ نے مسجد نبوی کے اندر بیعت لی جس میں سب سے پہلے مالک اشتر نے بیعت کی اسکے بعد دوسرے لوگوں نے یکے بعد دیگرے بیعت کی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر چونکہ حضرت عمر کے متعین کردہ ارباب شورہ میں سے تھے مخالفت کا امکان تھا اسلئے حضرت علی نے ان کو بلوایا اور منصب خلافت کی پیش کش کی مگر ان دونوں نے انکار کردیا تو حضرت علی نے فرمایا اچھا تو آپ صاحبان میرے ہاتھ پر بیعت کرلیجئے اولا تو تامل کیا مگر مالک اشتر کی دھمکی سے بیعت کرلی اکابر انصار میں سے کچھ لوگوں سے بیعت انکار کردیا جن میں سے چند اسماء یہ ہیں حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، ابو سعید خدری، محمد بن مسلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ، قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن سلام اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہ ان حضرات کے علاوہ خاندان بنو امیہ کے لوگ شریک بیعت نہ ہوئے یہ لوگ اپنے ساتھ حضرت عثمان کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی انگلی لیتے گئے اور دونوں چیزوں کو جامع دمشق میں منظر عام پر لایا گیا تو ساٹھ ہزار حامیان عثمان کی ڈاڑھیاں آنسو سے تر ہو گئیں اور ساری مسجد انتقام انتقام کے صداؤں سے گونج اٹھی بیعت مکمل ہوجانے کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے ایک زبردست تقریر کی جس میں مسلمانوں کو قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کرنے آپس میں اتحاد یگانگت قائم کرنے، فتنہ اور فساد سے گریز کرنے اور ایک دوسرے کی جان مال اور عزت آبرو کا احترام کرنے کی تلقین کی[1]

---

[1] تاریخ اسلام جلد اص ۳۳۲ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۱۹۸ تا ۱۹۹، تاریخ ملت ص ۲۴۶ تا ۲۴۷

خلافت علی کی ایک جھلک:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس وقت پورا عالم اسلام حتی کہ مرکز اسلام اور مہبط وحی مدینہ منورہ پر شورش پسندوں کا قبضہ تھا پورا عالم بدامنی اور ہنگامہ آرائی،، خانہ جنگی اور افراتفری کی آماج گاہ تھا، کسی کی بھی عزت و آبرو محفوظ نہ تھی ہر چہار سمت ظلم و بربریت اور سفاکیت عام تھی ان حالات نے حضرت علی کو اتنا موقع نہ دیا کہ وہ ملت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کر سکیں اور ملک میں امن وامان کی فضاء قائم کر سکیں، بلکہ مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکراتی رہیں اور بڑی بڑی جنگیں جنگ جمل اور صفین ہوئیں جس میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد شہید کی گئی کہ اب تک پوری تاریخ اسلام کے معرکوں میں اسقدر کام نہ آئی تھی ،اس لئے کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کہ ان حالات میں اسلامی حدود مملکت میں اضافہ ہو، حضرت علیؓ کی پانچ سالہ دور خلافت بالکل افراتفری اور آہ وفگاں میں گذر گئی، کوئی خاطر خواہ کارنامہ انجام دینے کا موقع نہیں مل سکا،اس میں تو کوئی شک نہیں کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ نے جب خلافت سنبھالی تو اس وقت ایک طرف مدعیان نبوت کا زور تھا تو دوسری طرف منکرین زکوۃ اور منافقوں کا تشدد مگر مع ہذا اس وقت اکابر صحابہ متحد تھے ان میں کوئی اختلاف وانتشار نہ تھا مگر حضرت علی کے دور خلافت میں مفسدین۔حاسدین کی سازشوں نے بزرگان ملت کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ کر دیا تھا ایک دوسرے کے خلاف اپنی صواب دید پر اڑے تھے اور ضرب و حرب کا میدان بالکل گرم تھا اسی لئے حضرت علی کا زمانہ خلافت یوں ہی گذر گیا۔[1]

شہادت علی:۔

واقعہ نہروان کے بعد خوارج کی ایک جماعت جو تین اشخاص پر مشتمل تھی عبدالرحمان بن ملجم برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر نے قتل علی قتل معاویہ، اور قتل عمرو بن عاص کے متعلق خفیہ میٹنگ کی، اور نہروان کے مقتولین پر اظہار غم کیا، اور کہا کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں ہیں ہمیں ان حضرات کا خون رائیگاں جانے نہ دینا چاہئیے ، اور اس وقت پورا عالم اسلام جو افراتفری کا شکار ہے اس کے ذمہ دار تین ہی شخص ہیں اس لئے انہیں ہم ٹھکانے لگادیں تا کہ عالم اسلام خون خرابہ سے نجات پا جائے اور انتقام بھی لے لیں چنانچہ یہ طے ہوا کہ عبدالرحمٰن بن ملجم حضرت علی کو، برک ابن عبداللہ حضرت معاویہ کو، اور عمرو بن بکر حضرت عمرو بن عاص کو قتل کریں گے چنانچہ آپسی صلاح و مشورہ کے بعد ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کی تاریخ متعین ہوئی،

---

[1] خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۲۴۴، تاریخ اسلام ص ۵۱۰

حسب قرارداد ابن ملجم کوفہ آیا، اور خاندان ارباب سے تعلق پیدا کرلئے، اور اسمیں ایک لڑکی تھی جس کا نام قطانہ تھا اس سے نکاح کا پیغام دیا قطانہ نے کہا مجھے تمہارا پیغام قبول ہے مگر مہر وہ ہوگا جو میں تجویز کروں گی ابن ملجم تیار ہوگیا قطانہ نے مہر میں تین ہزار درہم ایک غلام ایک باندی اور حضرت علی کا سر تجویز کیا، ابن ملجم نے کہا مجھے بسر و چشم قبول ہے علی کا سر تو مقصود ہی ہے اور اسی لئے میں نے کوفہ کا سفر کیا ہے دونوں کی شادی ہوگئی اب دونوں ملکر اس مقصد کی تکمیل کے لئے تدبیر کرنے لگے اور ابن ملجم کے ساتھ دو اور خارجی شریک ہوگئے ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو کوفہ کی جامع مسجد میں تینوں چھپ کر بیٹھ گئے حضرت علی حسب معمول مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کی کہ اس دوران شبیب بن نجدہ نکلا اور آپ پر تلوار کا زبردست وار کیا جس سے آپ محراب میں گر پڑے، ابن ملجم آگے بڑھا اور حضرت علیؓ کے سر مبارک پر دوسرا وار کیا، حضرت علی کی ڈاڑھی مبارک خون سے تر ہوگئی، آپ نے پکار کر کہا میرے قاتل کو پکڑو، وردان اور شبیب بھاگ نکلے اور ابن ملجم گرفتار کیا گیا، اور آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے فرمایا اگر زندہ رہا تو میں خود سزا دے لونگا اور وفات پاگیا تو اسے قتل کردینا، جب زندگی کی امید ختم ہوگئی تو حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا ان کو صلاح و خیر، تقوی و طہارت، حسن عمل، خدمت دین اور مخلوق کے ساتھ بھلائی کی نیکی وصیت کی، پھر یہ آفتاب رشد وہدایت منبع علم وحکمت، اپنے چار سال نو ماہ مسند خلافت کے بعد ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا جنازہ کی نماز حضرت حسنؓ نے پڑھائی، اور دار الخلافہ کے اندرونی حصہ کوفہ میں دفن کیا گیا۔[1]

(۱۱۹) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ ﷺ إِنَّهُ لَا يُحِبُّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُنِي إِلَّا مُنَافِقٌ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی امی ﷺ نے مجھے بتلایا کہ مومن کے علاوہ کوئی مجھ سے محبت نہیں کریگا اور منافق کے علاوہ کوئی مجھ سے بغض نہیں رکھے گا۔

تشریح حدیث: **انه لا يحبني الا مومن ولا يبغضني الا منافق**

زیر بحث حدیث شریف میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے علیؓ تم سے سچی محبت

[1] خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۲۳۹، تاریخ ملت جلد ۲ ص ۳۱۳، تاریخ جلد ۱ ص ۵۰۵

جوافراط و تفریط اور غلو سے خالی ہو وہ صرف مومن ہی کر سکتا ہے اور اے علی تم سے بغض و نفرت اور دشمنی صرف منافق ہی رکھ سکتا ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے علی دو جماعت ہلاک ہوں گی ایک تو تجھ سے محبت میں غلو کرنے والی۔ اور دوسری جماعت تجھ سے نفرت و بغض رکھنے والی، چنانچہ آپ کی اس پیشن گوئی کے مطابق حضرت علی کے دور خلافت ہی میں دو جماعتیں پیدا ہو گئیں تھیں ایک جماعت نے تو آپ سے اس قدر محبت کا اظہار کیا کہ آپ کو درجہ عبدیت سے نکال کر الوہیت تک پہنچادیا، اور آپ کے لئے طرح طرح کے اختیارات و تصرفات ثابت کئے جس کی وجہ سے وہ گمراہ قرار دئے گئے اور یہ غلاۃ شیعہ کا فرقہ ہے دوسری جماعت ایسی پیدا ہوئی جو بغض علی میں دین اسلام سے خارج قرار دی گئی اور وہ خوارج کا فرقہ ہے جو حضرت علی کے دشمن تھے اس لئے آپؐ کا یہ فرمانا کہ اے علی تمہارے ساتھ صرف مومن ہی سچی محبت کا معیار قائم کر سکتا ہے اور محبت کے اندر اعتدال باقی رکھ سکتا ہے اپنی جگہ برحق اور درست ہے۔

رجال حدیث:۔

عدی بن ثابت الانصاری الکوفی ثقہ راوی ہیں۔[1]

زر ابن حبیش ابن حباشد الاسدی الکوفی ابو مریم ثقہ راوی ہیں۔[2]

(۱۲۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ اِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ لِعَلِيٍّ اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابراہیم بن سعد بن وقاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے علی کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم میری طرف حضرت ہارون کے درجے میں رہو جسطرح کہ یہ حضرت موسیٰؑ کی طرف سے تھے۔

تشریح حدیث:۔

امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو یہاں مختصراً ذکر کیا ہے مسلم شریف و دیگر حدیثوں کی کتابوں میں تفصیلی روایت موجود ہے چنانچہ مسلم شریف میں یہی روایت اس طرح ہے۔ **خلف رسول اللہ ﷺ علی ابن**

---

[1] تقریب ص ۱۷۷۔ [2] تقریب ص ۱۱۱۔

ابی طالب فی غزوة تبوك فقال یارسول الله تخلفنی فی النساء والصبیان فقال اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی غیر انه لا نبی بعدی، جناب رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو حضرت علیؓ کو اپنے اہل وعیال کی خبر گیری وحفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اس پر منافقین نے طعنہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ بے قدر اور بے حیثیت جان کر تمہیں مدینہ میں چھوڑ دیا ہے حضرت علیؓ نے یہ طعنہ سنکر بڑی غیرت محسوس کی اور اسی وقت ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکل پڑے اور مقام جرف پہنچ گئے جو مدینہ سے تقریباً تین میل جانب شمال میں واقع ہے حضور اکرم ﷺ کو پالیا اور حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ منافقین اس طرح کی باتیں کررہے ہیں آپ نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں میں تو تمہیں مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر آیا تھا تم ہمارے اہل وعیال کی خبر گیری اور حفاظت کرو پھر اسی وقت آپ نے فرمایا اے علی کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تمہارا مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون کا موسیٰؑ سے تھا کہ جب موسیٰؑ کوہ طور پر تشریف لے گئے تو اپنی قوم میں ہارون کو خلیفہ مقرر فرما گئے۔

معلوم ہوا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے موقع کا ہے اور حضرت علیؓ کو عارضی خلیفہ ونگراں مقرر فرمایا تھا لہذا اس سے حضرت علی کی خلافت عامہ پر استدلال کرنا ان کے لئے خلافت بلا فصل ثابت کرنا مارے گھٹنا پھوٹے سر کے مترادف ہے۔

خلافت بلا فصل پر استدلال:۔

شارح مسلم امام نووی نے حدیث مذکور کی تشریح میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو روافض، امامیہ اور شیعہ کے تمام فرقوں نے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کے لئے مستدل بنایا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی وصیت کی تھی مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ وعمر نے ان سے خلافت کو غصب کر لیا ہے اور تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت علی کو حق خلافت نہیں دلوایا تھا اس لئے روافض تمام صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، اور شیعہ ہی میں بعض فرقے تو اس درجہ غلو کرتے ہیں کہ حضرت علی کو بھی کافر قرار دیتے ہیں، اور وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں حصول خلافت کے لئے ڈٹ کیوں نہیں گئے تھے، قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ جو لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کی تکفیر کرتے ہیں ان سے تبرا ظاہر کرتے ہیں ان کے کفر میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ بالیقین کافر ومرتد ہیں کیوں کہ قرن اول کی تکفیر پورے دین کو باطل کر دیتا ہے کیوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ ہی تو قرآن وحدیث کے ناقلین اولین ہیں۔ فرقہ امامیہ اور بعض معتزلین کا کہنا یہ ہے کہ حق خلافت تو حضرت علی کو حاصل تھا

تاہم صحابہ کرام اپنے اس عمل میں مخطی ہیں مگر باعث کفر نہیں اور بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ صحابہ کرام اپنے عمل میں مخطی بھی نہیں ہیں، اس لئے کہ جب چند ایسے لوگ جو فضائل میں مختلف ہوں جمع ہو جائیں تو مفضول کو امامت وخلافت کے منتخب کیا جاسکتا ہے [1]

شیعہ کے زبردست عالم علامہ ابن مطہر حلی اپنی مشہور کتاب منہاج الکرامہ میں اس حدیث سے خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

البرهان الثالث انت منى بمنزلة هلرون موسىٰ الخ ومن جملة منازل هلرون انه كان خليفة لموسىٰ ولوعاش بعده لكان خليفة ايضاً ولا نه خلفه مع وجوده وغيبته مدة يسيرة فعندموته تطول الغيبة فيكون اولى بان يكون خليفة [2]

تیسری دلیل انت بمنزلة هارون من موسى ہے اور ہارونؑ کے من جملہ تمام مراتب میں موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اگر وہ اس کے بعد زندہ ہوتے تو ضرور خلیفہ ہوتے، اسلئے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اپنی موجودگی اور غیبت قلیلہ کے وقت خلیفہ بنایا تو آپ کی وفات کے بعد جب غیبت طویل ہو گئی تو بطریق اولیٰ خلیفہ ہوں گے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ہی خلیفہ بننے کے مستحق تھے ابو بکر توزبرستی بن بیٹھے تھے۔

استدلال کا جواب:۔

حدیث بالا کو خلافت بلا فصل کے لئے مستدل بنانا اور اس سے شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی کی خلافت کو بیان کرنا ہے سراسر باطل اور علم سے عدم تعلق کی دلیل ہے حدیث میں تو علی الاطلاق حضرت علیؓ کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے تقابل پیش نظر ہے ہی نہیں کہ یہ کہا جاسکے کہ حضرت علی ہی سب سے افضل ہیں اور نہ ہی حدیث شریف میں کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے کہ جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ حضرت علی خلافت کے مستحق تھے۔ اور حضور اکرم ﷺ اپنی وفات کے بعد انہیں ہی خلیفہ بنانا چاہ رہے تھے۔

حدیث انت بمنزلة هلرون کا خلافت عامہ اور خلافت بلا فصل سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے اس سے مطلقاً خلافت بھی ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ خلافت عامہ اور خلافت بلا فصل ثابت ہو، اس لئے باجماع اہل سیر یہ بات ثابت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو مدینہ کا گورنر اور سباابن عرفطہ کو مدینہ کا کوتوال اور عبداللہ ابن ام کلثوم کو مسجد نبوی کا امام مقرر کیا تھا اگر حضرت علی کی خلافت ونیابت عامہ ہوئی تو مذکورہ تقرروں کا کیا مطلب ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ خلافت محض وقتی

---

[1] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸ [2] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۳۶ [3] محاضرہ وشیعیت جلد ۳ ص ۱۲

اور امور خانہ داری کی نگرانی اور عورتوں نیز بچوں کی دیکھ بھال کے لئے تھی۔[1]

نیز **تخلفنی فی النساء والصبیان** قرینہ ہے کہ حضرت علی کی یہ نیابت عارضی اور وقتی تھی اور حضرت علی بھی بخوبی سمجھ رہے تھے کہ یہ استخلاف محض امور خانہ داری اور عورتوں کی دیکھ بھال سے متعلق ہے اور وہ اس کو اپنی شجاعت وہ بہادری کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ دیگر مجاہدین اسلام کی طرح میدان جنگ میں داد شجاعت دیں چنانچہ حضور اکرم ﷺ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ یا رسول اللہ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ دیں گے اور دوسرے صحابہ کرامؓ میدان میں لڑیں گے ؟ تو آپ نے حضرت علی کو تسلی دی اور فرمایا کہ امور خانہ داری کے لئے استخلاف کوئی توہین اور بے عزتی کی بات نہیں ہے میں نے تو تمہیں تمہاری امانت داری کی وجہ سے خلیفہ بنانا چاہا ہے حضرت موسیٰ نے بھی ہارونؑ کو خلیفہ بنایا تھا۔[2]

نیز اس لئے بھی استدلال جائز نہیں کہ جب بھی آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو کسی نہ کسی شخص کو ضرور اپنا نائب مقرر فرماتے تھے چنانچہ بنو نضیر سے جنگ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا غزوہ ذات الرقاع کے لئے تشریف لے گئے تو ابولبابہ بن عبدالله المنذر کو اپنا نائب متعین فرمایا تھا مدینہ منورہ پر خلیفہ بنانا حضرت علی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا اس لئے اگر حضرت علی خلافت بلا فصل کے مستحق اور زیادہ حقدار تھے تو پھر دیگر صحابہ کو بھی ہونا چاہئے۔[3]

حدیث میں حضرت ہارون کو بطور مشبہ بہ ذکر کیا گیا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے چالیس سال قبل انتقال کر گئے تھے موسیٰ علیہ السلام خلیفہ نہ بنے تو جو چیز مشبہ بہ کے اندر نہیں ہے تو وہ مشبہ کے اندر کیسے ہو سکتی ہے، معلوم ہوا کہ یہ تشبیہ صرف غیوبت تک کے لئے نفس نیابت کے اندر تھی۔[4]

(۱۲۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنِيْ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جَدْعَانَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حَجَّتِهِ الَّتِيْ حَجَّ فَنَزَلَ فِيْ بَعْضِ الطَّرِيْقِ فَأَمَرَ الصَّلٰوةَ جَامِعَةً فَأَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ أَلَسْتُ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ أَلَسْتُ أَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَهٰذَا وَلِيُّ مَنْ أَنَا مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ اَللّٰهُمَّ عَادِ مَنْ عَادَاهُ.

ترجمہ حدیث :۔

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے بعض حج میں ساتھ تھا آپ

---

[1] محاضرہ در دو مضا خانیت جلد ۲ ص ۱۴ [2] منہاج السنہ جلد ۴ ص ۸۷۔۸۸ بحوالہ محاضرہ [3] مستفاد محاضرہ در دو شیعیت جلد ۲ ص ۱۳ [4] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۲۶ مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۳۴۰ نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸ مزید تفصیل دیکھئے اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۵۴۔۶۵۵، انجاح الحاجہ ص ۱۲

راستے میں کسی مقام پر اترے، اور لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے کا حکم دیا، پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کیا میں مومنین کے لئے ان کی جانوں سے زیادہ قریب نہیں ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں، پھر آپ نے فرمایا کیا میں ہر مومن کی جان سے زیادہ قریب نہیں ہوں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ علی اس شخص کے ولی ہیں جس کا میں ولی ہوں الٰہی تو اس شخص کو دوست بنا جو علی سے دوستی رکھے اور تو اس شخص سے عداوت کا معاملہ فرما جو حضرت علی سے عداوت رکھے۔

تشریح حدیث:۔ فاخذ بيد على فقال الست اَوْلىٰ بالمؤمنين من انفسهم الخ

اس ارشاد پاک کا مقصود لوگوں کے قلوب میں حضرت علی کی محبت و وقار قائم کرنا ہے اس حدیث شریف کا شان ورود یہ ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو تین سو آدمیوں پر سردار بنا کر یمن کی طرف روانہ کیا، تو قیام یمن کے دوران کچھ ساتھیوں کو حضرت علی سے شکایت ہو گئی ان میں بریدہ ابن اسلمی بھی شامل تھے حضرت بریدہ اسلمی نے حضور اکرم ﷺ سے کچھ شکایت کی تو آپ نے غدیر خم کے مقام پر جو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان جحفہ میں واقع ہے ایک خطبہ دیا اور بہت سی باتوں کے علاوہ اہل بیت سے محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی کے متعلق ارشاد فرمایا **من كنت مولاه فعلى مولاه** اور حضرت بریدة بن الحصیب کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا **من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه ،**

اس واقعہ غدیر خم کے ذریعہ شیعہ حضرات نے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل اور ان کی اولیت وافضلیت پر استدلال کیا ہے اور اپنے موقف پر اس کو مضبوط اور قوی تر دلیل مانا ہے ان کا کہنا ہے کہ من كنت مولاه کے اندر مولیٰ کے معنی عزیز، اقارب محبوب۔ مددگار کے نہیں ہیں بلکہ اولی بالخلافہ کے معنی میں ہے اور اپنی دلیل میں انی اولیٰ بالمومنین پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جن امور میں آنحضور اکرم ﷺ کو تصرف کا حق تھا ان میں حضرت علیؓ بھی برابر مستحق ہیں اور امور مسلمین اسی تصرف کے تحت آتے ہیں لہذا وہی خلافت بلا فصل کے مستحق ہوئے۔

جواب:۔

اس حدیث شریف سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرنا مختلف وجوں سے درست نہیں اولاً تو اس لئے کہ اس حدیث کی صحت پر محدثین اور ناقدین رجال نے زبردست کلام کیا ہے اور ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اپنی کتاب الصواعق المحرقہ میں لکھتے ہیں کہ **والطاعنون فى صحته جماعة كابى داؤد سجستانى وابى حاتم رازى۔** علامہ اسحٰق بردی سہام الثاقب میں رقمطراز ہیں کہ

وقد صحة الحديث كثير من ائمة الحديث كابی داؤد والواقدی وابن خزيمة وغيرهم علامہ ابن حزم ظاہری کتاب الفصل ص ۱۱۶ ج ۲ میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں واما من كنت مولاه فعلى فلا يصح من طرق الثقاة اصلا، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف من كنت مولاه صحیح حدیثوں میں سے نہیں ہے۔ محدثین اور فن اسماء الرجال کے ناقدین کے کلام سے اندازہ ہو گیا کہ یہ حدیث اس لائق نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے اور مسئلہ امامت وخلافت جیسے اہم منصب کو ثابت کیا جائے۔[1]

ثانیاً علماء کے ایک طبقہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح مان لینی چاہیے کیوں کہ یہ حدیث، امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے اور اس کے طرق بھی متعدد ہیں، سولہ صحابہ کرامؓ اس حدیث کے روای ہیں، بلکہ امام احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت علی کے معلوم کرنے پر تمیں صحابہ نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اس لئے اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے اور یہ جواب دیا جائے کہ خود شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ امامت وخلافت کے مسئلہ میں دلیل کے نقطۂ نظر سے تواتر کا اعتبار ہے یعنی امامت وخلافت کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے حدیث متواتر کی ضرورت ہے اور زیر بحث حدیث متواتر تو درکنار اس کی صحت پر بھی کلام ہے تو اس سے کس طرح امامت وخلافت کا مسئلہ ثابت کیا جاسکتا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کلام کو قبول نہیں کیا گیا علاوہ ازیں حفظ واتقان کے مشہور ائمہ حدیث مثلاً بخاری، مسلم واقدی اور دوسرے اکابر محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کی تخریج نہیں کی ہے جب کہ یہ حضرات طلب حدیث کے لئے دور دراز شہروں کا سفر کرتے تھے اور احادیث کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرتے تھے پھر بھی انہیں یہ حدیث دستیاب نہیں ہوئی، پھر ایسی حدیث کو متواتر کہنے کی کوشش کرنا نہایت حیرت واستعجاب کی بات ہو گی ہے۔[2]

ثالثاً۔ اس وجہ سے بھی یہ حدیث خلافت بلا فصل پر مستدل نہیں بن سکتی ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف کے نہیں ہیں کیونکہ مولیٰ بمعنی اولی بالتصرف کے ہونا محاورہ اور لغت دونوں کے خلاف ہے اہل عربیت کا کہنا ہے کہ مفعل بمعنی افعل استعمال نہیں ہوتا ہے صرف ابوزید لغوی جواز کے قائل ہیں اور وہ اس میں منفرد ہیں لہٰذا ان کا قول معتبر نہیں ہے اس لئے اگر یہ مان لیا جائے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ کے ہے تو اس صورت میں فلان اولیٰ منك کی جگہ فلان مولیٰ منك کہنا درست ہو حالانکہ یہ استعمال بالاتفاق مردود ہے اور اگر مان لیا جائے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے تو سوال یہ ہے کہ بالتصرف اس کا صلہ کون سی لغت اور کس قرینے سے ثابت ہوتا ہے احتمال یہ بھی تو ہے کہ اولیٰ بمعنی اولی بالمحبت یا اولیٰ بالتنظیم ہو۔ پس جب اولیٰ کے متعدد

[1] استفتاد محاضر ورد شیعیت جلد ۴ ص ۵ [2] مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۳۵۳

معانی ہیں تو بلا قرینہ کسی ایک معنی کو راجح قرار دینا کون سی دیانت ہے اور کہاں کا انصاف ہے [1]

رابعاً۔ حدیث شریف کا سیاق و سباق واضح کر رہا کہ اولیٰ کے معنی یہاں اولیٰ بالتصرف کے ہے ہی نہیں بلکہ یہاں مولیٰ کے معنی محبت، اور معین و مددگار کے ہیں۔ جس طرح **ان اولیٰ الناس بابراھیم** کے اندر اولیٰ بمعنی قریب ترین کے ہے نہ کہ اولیٰ بالتصرف کے،

ان مذکورہ جوابات و تفصیلات سے یہ بات بالکل آشکارہ ہوگئی کہ اس حدیث سے شیعہ حضرات کا استدلال کرنا قطعاً مردود اور باطل ہے بلکہ حدیث شریف کا مقصد صرف آپ کی فضیلت کو بیان کرنا ہے نہ کہ مسئلہ خلافت و امامت کو بیان کرنا ہے۔

رجال حدیث:۔

حماد بن سلمہ بن دینار البصری ابو سلمہ ثقہ راوی ہیں [2]

علی بن زید بن عبداللہ بن زہیر بن عبداللہ بن جدعان التیمی البصری ضعیف راوی ہیں [3]

براء بن عازب بن الحارث بن عدی الانصاری الدوسی صحابی ہیں ان کے والد بھی صحابی تھے [4]

(۱۲۲) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا وَكِیْعٌ ثَنَا ابْنُ اَبِیْ لَیْلٰی ثَنَا الْحَكَمُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ كَانَ اَبُوْ لَیْلٰی یَسِیْرُ مَعَ عَلِیٍّ فَكَانَ یَلْبَسُ ثِیَابَ الصَّیْفِ فِی الشِّتَاءِ وَثِیَابَ الشِّتَاءِ فِی الصَّیْفِ فَقُلْنَا لَوْ سَاَلْتَهٗ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ اِلَیَّ وَاَنَا اَرْمَدُ الْعَیْنِ یَوْمَ خَیْبَرَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَرْمَدُ الْعَیْنِ فَتَفَلَ فِیْ عَیْنِیَّ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ قَالَ فَمَا وَجَدْتُ حَرًّا وَلَا بَرْدًا بَعْدَ یَوْمِئِذٍ وَقَالَ لَاَبْعَثَنَّ رَجُلًا یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لَیْسَ بِفَرَّارٍ فَتَشَرَّفَ لَهُ النَّاسُ فَبَعَثَ اِلٰی عَلِیٍّ فَاَعْطَاهَا اِیَّاهُ۔

ترجمہ حدیث:۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ ابو لیلیٰ حضرت علی کے ساتھ (کہیں) تشریف لے جارہے تھے حضرت علی گرمی کا لباس سردی میں اور سردی کا لباس گرمی میں پہن لیتے تھے پس ہم نے کہا کاش آپ اس کے متعلق معلوم کر لئے ہوتے تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن مجھے بلایا، جبکہ میں آشوب چشم میں مبتلا تھا میں نے عرض کیا یا رسول ﷺ میں تو آشوب چشم میں مبتلا

---

[1] محاضرہ رد شیعیت جلد ۴ ص ۹ مزید تفصیل ملاحظہ کیجئے، مرقات جلد ۱۱ ص ۳۴۹ اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۶۰ محاضرہ رد رضاخانیت جلد ۴ ص ۶۶۰ محاضرہ رد رضاخانیت جلد ۴ ص ۳ تا ۱۲۳ [2] تقریب ص ۶۴ [3] تقریب ص ۱۸۴ [4] تقریب ص ۳۳

ہوں تو آپ نے میری آنکھ میں تھتکار دیا، اور دعا فرمائی کہ اے اللہ ان کی آنکھ سے گرمی سردی کو دور کر دے، حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ اس دن سے مجھے گرمی سردی کا احساس تک نہ ہوا اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول اس سے محبت کرتا ہے جو بھاگنے والا نہیں ہے چنانچہ لوگ اس کا انتظار کرنے لگے، چنانچہ حضرت علی کو بلا بھیجا اور علم جہاد انہیں عطا فرمایا۔

تشریح حدیث:۔

زیر بحث حدیث کے اندر تین چیزوں کو ذکر ہے ایک تو حضور اکرم ﷺ کا معجزہ اور دوسری چیز حضرت علی کی فضیلت اور تیسری چیز حضور اکرم ﷺ کا علم جہاد حضرت علی کو دینا، یہ تیسری چیز در حقیقت دوسری چیز کے تحت داخل ہے۔

خیبر ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ساٹھ میل دور ملک شام کی طرف واقع ہے اور یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا [۱]

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔ خیبر مدینہ کے شمال مشرق میں ستر میل کی مسافت پر تھا رسول اللہ ﷺ اپنی فوج لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے مجاہدین کی کل تعداد چودہ سو تھی آپ نے خیبر کے قلعوں پر حملہ کی ٹھان لی اور ایک ایک قلعہ فتح ہوتا رہا لیکن ایک القموس کا قلعہ مسلمانوں کی ناقابل تسخیر معلوم ہو رہا تھا [۲]

ایک روز حضرت ابو بکر گئے اور لاکھ کوشش کی مگر فتح نہ ہوا دوسرے روز حضرت عمر گئے مگر فتح نہ ہوا بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے دروازے کا وزن آٹھ سو من تھا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کل علم جہاد ایسے شخص کو دیا جائیگا جس کے ہاتھ پر یہ قلعہ فتح ہوگا صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ دیکھئے وہ کون خوش بخت آدمی ہے جسکو کل علم جہاد ملیگا آپ نے حضرت علی کو علم جہاد عطا کیا اس وقت حضرت علی کو آشوب چشم کی شکایت تھی حضور اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً اسی وقت ہمیشہ کے لئے تکلیف دور ہو گئی، حضرت علی القموص کے قلعہ میں داخل ہوئے اور مقابلہ کیا، قلعہ کے دروازے کو حضرت علی نے تنہا اٹھا لیا اس کے بعد ستر آدمی ملکر بمشکل ہی اس کو حرکت دے سکے حاکم و بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جس دروازے کو حضرت علی نے اٹھا لیا تھا اس کو چالیس آدمی نے ملکر تجربہ کیا مگر نہ اٹھا سکے۔

باب خیبر کے اٹھانے کے واقعہ کو ابن کثیر نے ضعیف قرار دیا ہے کیوں کہ اس میں ایک مجہول راوی ہے **مواہب اللدنیہ** میں ہے کہ ہمارے شیخ نے کہا کہ یہ سب روایات واہیہ ہیں بعض علماء نے اس کا انکار کیا ہے [۳]

---

[۱] مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۳۴۳، المرتضی ص ۹۷ [۲] اصح السیر جلد ص ۱۹۲ [۳] المرتضی ص ۱۸۱، اصح السیر ص ۱۹۲

مگر حضرت مولانا علی میاں لکھتے ہیں کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے اور اس کا واقع ہونا مستبعد بھی نہیں ہے کیوں کہ اولیاء کرام کی کرامات اہل سنت کے نزدیک حق ہیں ۔[1]

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ غزوہ خیبر میں علم جہاد دینے کے متعلق حضور نے کب ارشاد فرمایا تھا۔ بعض علماء نے کہا کہ آپ نے ایک روز قبل ارشاد فرمایا تھا جیسا کہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے لیکن بعض دوسری روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ ایک دن قبل نہیں ہے بلکہ بہت پہلے فرمایا تھا اب دونوں روایتوں میں تعارض ہوا؟ تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ ایک دن پہلے آپ نے اس کا اعلان عام فرمایا اور اصحابہ کرامؓ کے سامنے بیان کیا اور بہت پہلے بیان کرنے کی روایت صرف حضرت علی کے ساتھ مخصوص ہے آپ نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ خیبر میں تمہارے ہاتھ میں علم جہاد دوں گا اب دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ رہا بہر حال یہ حضرت علی کی فضیلت کی بات ہے آپ نے نہ صرف یہ کہ موقع پر علم دیا بلکہ آپ اس انتخاب کو اس قدر مستحسن سمجھ رہے تھے کہ پہلے ہی سے لوگوں کے دلوں میں شوق پیدا فرما رہے تھے۔[2]

اللهم اذهب عنه الحر والبرد اس دعاء کی برکت سے حضرت علی کرم اللہ وجہ خلاف موسم کپڑے بھی استعمال فرما لیتے تھے اور ان کو کسی ناگوار رد عمل کا قطعاً احساس نہ ہوتا تھا اور کوئی ناگواری محسوس نہ کرتے تھے۔

(۱۲۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْوَاسِطِيُّ ثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَبُوهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے اور ان کے والدین ان سے بہتر ہوں گے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شاہ عبد الغنی مجددی صاحب انجاح الحاجہ بر ابن ماجہ اور صاحب قوت المغتذی حاشیہ ترمذی میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حسن و حسین ان لوگوں کے سردار ہوں گے جو جوانی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں، امام طیبی نے الفاظ حدیث کا مطلب یہ بیان کیا کہ حسن و حسین دونوں ان تمام اہل اسلام سے افضل ہیں جو اللہ کی راہ میں جوانی کی حالت میں مرے، لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ان دونوں کو صرف ان ہی اہل اسلام سے افضل قرار دینے کی کوئی وجہ تخصیص نہیں ہے جو جوانی میں انتقال کیے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسن و حسین ان لوگوں سے بھی افضل

---

[1] المرتضی ص ۸۱ [2] مستفاد کشف الحاجہ ص ۲۲۰

ہیں جن کی وفات بڑھاپے میں ہوئی ہے اس لئے ان لوگوں کا قول زیادہ اصح ہے جو حدیث شریف کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ حسن وحسین تمام اہل جنت کے سردار ہوں گے کیوں کہ تمام اہل جنت جوان ہوں گے اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرات انبیاء کرام اور خلفاء راشدین کے بھی سردار ہوں گے؟ جواب خلفاء راشدین اور حضرات انبیاء مستثنیٰ ہیں۔

اس حدیث میں **وابوهما خير منهما** سے حضرت علی کی فضیلت ثابت کر رہے ہیں کہ ان کے والدین ان سے بہتر وافضل ہوں گے حضرت حسن وحسین کو اہل جنت کا سردار قرار دیا گیا ہے اور ما قبل کی روایت میں حضرت علیؓ کو جنت کے کہول کا سردار ہونا بیان کیا گیا ہے اور کہول کی شباب پر فضیلت ہونا واضح ہے۔[1]

رجال حدیث:۔

محمد بن موسیٰ بن عمران القطان ابوجعفر الواسطی، ومحمد بن موسیٰ ابی نعیم الواسطی الہذلی دونوں صدوق ہیں[2]
معلّی بن عبدالرحمٰن الواسطی ان پر بعض ناقدین حدیث نے روافض اور بعض نے وضع حدیث کا الزام لگایا ہے[3]

(۱۲۴) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ وَاِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُوْسىٰ قَالُوْا ثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ حَبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ وَلاَ يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلاَّ عَلِيٌّ:

ترجمہ حدیث:۔

حضرت حبشی بن جنادہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور میری طرف سے ادائیگی صرف علی ہی کر سکتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔علی منی وانا منه

غایت درجے کی محبت واخوت کو حضور بیان فرما رہے ہیں اور انتہائی تعلق کی بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ حضرت علی کو اپنا ہی ایک فرد شمار کر رہے ہیں یوں تو حضور کی قرابت کے لوگ بہت ہیں مگر حضرت علی سے خصوصی رشتہ داری ہے کیوں کہ حضرت علی چچازاد بھائی بھی ہیں اور آپ کے داماد بھی ہیں اس لئے حضرت علی کی عزت افزائی فرمائی اور یہ بیان فرمایا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔

ولایودی عنه الاعلی

ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ امام تورپشتی کا قول نقل کرتے ہیں کہ دراصل عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب دو فریقوں کے درمیان کسی صلح یا نقض کا معاہدہ کرنا ہوتا تو اسکے متعلق ضروری گفت وشنید اور بات

---

[1] ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۸ حاشیہ ۳، انجاح الحاجہ ص ۱۲، مرقات ۲ ص ۳۹۰ مظاہر حق جدید ص ۲۰۶۷ [2] تقریب ص ۲۳۵ [3] تقریب ص ۲۵۱

چیت صرف وہ شخص انجام دیتا جو اپنی قوم کا سردار ہوتا یا پھر اس کی عدم موجودگی میں اسکا قریب ترین عزیز ورشتہ دار انجام دیتا اور وہی اس کی جانب سے عہد و پیمان پورا کرتا، جب مکہ فتح ہوا اور آپ کسی دینی مصروفیات کیوجہ سے ۹ھ حج کے لئے تشریف نہ لے جاسکے تو اپنی جگہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر المومنین مقرر فرما کر روانہ فرمایا، اس کے بعد حضرت علیؓ کو حضور اکرم ﷺ نے روانہ کیا، اور حضرت علی کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ اس صلح نامہ اور معاہدہ کی منسوخی کے فیصلہ کا اعلان کریں جو تین سال قبل ۶ھ میں مقام حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ اور قریش کے درمیان ہوا تھا اور سورہ براءت پڑھکر ان کو سنائیں کہ مشرکین ناپاک ہیں اس لئے کوئی بھی مسجد حرام کے قریب نہ آئے اور دیگر فرامین بھی بتلادیں، اس موقع پر حضور اکرم ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث ارشاد فرمائی، اس میں ایک لطیف اشارہ ہے حضرت علیؓ کی خلافت حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بعد قائم ہوگی [1]

(۱۲۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الرَّازِيُّ ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى اَنْبَأَنَا الْعَلَاءُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ الْمِنْهَالِ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَاَخُوْ رَسُوْلِهٖ ﷺ وَاَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ اِلَّا كَذَّابٌ صَلَّيْتُ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِيْنَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عباد بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کے رسول ﷺ کا بھائی اور میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد اس کو جھوٹا ہی شخص کہہ سکتا ہے میں نے لوگوں سے پہلے سات سال نماز پڑھی ہے۔

تشریح حدیث:۔

صدیق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بلا کسی توقف اور چون وچرا کے حق کی تصدیق کردے، صدیق ۔صدق سے ماخوذ ہے اور فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے صدیق یہ حضرت ابو بکرؓ کا خطاب ہے اور علماء اسلام عام طور پر صدیق کو حضرت ابو بکر کیلئے خاص کرتے ہیں کیوں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ وہ محض نزول کے سبب بلا کسی عقلی تائید و تصدیق کے دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے تھے۔اس حدیث میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں صدیق اکبر ہوں، جو جمہور کے استعمال کے خلاف ہے اس لئے علماء کرام نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں چنانچہ بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے خود کو صدیق اکبر اس لئے کہا کہ آپ کو اپنی حق گوئی پر

---

[1] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۴۲، مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۳۴۴، اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۲۵۶

کل اعتماد تھا اور بعض نے فرمایا کہ چوں کہ آپ نے حضرت ابو بکر کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام قبول کیا ہیں اس لئے حضرت علیؓ اپنے آپ کو صدیق اکبر کہہ رہے ہیں جو اپنی جگہ بالکل درست اور مبنی ہے۔

صليت قبل الناس بسبع سنين.

حضرات علماء کرام نے اس جملہ کی مختلف تشریح فرمائی ہیں بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ فرضیت نماز سے قبل سات سال نماز پڑھی ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ بہت بچپن میں مشرف باسلام ہو گئے اور ان کے ہم عمروں میں سے اکثر وہ ہیں جنہوں نے کم و بیش سات سال بعد اسلام قبول کیا، تو اس اعتبار سے حضرت علی نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے بعض لوگوں نے ایک تیسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ سات سال پہلے اس طرح نماز پڑھی ہے کہ کسی کو بھی معلوم نہ ہو۔ کا تو گویا انہوں نے سات سال قبل نماز پڑھی ہے مگر اس توضیح کو علماء نے پسند نہیں کی [۱]

ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام نسائی نے حضرت علیؓ کے خصائص میں شمار کیا ہے اور امام ذہبی کہتے ہیں کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ روایت حضرت علی کے حق میں جھوٹ بولا گیا ہے صاحب سنن المصطفےٰ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ بالکل ثقہ ہیں اس روایت کو حاکم مستدرک نے بھی منہال کی سند سے ذکر کی ہے پھر فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہے اور علی شرط الشیخین ہے اس لئے جن حضرات نے اس کو موضوع گردانا ہے وہ سند کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کے ظاہر نہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ [۲]

رجال حدیث:۔

محمد بن اسماعیل بن ابی ضرار الرازی صدوق راوی ہیں [۳]

عباد بن عبد اللہ ابن زبیر بن العوام اپنے والد کے زمانہ خلافت میں مکہ کے قاضی تھے ثقہ راوی ہیں [۴]

باقی راویوں کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

(۱۲۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ ثَنَا مُوْسىٰ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ سَابِطٍ وَهُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَدِمَ مُعَاوِيَةُ فِيْ بَعْضِ حَجَّاتِهٖ فَدَخَلَ عَلَيْهِ سَعْدٌ فَذَكَرُوْا عَلِيًّا فَنَالَ مِنْهُ فَغَضِبَ سَعْدٌ وَقَالَ تَقُوْلُ هٰذَا لِرَجُلٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسىٰ اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ

[۱] انجاح الحاجہ ص ۱۲، [۲] کشف الحاجہ ص ۲۲۳ [۳] تقریب ص ۲۱۵ [۴] تقریب ص ۱۲۱

وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ الْيَوْمَ رَجُلاً يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ اپنے کسی حج سے تشریف لائے تھے کہ حضرت سعد ان کے پاس گئے اور ان لوگوں میں حضرت علی کا ذکر ہوا تو حضرت سعد بن وقاص ان لوگوں پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا تم یہ باتیں ایک ایسے شخص کے بارے میں کہہ رہے ہو جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا دوست میں ہوں علی بھی اسکا دوست ہے اور میں نے آپ سے یہ بھی فرماتے ہوئے سنا (اے علی) تم میرے نزدیک ایسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے مگر فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے نیز حضور اکرم ﷺ سے یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ آج میں علم ایسے آدمی کو دونگا جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے تفصیلی روایت مسلم شریف میں موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد بن وقاص کو حکم دیا کہ حضرت علیؓ کو برا بھلا کہو ان کو گالی دو، حضرت سعد نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے تین ایسی باتیں سنی ہیں جس کی وجہ سے میں ان کی شان مبارک میں کچھ بھی لب کشائی نہیں کر سکتا[1]

چوں کہ مسئلہ صحابی رسول کا ہے جو نہایت ہی نازک ہے اسلئے امام نووی نے لکھا ہے کہ علماء اسلام نے اسکی تاویل کی ہے حضرت امیر معاویہ نے سعد کو گالی دینے کا امر نہیں فرمایا تھا بلکہ ان سے معلوم کرنا چاہا تھا کہ تم ان کو گالی کیوں نہیں دیتے ہو، گالی نہ دینے کا سبب خوف ہے یا ان کی ذاتی عظمت وشان اور جلال واکرام ہے حضرت معاویہؓ کا مقصد گالی دینے پر مجبور کرنا نہیں تھا حضرت سعد نے فرمایا، حضرت علی کی جلالت شان رفیع مرتبت جو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہے وہ مجھے لب کشائی سے روک رہی ہے، پھر حضرت سعد بن وقاص نے وہ تین باتیں بیان فرمائی جو حدیث شریف میں مذکور ہیں جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف مواقع پر ارشاد فرمایا ہے[2]

---

[1] تفصیلی روایت ملاحظہ کیجئے مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۷۸ [2] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸

فَضْلُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

نام ونسب:۔

آپ کااسم گرامی زبیر والد کانام عوام، والدہ کانام صفیہ، کنیت ابو عبداللہ، لقب حواری، رسول (ﷺ) تھاسلسلہ نسب اس طرح ہے زبیر ابن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی، آپ ہجرت نبوی ﷺ سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، آپ کی تربیت نہایت ہی اہتمام اور شان وشوکت سے کی گئی تھی اس لئے نہایت اولوالعزم عالی ہمت، حوصلہ مند شجاعت وبہادر ثابت ہوئے، ابھی آپنے اپنی عمر کی سولہ ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ اپنے قلب کونور ایمان سے منور کرلیا، اور خانہ دل کوایمان وایقان کی دولت لازوال سے معمور کرلیا، اور آپ سابقین اسلام میں نمایاں تقدم وشرف کے حامل ہوگئے۔

شجاعت وبہادری:۔

حضرت زبیر گرچہ حدثۃ السن اور کم عمر تھے لیکن صبر واستقامت شجاعت وبہادری میں کوہ ہمالیہ تھے اور وفاشعاری، طاعت گذاری اور جانثاری میں کسی سے کم نہ تھے اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ کسی نے یہ افواہ اڑادی کہ آقاء ﷺ کو گرفتار کرلیا گیا ہے یہ سننا تھا کہ جذبہ جاں نثاری اور شوق شہادت اور نبی کی محبت میں اس قدر بے خود ہوگئے تھے کہ اس وقت مجمع کو پھاندتے ہوئے نکلکر کاشانہ نبوی پر حاضر ہوئے آقانے دیکھا تو معلوم کیا کیابات ہے، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے معلوم ہوا تھا کہ خدانخواستہ آپ گرفتار کرلئے گئے ہیں حضور نے اس جذبہ کو نہایت خوشی کا اظہار فرمایا اوران کے لئے دعائیں دیں، حضرت زبیر غزوات میں بھی مختلف حیثیتوں سے شریک رہے اسلام وکفر کے درمیان ہونے والی سب سے پہلی جنگ جنگ بدر میں انتہائی جوش وخروش سے شرکت کی اور نہایت جانبازی اور دلیری سے حصہ لیا جس طرف بھی نکل جاتے تھے اس طرف تہ وبالا کردیتے تھے۔

شادی اور اولاد:۔

آپنے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی ہیں اور اولاد بھی ہوئی اور بہت سی اولاد تو آپ کی زندگی ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوگئی مگر اس کے باوجود جس وقت حضرت زبیر کاانتقال ہوا اس وقت کم وبیش درجن سے اوپر اولاد تھیں۔

عادات واطوار:۔

حضرت زبیرؓ نے اخلاق وعادات صلاح وتقویٰ سے اپنے دامن کو بھر لیا تھا اور تقویٰ وطہارت، حق پسندی، بے نیازی، سخاوت وایثار آپ کا خاص وصف تھا، رقت قلب اور عبرت آموزی کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ میں دل کانپ اٹھتا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو مال ودولت سے خوب نوازا تھا مگر اس کے باوجود آپ کی زندگی نہایت سادی گذری، کھانے پینے میں قطعاً تکلف نہ تھا لباس عام طور سے معمولی اور ہلکے درجے کا زیب تن فرماتے تھے صرف جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال فرماتے تھے آلات حرب کے نہایت شوقین تھے اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے چنانچہ حضرت زبیر کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا۔

شہادت زبیرؓ:۔

جنگ جمل جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان تاریخی جنگ ہوئی جس میں بڑے بڑے صحابہ نے جام شہادت نوش کیا حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ سے جنگ کو قطعاً روانہ سمجھتے تھے اس لئے عبداللہؓ کے اصرار کے باوجود شریک جنگ نہ ہوئے ارادہ کیا کہ کہیں دوردراز سفر پر چلا جاؤں چنانچہ اسی ارادے سے اپنا مختصر سامان زندگی لیکر حجاز کے لئے رخت سفر باندھا راستہ میں ایک دشمن لگ گیا اور ان کے عہدو پیمان کے باوجود نماز کی حالت میں جرموز نامی شخص نے آپ کو ۳۶ھ میں غداری کرکے جام شہادت پلادیا وادی السباع میں سپرخاک کئے گئے۔ عمر مبارک کل ۶۴ سال کی ہوئی [۱]۔ رضی اللہ عنہ ورضواعنہ

(۱۲۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ مَنْ يَّاتِيْنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ اَنَا فَقَالَ مَنْ يَّأْ تِيْنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ قَالَ الزُّبَيْرُ اَنَا ثَلَاثًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَاِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قریظہ کے دن ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو قوم کے حالات سے باخبر کریگا۔ حضرت زبیرؓ نے کہا میں (یارسول اللہ ؐ) اس طرح تین دفعہ فرمایا اور تینوں بار حضرت زبیرؓ نے جواب دیا، تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کیلئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری وخیر خواہ حضرت زبیر ہیں۔

---

[۱] کشف الحاجہ ص ۲۲۶، نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۸۲، تفصیلی حالات ملاحظہ کیجئے کاتبین وحی ص ۵۵ تا ۶۲

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی تشریف وتوضیح خودواضح ہے البتہ امام نووی نے قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ لفظ حواری کے ضبط میں اختلاف ہے محققین علماء کی جماعت نے اس کو بفتح الیاء پڑھا ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ حواری یا کے کسر کے ساتھ ہے حواری ناصر ومددگار کو کہتے ہیں، اور کہا گیا خاص لوگوں کو کہا جاتا ہے اس حدیث میں صرف حضرت زبیر کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے [1]

رجال حدیث:۔

محمد بن منکر ابن عبداللہ بن الہدیر المدنی ثقہ راوی ہیں [2]

(۱۲۸) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ لَقَدْ جَمَعَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَوَيْهِ يَوْمَ اُحُدٍ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے غزوہ احد کے دن فرمایا میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث میں اللہ کے نبی جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے غزوہ احد کے دن فرمایا فداك أبی وامی میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں اس سے جہاں حضرت زبیرؓ کی افضلیت ثابت ہوئی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اظہار فدائیت بالابوین روا ہے جمہور امت اسی کے قائل ہیں مگر حضرت حسن بصری عدم جواز کا قول کرتے ہیں، [3]

(۱۲۹) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَهَدِيَّةُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَا ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَتْ لِيْ عَائِشَةُ يَا عُرْوَةُ كَانَ اَبُوْكَ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ اَبُوْ بَكْرٍ وَالزُّبَيْرُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مجھ سے ارشاد فرمایا

---

[1] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۸۱، انجاح الحاجہ ص ۱۲ [2] تقریب ص ۲۳۴ [3] قوت المغتذی بر ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۵ حاشیہ ۶ نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۸۰

کہ تمھارے والد ابو بکر وزبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار پہ لبیک کہا جبکہ وہ زخم خوردہ تھے۔

تشریح حدیث:۔

اس میں حضرت زبیر بن العوام کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے جو خود حدیث سے واضح ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت زبیر سابقین اسلام میں سے ہیں کیونکہ یہ آیت اسی وقت کی ہے۔

فَضْلُ طَلْحَةِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهِ عَنْهُ

نام و سلسلہ نسب:۔

آپ کا اسم گرامی طلحہ والد کا نام عبید اللہ، کنیت ابو محمد، لقب فیاض اور خیر، والدہ کا نام صعبیہ تھا آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہرہ بن مالک بن نضر بن کنانہ، آپ قریشی ہیں،

قبول اسلام:۔

آپ کی عمر ۱۷ یا ۱۸ برس کی ہو گی کہ تجارتی اغراض سے بصرہ تشریف لے گئے وہاں ایک تارک الدنیا راہب نے نبی آخرالزماں کی بشارت دی مگر مذہبی ماحول کے پختہ اثر کی وجہ سے کچھ شکوک و شبہات میں مبتلا تھے مکہ واپس آئے، تو حضرت ابو بکرؓ صدیق کی صحبت اور ان کی مخلصانہ پند و نصائح نے تمام شکوک و شبہات دور کر دیئے اور حضرت ابو بکر صدیق اسلام کی ترغیب دیتے رہتے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولت لازوال اور خلعت ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے حضرت طلحہ ان آٹھ آدمیوں میں سے تھے جو ابتداء اسلام ہی میں دامن رسالت سے وابستہ ہو گئے تھے آخر کار خود بھی اسلام کے روشن ستارے بن کر عالم میں چمکے، اور دوسروں کو بھی چمکایا عشرہ مبشرہ اور چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک آپ بھی ہیں۔[1]

حالات و کارنامے:۔

ہجرت النبی سے قبل مکہ میں آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت طلحہ کے مابین مواخاۃ و بھائی چارگی قائم کی، اور ہجرت کے بعد آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ساتھ مواخاۃ قائم کر دی، ہجرت مدینہ کے دوسرے سال ہی کفر و اسلام کے درمیان غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا، حق و باطل کے درمیان

---

[1] کاتبین وحی ص ۲۱۱ کشف الحاجہ ص ۲۲۷

جو سب سے پہلا معرکہ لڑا گیا وہ جنگ بدر ہے مگر آپ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے کیوں کہ پیغمبرؐ نے آپ کو کسی خاص مہم پر شام روانہ کر دیا تھا واپس آنے کے بعد نبیؐ نے آپ کو اموال غنیمت میں سے حصہ دیا، اس جنگ کے علاوہ تمام اسلامی جنگوں میں شریک رہے اور تمام سر فروشان اسلام کی طرح بے مثال کارنامے انجام دیئے، بیعت رضوان میں بھی شریک تھے جنگ احد میں تو زبردست اور قابل رشک کارنامے انجام دیئے اس جنگ میں نبی ﷺ کچھ دیر کے لئے اوجھل ہو گئے، منافقین و مشرکین نے موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور صحابہ کرام کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے آپ کی شہادت کی خبر اڑا دی تو آپ نے جس جانبازی اور جاں نثاری کا ثبوت دیا کہ صحابہ کرام بھی اعتراف کرتے تھے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں۔ کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص لڑ رہا ہے اور بڑی بے جگری دلیری اور بہادری کا ثبوت دے رہا ہے اور دشمنوں کو پیچھے دھکیلتا چلا جا رہا ہے خیال ہوا طلحہ ہیں دیکھا تو طلحہ ہی تھے اس جنگ میں حضرت طلحہ کے بازو پہ اسی سے زائد تیروں اور تلواروں کے زخم لگے تھے یہی منظر دیکھکر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔ **ذالك يوم كله لطلحة**۔ یہ دن تو تمام طلحہ کے لئے تھا۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا **اوجب طلحه** نے جنت پکی کر لی۔[1]

شادی اور اولاد:۔

آپنے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی ہیں جن کی تعداد چھ ہیں جن سے متعدد اولادیں ہوئیں آپ کے دس لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔

شہادت حضرت طلحہؓ:۔

حضرت طلحہؓ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے بالمقابل تھے حضرت علی نے ان کو تنہا بلا کر علیحدہ میں کچھ گفتگو کی حضرت طلحہ جنگ سے کنارہ کش ہو کر کہیں جا کر بیٹھ گئے تھے کہ اچانک ایک تیر مروان بن حکم کی طرف سے آکر پیر میں لگا جس سے خون جاری ہو گیا اور زبردست زخم ہو گیا حالت یہ ہوئی کہ زخم کا منہ بند کیا جاتا تو پاؤں میں ورم ہو جاتا اور چھوڑ دیا جاتا تو خون چلنے لگتا تھا حضرت طلحہؓ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ تیرے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہے چنانچہ اس زخم سے بعمر ۶۴ سال ۳۶ھ میں وفات پائی اور اسی جگہ کسی گوشے میں مدفون ہوئے۔[2] **رضي الله عنه ورضوا عنه**

---

[1] تبین وحی ص ۲۱۲، عہد زریں دوم کشف الحاجہ ص ۲۲۸ [2] کشف الحاجہ ص ۲۲۸ کا تبین وحی ص ۲۱۳ تفصیل دیکھئے اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۷ تا ۷۹، الاصابہ جلد ۲ ص ۲۲۹ تا ۲۳۰

(۱۳۰) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِاللّٰہِ الْاَوْدِیُّ قَالَا ثَنَا وَکِیْعٌ ثَنَا الصَّلْتُ الْاَزْدِیُّ ثَنَا اَبُوْ نَضْرَۃَ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ طَلْحَۃَ مَرَّ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ شَہِیْدٌ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت طلحہ کا گذر حضور اکرم ﷺ کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا یہ شہید ہے جو زمین پر چل رہا ہے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف میں حضرت طلحہؓ کی شہادت کی پیشین گوئی خود نبی کریم ﷺ نے دی ہے اس لئے حضرت طلحہ کی شہادت میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے ایک موقع پر آپ نے فرمایا اے پہاڑ حرکت مت کرو ساکن رہو اس پر ایک نبی۔ ایک صدیق اور ایک شہید ہے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہید کو چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہؓ کو دیکھ لے۔ [۱]

رجال حدیث:۔

الصلت بن دینار الازدی العنائی متروک الحدیث ہیں [۲]

(۱۳۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْہَرِ ثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ ثَنَا زُہَیْرُ بْنُ مُعٰوِیَۃَ حَدَّثَنِیْ اِسْحَاقُ بْنُ یَحْیٰی بْنِ طَلْحَۃَ عَنْ مُوْسٰی بْنِ طَلْحَۃَ عَنْ مُعٰوِیَۃَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ قَالَ نَظَرَ النَّبِیُّ ﷺ اِلٰی طَلْحَۃَ فَقَالَ ہٰذَا مِمَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت طلحہ کی طرف دیکھکر فرمایا یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی نذر مکمل ہو چکی ہے۔

تشریح حدیث:۔

یہ ایک تفصیلی واقعہ کی طرف اشارہ ہے قصہ یوں ہوا تھا کہ حضرت انسؓ بن نضر اور ان کے کچھ ساتھی غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس پر ان لوگوں کو کافی افسوس ہوا اور یہ نذر مانی کہ کسی نہ کسی جنگ میں شریک ہو کر پوری ثابت قدمی اور بہادری کے ساتھ لڑ کر جام شہادت نوش کریں گے چنانچہ کچھ لوگ شہید

[۱] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۷۵ بحوالہ کاتبین وحی ص ۲۱۲ [۲] تقریب ص ۱۱۴

ہو گئے تھے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا **فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم ینتظر وما بدلوا تبدیلا** حضرت طلحہ تا ہنوز شہید نہیں ہوئے تھے اسلئے حضور اکرم ﷺ بطور پیشین گوئی کے فرمارہے ہیں کہ طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نذر پوری ہو چکی ہے۔

رجال حدیث:۔

احمد بن الازہر بن منیع ابوالازہر العبدی النیسابوری صدوق راوی ہیں[1]

زہیر بن معاویہ بن خدیج ابو خیثمہ الجعفی الکوفی ثقہ راوی ہیں[2]

(۱۳۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هٰرُوْنَ اَنْبَأَ اِسْحَاقُ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَنْ طَلْحَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ مُعٰوِيَةَ فَقَالَ اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ طَلْحَةُ مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔

ترجمہ حدیث:۔

طلحہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ کی مجلس میں تھے کہ حضرت معاویہ نے فرمایا کہ گواہ رہو بلاشبہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نذر پوری ہو چکی ہے۔ حدیث کی تشریح گذر چکی ہے۔

رجال حدیث:۔

احمد بن سنان بن اسد بن حبان ثقہ اور حافظ ہیں[3]

یزید بن ہارون ابن زدان السلمی ثقہ راوی ہیں[4]

(۱۳۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ رَاَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ اُحُدٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت قیس سے مروی ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل ہو رہا تھا جس سے انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو احد کے دن بچایا تھا۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث میں حضرت طلحہ کی جوانمردی اور بہادری کا تذکرہ ہے حضرت طلحہ نے جنگ احد میں وہ کارنامہ انجام دیا جسے دیکھکر صحابہ کرامؓ رشک کرتے تھے حضرت طلحہ کا ہاتھ اس دن ڈھال بنا ہوا تھا بعض روایتوں میں تو یہاں تک آتا ہے کہ حضرت طلحہ کا پورا بدن چھلنی ہو گیا تھا کہا جاتا تھا کہ اسی یا ستاسی سے زیادہ

---

[1] تقریب ص ۳ [2] تقریب ص ۸۲ [3] تقریب ص ۶ [4] تقریب ص ۲۸۲

تیروں اور تلواروں کے زخم بازوں پر لگے تھے ایک بازو تو بالکل ہی شل ہو گیا تھا بعض محدثین نے کہا ہے ان کی شرمگاہ میں بھی زخم ہو گیا تھا اسی واقعہ کی طرف حدیث میں اشارہ ہے۔

فَضلُ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

نام و نسب:۔ ۲

آپ کا اسم گرامی سعد، کنیت ابو اسحاق، والد بزرگوار کا نام مالک کنیت ابو وقاص، والدہ کا نام حمنہ تھا آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے، سعد بن ابی وقاص مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہر بن کلاب بن مرہ، چوں کہ حضور اکرم ﷺ زہری خاندان میں تھے اس لئے حضرت سعد بن وقاص رشتہ میں آپ کے ماموں تھے حضور اکرم ﷺ بار بار اس رشتہ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے [1]

قبول اسلام:۔

آپ نے ابھی عمر مبارک کی انیسویں منزل طے کی تھی کہ آپکے دل کی دنیا بدلنے لگی، اور تقدیر الٰہی کے مطابق حضرت سعد کا ایک کامل انسان، باکمال اور ذی ہوش لشکرِ اسلام بننے کا وقت موعود آپہنچا اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی صدائے توحید حضرت سعد کے قلب پر اثرانداز ہونے لگی چنانچہ فیصلہ خداوندی کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور اپنے کفر آلود قلب کو ایمان وایقان کے آب زلال سے پاک وصاف کیا، اور دامن نبوی سے ہمیشہ کے لئے مربوط ہو گئے والدہ محترمہ نے جب حضرت سعد کے ایمان کے متعلق سنا، تو مارے غم کے کھانا پینا چھوڑ دیا، مسلسل تین روز تک آب ودانہ سے قطعاً دور رہیں لیکن جو دل ایمانی حلاوت اور توحید خداوندی سے آشنا ہو چکا تھا وہ کفر وشرک کی طرف دوبارہ کیوں کو عود کر سکتا تھا حضرت سعد نے ماں کی اس حالت زار کا مشاہدہ کیا مگر جبین استقلال پر ذرہ برابر شکن بھی نہ پڑی، قبول اسلام کے بعد ہجرت نبوی تک مکۃ المکرمہ ہی میں اقامت پذیر رہے اور عام مسلمانوں کی طرح حضرت سعد کے لئے مکہ کی زمین باوجود وسعت اور فراخی دامن کے تنگ ہو گئی، ان پر بھی مصائب وآلام، اور شدائد وتکالیف کے پہاڑ ٹوٹے، مگر عزم واستقلال میں ذرہ برابر بھی تزلزل نہیں آیا بلکہ اس سے مزید ایمان مضبوط، سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے راہ خداوندی میں سب سے پہلے تیر چلانے والے آپ ہی ہیں۔

---

[1] مستفاد بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۲۷ کا حاشیہ ۱۳ تقریب التہذیب ص ۹۰

حالات پر اچٹتی نظر:۔

حضرت سعد ایمان لانے کے بعد اسلامی تمام ہی غزوات میں شریک رہے اور نہایت بہادری، جواں مردی اور شجاعت کے ساتھ کفاروں سے مقابلہ کیا آپ کی شجاعت وبہادری اور دلیری وہوشیاری صحابہ کرام میں مسلم تھی حضرت عمر جیسے انسان بھی اسکا اعتراف کرتے تھے، آپ تدبر وتفکر، حلم وبردباری اور حکمرانی صلاحیت میں معروف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ایک عرصہ تک کوفہ کے والی بھی رہے ہیں۔

نکاح اور اولاد:۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مختلف وقتوں میں متعدد شادیاں کی ہیں جن کی تعداد علماء کرام اور محدثین کرام نے نو بیان کی ہے اور تقریباً چونتیس اولادیں تھیں جن میں سے سترہ نرینہ اولاد اور باقی لڑکیاں تھیں:۔

سانحۂ وفات:۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو درویشی کی زندگی پسند تھی بوریا نشینی ہی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور اسی میں بھلائی جانتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعد نے اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے دور دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں ایک محل تعمیر کروایا تھا اور وہیں زندگی کے بقیہ ایام بسر کرنے لگے تھے یہاں تک ۵۵ھ میں اسی جگہ وفات ہوئی[1] رضی اللہ عنہ ورضوا عنه

(۱۳٤) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَمَعَ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ غَيْرَ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَإِنَّهُ قَالَ لَهُ يَوْمَ أُحُدٍ إِرْمِ سَعْدُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت سعد بن مالک کے علاوہ کسی اور کے لئے اپنے والد کو فدا کرتے نہیں دیکھا، چنانچہ غزوہ احد کے روز آپ نے حضرت سعد سے فرمایا سعد۔ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں تیر چلاتے رہو۔

تشریح حدیث:۔ ما رأیت رسول اللہ ﷺ

ماقبل میں فضائل زبیر بن العوام کے تحت گذر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح حضرت زبیر کی

[1] مستفاد کشف الحاجہ ص ۱۳، ۲۳، تقریب التہذیب ص ۹۰

شان اقدس میں بھی فرمایا، اور حضرت علی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے پیغمبر نے حضرت سعد کے لئے فرمایا تو دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیوں حضرت علیؓ اپنے علم کے مطابق بیان فرمارہے ہیں، اور وہاں حضرت زبیر اپنے علم کے مطابق خود اپنے متعلق بیان کررہے ہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت زبیر کو معلوم نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعد کے متعلق بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے ہیں الغرض آپ دونوں ہی کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں مگر ہر راوی حدیث اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کررہا ہے۔ **فلا تعارض بينهما**

قال يوم أحد ارم سعد.

آپؐ نے حضرت سعد سے یہ کلمہ بطور ہمت افزائی اور تشجیع کے فرمایا ہے۔[1]

(۱۳۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَنْبَأَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ

(۱۳۶) ح وَحَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ لَقَدْ جَمَعَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ أَبَوَيْهِ فَقَالَ ارْمِ سَعْدُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي.

ترجمہ حدیث:۔

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو کہتے ہوئے سنا کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے اپنے والدین کو جمع فرمایا اور فرمایا کہ سعد میرے والدین تجھ پر قربان ہوا، تیر چلاتے رہو۔ تشریح حدیث ابھی گذر چکی ہے۔

رجال حدیث:۔

لیث بن سعد بن عبد الرحمن الفہمی ابو الحارث المصری معروف و مشہور فقیہ اور ثقہ راوی ہیں۔[2]

حاتم ابن اسماعیل المدنی ابو اسماعیل الحارثی (المتوفی ۱۸۶ھ یا ۱۸۷ھ) صدوق ہیں۔[3]

اسماعیل بن عیاش بن سلیم العنسی ابو عتبہ الحمصی صدوق راوی ہیں۔[4]

(۱۳۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَخَالِي يَعْلَى وَوَكِيعٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

---

[1] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۸۰ [2] تقریب ص ۲۱۳ [3] تقریب ص ۳۵ [4] تقریب ص ۲۵

ترجمہ حدیث:۔

حضرت قیسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلائی۔

تشریح حدیث:۔انی اول العرب الخ

۲ھ میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الحارث کی زیر نگرانی میں ساٹھ سواروں کا چھوٹا سا لشکر ابو سفیان بن حرب اور مشرکین سے قتل و قتال کے لئے روانہ فرمایا، یہ حضرات روانہ تو ہوگئے مگر جنگ کی نوبت نہ آئی البتہ حضرت سعد ابن وقاص نے مشرکین کی طرف تیر چلادیے چوں کہ مشرکین سے قتل و قتال کا پہلا موقع تھا اس لئے حضرت سعد فرمارہے ہیں کہ میں ہی پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا [1]

(۱۳۸) حَدَّثَنَا مَسْرُوْقُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ ثَنَا يَحْيٰى بْنُ اَبِىْ زَائِدَةَ عَنْ هَاشِمِ بْنِ هَاشِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ يَقُوْلُ قَالَ سَعْدُ بْنُ اَبِىْ وَقَّاصٍ مَا اَسْلَمَ اَحَدٌ فِى الْيَوْمِ الَّذِىْ اَسْلَمْتُ فِيْهِ وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَاِنِّىْ لَثُلُثُ الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ حدیث:۔

سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ جس دن میں نے اسلام قبول کیا اس دن کسی اور نے اسلام قبول نہیں کیا، اور میں سات روز تک ٹھہرا رہا اور میں ثلث اسلام ہوں۔

تشریح حدیث:۔ مااسلم احدفی الیوم الذی اسلمت۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کی ان الفاظ سے تخریج کی ہے مااسلم احد الافی الیوم الذی اسلمت فیہ [2] کوئی شخص اسلام نہیں لایا مگر اس دن جس دن کہ میں نے اسلام قبول کیا، اس حدیث کے الفاظ سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن مالکؓ سے قبل کوئی شخص بھی داخل اسلام نہیں ہوا تھا حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے چوں کہ حضرت سعد بن مالک سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی اور دوسرے حضرات داخل اسلام ہو چکے تھے پھر یہ روایت کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے، محشی بخاری نے اس کے دو جواب نقل کئے ہیں (۱) حضرت سعد اپنے علم کے مطابق بیان فرمارہے ہیں کیوں کہ عین ممکن ہے کہ انہیں دیگر حضرات کے قبول اسلام کے متعلق علم نہ رہا ہو (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا حصر کرنا امر اضافی کے قبیل سے ہے محشی بخاری نے اسی جواب کو ھو الظاھر الموافق کہا ہے [3]

---

[1] مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۳۶۵، کشف الحاجہ ص ۲۳۲ [2] بخاری جلد ۱ ص ۵۲۸ [3] بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۲۸ کا حاشیہ ۱

وانی لثلث الاسلام

اس جملہ کی شرح میں علماء محدثین کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سعد جس دن اسلام لائے اس دن وہ تیسرے اسلام لانے والوں میں سے تھے اسی لئے حضرت سعد بن وقاص انی لثلث الاسلام فرمارہے ہیں مگر اس صورت میں ایک اور اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بخاری شریف اور اسماعیلی کی روایت کے مطابق حضرت سعد کے ایمان لانے سے قبل کوئی اسلام ہی نہیں لایا تھا پھر اس حدیث پاک میں خود اپنے ہی متعلق کھلا اعتراف ہے کہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں تیسرا شخص تھا یہ صراحتہ تضاد ہے جواب یہ ہے کہ تضاد نہیں ہے بلکہ حضرت سعد اپنے علم واطلاع کے مطابق بیان فرمارہے ہیں، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضرت سعد برملا اسلام قبول کرنے والوں میں سے تیسرے انسان ہیں ورنہ عام طور پر لوگ خفیہ طور سے اسلام قبول کرتے تھے بعض حضرات نے یہ بھی جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ آزاد مسلمانوں میں سے تیسرے نمبر پر تھے [1]

فَضَائِلُ الْعَشَرَةِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ

(۱۳۹) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ ثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَبُو الْمُثَنّٰی النَّخَعِیُّ عَنْ جَدِّهٖ رِیَاحِ بْنِ الْحٰرِثِ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ زَیْدِبْنِ عَمْرِوبْنِ نُفَیْلٍ یَقُوْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَاشِرَ عَشَرَةٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِی الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَعَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ وَسَعْدٌ فِی الْجَنَّةِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ فِی الْجَنَّةِفَقِیْلَ لَهٗ مَنِ التَّاسِعُ قَالَ اَنَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ دس میں سے دسویں تھے چنانچہ فرمایا ابو بکر عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، اور عبدالرحمٰن، جنتی ہیں پھر ان سے معلوم کیا گیا ہے کہ نواں کون ہے فرمایا نواں میں ہوں۔

تشریح حدیث:۔

عشرہ مبشرہ، ان دس مقدس، عظیم الرتبت، جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

---

[1] بخاری جلد اص ۵۲۸ کا حاشیہ ۲

جماعت کو کہتے ہیں جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ خصوصی طور پر جنت کی خوش خبری سنائی ہے، اور ان کو اس دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت دیدی گئی ہے ان میں، حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف، عبیدۃ بن الجراح، اور سعید بن زید ہیں، احادیث شریفہ میں ان حضرات کے لئے جو فضائل ومناقب منقول ہیں وہ کسی اور دوسرے صحابی کے لئے نہیں، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان صحابہ کے علاوہ کوئی اور مبشر بالجنۃ ہے ہی نہیں بلکہ واضح ہونا چاہیئے کہ ان صحابہ کے علاوہ اہل بیت، اولاد اور ازواج مطہرات کے لئے بھی جنت کی بشارت اور خوش خبری دی گئی ہے،

صرف ان دس صحابہ کے ذکر کے لئے علیحدہ سے باب اس لئے باندھا ہے کہ زبان نبوت سے ان کے لئے جنت کی بشارت ایک وقت میں ہوئی ہے یا اس لئے الگ باب باندھا ہے تاکہ الگ الگ حدیثوں میں جو مختلف حیثیتوں سے ان حضرات کا ذکر آیا ہے وہ یکجا ہو جائے۔ نیز اس سے اشارہ ملتا ہے کہ صحابہ کے درمیان فرق مراتب بھی اسی ترتیب سے ہے[1]

رجال حدیث:۔

صدقۃ بن المثنی بن ریاح النخعی ثقہ راوی ہیں[2]

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل العدوی ابوالاعور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں[3]

(۱۴۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ ثَنَاابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ حُصَیْنٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ یَسَافٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ظَالِمٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ اَشْهَدُ عَلَیٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ اُثْبُتْ حِرَاءُ فَمَا عَلَیْكَ اِلاَّ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَهِیْدٌ وَعَدَّهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، وَعَلِیٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَیْرُ وَسَعْدٌ بْنُ عَوْفٍ وَسَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سعید بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ حراء (ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے) ٹھہر جا۔ اس لئے کہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور آپ نے ان لوگوں میں ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، ابن عوف، اور سعید بن زید کو شمار کرلیا ہے۔

تشریح حدیث:۔ اثبت حراء فما علیك الانبی اوصدیق وشهید.

حراء ایک مشہور ومعروف پہاڑ کا نام ہے یہ وہی پہاڑ ہے جہاں اللہ کے رسول ﷺ بعثت سے قبل

---

[1] مرقات جلد ۱۱ ص ۳۵۳، مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۳۶۰ [2] تقریب ص ۱۱۴ [3] تقریب ص ۹۱

عبادت کرتے تھے یہ پہاڑ مکۃ المکرمہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر تین میل کے فاصلے پر ہے ایک مرتبہ آپ مع چند صحابہ کرامؓ کے اس پہاڑ پر تھے پہاڑ فرط مسرت میں جھومنے لگا اور حرکت کرنے لگا تب حضور اکرم ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔

وعلهم رسول الله ﷺ

حضور اکرم ﷺ نے ان حضرات کو شہید قرار دیا ہے حالانکہ حضرت سعدؓ شہید نہیں ہوئے ہیں بلکہ یہ اپنے مکان ہی پر بستر مرگ پر انتقال کیے ہیں، پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ مذکورہ تمام حضرات شہید ہوئے؟ علماء کرام نے اس اشکال کے متعدد جوابات دیے ہیں۔(۱) قاضی عیاض المالکی نے اس اشکال کا حل یہ کیا ہے کہ ان کو جنتی ہونے کی بشارت ہے اور حضور اکرم ﷺ نے ان حضرات کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے مشہود لہا بالجنۃ کے اعتبار سے شہید کہا گیا ہے، ملا علی قاری نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ کا فرمان تغلیب پر محمول ہے من کل وجہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے، اور ان میں سے اکثر کو شہادت نصیب ہوئی ہے اس لئے حدیث اپنی جگہ بالکل درست ہے یا شہید کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مرض میں مرے گا جس میں شہادت کا درجہ ملتا ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے شہادت اخروی مراد ہے بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے لفظ نبی میں تشخص ذاتی مراد ہے لیکن صدیق اور شہید کے الفاظ سے جنس مراد ہے جو دونوں کو شامل ہے۔[۱] **فلا اشکال فیه فتدبر۔**

فَضْلُ اَبِیْ عُبَیْدَةِ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِیَ اللّٰہُ عنهٗ

نام و سلسلہ نسب:۔

آپ کا اسم گرامی عامر، کنیت ابو عبیدۃ، لقب امین الامہ، والد کا نام عبداللہ، دادا کا نام الجراح ہے دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلہ نسب اس طرح ہے عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اہیب یا وہیب بن ضبہ بن الحارث بن فہر القرشی الفہری، حضرت ابو عبیدۃ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت پر جا کر پیغمبرؐ سے مل جاتا ہے۔

قبول اسلام:۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ان پاک باز ہستیوں میں سے ایک ہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعوت و تبلیغ اور پند و نصیحت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور جس وقت حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح نے اسلام قبول کیا اس وقت حضور اکرم ﷺ زید بن ارقم کے گھر میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے اسلام لانے کے بعد قریش

[۱] مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۳۶۷، مستفاد حضرت مولانا ریاست علی صاحب کی درسی تقریر، نووی جلد ۲ ص ۲۸۲ انجاح الحاجہ ص ۱۳

مکہ کی جانب سے ظلم وستم کے شکار ہوئے یہاں تک کہ آپ نے بدرجہ مجبوری کافروں کے ظلم وستم سے تنگ آکر دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر آخر میں تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرما ہوئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کے ساتھ بھائی چارہ کرادیا۔

حالات:۔

آپ فطری طور پر نہایت جواں مرد، اور شجاع تھے اسلام لانے کے بعد بدر اوراس کے بعد تمام غزوات احد، خندق اور بنی قریظہ وغیرہ میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور جنگ احد میں آپ نے ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا میدان جنگ میں جب حضور اکرم ﷺ کچھ لمحے کے لئے صحابہ کرامؓ کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، یہ لمحہ جانباز صحابہ کرامؓ کے لئے انتہائی کٹھن تھا سبھی نگاہیں آپ کو تلاش کر رہی تھیں ان ہی تلاش کرنے والوں میں حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح بھی تھے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک اور شخص کو دیکھا جو نہایت جاں نثاری اور بہادری کے ساتھ دشمنوں سے مقابلہ کر رہا ہے اور تلواروں سے دشمنوں کی گردنیں مولی گاجر کی طرح کاٹ رہا تھا اور حضور اکرم ﷺ کی طرف کھسک رہا تھا میں نے دیکھا کہ ابو عبیدۃ بن الجراح تھے، حضور اکرم ﷺ کے رخسار مبارک سے مغفر کی کڑیاں نکالنے میں حضرت ابو عبیدۃ کی دو دانت شہید ہوگئے، مگر چہرہ کی رونق ایسی دوبالا ہوگئی کہ کوئی بھی دندان شکستہ ایسا حسین نہیں معلوم ہوتا تھا۔

آپ نہایت حلیم زیرک صحابہ میں ذی علم اور ہوشیار تھے حضرت ابو بکر صدیق نے جب ۱۳ھ میں ملک شام پر لشکر کشی کی تو حضرت ابو عبیدہ کو سپہ سالار بنایا اور لوگوں کو ہدایت کی۔ کہ ابو عبیدہ تمہارے سپہ سالار عام ہوں گے آپ کے اخلاق واطوار، خدا ترسی، اتباع سنت، تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت اور تواضع وانکساری کے ابواب نہایت روشن ہیں۔

نکاح اور اولاد:۔

حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح کی اولاد صرف دو بیویوں سے ہوئی ہند بنت جابر سے یزید اور ورجاء سے عمیر پیدا ہوئے مگر دونوں ہی انتقال کر گئے۔

سانحۂ ارتحال:۔

۱۷ھ میں جب حضرت خالد سیف اللہ والی سے معزول ہوگئے تو آپ ہی دمشق کے والی مقرر ہوئے۔ ۱۸ھ میں طاعون عمواس کے زمانے میں حضرت فاروق اعظم کے حکم پر مقام جابیہ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوگئے وہاں جانے کے بعد آپ اس طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور مرض کی شدت ہوئی تو حضرت

معاذ بن جبلؓ کو اپنا والی مقرر فرمایا اور لوگوں کے سامنے سوز گداز کے ساتھ ایک تقریر کی اور نماز کا وقت آیا تو اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اسی طاعون عمواس میں ۱۸ھ بعمر اٹھاون سال آپ کی وفات ہوئی اور اس قلیل مدت میں حیرت انگیز اور تعجب خیز کارنامے انجام دیئے۔ رضي الله عنه ورضوا عنه [1]

(۱۴۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ

(۱۴۲) ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ جَمِيعاً عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِأَهْلِ نَجْرَانَ سَأَبْعَثُ مَعَكُمْ رَجُلاً أَمِيناً حَقَّ أَمِينٍ قَالَ فَتَشَرَّفَ لَهُ النَّاسُ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا کہ عنقریب میں تمہارے ساتھ ایسے شخص کو روانہ کروں گا جو امین اور کامل ترین امین ہوگا حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ (یہ سنکر) لوگ انتظار کرنے لگے تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو روانہ کیا۔

تشریح حدیث:۔ رجلا امیناً

شارح مسلم امام نووی لکھتے ہیں کہ صفت امانت تو تمام صحابہ کرامؓ میں بدرجہ اتم موجود تھی مگر حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح کے اندر امانت کی صفت غالب تھی اس لئے پیغمبرؐ نے ان کو امین هذه الامة کا لقب دیا ہے، [2]

اس حدیث شریف کے اندر حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح کی فضیلت مذکور ہے کیوں کہ تمام صحابہ کرامؓ میں ان کو ہی منتخب کر کے اہل نجران کی جانب روانہ کرنا اور حق امین کہنا یہ سب سے بڑی ان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے حضور اکرم ﷺ کے دل میں حضرت ابو عبیدۃ کا ایک انفرادی مقام حاصل تھا اور بعض اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ میں دوسروں پر فائق تھے۔

(۱۴۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ ثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ هَذَا أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح

---

[1] مستفاد کاتبین وحی ص ۲۰۰، [2] کشف الحاجہ ص ۲۳۶ [3] نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۲۸۲

کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس امت کے امین ہیں، حدیث شریف کی تشریح واضح ہے۔

رجال حدیث:۔

صلہ بن زفر کنیت ابو بکر ابو العلاء، الکوفی بہت بڑے تابعی ہیں اور نہایت ثقہ راوی ہیں [1]

فَضْلُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهِ عَنْهُ

نام و شجرۂ نسب:۔

آپ کا اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو عبداللہ، والد محترم کا اسم گرامی مسعود، والدہ محترمہ کا نام ام عبد تھا آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے، ابو عبدالرحمن عبداللہ بن مسعود بن الحارث بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث ابن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر الہذلی المکی،

حلقہ بگوش اسلام:۔

آپ زمانہ جاہلیت اور حداثۃ السن میں بھیڑ بکریوں کے چرانے کا کام کرتے تھے اور دور جاہلیت میں عقبہ ابن ابی معیط جو مکہ کا مشہور مشرک تھا ان کی بکریاں چراتے تھے ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے مونس و غم خوار، رفیق غار حضرت ابو بکر صدیقؓ مکہ مکرمہ سے باہر جنگل تشریف لے گئے، پھرتے پھراتے آپؐ کو شدت کی پیاس محسوس ہوئی مگر تا حد نظر پانی کیا پانی کے آثار بھی نہ تھے قریب ہی ایک معصوم چہرہ نو عمر بچہ بکریاں چرا رہا تھا حضرت ابو بکر نے معلوم کیا کہ صاحبزادے تم کسی بکری کا دودھ نکالکر پیاس نہیں بجھا سکتے؟ چھوٹے سے قد گندمی رنگ کے اس نحیف و خفیف جسم والے چرواہے نے جواب دیا کہ بھائی یہ بکری میری نہیں ہے اس کا مالک عقبہ بن ابی معیط ہے اس کی اجازت کے بغیر دینے کی صورت میں امانت میں خیانت ہو جائے گی، آپ نے فرمایا کوئی ایسی بکری لے آؤ جس نے بچہ نہ دیا ہو اور دودھ نہ دیتی ہو، چرواہے نے ریوڑ میں سے ایک بکری پیش کی آپ نے دعاء فرمائی اور دودھ نکالنا شروع کیا، پھر اتنا دودھ نکلا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضور اکرم ﷺ اور چرواہے نے خوب آسودہ ہو کر پیا، پھر حضور اکرم ﷺ کی دعاء سے تھن خشک ہو کر اپنی حالت پر لوٹ آیا۔

چرواہا عبداللہ بن مسعود اس منظر کو دیکھکر حیران و ششدر رہ گئے، اور ان کا دل حضور اکرم ﷺ کی محبت و مودت اور عقیدت سے لبریز ہو گیا، اور ایک دن بعد کے دربار رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام

---

[1] تقریب ص ۱۱۵

ہوئے اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے سر پر دست شفقت ورحمت رکھکر فرمایا انك غلام معلم تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔

حالات:۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود نے خود کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، وضو، مسواک، اور مصلی وغیرہ کی خدمت خاص طور پر اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور ساتھ ہی ساتھ قرآن کریم کی تعلیم بھی نہایت ذوق وشوق کے ساتھ حاصل کرتے تھے چنانچہ آپ نے بغیر کسی واسطہ کے ستر سورتوں کی تعلیم نبی کریم ﷺ حاصل کی تھی، جن میں ان کا کوئی سہیم وشریک نہیں ہے۔[۱]

۲ھ میں جب غزوات کا آغاز ہوا اور اسلام وکفر کے درمیان جنگ شروع ہوئی تو آپ تمام غزوات میں شریک رہے غزوہ بدر میں ابو جہل کے سینے پر سوار ہو کر اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے او، خدا کے دشمن، تو ہی ابو جہل ہے خدا نے تجھے خوب ذلیل رسواء کیا، اور سر قلم کر کے نبی کے قدموں میں لا کے ڈال دیا، حضور اکرم ﷺ نے اس ملعون کو دیکھکر فرمایا الحمدلله الذی اخزاك یا عدو الله پھر فرمایا مات فرعون هذه الامة. اس امت کا فرعون مر گیا۔

۸ھ میں غزوہ حنین میں آپ نے دیگر تمام صحابہ کرام کے ساتھ حضور کے گرد جانثاری کے جوہر دکھائے تھے جب ۱۱ھ میں جناب رسول اللہ ﷺ اس دار فانی سے روپوش ہوگئے تو آپ پر مصائب و آلام کا کوہ ہمالیہ ٹوٹ پڑا اور گوشہ نشیں اختیار کر لئے، ۱۵ھ میں حضرت فاروق اعظم کی ترغیب پر جنگ یرموک میں اسلامی لشکر کی حیثیت سے شامل ہوئے، واپسی کے بعد ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، بیت المال اور تعلیم کے شعبے بھی آپ کے سپرد کئے گئے، اور والی کوفہ کے وزارت کے فرائض بھی آپ ہی سے متعلق تھے۔

حادثہ فاجعہ:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے مستقل دس سال تک والی کوفہ رہ کر اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی اور حسین طریقے سے انجام دیا، اور جب موت کا وقت آگیا، تو حضرت زید اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زید کو بلا کر اپنے مال واسباب، اولاد اور تجہیز وتکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں ۳۲ھ میں بعمر تریسٹھ سال یہ علم عمل کا آفتاب وماہتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا انا لله وانا الیه راجعون رضی الله عنه ورضوعنه[۲]

---

[۱] بخاری شریف جلد ا ص ۵۳۱۔ ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۲۲ [۲] عبداللہ بن مسعود کی تفصیل حالات دیکھئے الاصابہ جلد ۲ ص ۳۶۹ اسد الغابہ جلد ۶ ص ۲۴۱ تا ۲۶۲ ، تمیں پروانے شمع رسالت کے ص ۱۳۳ تا ۱۵۲ بحوالہ کاتبین وحی۔

(۱۴۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُسْتَخْلِفاً أَحَداً عَنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَاسْتَخْلَفْتُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں بغیر مشورے کے کسی کو خلیفہ بناتا تو بالیقین میں ابن ام عبد (یعنی عبداللہ بن مسعود) کو خلیفہ بناتا۔

تشریح حدیث:۔لو کنت مستخلفاً احداً الخ

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں بغیر کسی کے مشورے کے خلیفہ کسی کو بناتا تو عبداللہ بن مسعود کو بناتا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث باب اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے کہ خلیفہ قریش میں سے ہوگا (الا ئمۃ من قریش) اور عبداللہ بن مسعود قریش سے نہیں ہیں پھر ان کو خلیفہ کیوں بناتے؟ محدثین نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں (۱) امام تورپشتی فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں خلافت سے مراد خلافت عالیہ کبریٰ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کسی لشکر پر امیر بنانا یا کسی خاص جزئی کام کا امام و پیشوا ونائب بنانا ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعود تمام اوصاف وکمالات کے جامع ہونے کے باوجود قریشی نہیں ہیں حالاں کہ خلافت عالیہ کے لئے قریشی ہونا شرط ہے اسلئے یہ تاویل ضروری ہے (۲) حدیث پاک میں عبداللہ بن مسعود کی شخصیت اور آپ کے علم وتفقہ نیز خداداد صلاحیتوں پر اعتماد ظاہر کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کی عظمت کو بتلانے کے لئے آپ نے فرمایا لوکنت متخذا خليلا لاتخذت ابا بكر ۔اور حضرت عمر فاروق کی شان اوران کی رفعت کو بتلانے کے لئے آپؐ نے فرمایا لوکان بعدي نبی لکان عمر۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ بیان فرمایا۔(۳) ممکن ہے کہ حدیث باب الائمة من قریش سے پہلے کی ہو[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی اہم کام کو بغیر مشورہ کے نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس میں غور وفکر اور مشورہ کرنا چاہیے۔

(۱۴۵) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ ثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ ثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ بَشَّرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر وعمر دونوں نے خوشخبری سنائی کہ اللہ کے رسول

[1] تفصیل دیکھئے انجاح الحاجہ ص ۱۳، مصباح الزجاجہ ص ۱۳۳

ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پسند کرتا ہے کہ قرآن کریم تروتازہ جس طرح نازل ہوا اسی طرح پڑھے تو چاہئے کہ وہ عبداللہ بن مسعود کے طرز پر پڑھے۔

تشریح حدیث:۔غضا

تروتازہ اس سے مراد وہ کیفیت اور انداز قراءت ہے جس کیفیت اور جس طرز سے عبداللہ بن مسعود نے حضور سے قرآن کریم پڑھتے سنا یعنی جس نہج پر قرآن کریم نازل ہوا اسی طرح اگر کوئی پڑھنا چاہئے تو عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح پڑھے۔ اس میں عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

(۱٤٦) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ اِدْرِيْسَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذْنُكَ عَلَيَّ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَاَنْ تَسْتَمِعَ سَوَادِيْ حَتّٰى اَنْهَاكَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تیری اجازت یہ ہے کہ پردہ اٹھادیا کرو اور یہ کہ تم راز کی بات سنو یہاں تک کہ تجھ کو منع کردوں۔

تشریح حدیث:۔اذنك على ان ترفع الحجاب

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان مقدس اور جاں نثار صحابہ کرامؓ میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت کیلئے وقف کردیا تھا اور سفر و حضر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اس کثرت سے حضور اکرم ﷺ کے گھر میں آتے جاتے تھے کہ صحابہ کرامؓ سمجھتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ ہی کے گھر کے ایک فرد ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے مدینہ منورہ آئے تو ہم نے ابن مسعود کو پیغمبر کے پاس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم مدتوں سے یہی خیال کرتے رہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے گھر کے فرد ہیں [1]

حضرت ابن مسعود حضور اکرم ﷺ کے خادم خاص تھے چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم کی مسواک، وضو اور مصلی کی خدمت خود اپنے ذمے لے رکھی تھی اور آپکی باگ ڈور تھامتے تھے اس لئے حضرت ابن مسعود صاحب النعل، صاحب الوسادۃ صاحب المطہرہ کے القاب سے مشہور ہوگئے تھے [2] آپ کو گھر کے اندر آنے جانے کی نبی کی طرف سے عام اجازت تھی کسی طرح کی کوئی ممانعت قطعاً نہ تھی۔ حتی کہ رازداری کی بات سننے کی اجازت تھی جب تک کہ حضور اکرم ﷺ منع نہ کردیں۔

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲ ص ۲۲۲ [2] بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۳۱

فَضْلُ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

نام ونسب:۔

آپکا اسم گرامی عباس، کنیت ابوالفضل، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ محترمہ کا نام قبیلہ تھا جو قبیلہ بنی نمر بن قاسط سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت عباس حضور اکرم ﷺ کے عم محترم تھے لیکن عمر کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہ تھا واقعہ فیل سے ایک سال پہلے ولادت ہوئی۔

قبول اسلام:۔

نبی کریم ﷺ کو جب خلعت نبوت سے نوازا گیا، اور آپ نے مکہ کی گلیوں میں علی الاعلان توحید کی دل نواز صدا بلند فرمائی تو حضرت عباس گو کہ فوری طور پر دامن اسلام سے وابستہ نہیں ہوئے مگر دل سے اس تحریک کے حامی اور اس میں شمول کے خواہاں تھے غزوہ بدر میں عباس بن المطلب کی شرکت مشرکین کی طرف سے ہوئی مگر حضور اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو ہدایت دے رکھی تھی کہ اگر دوران جنگ عباس آجائیں تو ان پر وار نہ کرنا ایک عرصہ تک عباسؓ دائرہ اسلام میں داخل نہ رہے مگر خفیہ طور سے اسلام کی ہی فکر میں رہتے تھے آپ مشرکین کی خفیہ خبریں حضور اکرم ﷺ تک پہنچایا کرتے تھے بالآخر حضرت عباس مشرف باسلام ہوئے اور فتح مکہ سے کچھ پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مع اہل وعیال کے مدینہ ہی میں سکونت پذیر ہوگئے۔

حالات:۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جب اسلام قبول کیا تو نبی کریم ﷺ کو قلبی سکون اور اسلام کو مزید عزت اور تقویت ملی، فتح مکہ کی فوج کشی میں آپ بھی شریک کار تھے، جنگ حنین میں حضور اکرم ﷺ کے ہمرکاب تھے آپنے مختلف غزوات، سرایا میں شرکت فرمائی، اور نہایت حوصلہ مندی، جوانمردی، اور شجاعت وبہادری کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا، محاصرہ، طائف، غزوہ تبوک اور حجۃ الالوداع کے حسین موقع پر بھی آپ شریک تھے، آپ نہایت مالدار اور متمول تھے تجارت آپ کیلئے ذریعہ معاش تھی دور جاہلیت میں سودی معاملات کیا کرتے تھے مگر حضرت عباس جب اسلام قبول کر لیا اور ربا حرمت کی آگئی تو تمام سودی معاملات ترک کر دیئے،

شادی اور اولاد:۔

حضرت ابن عباس نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت کے ساتھ اولاد ہوئیں۔

حادثہ فاجعہ:۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب اٹھاسی سال کی عمر پاکر ۳۲ھ میں ۱۲ رجب المرجب یا رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں بروز جمعہ کو اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف ہمیشہ کے لئے رحلت کر گئے حضرت عثمان غنی خلیفہ سوم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے فرزند ارجمند عبداللہ نے قبر میں سپرد خاک کیا، آپ جنت البقیع میں آرام فرما ہیں وفات کے وقت ستر غلاموں کو آزاد کیا تھا رضی اللہ عنہ ورضواعنہ

(۱٤۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيْفٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ ثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِيْ سَبْرَةَ النَّخْعِيِّ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ قَالَ كُنَّا نَلْقَى النَّفَرَ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُمْ يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَقْطَعُوْنَ حَدِيْثَهُمْ فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَحَدَّثُوْنَ فَإِذَا رَأَوُا الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ قَطَعُوْا حَدِيْثَهُمْ وَاللّٰهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّهُمْ لِلّٰهِ وَلِقَرَابَتِهِمْ مِنِّيْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب روایت کرتے ہیں کہ ہم قریش کی ایک ایسی جماعت سے ملے جو باتیں کر رہی تھی چنانچہ انہوں نے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا، اس کا ذکر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ گفتگو کرتے ہیں اور جب میرے اہل بیت میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو اپنی گفتگو کا سلسلہ بند کر دیتے ہیں خدا کی قسم کسی کے دل میں ایمان اس وقت تک نہیں جا سکتا ہے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور میرے ساتھ قرابت کی وجہ سے تعلق نہ رکھے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث باب سے معلوم ہوا کہ جس طرح نبی کی محبت جزو ایمان ہے اس کے بغیر آدمی مومن نہیں بن سکتا اسی طرح آپ کی قرابت سے عقیدت و محبت بھی ایمان کامل کیلئے ضروری اور لازم ہے ترمذی شریف کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت عباس کو ناراض دیکھکر سخت غضبناک ہوگئے تھے رخ انور سرخ ہو گیا تھا حتی احمر وجھہ کا لفظ آیا ہے اس سے اعزاء و اقرباء کے ساتھ بے پناہ محبت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۱٤۸) حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ بْنُ الضَّحَّاكِ ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ

۱؎ مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۴۰۳

الْحَضْرَمِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ اِتَّخَذَ خَلِيْلاً كَمَا اِتَّخَذَنِيْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً فَمَنْزِلِيْ وَمَنْزِلُ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُجَاهَيْنِ وَالْعَبَّاسُ بَيْنَنَا مُؤْمِنٌ بَيْنَ خَلِيْلَيْنِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالی نے مجھے خلیل بنایا جس طرح کہ ابراہیمؑ کو خلیل بنایا ہے پس قیامت کے دن میرا مقام اور حضرت ابراہیمؑ کا مقام جنت میں آمنے سامنے ہوگا اور حضرت عباس دو خلیلوں کے درمیان ایک مومن کی حیثیت سے ہوں گے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضور اکرم ﷺ جنت میں دونوں ساتھ رہیں گے اور دونوں کی جنت آمنے سامنے ہوگی اور آپ کے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلب دونوں حضرات کے بیچ میں ہوں گے۔ اس حدیث کے بارے میں ابن رجب زبیری فرماتے ہیں کہ مصنف اس حدیث کو نقل کرنے میں منفرد ہیں اور یہ حدیث موضوع ہے اس لئے کہ سند میں عبدالوہاب راوی ہیں جن کے بارے میں محدثین نے فرمایا لا اعتبار شئ نیز امام ابی داؤد فرماتے ہیں کہ یہ شخص حدیثوں کو گھڑتا تھا[1]

فَضَائِلُ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ اِبْنَيْ عَلِيِّ بْنِ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُم

نام و نسب:۔

آپ کا اسم گرامی حسن، کنیت ابو محمد، لقب، شہید رسول، خطاب سید و ریحانہ نبی، والد بزرگوار کا نام علی، والدہ محترمہ کا نام سیدہ فاطمہ الزہراء ہے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب الخ آپ کی ولادت نصف شعبان ۳ھ میں ہوئی۔ بعض نے پیدائش ماہ رمضان المبارک بتایا ہے آپ کی شکل و صورت آں حضرت ﷺ کی شکل و صورت سے زیادہ مشابہ تھی۔

حالات:۔

آپ کا حسن نام خود آں حضرت ﷺ نے رکھا تھا یہ نام زمانہ جاہلیت میں کسی کا بھی نہ تھا آپ نہایت

---

[1] استفادہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ العالی کی درسی تقریر

ہی حلیم صاحب وقار صاحب حشمت اور نہایت سخی تھے فتنہ وخوں ریزی سے آپ سخت متنفر تھے آپ نے پیدل ۲۵ حج کیا آپ ﷺ کو حضرت حسن کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی وہ کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے اور حضرت حسن بھی آپ سے بے حد مانوس تھے کبھی نماز کی حالت میں پشت پر سوار ہو جاتے تھے، کبھی آپ منبر پر تشریف رکھتے تھے تو حضرت حسن آپ کے پہلو میں بیٹھ جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے رگوں کے درمیان گھس جاتے تھے، آپ کی مدت خلافت چھ ماہ ہے ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کردی تو اس کے بعد دوست واحباب جب آپ کو عار المسلمین کہہ کر پکارتے تھے تو آپ فرماتے کہ عار، نار سے بہتر ہے آپ کے عہد خلافت کو علماء نے خلافت راشدہ ہی میں شمار کیا ہے گو کہ بعض حضرات خلافت راشدہ میں شمار نہیں کرتے ہیں مگر اکثروں کی رائے یہی ہے کہ خلافت راشدہ میں داخل ہے۔

کثرت نکاح اور اولاد:۔

آپ نے کثرت سے نکاح کیا اور متعدد عورتوں سے شادی کی، اور جس کثرت سے نکاح کیا اسی کثرت سے طلاقیں بھی دیں ہیں اسی کثرت کی وجہ سے لوگ آپ کو مطلاق کہنے لگے تھے بعض حضرات نے آپ کی بیویوں کی تعداد نو بتائی ہے مگر یہ تعداد خالی از مبالغہ نہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ شادیاں کیں، اور طلاقیں بھی کثرت سے دیں حضرت علی نے اعلان کردیا تھا کہ انہیں کوئی اپنی لڑکی نہ دے، آپ کے کل آٹھ لڑکے ان بیویوں سے تولد ہوئے۔

سانحۂ ارتحال:۔

ماہ ربیع الاول ۵۰ھ میں آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی رنجش کی وجہ سے زہر دیدیا جس کا اثر بدن میں پھیل گیا اور حالت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی، حضرت حسن نے اپنی حالت دیکھکر حضرت حسین کو بلا کر ان سے ساری بات بیان فرمادی انہوں نے زہر دینے والوں کا نام معلوم کیا کہ کس نے زہر دیا مگر حضرت حسن نے نہ بتایا اور فرمایا کہ جس پر میرا شبہ ہے اگر وہ میرا قاتل ہے تو اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو وہ ناحق کیوں قتل کیا جائے۔ الغرض زہر کھانے کے تیسرے روز باختلاف روایت ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۴۷ یا ۴۸ سال کی تھی [1]

[1] تاریخ اسلام جلد ا ص ۵۲۱، کشف الحاجہ ص ۲۴۳

حضرت حسین ابن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نام و سلسلہ نسب:۔

آپ کا نام نامی اسم گرامی، حسین، کنیت ابو عبداللہ، لقب سید شباب اهل الجنة اور ریحانة النبی والد کا نام علی بن ابی طالب، والدہ محترمہ کا نام فاطمہ سیدہ الزہراء تھا آپ کا سلسلہ نسب وہی ہے جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں گذرا ہے۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر:۔

حضرت حسین جب بطن مادر میں تھے تو حضرت ام فضل بنت حارثؓ نے ایک خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اللہ علیہ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھدیا ہے انہوں نے اس خواب کو رسول اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر بیان کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے میں اس کو بیان کرنا پسند نہیں کرتی ہوں اور نہ آپ اس کو سنکر پسند کریں گے آپ نے فرمایا آخر وہ کیا ہے سناؤ تو ذرا چنانچہ ام الفضل بنت الحارث نے خواب کی پوری تفصیل بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے اور خواب مبارک ہے انشاء اللہ میری لخت جگر حضرت فاطمہ کے بطن سے ایک لڑکا ہو گا جو تمہاری گود میں کھیلے گا اور تم اسے گود میں لوگی۔ کچھ دنوں کے بعد اس بھیانک خواب کی روشن تعبیر ملی اور حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسین پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل بنت الحارث نے اسے گود میں لیا، مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت حسین کی ولادت ۵ رشعبان ۴ھ کو ہوئی اللہ کے رسول علیہ نے شہد چٹایا اور ان کے دہن پاک کو اپنے لعاب مبارک سے تر کیا۔[1]

حضرت حسینؓ سے بے پناہ محبت:۔

نبی کریم علیہ حضرت حسین سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور غیر معمولی شفقت فرماتے تھے پیار و محبت اس طرح غالب تھی کہ آپ روزانہ حضرت حسین اور حسن کو دیکھنے کے لئے حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے جاتے تھے اور ان سے خوب پیار و شفقت کرتے تھے اور کھلاتے تھے اور حضرت حسن و حسین بھی آپ سے بے حد مانوس تھے، جس وقت حضرت حسین کی عمر سات سال یا ساڑھے چھ ماہ کی تھی نانا جان کا سایا شفقت سر سے اٹھ گیا تھا

---

[1] المرتضی ص ۳۵۸

حالات زندگی:۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس جنگ کے اندر بھی شرکت فرمائی جو ۵۱ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا اس جنگ میں یزید بن معاویہ بھی تھے [۱] اور جنگ جمل میں اپنے محترم والد حضرت علی کے ساتھ تھے جنگ کے بعد کئی میل تک حضرت عائشہؓ کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے جنگ جمل کے بعد جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا اس میں بھی آپ نے نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اس جنگ میں خوارج جو اس وقت کے لئے عظیم فتنہ تھا اس کی سرکوبی کے لئے بھی برسرپیکار رہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہایت تقویٰ وطہارت کے مالک تھے نماز، روزہ حج کا بہت اہتمام فرماتے تھے بیس حج پیدل کئے تھے [۲] مگر صاحب کشف الحاجہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسین نے پچیس حج پیدل کئے تھے [۳] آپ نہایت متواضع اور عبادت گذار تھے رات و دن میں ایک ہزار رکعات نوافل پڑھ لیتے تھے۔

واقعہ کربلا اور آپ کی شہادت:۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۹ھ میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کے لئے لوگوں کو بلایا مگر عام طور پر مسلمانوں نے اس کو ناپسند کیا اور اختلاف کیا، کیوں کہ لوگ یزید کے احوال اور لیل ونہار سے پوری طرح واقف تھے، جب ۵۶ھ شروع ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کے لئے انتظام کیا، اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی اور تمام ممالک میں اطلاع بھیجی تمام لوگوں نے بیعت کرلی مگر حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس نے بیعت نہیں کی۔ حضرت حسین نے نہایت ہی سختی سے انکار بیعت کی جو آگے چلکر واقعہ کربلا کی شکل میں ظاہر ہوا اور یزید اور حضرت حسین کے درمیان زبردست جنگ ہوئی متعدد صحابہ کرامؓ اس جنگ میں کام آئے اور جام شہادت نوش کیا، حضرت حسینؓ پر سخت پابندیاں عائد کردی گئیں تھیں آب ودانہ بند کردیا گیا تھا آپ میدان کربلا میں نہایت جواں مردی اور شجاعت وبہادری کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ شمر ذی الجوشن آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک ایسا بہادر اور جری انسان کو نہیں دیکھا۔ حضرت حسین کے جسم پر ۴۵ر زخم تیر کے تھے، مگر پھر بھی آپ کے عزم واستقلال میں کوئی فرق نہ آیا، ایک روایت کے مطابق ۴۵ر زخم نیزے کے، اور ۴۳ زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے آپ گھوڑوں پر سوار ہوکر مقابلہ کررہے تھے لیکن جب گھوڑا مارا گیا تو پیدل حملہ کرنے لگے، شمر ذی الجوشن نے چھ آدمیوں کو لے کر آپ پر حملہ کیا، ان میں سے ایک شخص نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ حضرت امام کا بایاں

---

[۱] الطبرانی بحوالہ المرتضی ص ۳۵۹ [۲] المرتضی ص ۳۵۹ [۳] کشف الحاجہ ص ۲۳۶

ہاتھ کٹ گیا اور الگ ہو گیا، آپ نے جوابی حملہ کرنا چاہا مگر دلیاں ہاتھ اس قدر مجروح ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اٹھا سکے، عقب سے سنان بن انس نخعی نے نیزہ مارا جو شکم سے پار کر گیا، آپ زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے اس نے نیزہ کھینچا اس کے ساتھ ہی ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ۶۸۱ء کو آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی، آپ کے جسم کی خوب بے حرمتی کی گئی، جسم مبارک کو گھوڑے کے ٹاپوں سے روندا گیا اور سر مبارک کو تن سے جدا کر کے کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیجدیا گیا جہاں سر مبارک کی سخت توہین کی گئی سر مبارک کو ایک طشت میں رکھکر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا اس نے سر دیکھکر گستاخانہ کلمات بکے، شہادت کے تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں نے شہداء کی لاشوں کو دفن کیا اور حضرت حسین کی لاش کو بے سر دفن کیا گیا رضی اللّٰہ عنہ ورضوا عنہ[1]

(۱۴۹) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي يَزِيْدَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْحَسَنِ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اُحِبُّهُ فَاَحِبَّهُ وَاَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ قَالَ وَضَمَّهُ اِلٰى صَدْرِهِ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حسن کے بارے میں فرمایا کہ خدایا میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور ان سے بھی محبت رکھ جو اس کو محبوب رکھے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حسن کو سینے سے لگایا۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث سے حضرت حسن کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ حضرت حسن سے محبت رکھے، اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت حسن کو سینے سے لگایا جو غایت محبت اور انتہائی تعلق کو ظاہر کرتا ہے کہ نبی کریم کو حضرت حسن کے ساتھ بے حد تعلق اور بے انتہا محبت تھی۔

(۱۵۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِيْ عَوْفٍ اَبِي الْجَحَّافِ وَكَانَ مَرْضِيًّا عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حضرات

---

[1] تفصیل دیکھئے تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۶۸، المرتضی ص ۳۶۳ تا ۳۸۲

حسنین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس شخص نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث سے حضرت حسن وحسین دونوں کی فضیلت بیان کرنا ہے حضور اکرم ﷺ نے اپنی محبت کو حضرت حسنین کی محبت پر موقوف قرار دیا اور ان دونوں سے بغض وعداوت کو اپنے لئے بغض وعداوت قرار دیا ہے جو آدمی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے دوست سے بھی محبت کرتا ہے حبیب الحبیب حبیب دوست کا دوست دوست ہوا کرتا ہے۔ اور جس شخص کو کسی سے عداوت ہوتی ہے تو اس کے دوست سے بھی عداوت ہوتی ہے، اس فطری ونفسیاتی تقاضہ کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی محبت کے ساتھ حضرت حسن وحضرت حسین کی محبت کو اہتمام اور تاکید کے لئے بیان فرمائی۔

رجال حدیث:۔

داؤد بن ابی عوف سوید التمیمی ابو الجحاف صدوق راوی ہیں[1]

(۱۵۱) حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي رَاشِدٍ أَنَّ يَعْلَى بْنَ مُرَّةَ حَدَّثَهُمْ أَنَّهُمْ خَرَجُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى طَعَامٍ دُعُوا لَهُ فَإِذَا حُسَيْنٌ يَلْعَبُ فِي السِّكَّةِ قَالَ فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَامَ الْقَوْمِ وَبَسَطَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ الْغُلَامُ يَفِرُّ هٰهُنَا وَهٰهُنَا وَيُضَاحِكُهُ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَخَذَهُ فَجَعَلَ إِحْدَى يَدَيْهِ تَحْتَ ذَقَنِهِ وَالْأُخْرَى فِي فَأْسِ رَأْسِهِ فَقَبَّلَهُ وَقَالَ حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سعید بن ابی راشد روایت کرتے ہیں کہ یعلی بن مرہ نے بیان کیا کہ لوگ، حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کسی دعوت میں کھانے کے لئے نکلے، اور حضرت حسین گلی میں کھیل رہے تھے (راوی بیان کرتے ہیں کہ) حضور اکرم ﷺ لوگوں سے آگے بڑھے (حضرت حسین کو گود میں لینے کے لئے) آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے، حضرت حسین ادھر ادھر بھاگنے لگے اور حضور اکرم ﷺ ان کو ہنساتے جاتے تھے یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو پکڑ لیا اور ایک ہاتھ ان کی تھوڑی کے نیچے رکھا اور دوسرا ہاتھ سر کے پیچھے رکھا اور بوسہ لیا، اور ارشاد فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جس نے حسینؓ سے محبت کی اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا اور حضرت حسین نواسوں میں سے ایک نواسے ہیں۔

[1] تقریب ص ۹۷

تشریح حدیث:۔ قال حسين منى وانا من حسين

جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور دیگر تمام لوگ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت حسین آپ ہی کے خاندان کے ایک فرد ہیں اور آپ کے نواسے ہیں مگر بایں ہمہ حضور اکرم ﷺ فرمارہے تھے کہ حضرت حسین مجھ سے ہیں اور میں حضرت حسین سے ہوں در حقیقت ان کے ساتھ محبت، اخوت، اور حسن وسلوک کی طرف توجہ دلانا ہے کہ حضرت حسین سے محبت رکھنا، گویا آپ ایمانی بصیرت اور خدائی الہام سے بخوبی سمجھ رہے تھے کہ حضرت حسین پر ایک طبقہ ظلم کرے گا ان کے ساتھ عداوت، نفرت اور بغض رکھے گا اس لئے آپ نے خاص طور پر حضرت حسین کے ساتھ حسن سلوک اخوت ومحبت کی ترغیب دی، بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت حسین شہید ہوں گے۔

رجال حدیث:۔

یعقوب بن حمید بن کاسب المدنی صدوق راوی ہیں[1]

یحییٰ بن سلیم نام کے دو راوی ہیں یحییٰ بن سلیم بن زید مجہول ہیں اور یحییٰ بن سلیم الطائفی صدوق راوی ہیں قوت حافظہ نہایت ہی خراب تھا۔[2]

عبداللہ بن عثمان خثیم القاری المکی کنیت ابو عثمان ہے، حافظ نے ان کے متعلق الفاظ جرح و تعدیل میں سے کچھ بھی استعمال نہیں کیا۔[3]

سعید بن ابی راشد صحابی ہیں[4] یعلی بن مرۃ بن رھب بن جابر الثقفی ابو مرازم صحابی ہیں حدیبیہ اور اس کے بعد کی جنگوں میں شریک رہے[5]

(۱۵۲) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وَعَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُوْغَسَّانَ ثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ نَصْرٍ عَنِ السُّدِّيِّ عَنْ صُبَيْحٍ مَوْلَىٰ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ أَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین سے ارشاد فرمایا کہ جس سے تم نے مصالحت کرلی اس سے میں نے بھی مصالحت کرلی اور جس سے تم نے جنگ کی اس سے میں بھی جنگ کروں گا۔

[1] تقریب ص ۳۸۳ [2] تقریب ص ۲۷۶ [3] تقریب ص ۱۳۶ [4] تقریب ص ۱۹۵ [5] تقریب ص ۲۸۴

تشریح حدیث:۔
اس حدیث پاک کے اندر حضرت علیؓ حضرت فاطمہ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسین چاروں کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور انتہائی تعلق کا اظہار کیا گیا ہے اور لوگوں کو ان کے ساتھ محبت کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

فَضْلُ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

نام و نسب:۔
اسم گرامی عمار، کنیت ابو الیقظان، والد بزرگوار کا اسم گرامی یاسر، اور والدہ محترمہ کا نام سمیہ تھا سلسلہ نسب یوں ہے عمار بن یاسر بن عاجر بن مالک العنسی۔ حضرت عمار کے والد بزرگوار یاسر قحطانی النسل تھے یہ بنی مخزوم کے آزاد کردہ غلام اور حلیف ہیں یاسر اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں اپنے دو بھائیوں کے ساتھ نکلے جن کا نام حارث اور مالک تھا اور مکہ آئے، حارث اور مالک دونوں یمن لوٹ گئے مگر یاسر وہیں مکۃ المکرمہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور ابو حذیفہ بن مغیرہ حلیف ہو گئے ابو حذیفہ نے ان کا نکاح اپنی باندی سمیہ سے کر دیا جن کے بطن سے حضرت عمار پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمار کو عہد طفولیت ہی میں آزاد کر دیا، اور تازندگی دونوں باپ بیٹے کو پیار و محبت کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔

اسلامی نکاح:۔
ابو حذیفہ کی وفات کے بعد جب صدائے دل نواز مکہ کی گلیوں میں گونجی اور مکہ کی دیواروں سے کلمہ توحید کی صدا بلند ہوئی تو حضرت عمار اور صہیب بن سنان دونوں ایک ساتھ ایمان لائے، ایمان لانے کے بعد دیگر مسلمانوں کی طرح آپ کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں تاکہ یہ اسلام سے باز آجائیں اس کے لئے انہیں آگ کے انگاروں پر بھی لٹایا گیا مگر جو دل کلمہ توحید اور حقانیت اسلام سے آشنا ہو چکا تھا آخر وہ کیوں کر پیچھے ہٹتا، اسی تکلیف کی وجہ سے آپ نے حبشہ اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی، مدینہ کی ہجرت کے بعد نبیؐ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے مواخاۃ کرا دیا اور مستقل اقامت پذیری کیلئے ایک قطعہ زمین بھی مرحمت فرمائی۔

حالات:۔
آپ غزوہ بدر سے لیکر غزوہ تبوک تک اسلامی تمام جنگوں میں شریک رہے اور تمام جنگوں میں نہایت دلیری، جانبازی اور شجاعت کے ساتھ نبی کریمؐ کے ساتھ تھے ۲۰ھ میں حضرت عمر فاروق نے آپ کو کوفہ کا والی بنا دیا تھا۔

شہادت:۔

حضرت عمار بن یاسرؓ جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور جنگ صفین میں بھی انہیں کے ساتھ رہے ابن الغادیہ کے نیزہ نے حضرت عمار کو مجروح کر کے گرادیا اور ایک دوسرے شامی نے بڑھکر سر مبارک سر سے الگ کردیا آپ نے ۹۳ سال کی عمر مبارک پاکر ۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہ کر شہادت کا درجہ پایا ہے۔[1]

(۱۰۳) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ هَانِئِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ جَالِساً عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَأْذَنَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ائْذَنُوا لَهُ مَرْحَباً بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک عمار بن یاسر نے اجازت طلب کی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان کو آنے کی اجازت دیدو خوش آمدید بہت اچھا آئے۔

تشریح حدیث:۔

طیب اور مطیب کے متعلق صاحب قوت المغتذی ترمذی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ شاید اس سے حضرت عمار بن یاسر کی نیک فطرت اور اس کی ذاتی جوہر کی طہارت کی جانب اشارہ ہے، حضرت عمار طبعی اعتبار سے سلیم الطبع تھے ان کے نیک اعمال ان کے تقویٰ و طہارت، اور صلاح و فلاح نیز جملہ مکارم و اخلاق میں اضافہ کا سبب ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان تو حضرت عمار کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکا ہے اس حدیث سے حضرت عمار کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

(۱۰٤) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ ثَنَا عَثَّامُ بْنُ عَلِيٍّ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ هَانِئِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ دَخَلَ عَمَّارٌ عَلَى عَلِيٍّ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مُلِئَ عَمَّارٌ إِيمَاناً إِلَى مُشَاشِهِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ہانی بن ہانیؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمار حضرت علیؓ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت

---

[1] تقریب ص ۱۸۷، مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۶۱۹، کشف الحاجہ ص ۲۴۸، مشکوٰۃ ص ۶۰۷

علی نے فرمایا مرحبا بالطیب المطیب میں نے حضور اکرم ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ عمار ایمان سے بالکل معمور ہو چکا ہے، یعنی ایمان ان کے وریشہ میں بالکل جاگزیں ہو چکا ہے۔

تشریح حدیث:۔ مشلشه .

اس حدیث سے بھی حضرت عمار کی فضیلت جھلکتی ہے اور مقصود حدیث بھی بیان فضیلت ہی ہے۔

(۱۵۵) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى
(۱۵۶) ح وحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا جَمِيْعاً ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ سِيَاهٍ عَنْ حَبِيْبِ ابْنِ اَبِىْ ثَابِتٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَمَّارٌ مَاعُرِضَ عَلَيْهِ اَمْرَانِ اِلَّا اِخْتَارَ الْاَرْشَدَ مِنْهُمَا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب عمار کے سامنے دو باتیں پیش کی جاتی ہیں تو نہیں اختیار کرتے ہیں مگر انمیں سے ارشد (زیادہ اپنے لئے انفع بخش اور دوسروں کے لئے اسہل ہو) کو اختیار کرتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔

امام ابن ماجہؒ نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں ارشدمنھما کا لفظ ہے جبکہ بعض روایتوں میں اشدھما اور بعض میں ایسرھما کا لفظ آیا ہے اور دیگر بعض روایتوں اسدھما ای اصوبھما آیا ہے قرین قیاس اور عقل بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ ارشدھا والی روایت مقتضائے حال سے زیادہ مناسب ہو کیوں کہ حضرت صحابہ کرامؓ کے اعمال شرعی نقطہ نظر سے ہم لوگوں کے اعمال سے جداگانہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اعمال وافعال اصول شریعت میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ علامہ شاہ عبدالغنی مجددیؒ لکھتے ہیں کہ سلف صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ حضرات اپنے لئے تو احتیاطی پہلو پسند کرتے ہیں اور دوسروں کو وہ ان باتوں کا حکم دیتے ہیں جو ان کے لئے آسان اور سہل ہو اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میری بعثت آسانی پیدا کرنے کے لئے ہوئی ہے نہ کہ تنگی اور عسرت پیدا کرنے کے لئے۔ جنگ صفین میں حضرت عمار علیؓ کے ساتھ تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی بر حق تھے اور حضرت معاویہ خطاء اجتہادی پر تھے۔[۱]

---

[۱] انجاح الحاجہ ص ۱۴، تفصیل دیکھئے مرقات جلد ۱۱ ص ۴۳۴

فَضْلُ سَلْمَانَ وَاَبِیْ ذَرٍّ وَالْمِقْدَادِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ

حضرت سلمان فارسیؓ کی مختصر حالات زندگی:۔

نام "سلیمان" اور کنیت "ابو عبد اللہ" ہے ان کا وطنی تعلق چونکہ فارس (ایران) تھا اس لئے فارسی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں کیوں کہ آپ نے ان کو ایک یہودی سے خرید کر آزاد کیا تھا حضرت سلمانؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ فارس کی مشہور نسل "رام ہرمز" سے ہیں جو مذہبا مجوسی تھی اور ابلق گھوڑوں کی پجاری سمجھی جاتی تھی۔ حضرت سلمانؓ شروع ہی سے "دین حق" کی جستجو میں لگ گئے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا اور اس کی مذہبی کتابوں کا علم حاصل کیا ان کے والد اور اعزا و اقربا کو ان کا عیسائی بن جانا پسند نہیں آیا۔ چنانچہ ان سب نے ان کو سخت سزائیں اور اذیتیں دیں مگر انہوں نے ہر سختی اور ہر اذیت کو برداشت کیا اور عیسائیت کو ترک نہیں کیا۔ پھر یہ اپنا ملک و وطن چھوڑ کر شام آگئے اور یہاں عرب سے آئے ہوئے بعض لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے جنہوں نے ان کو مدینہ لا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت سلمان فارسیؓ یک بعد دیگر دس آدمیوں کے ہاتھوں بیچے گئے۔ اور ان سب کی غلامی میں رہے تا آنکہ نبی کریم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دائرے اسلام میں داخل ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ سلمان جنتیوں میں سے ہے اور ان میں سے ایک ہے جن کا جنت کو اشتیاق و انتظار ہے حضرت سلمانؓ کی عمر بہت طویل ہوئی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں ڈھائی سو سال کی عمر میں وفات پائی اور زیادہ صحیح یہی قول ہے انہوں نے یہ طویل عمر "دین حق" کی جستجو میں کھپائی یہاں تک کہ آخر میں نبی آخر الزماں ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گوہر مقصود کو پہنچ گئے۔ حضرت سلمان محنت و مشقت کر کے اپنی روزی کماتے تھے اور اپنی کمائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ راہ خدا میں خرچ کر دینا ان کا معمول تھا۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی بہت زیادہ مدح و تعریف فرمائی ہے ۳۵ھ میں مدائن میں ان کا انتقال ہوا [1]

حضرت ابوذر غفاریؓ کے مختصر حالات:۔

نام جندب، کنیت ابوذر، والد کا نام جنادہ ہے آپ نہایت بلند مرتبہ کے صحابی ہیں تارک الدنیا اور مہاجرین صحابہ میں سے ہیں جب نبی کریم ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا، اور آپ نے مکہ کی گلیوں

[1] ماخوذ از مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۷۴۳ تا ۷۴۸، تاریخ حبیب الہ ص ۴۴ حافظ نے تقریب میں سن وفات ۳۴ھ بتایا ہے

میں صدائے حق کو بلند کیا تو سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ کے ذریعہ یہ خبر مدینہ پہنچی پھر حضرت ابوذر کے کانوں تک پہنچی تو حضرت ابوذر نے تحقیق حال کے لئے اپنے بھائی انیس کو مکہ روانہ کیا انیس نے مکہ جاکر حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی اور حضرت ابوذر سے سارا واقعہ بیان کیا مگر حضرت ابوذر کو ان کی بات سے کچھ تسلی نہ ہوئی چنانچہ بذات خود مدینہ پیدل چلکر مکہ پہنچے اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور اسی وقت خانہ کعبہ میں جاکر قریش کے مجمع کے سامنے بلند آواز سے کلمہ توحید پڑھا جس پر کفار قریش نے سخت زدو کوب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ایمان لانے والوں میں سے پانچویں صحابی ہیں، اسلام قبول کر کے مکہ سے لوٹ آئے اور ایک عرصہ تک اپنی قوم میں رہے یہاں تک کہ غزوہ خندق کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس مدینہ منورہ میں حاضر ہو گئے پھر مقام ربذہ میں قیام کیا، ۳۲ھ یا ۳۱ھ میں حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعود نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت مقداد بن ابوالاسود کا مختصر سوانحی خاکہ:۔

آپ کا نام مقداد، کنیت ابوالاسود والد کا نام عمرو ہے سلسلہ نسب اس طرح ہے مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ البہری ثم الکندی ثم الزہری آپ ایک خون ریز حادثہ کی وجہ سے مکۃ المکرمہ پہنچے اور مستقل طور پر سکونت بھی اختیار نہیں کئے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور نبی آخر الزماں ﷺ کی دعوت و تبلیغ نے اسلام کا شیدائی بنادیا اور اسلام کے دامن میں پناہ لئے، اسلام قبول کرنے کے بعد مختلف مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا تو دیگر صحابہ کی طرح آپ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

آپ کی اولاد میں صرف ضباعہ بنت زبیر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام کریمہ تھا، آپ عظیم البطن تھے پیرانہ سالی کے زمانہ میں یہ نہایت تکلیف دہ ثابت ہوا ایک رومی غلام نے آپریشن کیا، جو اتفاق سے ناکام رہا بالآخر یہی عمل جراحی اور آپریشن کی وجہ سے ۳۳ھ میں حضرت عثمان کی عہد خلافت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جرف میں داعی اجل کو لبیک کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی آپ کی عمر مبارک وفات کے وقت ستر سال کی تھی۔

(۱۵۷) حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُرَيْكٌ عَنْ اَبِىْ رَبِيْعَةَ الْاَيَادِىِّ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِىْ بِحُبِّ اَرْبَعَةٍ وَاَخْبَرَنِىْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ

ا مستفاد مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۵۷۷، تاریخ اسلام جلد ا ص ۲۴۳،۱۲۳ اکمال فی اسماء الرجال ص ۵۹۴ تقریب ص ۲۹۶

ثُمَّ قَالَ عَلِيٌّ مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلاَثاً وَاَبُوْ ذَرٍّ وَسَلْمَانُ وَالْمِقْدَادُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھکو چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دیا کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں، آپ نے فرمایا کہ حضرت علی ان میں سے ہیں اور یہ تین بار ارشاد فرمایا، ابوذر سلمان اور مقداد رضی اللہ عنہم۔

تشریح حدیث:۔ان الله امر فی بحب اربعة

آپ لوگ اصول فقہ کی کتابیں پڑھکر آئے ہیں کہ امر مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے کبھی امر سے ثابت ہونے والا حکم پر عمل واجب اور ضروری ہوتا ہے اور کبھی امر سے ثابت ہونے والا حکم استحباب کے درجے میں ہوتا ہے عمل کر لیا تو ثواب ملے گا نہیں کیا تو کوئی گناہ نہیں۔ حدیث شریف میں کوئی قرینۂ صارفہ بھی نہیں ہے کہ وجوب یا استحباب کے معنی لیا جائے اسی لئے امر کے دونوں معنی دائرہ امکان سے خارج نہیں ہیں اور حدیث شریف سے فی الجملہ اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہیں کہ ان حضرات سے محبت رکھنا ایک طرح سے ضروری اور کمال ایمان کا ذریعہ بھی ہے اور حقیقت یہ ہے صحابہ کرام پر اعتماد رکھے بغیر ان کے ساتھ محبت اور تعلق کئے بغیر آدمی حضور اکرم ﷺ سے صحیح طور پر محبت کر ہی نہیں سکتا ہے اس لئے ان حضرات سے محبت رکھنا ضروری ہے۔

(۱۵۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدٍ الدَّارِمِيُّ ثَنَا يَحْيٰى بْنُ اَبِيْ بُكَيْرٍ ثَنَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ اَبِي النَّجُوْدِ عَنْ زِرِّبْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ اَظْهَرَ اِسْلاَمَهُ سَبْعَةٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعَمَّارٌ وَاُمُّهُ سُمَيَّةُ وَصُهَيْبٌ وَبِلاَلٌ وَالْمِقْدَادُ فَاَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمَنَعَهُ اللّٰهُ بِعَمِّهِ اَبِي طَالِبٍ وَاَمَّا اَبُوْبَكْرٍ فَمَنَعَهُ اللّٰهُ بِقَوْمِهِ وَاَمَّا سَائِرُهُمْ فَاَخَذَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ وَاَلْبَسُوْهُمْ اَدْرَاعَ الْحَدِيْدِ وَصَهَرُوْهُمْ فِي الشَّمْسِ فَمَا مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلاَّ وَقَدْ وَاٰتَاهُمْ عَلٰى مَا اَرَادُوْا اِلاَّ بِلاَلاً فَاِنَّهُ هَانَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ فِي اللّٰهِ وَهَانَ عَلٰى قَوْمِهِ فَاَخَذُوْهُ فَاَعْطَوْهُ الْوِلْدَانَ فَجَعَلُوْا يَطُوْفُوْنَ بِهِ فِيْ شِعَابِ مَكَّةَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَحَدٌ اَحَدٌ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اسلام کو سب سے پہلے ظاہر کیا وہ سات حضرت ہیں رسول اللہ ﷺ ابو بکر، عمار، اور ان کی والدہ حضرت سمیہ، حضرت صہیب، حضرت بلال، اور حضرت مقداد، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، بہر حال رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا ابو طالب کے ذریعے کی، اور رہے ابو بکر تو ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کے ذریعے کرائی، اور بقیہ حضرات کو مشرکین نے اپنے گرفت میں لے لیا، اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنائی، اور چلچلاتی دھوپ میں پگھلایا، ان میں سے حضرت بلال کے علاوہ جس نے بھی جو (امن) چاہا ملا مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود کو اللہ کے راستے میں گرار کھا اور اپنی قوم کے لئے سستے ہو گئے، چنانچہ مشرکین نے انہیں گرفتار کر کے بچوں کے حوالہ کر دیا جو انہیں مکہ کی گلیوں میں لے کر گھسیٹتے تھے اور حضرت بلالؓ احد احد کہتے تھے۔

تشریح حدیث:۔

حضور علیہ السلام نے جب مکہ کی وادی میں صدائے توحید بلند کی تو پورا قریش دشمن بن گیا، اور طرح طرح کی ایذا رسانی میں مصروف ہو گئے حتی کہ آپ کے قتل کے لئے بھی دار الندوہ میں جمع ہو کر مشورے کئے طائف والوں نے آپ کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ جسے دیکھ کر آسمان بھی کانپ اٹھا اور زمین بھی لرزاٹھی حضرت ابو طالب اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے مگر ہر وقت آپ کے حامی بنے رہے اور دشمنوں کو روکتے رہے اسی کو فرمایا گیا **فمنعه الله بعمه بلبی طالب**

آپ پر ایمان لانے والوں میں بعض لوگ وہ ہوتے تھے جن کی مکہ میں دوستی یا رشتہ داری تھی یا وہیں کے باشندے تھے ایسے لوگوں کے ساتھ مشرکین کا برتاؤ کچھ زیادہ سخت نہ ہوتا تھا مگر بعض وہ لوگ ہوتے تھے جن کا مکہ والوں سے کوئی تعلق ورشتہ نہ تھا ان کے ساتھ مشرکین کا برتاؤ سخت ہوتا تھا اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے جن میں حضرت بلال، عمار، صہیب وغیرہ ہیں جن کی مکہ میں کوئی قرابت نہ تھی اسلئے ان لوگوں کو مشکلات کا سامنا زیادہ کرنا پڑا، پھر ایسے لوگوں میں بعض تو وہ تھے جنہوں نے رخصت پر عمل کیا اور مشرکین کی ایذاء رسانی سے خود کو محفوظ رکھا، اور ان کا یہ عمل دائرہ شریعت سے باہر نہ تھا گو مفضول صورت ضرور تھی، اور بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے قدرت کی حد تک مشرکین سے مقابلہ کیا، اور ان کی طرف سے تکالیف برداشت کیں اور زبان پر احد احد کی رٹ لگائے رکھا جن میں حضرت بلالؓ سرفہرست ہیں اس مضمون کو **فما منهم من احدالا قد لتاهم علی ما ارادوا الا بلالاً** سے بیان کیا گیا ہے۔

رجال حدیث:۔

احمد بن سعید بن صخر الدارمی کنیت ابو جعفر ثقہ راوی ہیں[1]

یحییٰ بن بکیر عبداللہ کے لڑکے ہیں[2]

زائدہ بن قدامۃ الکوفی ثقہ راوی ہیں[3]

عاصم بن ابی النجود الاسد الکوفی صدوق راوی ہیں ان کو وہم کی بیماری تھی[4]

زر بن حبیش ابن حباشہ ثقہ راوی ہیں[5]

(۱۰۹) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللهِ وَمَا يُؤْذَىٰ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا مَا وَارَىٰ إِبْطُ بِلَالٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ کے راستے میں اسقدر تکلیف دی گئی کہ اتنی تکلیف کسی کو نہیں دی گئی اور مجھے اللہ کے راستے میں اسقدر ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ اور میرے اوپر تیسرا دن ایسا بھی آیا کہ میرے اور حضرت بلال کے پاس کھانے کے لئے اتنی چیز بھی نہیں ہوتی تھی کہ کوئی زندہ شخص اس کو کھالے مگر جس کو بلال کی بغل چھپالیتی۔

تشریح حدیث:۔ الا ما واری ابط بلال

حضرت بلال جب مکہ سے خفیہ طور سے نکلے تو ان کے پاس کھانے کے لئے صرف اتنا ہی سامان تھا جو ان کی بغل میں چھپ جاتی تھی یعنی نہایت قلیل سامان تھا، اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان تکالیف کا ذکر کیا ہے جو اللہ کے دین کے واسطے آپ کو اٹھانی پڑیں، تین تین دن تک فاقے کاٹنے پڑے بعض مرتبہ کئی دن تک گھر میں چولہا تک نہیں جلتا تھا مگر آپ صبر و شکر کے ساتھ دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین میں مصروف رہتے تھے زبان پر کبھی حرف شکایت نہیں لائی۔ یہ تو نبی کی بلند ہمتی اور پختہ عزم واستقلال کی بات ہیکہ وہ تمام مصیبتوں کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے حضرت سلمان، ابوذر، اور مقداد کے فضائل کے تحت ذکر کی ہے حالانکہ حدیث میں ان حضرات کے فضائل سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے مصنف سے سہواً عنوان لگانا چھوٹ گیا ہو، یا کاتب سے غلطی ہو گئی، یا تشحیذ اذہان کے لئے مصنف نے عنوان قصداً ترک کر دیا، تاکہ طلبہ غور کر کے خود عنوان سے متعین کر لیں۔

---

[1] تقریب ص ۶ [2] تقریب ص ۳۷۴ [3] تقریب ص ۸۰ [4] تقریب ص ۱۱۸ [5] تقریب ص ۸۱

فَضَائِل بِلَالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

نام ونسب:۔

آپ کا نام بلال، کنیت ابو عبداللہ، والد محترم کا نام رباح، والدہ کا نام حمامہ تھا آپ اصلاً حبشہ کے رہنے والے تھے لیکن آپکی پیدائش مکہ ہی میں ہوئی، آپ بنی جمح کے غلام تھے حضرت بلالؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنا اسلام لوگوں کے سامنے سب سے پہلے ظاہر کیا ہے حضرت بلال کو بعد میں ابو بکر صدیق نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

قبول اسلام:۔

حضرت بلالؓ شکل وصورت کے اعتبار سے نہایت کالے تھے آپ صورت ظاہری کے لحاظ سے سیاہ فام حبشی تھے مگر آئینہ دل نہایت صاف وشفاف تھا نور ایمان نے دل کے نہاخانوں کو منور کر دیا تھا پورا مکہ بزعم خویش غرور وعناد سرکشی، بغض وحسد، کی وجہ سے ضلالت وگمراہی کی ٹھوکریں کھا رہا تھا اور حضرت بلال پر پردیسی ہونے کی وجہ سے مشرکین دل کھول کر ظلم وستم ڈھا رہے تھے اور حضرت بلال کی زبان سے صرف احد احد کا لفظ نکلتا تھا بڑی سے بڑی تکلیف حضرت بلال کے عزم واستقلال کو متزلزل نہ کر سکی اور ان کے پائے ثبات کو راہ مستقیم سے ہٹا نہ سکی۔

حضرت بلالؓ تمام اسلامی مشہور غزوات میں شریک تھے غزوہ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو قتل کیا جو اسلام کے ماننے والوں کا بہت بڑا دشمن تھا اور حضرت بلال کی ایذاء رسانی میں آگے آگے رہتا تھا۔

ازواج اور اولاد:۔

حضرت بلالؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بعض بیویاں عرب کے معزز گھرانوں کی تھیں مگر اولاد نہ ہوئی۔

حادثہ فاجعہ:۔

آنحضور اکرم ﷺ نے آپ کو مسجد نبوی کی آذان کی خدمت پر مامور کیا تھا حضرت بلالؓ وصال نبوی تک اس خدمت کو بخوبی انجام دیتے رہے لیکن جب آنحضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا تو عشق نبوی سے سرشار حضرت بلالؓ کے لئے مدینہ کا قیام مشکل ہو گیا، اس تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نہ ہوں اور ہم مسجد نبوی میں آذان دیں چنانچہ انہوں نے ملک شام جانے کا قصد کر لیا، حضرت ابو بکر صدیق نے روکنا بھی چاہا مگر معذرت کرتے ہوئے دمشق روانہ ہو گئے اور وہیں پوری زندگی مقیم رہے یہاں تک کہ ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں واصل بحق ہوئے کم وبیش ساٹھ سال کی عمر پائی دمشق میں باب الصغیر کے پاس ہی مدفون ہوئے [1]

(۱۶۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ عُمَرَبْنِ حَمْزَةَ عَنْ

[1] استفادہ مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۹۱۱ تا ۹۲۴، کشف الحاجہ ص ۲۵۴

سَالِمٍ اَنَّ شَاعِرًا مَدَحَ بِلَالَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ خَيْرُ بِلَالٍ. فَقَالَ اِبْنُ عُمَرَ كَذَبْتَ لَابَلْ بِلَالُ رَسُوْلِ خَيْرُ بِلَالٍ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک شاعر نے بلال کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ بلال ابن عبد اللہ خیر بلال ہے جس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا تو نے جھوٹ کہا بلکہ رسول اللہ کے بلال خیر بلال ہے۔

تشریح حدیث:۔

شاعر کہنا چاہتا تھا کہ دنیا کے تمام بلال میں ابن عبد اللہ خیر بلال ہے اور حضرت عمر بھی یہی کہنا چاہ رہے ہیں کہ حضرت بلال اچھے ہیں لیکن اس بات کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت بلال جو اچھے بنے ہیں وہ حضور اکرم کی صحبت کی وجہ سے، لہٰذا اب انہیں بلال ابن عبد اللہ کہنے کے بجائے بلال رسول اللہ کہنا زیادہ مناسب ہے، اس طرح سے گویا حضرت بلال کی فضیلت کو اجاگر کر دیا،

فَضائل خَبّاب رضی اللّٰہ عنه

نام ونسب:۔

آپ کا اسم گرامی خباب، کنیت ابو عبد اللہ والد کا نام ارت التیمی ہے زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے، قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت نے خرید کر آزاد کر دیا۔

قبول اسلام:۔

حضرت خباب ابن الارت ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں دعوت حق کو قبول کیا، ابھی حضور اکرم ﷺ نے زید بن ارقم کے گھر میں پناہ بھی نہیں لی تھی کہ اس سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے، اسلام لانے والوں میں ان کا نمبر چھٹا تھا قبول اسلام کے بعد اپنے اسلام کا ببانگ دہل اعلان کیا جس کے نتیجے میں مشرکین مکہ نے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے، اور نوع بنوع تکلیفیں دیں اور آپ ان تمام تکالیف کو خوشی سے برداشت کرتے رہے اور ایمان کی روشنی دن بدن قلوب میں پھیلتی چلی گئی، مدتوں مصائب و آلام کے جھیلنے کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے وہاں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے۔

ذریعہ معاش:۔

دور جاہلیت اور اس کے بعد بھی ایک مدت تک تلواریں بنا کر فروخت کرتے تھے اور اسی سے گذر بسر کرتے تھے اسلام کے شروع شروع میں آپ کی زندگی نہایت تنگی کے ساتھ گذری، پھر بعد میں اللہ تعالی

نے اس تنگی کو دور کر کے خوشحالی دکھائی، وفات کے وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم موجود تھے۔

سانحۂ وفات:۔

آپ کا سانحۂ وفات کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ صفین سے واپس لوٹ رہے تھے راستے ہی میں آپ کو وفات کی اطلاع ملی، پھر آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات ۳۷ھ میں ہوئی، حافظ بن حجر نے تقریب التہذیب یہی قول لکھا ہے مگر بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر مبارک بہتر ۷۲ رسال کی تھی۔

(۱۶۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالاَ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي لَيْلَىٰ الْكِنْدِيِّ قَالَ جَاءَ خَبَّابٌ إِلَىٰ عُمَرَ فَقَالَ أُدْنُ فَمَا أَحَدٌ أَحَقُّ بِهٰذَا الْمَجْلِسِ مِنْكَ إِلاَّ عَمَّاراً فَجَعَلَ خَبَّابٌ يُرِيهِ آثَاراً بِظَهْرِهِ مِمَّا عَذَّبَهُ الْمُشْرِكُونَ۔

ترجمہ حدیث:۔

ابو لیلیٰ الکندی سے روایت ہے کہ حضرت خبابؓ عمر کے پاس آئے تو حضرت عمر نے فرمایا قریب آجاؤ اس لئے کہ عمار کے علاوہ کوئی شخص بھی اس مجلس میں بیٹھنے کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہے (یہ سنکر) حضرت خباب اپنے پشت کے وہ نشانات دکھانے لگے جو مشرکین کو سزا دینے کی وجہ سے ہوئے تھے۔

تشریح حدیث:۔فجعل خباب یریه اثار بظهره الخ

جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروقؓ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر فاروق نے ان سے فرمایا کہ مجلس کے قریب آجاؤ اس لئے کہ سوائے حضرت عمار کے تم سے زیادہ کوئی اس مجلس کے حقدار نہیں ہے حضرت خباب یہ سمجھے کہ شاید امیر المومنین کے نزدیک مجلس کے قریب ہونے کے زیادہ مستحق وہی لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی وجہ سے تکالیف شاقہ برداشت کیا ہے اور مصائب و آلام کا زیادہ مقابلہ کیا ہے اس لئے حضرت خبابؓ نے اپنے پشت کے نشانات دکھانا شروع کر دیا کہ آپ نے صدارت مجلس کے لئے یہی معیار قائم کیا ہے تو میں حضرت عمار سے آگے ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت اپنی مدح و تعریف بھی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ خود پسندی اور عجب میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہو، جیسا کہ حضرت خباب بن الارت نے حضرت عمر فاروق کے سامنے کیا ہے اور اگر عجب و خود پسندی کا اندیشہ ہو تو پھر درست نہیں ہے۔

(۱۶۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّىٰ ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنِ عَبْدِ الْمَجِيدِ

۔ ثنا خالد الحذاء عن ابی قلابۃ عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدھم فی دین اللہ عمر واصدقھم حیاء عثمان واقضاھم علی بن ابی طالب واقرأھم لکتاب اللہ ابی بن کعب واعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل وافرضھم زید بن ثابت الا وان لکل امۃ امینا وامین ھذہ الامۃ ابوعبیدۃ بن الجراح۔

وحدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان عن خالد الحذاء عن ابی قلابۃ مثلہ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں میرے ساتھ زیادہ رحم کرنے والے ابو بکر، اور اللہ کے دین میں سخت عمر، ان میں سب سے زیادہ سچے با حیا عثمان، اور بہترین فیصلہ کن علی اور اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ پڑھنے والے ابی ابن کعب اور ان میں سب سے زیادہ حلال حرام سے واقف معاذ ابن جبل اور علم فرائض کے سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت ہیں اور سنو ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ ابن الجراح ہیں۔

تشریح حدیث:۔

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب فضائل خبابؓ کے تحت ذکر فرمایا ہے حالانکہ حدیث میں خباب کی فضیلت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے پھر مصنف نے اس باب کے تحت اس حدیث کو کیوں ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابن ماجہ سے سہواً عنوان لگانا چھوٹ گیا ہو یا کاتب وغیرہ سے عنوان لگانا چھوٹ گیا ہو، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام ابن ماجہ تشحیذ اذہان کے لئے امام بخاری کی طرح کبھی کبھار عنوان لگانا قصداً چھوڑ دیتے ہیں تاکہ عزیز طلبہ اپنے ذہن پر زور ڈالکر کوئی مناسب عنوان لگائے راقم الحروف کی سمجھ میں ایک جواب اور آتا ہے کہ اگر امام ابن ماجہ کوئی عنوان لگا دیتے تو وہ متعین ہو جاتا اس لئے طالب علم پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ موقع محل کے اعتبار سے کوئی اچھا سا عنوان تجویز کرلے۔

دوسری بات یہ کہ حدیث شریف میں مذکورہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی صفت غالبہ کو بیان کیا گیا ہے، حضرات صحابہ کرامؓ انفرادی و شخصی فضائل میں بلا کسی ترتیب، ایک دوسرے پر علو مرتبت رکھتے تھے لہذا اگر کوئی صحابی کسی جزوی فضائل میں کسی عظیم المرتبت صحابی سے آگے ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے۔

فَضْلُ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

(۱۶۳) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ نُمَیْرٍ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اَبِیْ حَرْبِ بْنِ اَبِی الْاَسْوَدِ الدَّیْلِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ وَلَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ مِنْ رَجُلٍ اَصْدَقُ لَھْجَۃً مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر حضرت ابوذر سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف میں حضرت ابوذرؓ کی غایت صداقت اور بے باکی کو بیان کرنا مقصود ہے حضر ابوذر صفت صداقت میں تمام صحابہ کرامؓ پر تفوق رکھتے تھے جو ان کی جزوی فضیلت ہے اس سے رفیع الشان اور عظیم المرتبت صحابہ کی فضیلت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ حضرت ابو بکر اس امت کے صدیق ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ اعلیٰ، ارفع اور افضل شخص ہیں اس لئے یہ کہنا موزوں نہیں ہوگا کہ ابوذر حضرت ابو بکر سے بھی زیادہ سچی زبان والے تھے۔

فَضْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

نام ونسب:۔

آپ کا اسم گرامی سعد، کنیت ابو عمر، لقب سید الاوس، والدہ محترمہ کا نام حبشہ بنت رافع تھا آپ قبیلہ عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے جو قبیلہ اوس میں شریف تر قبیلہ سمجھا جاتا تھا آپ کی والدہ حضرت ابوسعید خدری کی چچازاد بہن تھیں۔

قبول اسلام:۔

حضرت مصعب بن عمیر جب دین اسلام کے مبلغ اور داعی بنکر مدینہ منورہ پہنچے (اس وقت تک حضرت سعد اسلام سے بالکل ناآشنا تھے توحید کی صدا ان کے کانوں میں نہ پڑی تھی) حضرت سعد کی ملاقات ان سے ہوئی تو ان کے سامنے اسلام کی حقیقت اس کی روشن تعلیمات اور پاکیزہ اخلاق واطوار کو بیان کیا، اور قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائی حضرت سعد یہ سنکر کلمہ شہادت پڑھ لئے اور اپنے دامن کو سعادت اخروی ودنیوی دونوں سے بھر لئے آپ کا اسلام لانا عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان ہوا ہے۔

حالات:۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جنگ بدر، جنگ احد اور دیگر متعدد غزوات میں شریک رہے جنگ بدر میں قبیلہ اوس کا علم حضور اکرم ﷺ نے آپ ہی کے ہاتھ میں دیا تھا سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد سب سے بڑھکر قبیلہ اوس کے تین آدمی ہیں، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر آپ کے دو بیٹے عمرو اور عبداللہ تھے جو دونوں صحابی تھے اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔

وفات:۔

حضرت سعد کا انتقال ۵ھ ماہ ذی قعدہ میں ہوا، ۵ھ میں غزوہ خندق میں شریک ہوئے دوران جنگ ایک تیر آکر لگا جس سے بے تحاشا خون نکلنا شروع ہو گیا، جس کی وجہ سے آپ زندگی سے مایوس ہو گئے چنانچہ اسی علالت میں وفات پائی، حضور اکرم ﷺ تجہیز و تکفین میں بذات خود شریک تھے اور آپ کو ان کی وفات کا بہت شدید حزن ملال تھا جس وقت آپ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۳۷ سال کی تھی، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(١٦٤) حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ ثَنَا اَبُوْ الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ سَرَقَةٌ مِنْ حَرِيْرٍ فَجَعَلَ الْقَوْمُ يَتَدَاوَلُوْنَهَا بَيْنَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ هٰذَا فَقَالُوْا لَهٗ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنْ هٰذَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ہدیہ میں ریشم کیکپڑے کا ایک ٹکڑا آیا چنانچہ لوگ اس کو (دیکھنے کے لئے) ہاتھوں میں لینے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم لوگ اس سے تعجب کر رہے ہو حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ (ہمارے لئے تو تعجب و حیرت ہی کی چیز ہے) آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جنت میں حضرت سعد بن معاذ کے لئے اس سے بہتر رومال ہے۔

تشریح حدیث:۔لفظ سرقۃ، یہ سین اور را کے فتحہ کے ساتھ ہے سفید ریشم کا ٹکڑا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مقصد صرف حضرت سعد کی فضیلت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ جب آپ نے دیکھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ ایک دنیاوی چیز پر فریفتہ ہو رہے ہیں اور اس کپڑے کی طرف غیر معمولی میلان ہو رہا ہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بھائی اس حریر کے ٹکڑے پر تعجب کیوں کرتے ہو اور اس پر کیوں فریفتہ ہوتے ہو جنت

میں تو اس سے بہتر رومال ہوں گے لہٰذا اس کے حصول کی کوشش کرو اس کے لئے عمل و جد جہد کرو۔

(١٦٥) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ کی وفات کی وجہ سے رحمٰن کا عرش حرکت کرنے لگا۔

تشریح حدیث:۔اهتز عرش الرحمن

رحمان کے عرش کے حرکت کرنے کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں،(۱) حضرت سعد بن معاذ کی موت کی وجہ سے عرش بھی حزن وملال میں مبتلا ہو کر حرکت کرنے لگا (۲) ملائکہ کرام ان کی روح کے آسمان پر صعود سے اسقدر خوش ہوئے کہ عرش ہی حرکت کرنے لگا اور ملائکہ سے مراد حاملین عرش ہوں گے (۳) یا جو اعمال صالحہ ،کلمات طیبہ اور نیکی کی باتیں جو حضرت سعد کی زندگی کی وجہ سے جاتی تھیں وہ منقطع ہو گئیں اس لئے عرش حرکت میں آ گیا ہو، یہ مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں۔

فَضْلُ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:۔

آپ کا نام جریر، کنیت ابو عمر ہوالد بزرگوار کا اسم گرامی عبداللہ، دادا کا نام جابر ہے آپ قبیلہ نبی انمار بن اراش سے تعلق رکھتے تھے چوں کہ اوپر چلکر ایک عورت کا نام بجلہ ہے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو البجلی کہا جاتا ہے کنیت کے متعلق گو کہ قدرے اختلاف ہے مگر اصح بات یہ ہے کہ کنیت ابو عمر ہی ہے۔

اسلام کے حلقہ میں:۔

یہ کب مشرف باسلام ہوئے اس میں قدرے اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات سے چالیس روز قبل اسلام کی دولت سے مالامال ہوئے لیکن یہ قول حقیقت سے بعید تر ہے کیوں کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جن حضرات کو لوگوں کے چپ کرانے پر مامور کیا تھا ان میں سے ایک جریر بھی تھے اور یہ واقعہ وفات نبوی سے کئی ماہ قبل کا ہے اصح قول یہ ہے کہ آپ نے ۹ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔

وفات کا سانحہ:۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کی وفات کے متعلق بھی قدرے اختلاف ہے اصح قول یہ ہے کہ

۵۰ھ میں وفات ہوئی ہے بعض لوگوں نے کہا کہ ۵۰ھ کے بعد آپ کی وفات کا عظیم سانحہ پیش آیا ہے حافظ نے تقریب میں بعد والا قول قیل سے ذکر کیا ہے۔

(۱۶۶) ثنا محمد بن عبداللہ بن نمیر ثنا عبد اللہ بن ادریس عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن جریر بن عبد اللہ البجلی قال ما حجبنی رسول اللہ ﷺ منذ اسلمت ولا رانی الا تبسم فی وجہی و لقد شکوت الیہ انی لا اثبت علی الخیل فضرب بیدہ فی صدرہ فقال اللہم ثبتہ واجعلہ ہادیا مہدیا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب سے میں مشرف باسلام ہوا اللہ کے رسول ﷺ نے کسی چیز سے مجھکو نہیں روکا، اور جب بھی مجھے دیکھتے تبسم فرماتے، اور میں نے آپؐ سے شکایت کی کہ (یارسول اللہ) میں گھوڑا پر ثابت نہیں رہ پاتا ہوں تو حضور ﷺ نے (میری اس درخواست پر) اپنے دست مبارک کو میرے سینے پر رکھ کر دعا کی کہ اے اللہ ان کو ثبات عطا فرما، اور ان کو ہدایت پانے والا اور ہدایت کی طرف بلانے والا بنایئے۔

تشریح حدیث:۔ما حجبنی

ما منعنی کے معنی میں ہے اس سے حضرت جریر بن عبداللہ کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے نیز حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایک مومن جب کسی دوسرے مومن بھائی سے ملاقات کرے تو کبیدہ خاطر ہو کر نہ ملے بلکہ طلاقت وجہ بشاشت قلب اور خوش روئی سے ملے، اس لئے کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے مومن بھائی کے ساتھ مسکرا کر ملاقات کرنی بھی نیکی ہے اور اس پر اللہ ثواب عطا کرتے ہیں۔

فَضَائِلُ اَهْلِ بَدْرٍ

(۱۶۷) حدثنا علی بن محمد وابوکریب قالا ثنا وکیع ثنا سفیان عن یحیی بن سعید عن عبایۃ بن رفاعۃ عن جدہ رافع بن خدیج قال جاء جبرئیل اوملک الی النبی ﷺ فقال ما تعدون من شہد بدرا فیکم قالوا خیارنا قال کذلک ہم عندنا خیار الملائکۃ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل یا کوئی اور دوسرے فرشتہ نبی ﷺ

کے پاس تشریف لائے اور معلوم کیا کہ آپ شرکاءِ بدر کو کیا سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ شرکاءِ بدر ہم میں بہتر ہیں، فرشتہ نے کہا اسی طرح ہمارے نزدیک بھی شرکاءِ بدر خیر ملائکہ ہیں۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے معرکہ بدر میں شریک ہو کر کفر کا کر توڑ مقابلہ کیا ان کا مرتبہ عند اللہ بمقابلہ دوسرے غزوات میں شریک ہونے والے صحابہ سے بہت اونچا اور بلند ہے کیونکہ شرکاءِ بدر نے کفر کا اس وقت مقابلہ کیا، جب اسلام بالکل کسمپرسی کے عالم میں تھا معدودے چند آدمی دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور وہ زمانہ نہایت تنگی اور عسرت کا تھا پتے کھا کھا کر زندگی بچارہے تھے، اور بعد میں صحابہ کرامؓ نے جو غزوات لڑے ہیں وہ بھی عند اللہ محبوب اور اونچے مرتبے والے ہیں مگر ان کے مقابلے میں کم ہیں، اسی مضمون کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل الخ تم میں سے کوئی برابر نہیں ہو سکتا اس شخص کے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا۔ شرکاءِ بدر وہ مقدس نفوس ہیں جن کی مغفرت کا پروانہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دے دیا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیا، علماء کرام کا کہنا ہے کہ شرکاءِ بدر کے اسماء تلاوت کرنے کے بعد دعا کرنے سے دعاء قبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس دعاء کو رائیگاں نہیں کرتے ہیں۔

فَضَائِلُ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عليهم

(۱۶۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ ثَنَا جَرِيْرٌ ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيْعٌ

(۱۶۹) وَثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ ثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ جَمِيْعاً عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَباً مَاَادْرَكَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا ثواب صحابہ کرامؓ کے ایک مد کے برابر کیا اس کے نصف ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔

تشریح حدیث:۔ لا تسبوا

یہ نہی کا صیغہ ہے مگر اس سے کون لوگ مراد ہیں اس سلسلے میں علماء کرام کے درمیان قدرے اختلاف ہے شارح مشکوۃ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ خطاب امت کے لئے ہے، یعنی حضور اکرم ﷺ کو اپنے علم نبوت کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ ایک جماعت اہل بدعت میں پیدا ہوگی جو صحابہ کو گالی دے گی انہیں برا بھلا کہیگی اس لئے حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی سے منع فرمادیا[1]

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد صحابہ کرام کے بعد کے لوگ ہیں اور صحابہ کو علی سبیل الفرض مخاطب بنایا گیا ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ اس حدیث کو حضور ﷺ نے ایک خاص موقع پر ارشاد فرمایا تھا واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت خالد بن الولید اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی تھی جس پر حضرت خالد بن الولید نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو کچھ نامناسب کلمات کہے تھے تو اس وقت آپ نے حضرت خالد بن الولید کو خطاب کر کے فرمایا کہ میرے صحابہ کو برامت کہو[2]

اصحابی سے کون صحابہ مراد ہیں؟ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اصحابی سے مراد وہ مخصوص صحابہ ہیں جو متأخرین صحابہ سے پہلے اسلام قبول کئے ہیں۔[3]

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ حدیث میں اصحاب سے مراد قبل الفتح کے حضرات صحابہ ہیں، علامہ سندھی نے اس تعیین کو مخدوش قرار دیا ہے[4]

سب صحابہ شریعت کی نظر میں:۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ باتفاق امت صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا حرام ہے اور اس سلسلے میں جمہور امت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے والے کی تعزیر کی جائے گی اور بعض مالکیہ کا کہنا ہے کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائیگا اور قاضی عیاض مالکی نے بھی اس طرح کی بات لکھی ہے علماء حنفیہ میں سے بعض نے صراحت کی ہے کہ شیخین ابو بکر و عمر کو برا کہنے والا شخص مستوجب قتل ہے اور علامہ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر کی کتاب السیر میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہنے والے اسی طرح حضرات شیخین کو برا بھلا کہنے والے شخص کی توبہ قبول نہ ہوگی اور فتاویٰ عالمگیر وغیرہ میں ہے کہ جو شخص صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہے ان کو گالی دے ان سے تبرا کرے تو وہ کافر ہے۔

وفی شرح المسلم اعلم ان سب الصحابة حرام من اكبر الفواحش ومذهبنا ومذهب الجمهور انه يعزرو قال بعض المالكية يقتل وقال القاضى سب احد هم من الكبائر انتهى۔ وقد صرح بعض علمائنا بانه يقتل من سب الشيخين[5]

[1] مرقات جلد ۱۱ ص ۲۷۲ [2] مرقات جلد ۱۱ ص ۲۷۲ مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۲۵۲ [3] مرقات جلد ۱۱ ص ۲۷۲ [4] کشف الحاجہ ص ۲۶۵ [5] مرقات جلد ۱۱ ص ۲۷۳۔ نووی علی مسلم جلد ۲ ص ۳۱۰

شرح مسلم میں لکھا ہے کہ جاننا چاہئیے کہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا حرام ہے اور نہایت سنگین گناہ ہے ہمارے اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو کوئی صحابہ کرامؓ کو برا کہے اسے سزا دی جائیگی اور بعض مالکیہ نے کہا اس کو قتل کیا جائیگا اور قاضی عیاض نے کہا کہ صحابہؓ میں سے کسی کو برا کہنا گناہ کبیرہ ہے اور بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ شیخین کو برا کہنے والے کو قتل کیا جائیگا۔

ماادرك مدلحد ولا نصيفه.

مد میم کے ضمہ کے ساتھ ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں ایک سیر بھر کے قریب جو وغیرہ آتا ہے حدیث شریف کے اس ٹکڑے سے صحابہ کرامؓ کے بلند و بالا مقام و مرتبہ کو متعین کرتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام اپنے کمال اخلاص وللہیت اور ورع و تقویٰ کی وجہ سے ان کا ادنیٰ عمل خیر بھی بعد والوں کے اعلیٰ عمل کے مقابلہ میں ثواب و نیکی میں بڑھا ہوا ہے کیوں کہ نیکی و ثواب میں زیادتی کا دارو مدار اخلاص وللہیت پر ہے جس قدر اخلاص زیادہ ہو گا اسی قدر ثواب بھی زیادہ ملیگا اور یہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے بعد اگر کوئی اخلاص وللہیت کے اوج ثریا پر پہنچا ہوا ہے تو وہ حضرات صحابہ ہیں ان کے اخلاص و اعمال اور ورع و تقویٰ کی شہادت قرآن کریم نے دی ہے اس لئے ان کے چھوٹے سے چھوٹے اعمال کا ثواب بعد والوں کے بڑے سے بڑے اعمال کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کا مال خالص طیب اور پاکیزہ ہوتا تھا اور ان کی ضرورتیں حاجتیں اس بات کی متقاضی تھیں کہ وہ اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کریں لیکن اس کے باوجود اپنی استطاعت کے بقدر وہ اللہ کی راہ میں خوش دلی سے خرچ کرتے تھے اس لئے ان حضرات کے ادنیٰ عمل کا ثواب بھی دوسروں کے اعلیٰ عمل سے زیادہ ہے۔

(۱۷۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالاَ ثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ نُسَيْرِ بْنِ ذُعْلُوْقٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ لاَ تَسُبُّوْا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَلَمُقَامُ اَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ اَحَدِكُمْ عُمُرَهٗ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت نسیر بن ذعلوق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر فرمایا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو برا بھلا مت کہا کرو، اس لئے کہ صحابہ میں سے کسی کا بھی تھوڑی دیر کا قیام کرنا تم میں سے ہر ایک کی زندگی بھر کے عمل سے بہتر ہے۔ حدیث شریف کی تشریح ابھی گذری ہے۔

فَضَائِلُ الْاَنْصَارِ

امام ابن ماجہ نے یہ عنوان قائم نہیں کیا ہے بلکہ بعد کے لوگوں نے یہ عنوان لگادیئے ہیں اس میں انصار کے فضائل بیان کئے گئے۔

(۱۷۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ الْاَنْصَارَ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَ الْاَنْصَارَ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ قَالَ شُعْبَةُ قُلْتُ لِعَدِيٍّ أَسَمِعْتَهُ مِنَ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اِيَّايَ حَدَّثَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص انصار سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا اور جو شخص انصار سے بغض رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا، شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے عدی سے معلوم کیا کہ تم نے خود یہ بات حضرت براء بن عازب سے سنی ہے؟ تو فرمایا مجھ سے خاص طور سے بیان کیا۔

تشریح حدیث:۔من احب الانصار احبه الله۔

اس حدیث شریف میں انصار کی فضیلت بیان کی گئی ہے انصار، ناصر کی جمع ہے اور ناصر کا لفظ لغت میں عام طور پر مدد کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے مگر اصطلاح شرع میں انصار کا لفظ ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور جان و مال سے آپ کی مدد کی، دراصل مدینہ منورہ میں دو قبیلے آباد تھے ایک کے مورث اعلیٰ کا نام اوس، اور دوسرے کے مورث اعلیٰ کا نام خزرج تھا اور اوس و خزرج دونوں بھائی تھے، آگے چلکر انکی نسلوں نے دو قبیلہ کی شکل اختیار کرلی تھی، جب تک مدینہ میں اسلام اور حضور اکرم ﷺ کی آمد نہیں ہوئی تھی یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے زبردست دشمن تھے ہجرت نبوی کے وقت تک مسلسل ایک سو بیس سال سے ان دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ چلی آرہی تھی لیکن جب اسلام اور پیغمبر اسلام مدینہ منورہ پہنچے اور ان کا تعلق سرکار دوعالم ﷺ سے ہوا، اور جب ان لوگوں نے ایمان و اسلام کی روشنی سے اپنے قلوب کو مجلّٰی اور منور کیا، تو ان کی باہمی عداوت و نفرت اور تمام مجادلہ و مقاتلہ باہمی موانست سے بدل گیا اور پھر آپس میں شیر و شکر ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں قبیلوں کو انصار کا لقب عطا فرمایا اور اسی لقب سے یہ قبیلہ مشہور ہوا ۔ انصار کے فضائل و مناقب، اور عنداللہ ان کے مقام و مرتبہ بہت ہی زیادہ ایک حدیث شریف

ا مرقات جلد ۱۱ ص ۴۲۱

میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ آیۃ النفاق بغض الانصار ۔انصار سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے ایک حدیث میں انصار کے لئے دعاء کرتے ہوئے فرمایا۔اللهم اغفر الانصار ولا بناء الانصار ولا بناء ابناء الانصار۔ اے اللہ انصار کو،انصار کے بیٹوں کو اور انصار کے پوتوں کی مغفرت فرما۔

(۱۷۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ ثَنَا اِبْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ عَنْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ وَلَوْ اَنَّ النَّاسَ اِسْتَقْبَلُوْا وَادِياً اَوْ شَعْباً اَوْ اِسْتَقْبَلَتِ الْاَنْصَارُ وَادِياً لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ لَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ اِمْرأً مِنَ الْاَنْصَارِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انصار کی حیثیت شعار (بدن سے متصل کپڑے) کی ہے اور عام لوگوں کی حیثیت دثار (یعنی بدن سے جدا کپڑے) کی ہے اور اگر لوگ کسی وادی یا پہاڑی کا سامنا کرے،اور انصار بھی کسی وادی یا پہاڑی کا سامنا کرے تو میں انصار کی وادی پر چلتا،اور ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا۔

تشریح حدیث:۔

شعار اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو بدن سے متصل ہوتے ہیں،هوالذی یلی شعر البدن [۲] دثار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پہنے ہوئے کپڑوں کے اوپر ہوتے ہیں وهوالثوب الذی فوق الشعار [۳]

حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انصار خواص صحابہ میں سے ہیں،اور دوسرے لوگ عام صحابہ میں سے ہیں، آپ ﷺ نے انصار کو شعار اور بقیہ لوگوں کو دثار کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں انصار کے دلوں میں صدق ایمان اور خلوص و محبت کا جوہر پیوست ہو چکا ہے گویا آپ نے یہ فرمایا کہ انصار میرے خاص اعتباری اور رازدار لوگ ہیں اور تمام لوگوں میں قدر و منزلت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں۔

وادیاً اوشعباً ۔یہاں راوی کو شک ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے وادیاً کا لفظ فرمایا تھا یا شعباً کا،وادی اس قطعہ زمین اور راستہ کو کہتے ہیں جو دو دو پہاڑوں یا دو ٹیلوں کے درمیان ہو،جس کو عربی میں فرجہ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں واک کہتے ہیں ،اور شعب اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو کسی پہاڑ کے اندر سے ہو کر

---

[۱] مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۰۵ [۲] مرقات جلد ۱۱ ص ۴۲۳ [۳] مرقات جلد ۱۱ ص ۴۲۳

گذرتا ہو، حجاز میں چونکہ پہاڑیاں کثرت سے ہیں اس لئے وہاں شعب اور وادیاں بھی بہت کثرت سے پائی جاتی تھیں ،اس زمانے میں ہوتا یہ تھا کہ کسی قافلہ یا قبیلہ کا سردار جس درّے یا گھاٹی سے ہو کر گذرتا تھا سارا قافلہ اس کے پیچھے ہو لیتا ،اور وہاں سے گذر کر اپنی منزل تک پہنچ جاتا تھا ،چنانچہ آپ نے اس حدیث شریف میں فرمایا کہ اگر تمام لوگ دو جماعتوں میں تقسیم ہو کر الگ الگ راہ بنالیں تو میں انصار کی راہ اختیار کروں گا اس سے کمال تعلق اور غایت اخوت و محبت کو بیان کرنا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ شعب اور وادی سے یہاں مسلک اور رائے مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی معاملہ میں لوگوں کی رائیں مختلف ہو جائیں تو میں اس رائے کو اپناؤں گا جو انصار کی ہوگی اور وہی مسلک اختیار کرونگا جو انصار کا ہوگا اس صورت میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مقصد حسن موافقت و مرافقت کا بیان کرنا ہے کیوں کہ انصار نے بھی آپ کے لئے وفاشعاری اور اچھی خدمت گذاری کا ثبوت دیا۔

لولا الهجرة لكنت امرأ من الانصار۔

اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نسب ولادی میں تبدیلی کی خواہش یا تمنا کا اظہار کرنا مقصود نہیں ہے کیوں کہ اوّلاً تو نسب میں تبدیلی حرام ہے ثانیاً اس لئے کہ آں حضرت ﷺ کا نسب تمام نسبوں سے اعلیٰ اور اشرف ہے اس لئے اس میں تبدیلی کی خواہش کے اظہار کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ہے بلکہ یہاں نسب بلادی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہجرت کا تعلق دین سے نہ ہوتا اور اس کی طرف منسوب ہونا ضروری نہ ہوتا تو میں مہاجر کہلانے کے بجائے انصار کہلاتا، مگر چوں کہ ہجرت کا تعلق دین سے ہے اور اس کی طرف منسوب ہونا بہت بڑی فضیلت کی بات ہے اس لئے میں اپنی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتا، پس اس حدیث سے جہاں انصار کی فضیلت معلوم ہوئی وہیں ہجرت اور مہاجرین کی بھی فضیلت معلوم ہوئی[1]

رجال حدیث:۔

عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن عمرو العثمانی الدمشقی ثقہ راوی ہیں[2]

ابن ابی فدیک، یہ محمد بن اسماعیل بن مسلم ابی فدیک المدنی صدوق راوی ہیں[3]

عبدالمہیمن بن عباس بن سہل بن سعد الساعدہ الانصاری المدنی ہیں ضعیف راوی ہیں[4]

(۱۷۳) حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ ثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنِيْ كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ

---

[1] مظاہر حق جدید جلد ۷ ص ۴۵۳ [2] تقریب ص ۲۰۹ [3] تقریب ص ۲۱۵ [4] تقریب ۱۶۶

ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عمرو بن عوف اپنے والد کے توسط سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انصار پر اور انصار کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحم کرے۔

تشریح حدیث:۔

پہلے درجے کے لوگ تو صحابہ کرامؓ ہوئے دوسرے درجے کے لوگ تابعین ہوئے اور تیسرے درجے کے لوگ تبع تابعین ہوئے حضور اکرم ﷺ نے انصار کے تینوں قرنوں کے لئے دعاء فرمائی ہے جو فی الحقیقت خیر القرون کے مصداق ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیٹوں اور پوتوں سے مراد قیامت تک کی نسلیں ہوں جن میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں بھی شامل ہوں گی کیوں کہ ابناء کا لفظ اولاد کے معنیٰ پر محمول ہو سکتا ہے۔

فَضْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابن عباس کی مختصر سوانح عمری:۔

آپ کا اسم گرامی عبداللہ، والد کا نام عباس، والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا، آپ حضور اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں سلسلہ نسب اس طرح ہے عبداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم، الخ آپ ہجرت نبوی سے تین سال قبل پیدا ہوئے جب بنو ہاشم کے لوگ گھاٹی میں محصور تھے، آپ زبردست علمی فضیلت کے حامل تھے، بحر التفسیر اور خیر الامت کے لقب سے سرفراز تھے آپ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے فقہ، تفسیر قرآن اور حکمت کی دعا فرمائی، روئے زمین پر آپ سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔[1]

حلیہ مبارکہ:۔

آپ سفید رنگ، دراز قامت، جسیم صبیح الوجہ اور روشن چہرہ کے مالک اور نہایت خوب صورت تھے حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ جب میں ابن عباس کو دیکھتا ہوں بے ساختہ پکار اٹھتا ہوں اجمل الناس، یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل، اور گفتگو کرتے ہوئے دیکھتا ہوں[2] تو کہہ اٹھتا ہوں افصح الناس۔ یعنی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ، اور حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میں کہہ اٹھتا ہوں اعلم الناس یعنی لوگوں میں سب سے بڑا عالم۔[3]

وفات:۔

اصح قول کے مطابق آپ کا عمر اکہتر سال ۶۸ھ میں طائف میں انتقال ہوا آپ کی نماز جنازہ محمد بن

---

[1] حاشیہ جلد ۱ ص ۳۲۵ [2] بحوالہ کاتبین وحی ص ۱۸۲ [3] الاصابہ جلد ۲ ص ۳۳۳

حنفیہ نے پڑھائی، قبر پر مٹی برابر کرنے کے بعد آپ نے کہا مات واللہ الیوم حبر ھذہ الامۃ واللہ آج امت کے سب سے بڑے عالم ربانی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ [1]

(۱۷٤) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ قَالَا ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ ثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَيْهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَتَاوِيْلَ الْكِتَابِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے اپنے سے چمٹایا اور دعاء فرمائی کہ اے اللہ تو اسے حکمت اور قرآن کا فہم عطا فرما۔

تشریح حدیث:۔ اللهم علمه الحكمة

حکمت کا لفظ قرآن کریم میں مستعمل ہے چنانچہ ارشاد ہے ومن یوتی الحکمة فقد أتی خیرا کثیرا جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دیا گیا، مگر یہاں جو حکمت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق محشی بخاری مولانا احمد سہارنپوری قدس سرہٗ نے بخاری شریف کے حاشیہ میں متعدد قول نقل کئے ہیں بعض علماء نے کہا کہ حکمت سے مراد قول میں درستگی اور اصابت رائے ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حکمت سے مراد دین کے اندر سمجھ بوجھ پیدا کرنا یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا کر دی تھی۔ اور بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ حکمت سے مراد ایک نور ہے جو الہام ووساوس کے درمیان خط امتیاز قائم کرتا ہے، دوسرے بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد سرعت الجواب بالصواب ہے یعنی علی الفور درست اور صحیح جواب دینا، اور بعض علماء محدثین نے کہا کہ حکمت سے مراد عقل ہی کی ایک کیفیت ہے جو کسی چیز کی صحت وعدم صحت کا فیصلہ کرتی ہے اس کے علاوہ بھی اور اقوال علماء نے لکھے ہیں۔ [2]

امام ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے حکمت کے متعلق سوال کیا، کہ حکمت سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حکمت سے دین کی معرفت دین میں تفقہ پیدا کرنا اور اتباع سنت مراد ہے اور حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنتیں ہیں، اور کہا گیا ہے کہ حکمت سے مراد حق وباطل کے درمیان فرق کرنا ہے [3]

تاويل الكتاب:۔

تاویل کتاب سے مراد کیا ہے؟ تاویل کتاب سے مراد قرآن کریم کی تفسیر ہے اسی لئے پوری امت کا

---

[1] الاصابہ جلد ۲ ص ۳۳۴ [2] بخاری شریف جلد اص ۵۳۱ کا حاشیہ ۳ [3] انظر بخاری شریف جلد اص ۵۳۱ حاشیہ ۴

اس بات پر اتفاق ہے کہ عبداللہ ابن عباس اعلم تفسیر القرآن تھے، آپ تاج المفسرین کہلاتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام کے بالمقابل آپ قرآن کریم کے علوم و معانی اسرار و حکم اور رموز و غوامض سے زیادہ واقف تھے، قرآنی تفسیر میں تمام صحابہ کرام آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

تاویل و تفسیر میں فرق:۔

جب یہاں تاویل اور تفسیر کی بات آگئی، تو اب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان فرق بھی واضح کردوں، تاویل و تفسیر دونوں ایک معنی میں مستعمل ہیں یا الگ الگ؟ ابو عبیدۃ فرماتے ہیں کہ تاویل و تفسیر دونوں معنی واحد میں مستعمل ہوتے ہیں، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ تفسیر عام ہے اس کا استعمال زیادہ تر کتاب اللہ کے الفاظ اور اس کے مفردات پر ہوتا ہے جب کہ تاویل کا استعمال خاص طور پر کتاب اللہ کے صرف جملوں اور معانی کے اندر ہوتا ہے اور شیخ ماتریدی نے کہا کہ یقین کے ساتھ کسی معنی کو متعین کرنا کہ اس آیت یا اس لفظ کی مراد خداوندی یہی ہے تفسیر کہلاتا ہے اور احد المحتملین میں سے کسی ایک کو بغیر کسی یقین کے ساتھ راجح قرار دینا تاویل کہلاتا ہے، بعض علماء کرام کا یہ خیال ہے کہ تفسیر تو روایت سے متعلق ہوتی ہے، اور تاویل درایت سے متعلق ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں [1]

[1] اصول التفسیر ۳۔ بیضاوی شریف کے شروع میں یہ تفسیر لگی ہوئی ہے
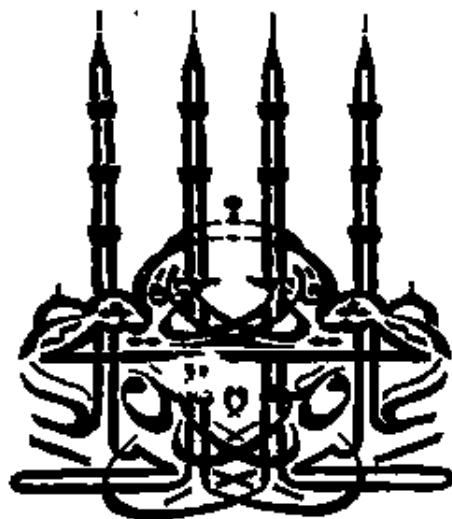
(۱۲) بابُ فی ذکرِ الخوارج

جنگ صفین میں جب بہت زیادہ خون خرابہ ہوا دونوں ہی جانب سے مسلمان کا زبردست جانی ومالی نقصان ہوا اور جب حضرت علیؓ کے تحت لڑنے والے اشتر کے پے در پے حملوں سے شاہی فوجوں کے قدم اکھڑنے لگے تو حضرت عمر و بن العاصؓ کی ایماء پر امیر معاویہؓ کے حکم سے شامیوں نے اپنے نیزوں پر قرآن کریم کو بلند کیا اور زور زور سے کہنے لگے۔ **هذا کتاب الله بيننا وبينكم** ۔ ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرے گا چنانچہ دونوں جماعتوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاص کو حکم مقرر کرنے کے بعد فیصلہ کے لئے انہیں چھ مہینے کی مہلت دی اتنا ہونے کے بعد دونوں لشکروں نے اپنے کجاوے کسنے شروع کر دیئے اور کوچ کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں حضرت امیر معاویہؓ تو بآسانی اپنی قیام گاہ پہونچ گئے لیکن جب حضرت علیؓ ۱۳ار صفر ۳۷ھ کو کوفہ کا قصد کیا تو کچھ شر پسندوں نے آپ کو دوبارہ شامیوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی حضرت علیؓ نے اقرار نامے کے سوا اس بد عہدی اور غدر سے صاف انکار کر دیا، اور کہا کہ فیصلہ کی میعاد تک ہمیں انتظار و توقف کرنا چاہیے آپ کے اس جواب سے مایوس ہو کر انہوں نے خروج وبغاوت کیلئے ٹھان لی اور کوفہ کے قریب اپنے ہم خیال بارہ ہزار جماعت کو لیکر حضرت علیؓ کے لشکر سے الگ ہو کر حروراء میں جا بسے عبداللہ بن الکواء کو اپنا امام شیث بن ربعی کو سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد خوارج نے اپنے منشور کا اعلان کر دیا۔

بیعت صرف خدائے تعالیٰ کی ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا ہمارا فرض ہے کوئی خلیفہ کوئی امیر کو نہیں فتح حاصل ہونے کے بعد سارے کام مسلمانوں کے مشورے اور کثرت رائے سے انجام دیئے جائیں گے امیر معاویہؓ اور علیؓ دونوں یکساں اور خطاء کار ہیں

اس اعلان کے بعد حضرت علیؓ انہیں سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے اور بڑی کوشش کے بعد ان کو دوبارہ کوفہ لے آئے اور تمام حضرات حکمین کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

وقت تیزی سے گذر تا رہا فیصلہ کی تاریخ آپہونچی اور دونوں گروپ کے لوگوں نے فیصلہ سننے کے لئے جا مقررہ کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا لیکن جب حکمین نے اپنے اپنے فیصلے سنائے اور عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کو بحال کرتے ہوئے حضرت علیؓ کو معزول کرنا چاہا تو حامیان علیؓ بھڑک اٹھے حضرت علی نے بھی اس جانبدارانہ فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دوبارہ شامیوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کیں اب خوارج کو بھی موقع ہاتھ آگیا وہ حضرت علی کو ملامت کرنے لگے کہ انہوں نے حکمین کو مقرر کر کے سخت غلطی کی تھی نیز اس طرح وہ گناہ کے مرتکب ہوئے اور اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتے لیکن حضرت

علیؓ نے اپنے گناہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، کہ جب گناہ نہیں تو توبہ کا کیا مطلب۔ یہ سن کر خوارج طیش میں آگئے اور **لا حکم الا للہ لاحکم الااللہ** کے نعرے لگاتے ہوئے آگئے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے اس کے بعد حضرت علیؓ کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو مسجد کے گوشہ سے ایک خارجی نے **لا حکم الا للہ** کی آواز لگائی حضرت علی نے اس کے جواب میں یہ تاریخی جملہ کہا **کلمۃ حق ارید بہ الباطل** اور انہیں ہر طرح سے سمجھادیا لیکن ان کے لاکھ سمجھانے کے باوجود یہ کج فہم اور گمراہ لوگ باز نہ آئے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں کوفہ سے نکل کر چھپتے چھپاتے مقام نہروان پہونچ کر اپنی بڑھتی ہوئی پچیس ہزار کی تعداد کو منظم کر کے اپنی حکومت قائم کی حضرت علیؓ اور ان کے تابعین پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے ان سے جہاد و قتال ضروری قرار دیا، اتنا ہونے کے باوجود حضرت علی انہیں راہ راست پر لانے کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے ہر طرح کے دلائل و براہین سے اپنے موقف کی وضاحت کی لیکن یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ بار بار یہی کہتے رہے تم نے قرآن کریم کی نافرمانی کی اور کافر ہوئے۔ اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتے، اور پوری طرح لڑنے کیلئے تیار ہو گئے،

دوسری جانب خوارج نے یہ کہا کہ حضرت علیؓ امرھم شوریٰ بینھم کی روشنی میں مہاجرین وانصار کی اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب ہوئے تھے وہ خلیفہ برحق تھے حضرت معاویہ نے ان کو خلیفہ ماننے سے انکار کیا لہذا وہ کافر ہوئے اور حضرت علی کو چاہیئے تھا کہ امیر معاویہ کے ساتھ قرآن کریم کے حکم کے مطابق باغیوں کے ساتھ سلوک کرتے اور انہیں بزور شمشیر اطاعت پر مجبور کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان سے مصالحت کی ہے لہذا حضرت علی بھی کافر ہوئے اور جو لوگ ان کے ہم خیال ہوں وہ بھی کافر ہیں ان کے خون ہمارے لئے حلال ہیں ہم ان دونوں سے جنگ کریں گے پھر فتح کے بعد قرآن کریم کے مطابق اسلامی نظام کریں گے، چنانچہ خوارج نے اپنے مقصد کو بر لانے کے لئے کوفہ اور بصرہ میں قتل و غارت گری شروع کر دی اور کچھ ناعاقبت اندیش لوگ اس میں شریک ہو گئے۔

حضرت علیؓ نے ان کو سمجھانے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا مگر وہ لوگ نہ مانے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی بڑھتی ہوئی سرکشی کے پیش نظر خود تشریف لے گئے مگر پھر بھی وہ لوگ ماننے سے انکار کر دیئے اور کہنے لگے کہ پہلے آپ تسلیم کیجئے کہ تحکیم قبول کر کے آپ نے کفر کا ارتکاب کیا ہے پھر توبہ کا اعلان کیجئے تب ہم آپ کے ساتھ ہوں گے، حضرت علیؓ نے یہ دیکھکر شام کی مہم موخر کی، اور پہلے انہیں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا، نیز فوج کو منظم کرنے کے بعد آپنے یہ اعلان کر دیا، کہ جو خارجی بغیر لڑے یہاں سے چلا جائیگا وہ مامون رہیگا اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اس اعلان کے بعد دو تہائی سے زیادہ خارجی

وہاں سے بھاگ نکلے بقیہ ایک تہائی کو گھیر کر حضرت علیؓ نے تہ تیغ کر دیا، لڑنے والوں میں صرف نو آدمی ہی زندہ بچ سکے اس طرح بروقت یہ فتنہ بالکل دب گیا۔[1]

خوارج اپنے عقائد باطلہ کے آئینے میں:۔

فرقہ خوارج بہت سارے عقائد باطلہ اور افکار فاسدہ، اور خیالات زائغہ اپنے اندر لئے ہوئے ہیں جن کا اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں، بلکہ ان کے تمام عقائد اسلامی عقائد کے بالکل متضاد اور متصادم ہیں ہم ذیل میں ان کے چند عقائد بطور نمونہ قلم بند کر رہے ہیں۔

(۱) مرتکب کبیرہ کافر ہے اور وہ آخرت میں مخلد فی النار ہوگا (۲) خوارج کا ہر مخالف کافر اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اس لئے اس سے قتال ضروری ہے (۳) حضرت عثمان حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ سے بغض وعداوت بھی ان کے عقائد کا ایک جز ہے (۴) رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں ہے (۵) کلام اللہ مخلوق ہے (۶) صحابہ کرام قطعاً حجت نہیں ہیں (۷) حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اور ان کے معین ومددگار اور حامی سب کافر ہیں (۸) ظالم وفاسق سے خروج کرنا اور اس میں توقف اور سکوت اختیار کرنا موجب کفر ہے (۹) خلیفہ کے لئے کوئی خاص قبیلہ اور خاندان افضل نہیں حتیٰ کہ قریش کو بھی دیگر قبائل پر فوقیت نہیں ہے کوئی بھی قبیلہ خلافت کا امیدوار ہو سکتا ہے اور غیر قریشی کو خلیفہ بنانا افضل ہے (۱۰) خوارج قریش سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور اس چیز کے منکر ہیں جو ان کے خود ساختہ اصولوں سے ٹکرائے یا ان کی خواہش کے خلاف ہو، (۱۱) خلیفہ کا انتخاب آزادانہ طور پر کیا جائیگا، اور وہ عدل وتقویٰ پر قائم رہتے ہوئے ہی خلیفہ رہ سکے گا ظالم اور فاسق ہونے کی صورت میں اس کو قتل کرنا یا معزول کرنا ضروری ہے (۱۲) حالت حیض میں فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہے۔

(۱۷۵) حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِی شَیْبَةَ ثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ عُلَیَّةَ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ عُبَیْدَةَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ وَذَکَرَ الْخَوَارِجَ فَقَالَ فِیْهِمْ رَجُلٌ مُخْدَجُ الْیَدِ اَوْ مُوْدَنُ الْیَدِ اَوْ مَثْدُوْنُ الْیَدِ وَلَوْلَا اَنْ تَبْطَرُوْا حَدَّثْتُکُمْ بِمَا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَقْتُلُوْنَهُمْ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ قُلْتُ اَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ اَیْ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان

---

[1] مستفاد مصباح الزجاجہ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷ مزید تفصیل ملاحظہ کیجئے تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۲۸۷ تا ۲۹۰۔ خلافت راشدہ کا عہد زریں ص ۲۲۸ تا ۲۲۹، المرتضیٰ ص ۲۷۰ تا ۲۷۴

میں ایک شخص ہوگا جن کا ہاتھ ناقص یا کٹا ہوا ہوگا یا بھاری ہاتھ والا ہوگا اور اگر تم لوگ نہ اتراتے، تو یقیناً میں تم سے وہ حدیث بیان کرتا، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ان کی ہلاکت کے متعلق وعدہ فرمایا ہے (راوی حدیث حضرت) عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے معلوم کیا کہ کیا واقعی آپ نے اس کو اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہے انہوں نے کہا جی ہاں رب کعبہ کی قسم (یہ جملہ) تین مرتبہ فرمایا۔

تشریح حدیث:۔

مُخْدَجٌ خَدَجَ ۔ض۔ن۔ **خِدَاجاً** ناقص ہونا نامکمل ہونا۔ **اخدجت الداجة** ناتمام بچہ گرا دینا، **مخدج** اسم مفعول کا صیغہ ہے سو دن تفعیل اسم کا مفعول صیغہ **مُصرَّف** کے وزن پر ہے **الشیٔ** چھوٹا کرنا، تر کرنا، نرم کرنا، گھٹانا **مثدون ثدن** ۔س۔ **ثدناً اللحم** بدبودار ہونا۔ **تبطروا** ۔س **بطراً** اترانا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے تم لوگوں کی طغیانی و سرکشی، اور نعمت کی زیادتی کے وقت اعراض عن الحق کا اندیشہ نہ ہوتا۔ تو میں اس حدیث کو ذکر کرتا جو اللہ رب العزت نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے ان کی ہلاکت کے متعلق وعدہ فرمایا اور ان کے ساتھ قتال کرنے کی تیاری کرنے والوں کا ثواب بیان کیا ہے مگر چوں کہ مجھے تم لوگوں کے فتنہ میں پڑنیکا اندیشہ ہے اس لئے بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔

امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ جس حدیث کے بیان سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ کر رہے ہیں اس ٹکڑے کو بھی نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا **فاینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجراً لمن قتلھم یوم القیٰمة**[1] جہاں بھی اسے پاؤ قتل کرڈالو اس لئے کہ اس کے قتل کرنے میں قتل کرنے والے کے لئے قیامت میں بہت بڑا اجر ہے یہاں اجراً کے اندر جو تنوین ہے وہ تنوین تعظیم اور تکثیر دونوں کیلئے ہو سکتا ہے۔

زیر باب حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نبوت ہی میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کو خروج خوارج کا علم ہو گیا تھا اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس فتنہ کے ظہور کی پیشین گوئی فرمادی تھی چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا اے علی تم عیسیٰ بن مریم سے ایک طرح مشابہت رکھتے ہو، یہود نے ان سے بغض عناد رکھا تو انتہا یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر زنا کا تہمت لگایا اور عیسائیوں نے ان سے محبت و دوستی قائم کی تو اس میں اس قدر غلو کر گیا کہ انہیں مقام و مرتبہ میں خدا تک پہنچادیا، اور ان کے لئے وہ صفات ثابت کیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، اے علی تمہارے بارے میں بھی دو گروہ اسی طرح ہلاک ہونگے ایک وہ جو تم سے محبت

---

[1] بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۲۴

میں غلو کرے گا دوسرا وہ جو تجھ سے بغض وعناد رکھکر ہلاک ہوگا اور تیری دشمنی میں ان کی ہلاکت مقدر ہوگی!۱
چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق دونوں گروہ رونما ہو چکے ہیں ایک شیعان علیؓ، روافض کا گروہ ہے جو علی کی محبت میں غلو کرنے اور دیگر صحابہ سے تبراء کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد قرار پائے۔ دوسرے باغیان علی، خوارج کا گروہ ہے جس نے حضرت علیؓ پر بہتان تراشی، زبان درازی حتیٰ کہ کفر بازی سے بھی قطعاً دریغ نہ کیا، اس لئے یہ گروہ بھی گمراہ قرار دیئے گئے اور بعض علماء نے اس گروہ کی تکفیر بھی کی ہے۔

(۱۷۶) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ قَالَ ثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ النَّاسِ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَمَنْ لَقِيَهُمْ فَلْيَقْتُلْهُمْ فَاِنَّ قَتْلَهُمْ اَجْرٌ عِنْدَ اللّٰهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک قوم پیدا ہوگی جن کے دانت چھوٹے ہوں گے (یہ ایک محاورہ ہے جو فساد مچانے والوں کے لئے بولا جاتا ہے) عقلیں موٹی ہوں گی، وہ لوگوں کی باتوں سے اچھی بات کہیں گی، قرآن کریم کی تلاوت کرینگی مگر قرآن کریم ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا وہ اسلام کے دائرے سے اس طرح نکل جائینگی جس طرح تیر ترکش سے نکل جاتا ہے جو شخص ان سے ملے چاہئے کہ وہ انہیں قتل کردے اس لئے کہ ان کو قتل کرنے میں اللہ کے نزدیک قاتل کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔

تشریح حدیث:۔ یخرج فی آخر الزمان

زیر نظر حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ آخری زمانے میں ہوگا جبکہ باب کی تیسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فتنہ خلافت علی کرم اللہ وجہ میں رونما ہوگا اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے عہد خلافت میں خوارج کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا؟ تو پھر یہ حدیث کس طرح درست ہو سکتی ہے؟

محشی بخاری حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۶ھ) قدس سرہ نے مختلف جواب نقل فرمایا ہے (۱) حدیث پاک میں آخر الزمان سے مراد صحابہ کرام کا زمانہ ہے، مگر اس پر علماء کرام نے یہ اشکال کیا

۱ مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۵۶۵۔ مفہوم نقل کیا گیا ہے

ہے کہ صحابہ کرام کا آخری زمانہ تو سو سال تک رہا جبکہ یہ فتنہ تو حضرت علی ہی کے زمانے میں ظاہر ہو چکا تھا ،اس اشکال کا علماء امت نے یہ حل نکالا ہے کہ آخر الزمان سے مراد خلافت نبوت کا آخری دور ہے، چنانچہ صحیح ابن حبان میں مرفوعاً روایت ہے کہ حضور اکرم کے بعد خلافت نبوت تیس سال ہو گی پھر اس کے بادشاہت آجائیگی لیکن پھر سوال اٹھتا ہے کہ خوارج کا ظہور اور ان سے قتل وقتال حضرت علیؓ کے آخری دور خلافت میں مقام نہروان میں ہوا جو ۳۸ھ کا واقعہ ہے پھر خلافت نبوت حضور اکرم ﷺ کے بعد تیس سال کہاں مکمل ہوئی؟

حضرت نانوتوی قدس سرہ بخاری شریف کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ اگر خوارج کے ظہور کو متعدد بار ظہور پر محمول کرلیا جائے تو پھر حدیث بے گرد وغبار باقی رہ جاتی ہے کہ یہ فتنہ متعدد بار اپنا سر ابھارے گا چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ فتنہ خوارج نے متعدد بار اپنا بال و پر پھیلانے کی کوشش کی!

احداث الاسنان وسفهاء الاحلام

احداث یہ حدثٌ کی جمع ہے چھوٹے دانت والا ہونا،اور ابن الاثیر نے کہا ہے کہ **حداثة السن** کنایہ ہے جوانی کی طرف، یعنی وہ لوگ جوان العمر ہوں گے ،اور ابن التین کہتے ہیں کہ حدیث ہرنئی چیز کو کہتے ہیں، اور **احداث الاسنان** سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بالکل جوان ہوں گے **سفهاء الاحلام** ،**سفهاء سفية** کی جمع ، بے وقوف۔احلام۔جمع **حِلْمٌ بكسر الحاء** ۔بردباری ،اور **حُلُمٌ بضم الحاء** قرار دیں تو ایسی صورت میں اس کے معنی خواب کے ہوں گے ،اور یہاں مراد یہ ہے کہ ان کی عقل کمزور ہو گی۔

يقولو ن من خير قول الناس

بخاری شریف میں الناس کی جگہ **البرية** کا لفظ ہے اور یہاں مقلوب ہے اصل میں ہے **من قول خير البرية** اور **خير برية** سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ اشرف نے کہا کہ **خير البرية** سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور علامہ مظہر ،علامہ کرمانی، حضرت نانوتوی ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ **خير قول البرية** سے قرآن کریم ہے اور علامہ کرمانی کی رائے یہ بھی ہے کہ یہاں کسی طرح کا قلب نہیں ہوا ہے **خير قول البرية** سے مراد **اخير من قول البرية** ہے[۲] مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بہترین انسان کے اقوال بیان کریں گے اس صورت میں قرآن کریم کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی احادیث مراد ہوں گے۔

مگر زیادہ مناسب اور موزوں یہ ہے کہ اس سے قرآن کریم ہی مراد لیا جائے کیوں کہ یہ حدیث خوارج کے بارے میں منقول ہے کہ وہ قرآن کریم کو پڑھیں گے اور ان سے وہ لوگ غلط عقائد ونظریات پر استدلال

---

[۱] بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۲۴ کا حاشیہ ۷ [۲] بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۲۴ مرقات جلد ۷ ص ۱۰٦ اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۲۴۷

کریں گے اور قرآنی آیات کی غلط سلط تاویل کریں گی۔

یمرقون من الاسلام کما یمرق السهم من الرمیة

وہ لوگ اسلام سے اسطرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح کوئی تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور وہ تیر شکار میں جلدی پیوست ہو کر نکل جانے کی وجہ سے وہ تیر خون آلود نہیں ہوتا ہے اسطرح وہ لوگ بھی امام وقت اور علماءحق کی اطاعت سے نکل جائیں گے، اور **یمرقون من الاسلام** اسلام سے نکل جائیں گے یعنی اسلام کے احکام کی اطاعت سے نکل جائیں گے، علامہ خطابی کہتے ہیں کہ علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج کی جماعت باوجود گمراہ کے مسلمانوں ہی کی جماعت ہے، ان کے یہاں نکاح کرنا، ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت علیؓ سے لوگوں نے معلوم کیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ فرمایا وہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں، پھر معلوم کیا کہ وہ لوگ منافق ہیں، جواب دیا، کہ منافق تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اور یہ لوگ تو صبح وشام خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، پھر منافق کس طرح ہو سکتے ہیں پھر لوگوں نے معلوم کیا، کہ آخر وہ لوگ کیا ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں ہی میں سے ایک گروہ ہیں جن کو گمراہی نے گھیر لیا ہے چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ [1]

(۱۷۶) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا یَزِیْدُ بْنُ هٰرُوْنَ اَنْبَاُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَذْكُرُ فِی الْحَرُوْرِیَّةِ شَیْئاً فَقَالَ سَمِعْتُهٗ یَذْكُرُ قَوْماً یَتَعَبَّدُوْنَ یَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلٰوتَهٗ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصَوْمَهٗ مَعَ صَوْمِهِمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ كَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ اَخَذَ سَهْمَهٗ فَنَظَرَ فِیْ نَصْلِهٖ فَلَمْ یَرَیٰ شَیْئاً فَنَظَرَ فِیْ رِصَافِهٖ فَلَمْ یَرَیٰ شَیْئاً فَنَظَرَ فِیْ قِدْحِهٖ فَلَمْ یَرَیٰ شَیْئاً فَنَظَرَ فِی الْقُذَذِ فَتَمَارٰی هَلْ یَرَیٰ شَیْئاً اَمْ لَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے کہا کہ کیا آپ نے اللہ کے رسول ﷺ حروریہ (یعنی خوارج) کے متعلق کوئی بات سنی ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آپؐ سے سنا کہ آپ (ﷺ) ایک قوم کا تذکرہ کر رہے تھے جو نہایت عبادت گذار ہوں گی، حتی کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے۔ وہ دین سے اسی طرح نکل جائے گی جس طرح تیر

[1] مرقات جلد ۷ ص ۱۰۷

شکار سے نکل جاتا ہے، (آدمی) اپنے تیر کو اٹھا کر اس کے پھل کو دیکھے پھر اس میں (خون وغیرہ) کچھ بھی نظر نہ آئے، پھر وہ تیر کی لکڑی کو دیکھے اس میں کوئی چیز نہ دیکھے، پھر اس کے نوک کو دیکھے اس میں بھی کچھ نہ دیکھے پھر تیر کے پر کو دیکھے تو اس کو شک ہونے لگا کہ اس میں کچھ ہے یا نہیں؟

تشریح حدیث:الحرورية:

یہ حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ میں ایک گاؤں ہے جہاں اصحاب خوارج نے حضرت علیؓ سے بغاوت کر کے سب سے پہلے قیام کیا تھا اور مستقل طور پر اس کو اپنا مسکن بنالیا تھا اسی وجہ سے اس کو حروریہ کہا جاتا ہے جو خلاف قیاس ہے۔[1]

نصل :حديدة السهم یعنی تیر کی نوک حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی اس کے معنی لکھتے ہے کہ **حديدة السهم والرمح والسيف مالم يكن له مقبض** یعنی تیر نیزہ اور تلوار کا وہ لوہا جسے پکڑنے کے لئے الگ سے موٹھ نہ ہو یعنی لوہے کی نوک رصاف رصفة کی جمع ہے وھی **عصبة تلوى مدخل النصل في السهم** وہ پٹھا جو چمڑ میں تیر کے پھل داخل ہونے کی جگہ سے اوپر لگایا جاتا ہے۔رمية، ترکش ،کمان اور ایسے شکار کو بھی کہا جاتا ہے جس میں تیر پار ہو گیا ہو۔قدح ،بغیر نوک اور بغیر پر والا تیر۔**القذذ** قذۃ کی جمع ہے تیر کا پر[2]

حدیث شریف کی تفصیل اس سے پہلی والی حدیث مین گذر چکی ہے یہاں مختصراً اسکا مطلب یہ ہے کہ لوگ کثرت سے عبادت کریں گے لمبی لمبی نمازیں پڑھیں گے ،روزے پر روزے رکھیں گے ،زبان سے تسبیح وتہلیل کرتے نظر آئیں گے حتی کہ ان کی نمازوں اور روزوں کے سامنے ،اہل حق اپنی نمازوں اور روزوں کو کمتر اور حقیر سمجھیں گے لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، مزید حضور نے اس کی بددینی کو تمثیل سے سمجھایا کہ جس طرح شکاری اپنے پھینکے ہوئے تیر کو پکڑ کر اس کی نوک پر شکار کا نشان دیکھتا ہے لیکن وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی ،پھر تیر کے پٹھے کو دیکھتا ہے وہاں بھی بظاہر کوئی علامت نہیں ہوتی ہے پھر وہ تیر کے پر کی طرف غور کرتا ہے تو وہ شبہ میں پڑجاتا ہے کہ یہ شکاری کا خون ہے یا کسی دوسری چیز کا خون ہے تو جس طرح تیر کو شکار سے نکلنے کے بعد کوئی علامت نہیں ،اسی طرح اس قوم کے دین واسلام سے نکلنے کے بعد کوئی دینی علامت باقی نہ رہ جائیگی وہ ایمان واسلام سے بالکل ہاتھ دھو بیٹھے گی۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۲۴ اکا حاشیہ ۹ [2] انجاح الحاجہ ص ۱۵

(۱۷۷) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ الْمُغِیْرَةِ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ بَعْدِیْ مِنْ اُمَّتِیْ اَوْسَیَكُوْنُ بَعْدِیْ مِنْ اُمَّتِیْ قَوْماً یَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ لَا یُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ كَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ فِیْهِ هُمْ شِرَارُ الْخَلْقِ وَالْخَلِیْقَةِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّامِتِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَافِعِ بْنِ عَمْرٍو اَخِیْ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِیِّ فَقَالَ وَاَنَا اَیْضاً قَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میری امت میں سے (شک روای) ایک قوم ہوگی جو قرآن کریم پڑھے گی مگر قرآن کریم ان کے حلق سے نہ اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گی جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر وہ دین کی طرف واپس نہیں آئیں گی یہ مخلوق میں سب سے بدترین لوگ ہوں گے عبداللہ بن صامت کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو حضرت رافع بن عمرو الغفاری سے جو حکم بن عمرو کے بھائی تھے بیان کیا، انہوں نے کہا یہ حدیث میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے بعینہٖ اسی طرح سنی تھی۔

تشریح حدیث:۔ لایجاوز حلوقهم

ان کا پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائیگا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ وہ بنیادی طور پر گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور قرآن کریم کو محض آلہ کار کے طور پر استعمال کریں گے اور اس کو پڑھیں گے اسلئے ان کی قرآءت کا اثر ان کے مخارج حروف اور ان کی آواز سے آگے نہیں جائیگا جس کی وجہ سے قرآن کریم کی کوئی بھی آیات ان کے دل پر اثر انداز نہ ہوں گی اور نہ اس کے دوسرے اعضاء حرکت و عمل کے لئے اثر پذیر ہوں گے چنانچہ قرآن کریم کی جن باتوں پر ایمان لانا لازم اور ضروری ہے ان پر وہ اعتقاد و یقین نہیں رکھیں گے اور احکام قرآن پر عمل پیرا نہ ہوں گے یا پھر جملہ ہذا کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی قرآءت ان کی تلاوت اور ان کی حسن صوت اس دنیا سے اوپر نہیں اٹھایا جائیگا یعنی قبول نہیں ہوگا تو گویا ان کی تلاوت ان کے حلقوم سے آگے بڑھیگی، اسلئے یہ لوگ مخلوق میں سب سے بدترین لوگ ہوں گے۔

رجال حدیث:۔

سلیمان بن المغیرہ القیسی البصری کنیت ابو سعید، ثقہ راوی ہیں۔[1]

[1] تقریب ص ۱۰۲

حمید بن ہلال العدوی ثقہ راوی ہیں [۱]

عبد اللہ بن صامت الغفاری البصری ثقہ راوی ہیں [۲]

(۱۷۸) حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ ثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيَقْرَأَنَّ الْقُرْآنَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ قرآن کریم کو پڑھیں گے مگر وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے جاتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی مکمل تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۷۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ أَنْبَأ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْجِعِرَّانَةِ وَهُوَ يَقْسِمُ التِّبْرَ وَالْغَنَائِمَ وَهُوَ فِي حِجْرِ بِلَالٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِعْدِلْ يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ فَقَالَ وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ بَعْدِي إِذَا لَمْ أَعْدِلْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ حَتَّى أَضْرِبَ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ هَذَا فِي أَصْحَابٍ وَأُصَيْحَابٍ لَهُ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام جعرانہ میں مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے اور وہ مال غنیمت بلال کی گود میں پڑا ہوا تھا کہ اسی دوران ایک شخص نے کہا اے محمد انصاف کرو، آپ انصاف نہیں کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے لئے ہلاکت ہو اگر میں انصاف نہ کرونگا تو میرے بعد کون انصاف کرے گا حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے تاکہ اس منافق کی گردن اڑادوں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اسکی قوم میں (شک راوی) ایک گروہ ہوگا جو قرآن

[۱] تقریب ص ۶۶ [۲] تقریب ص ۱۳۲

کریم کی تلاوت کرے گا مگر وہ ان کی حلق سے نیچے نہ اترے گی وہ دین (اطاعت امام برحق) سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

تشریح حدیث:۔ **فقال دعنی یا رسول الله حتی اضرب عنق هذا المنافق۔**
سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چوں کہ **اشدهم فی دین الله** تھے مشرکین وکفار کے لئے آپ کا غیظ وغضب تو ضرب المثل ہے اس لئے یہاں بھی آقاء دو جہاں ﷺ سے اجازت طلب فرما رہے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اس مردود نے آپ کی شان اقدس میں گستاخی کی ہے اس لئے مجھے حکم دیجئے میں اس منافق کی گردن تن سے جدا کر دوں اور اسکا خاتمہ ہی کر دوں۔
جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ کلمات کہا تھا اس کا حلیہ امام نسائی اس طرح بیان کیا کہ **رجل اسود مطموم الشعر علیه ثوبان ابیضان،** وہ شخص کالے رنگ کا تھا اس کے سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور اس کے اوپر دو سفید کپڑے تھے۔
حدیث شریف کی بقیہ تشریح سابق میں گذر چکی ہے **لا فائدة فی الاعادة۔**

(۱۸۰) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا اِسْحَاقُ الْاَزْرَقِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْخَوَارِجُ كِلَابُ النَّارِ۔

ترجمہ حدیث:۔
عبداللہ بن اوفیؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوارج جہنم کے کتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔
اس حدیث میں خوارج کو جہنم کے کتے قرار دینا بربناء زجر وتوبیخ اور تغلیظ وتشدید پر محمول ہے لیکن اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ یہ فرقہ باطل پر ہے اور راہ راست سے برگشتہ ہے اسلئے جہنم میں بہر حال جائیگا یہ اور بات ہے کہ اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد جہنم سے خلاصی ہو جائے،

(۱۸۱) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا یَحْیٰی بْنُ حَمْزَةَ ثَنَا الْاَوْزَاعِیُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَنْشَأُ نَشْوٌ یَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَهُمْ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ اَكْثَرَ مِنْ عِشْرِیْنَ مَرَّةً حَتّٰی یَخْرُجَ فِیْ عِرَاضِهِمُ الدَّجَّالُ۔

ترجمہ حدیث:۔
حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک جماعت ایسی پیدا ہو گی

جو قرآن پڑھے گی لیکن قرآن کریم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ایسی جماعت جب بھی ظاہر ہوگی جڑ سے ختم کردیا جائیگا حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے خود فرماتے ہوئے سنا کہ ایسے گروہ جب بھی نکلیں گے ہر مرتبہ اسے مٹادیا دیا جائیگا اور ایسا بیس مرتبہ سے زیادہ ہوگا یہاں تک کہ آخر میں مسیح دجال ظاہر ہوگا۔

تشریح حدیث:۔کلما خرج قرن قطع الخ

یہ جملہ حضرت ابن عمر کا قول ہے یا حدیث شریف کا ٹکڑا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، شاہ عبدالغنی مجددی فرماتے ہیں کہ اس جملے کے اندر دو احتمال ہے ایک یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابن عمر نے یہ حدیث خوارج کے متعلق حضور اکرم ﷺ سے بیسیوں مرتبہ سنی ہے دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ جملہ حدیث ہی کا ایک ٹکڑا ہو، تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اہل حق اس گمراہ فرقہ سے ہر زمانے میں بیس مرتبہ قتال کریں گے اور اس کی جڑوں کاٹ کرر کھدیں گے اس فرقے کے نام ونشان تک مٹادیں گے لیکن اسکے باوجود یہ فتنہ اس قدر بھیانک اور شرانگیز ہوگا کہ ہر زمانے میں کسی نہ کسی طرح موجود رہیگا یہاں تک کہ انہیں میں سے دجال پیدا ہوگا۔

(۱۸۲)حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ اَبُوْبِشْرٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَوْ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَايُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ اَوْ حُلُوْقَهُمْ سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ اِذَا رَاَيْتُمُوْهُمْ اَوْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایک قوم پیدا ہوگی (شک راوی) یا اس امت میں ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کریم (نہایت ہی شاندار اور موثر انداز میں) تلاوت کرے گی (اور حاملین قرآن کریم ہونے کا دعوی کریگی) لیکن (ریا اور بدباطنی کی وجہ سے) قرآن کریم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اور ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ سر منڈا ہوگا جب تم انہیں دیکھو (شک راوی) یا ملاقات کرو تو انہیں قتل کرڈالو۔

تشریح حدیث:۔سیماھم التحلیق

اس زمانے میں ایک جماعت پیدا ہوگی ہے جو اس حدیث کا مصداق علماء دیوبند کو قرار دیتی ہے جو بچند وجوہ باطل ہے (۱) اس حدیث شریف میں حلق رأس کی مذمت نہیں کی گئی ہے بلکہ حلق رأس

کوعلامت قرار دیا گیا ہے (۲) علامت کا وجود ذی علامت کے وجود کو مستلزم نہیں ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ علامت موجود ہو مگر ذی علامت مفقود ہو چنانچہ دیکھئے روشنی کا ہونا علامت ہے آفتاب کے موجود ہونے پر، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں روشنی پائی جائے وہاں آفتاب بھی موجود ہو، رات میں بجلی کی روشنی ہوتی ہے مگر آفتاب نہیں ہوتا ہے (۳) اگر حلق راس فعل مذموم ہے اور حضور اکرم ﷺ نے اس کی مذمت فرمائی ہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہ حلق کیوں کراتے تھے؟ آپ نے جب یہ حدیث حضور اکرم ﷺ سے سنی، **تحت کل شعرة جنابة** ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے تو اسی وقت سے حضرت علی حلق کو لازم کر لئے تھے اور فرمایا **ومن ثم عاديت رأسي ومن ثم عاديت رأسي** [1]

(۴) یہ تجزیہ کیا جائے کہ دیوبندی علماء کی تعداد کتنی ہے اور حلق کرانے والے کتنے علماء ہیں شاید پانچ فیصد بھی حلق کرانے والے نہ ہوں گے، تو چند معدودے علماء کو لے کر تمام علماء دیوبند کو اس کا مصداق قرار دینا دیانت کی کون سی قسم ہے (۵) اگر حلق راس فعل مذموم ہے تو حج میں حلق راس کو کیوں افضل قرار دیا گیا ہے (۶) شراح حدیث کے اقوال اس حدیث بارے میں مختلف ہیں کہ اس حدیث شریف کا مطلب کیا ہے چنانچہ محشی ابوداؤد نے کہا کہ تحلیق سے **تحليق القوم** مراد ہے یا قتل وقتال میں مبالغہ کو بیان کو کرنا مقصود ہے [2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ مراد تحلیق نشاندان قوم حلقہ، حلقہ مردار شتہ اند کہ بطریق تکلیف و تصنع باشند، شارح حدیث علامہ بدرالدین عینی حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ **ويحتمل ان يراد به حلق الرأس واللحية وجميع شعورهم** [3] ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ظاہر کی پاکی اور باطن کی ثقافت ہے، **اى علامتهم تنظيف الظاهر وتجريده على وجه المبالغة الدالة على كثافة باطنهم الخ** [4]

ان توضیحات و تشریحات سے یہ بات بالکل آشکارہ ہو گئی کہ اس حدیث کا مصداق علماء دیوبند کو قرار دینا بر بناء بغض وعناد ہے نہ کہ حدیث شریف کا مصداق، حدیث کا مصداق حقیقت میں خوارج ہیں۔

(۱۸۳) **حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ أَبِي سَهْلٍ ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي غَالِبٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ يَقُولُ شَرُّ قَتْلَى قُتِلُوا تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ وَخَيْرُ قَتْلَى مَنْ قَتَلُوا كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ قَدْ كَانَ هٰؤُلَاءِ مُسْلِمِينَ فَصَارُوا كُفَّارًا قُلْتُ يَا أَبَا أُمَامَةَ هٰذَا شَيْءٌ تَقُولُهُ قَالَ بَلْ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ**

---

[1] ابوداؤد جلد ا ص ۳۳ [2] حاشیہ ابوداؤد ص ۶۵۶ [3] عمدۃ القاری جلد ۲۵ ص ۲۰۱ [4] مرقات جلد ۷ ص ۱۱۹

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ جو قتل کیے گئے ہیں آسمان کے نیچے سب سے بدترین مقتول ہیں، اور آسمان کے نیچے سب سے بہترین مقتول وہ ہیں جنہیں اہل دوزخ کے کتوں نے قتل کیا ہے یہ لوگ مسلمان تھے پھر کافر ہوگئے ابوغالب کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ باہلی سے دریافت کیا، کہ یہ آپ اپنی رائے سے بیان کر رہے ہیں فرمایا نہیں بلکہ میں نے اس کو رسول ﷺ سے سنا ہے۔

تشریح حدیث:۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ صراحت ہے کہ ایک دن ابوامامہ باہلی نے دمشق کی شاہراہ پر خوارج کے سر پڑے ہوئے دیکھ کر مذکورہ حدیث کو بیان فرمایا، نیز مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلی نے اس کے بعد اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی تھی کہ **یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ** اس دن کہ بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے کالے ہوں گے پس جن کے چہرے کالے ہوں گے ان سے کہا جائیگا کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے تھے پس اپنے کفر کے بدلہ میں عذاب چکھو۔

حدیث شریف میں جن لوگوں کے سروں کا تذکرہ ہے کہ حضرت ابوامامہ نے ان کے سر دیکھ کر یہ فرمایا تھا وہ حقیقت میں مرتد تھے بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ حقیقت میں بدعتی تھے اور حضرت ابوامامہ باہلی سے منقول ہے کہ وہ خوارج تھے، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغاوت کیے اور بیعت سے انکار کیے تھے[1]

---

[1] مرقات جلد ۷ ص ۱۱۹

(۱۳) بَابُ فِيمَا أَنْكَرَتِ الْجَهْمِيَّةُ

فرقہ جہمیہ کا مختصر تعارف:۔

فرقہ جہمیہ کا بانی و مبانی جہم بن صفوان ہے یہ شخص فرقہ جبریہ میں سے تھا جو اصلاً کوفی نسل میں سے تھا یہ خلافت بنوامیہ کے دور میں نہر جیحون کے کنارے واقع شہر ترمذ میں پیدا ہوا جو حقیقتاً یہودی تھا، صحیح ابن خزیمہ نے ابن قدامہ کے طریق سے ابو معاذ بلخی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہم بن صفوان نہایت فصیح و بلیغ تھا لیکن علم سے بے بہرہ جاہل ہونے کے ساتھ اہل علم کی مجلسوں سے بھی وہ قطعاً ناآشنا تھا اور صرف معرفت قلب کو عین ایمان قرار دیتا تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے بارے میں جہم بن صفوان نے تشبیہ کی نفی میں اتنی شدت برتی کہ وہ تعطیل و تجمید کی دلدل میں جا گھسا، خلافت بنوامیہ کے آخری دور میں تقریباً ۱۳۰ھ میں مسلم بن احوز مازنی نے خراسان کے مشہور شہر مرو میں جہم بن صفوان کو قتل کر دیا، اس طرح امت کو ایک فتنہ سے نجات ملی، اس کی طرف منسوب فرقہ کو، فرقہ جہمیہ کہا جاتا ہے لیکن جہمی خود اپنے آپ کو صوفیاء کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[۱]

فرقہ جہمیہ اپنے عقائد فاسدہ کے آئینہ میں:۔

اب ذیل میں فرقہ جہمیہ کے چند اصولی اور بنیادی عقائد کا ذکر کیا جاتا ہے جو اہل سنت کے عقائد سے منحرف اور الگ ہیں اور اسلامی عقائد سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱) ایمان صرف معرفت قلب کا نام ہے اگر وہ حاصل ہے تو انکار لسان کے باوجود بندہ کامل الایمان ہے۔
(۲) ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور افعال سیئہ سے بھی ایمان متاثر نہیں ہوتا۔
(۳) اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے کسی چیز کے وجود اور اسکی خلقت سے پہلے اللہ کو اس کا علم نہیں ہوتا۔
(۴) تمام افعال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔
(۵) بندہ مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں۔
(۶) کلام اللہ حادث اور مخلوق ہے۔
(۷) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں۔
(۸) رویت باری تعالیٰ محال اور قطعاً ناممکن ہے۔
(۹) انبیاء اور ان کے امتیوں کا ایمان یکساں اور ایک درجہ کا ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں۔

---

[۱] ماخوذ از مصباح الزجاجہ ص ۱۴۸ اس فرقہ کی مزید تفصیل الملل والنحل جلد ۱ ص ۱۰۹۔ اور الفرق بین الفرق میں دیکھئے

میں دیدار الٰہی نصیب ہوگی، ہر مومن اللہ کے دیدار سے سرفراز ہوگا رہی یہ بات کہ دنیا میں دیدار الٰہی ممکن ہے یا نہیں؟ امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ دنیا میں دیدار خداوندی ممکن ہے پر یہ کہ جمہور سلف وخلف کا اجماع ہے کہ رویت باری دنیا میں کسی کو ہوئی نہیں ہے، امام نووی ابوالقاسم القشیری نے اپنے رسالہ المعروفہ میں امام ابوبکر بن فورک کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری کا اس سلسلے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ دنیا میں دیدار الٰہی کا وقوع ہوا دوسرا قول یہ ہے دنیا میں دیدار ممکن تو ہے مگر وقوع نہیں ہوا۔[1]

گمراہ فرقوں میں سے معتزلہ، خوارج جہمیہ اور بعض مرجئیہ رویت باری تعالیٰ کا علی الاطلاق انکار کرتے ہیں قرآن وحدیث نیز اجماع امت سے دست بردار ہوکر محض عقلی دلائل کو لے کر رویت باری کا مطلقا انکار کرتے ہیں اور عدم رویت پر جمے رہتے ہیں۔

عدم رویت باری پر فرق باطلہ کے دلائل:۔

امت کے وہ گمراہ فرقے جو رویت باری کا انکار کرتے ہیں ان کے اپنے مذہب پر درج ذیل دلائل ہیں جن پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے اور ان سے وہ استدلال کرتے ہیں، (۱) لاتدركه الابصار وهو يدرك الابصار یعنی اللہ تعالیٰ نے مقام مدح میں اپنی رویت کی نفی فرمائی ہے اور جسکی نفی موجب مدح ہو اس کا ثبوت نقص اور عیب ہوگا لہذا رویت باری نقص اور عیب کا باعث ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نقص وعیب سے متصف ہونا محال ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی محال کو مستلزم ہوتا ہے وہ خود محال ہوتا ہے لہذا رویت باری تعالیٰ محال ہے (۲) شئ مرئی کا ایک مکان اور ایک جگہ میں ہونا ضروری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ مکان اور جگہ سے پاک ہے (۳) کسی شئی کو دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مرئی ایک جہت اور ایک سمت میں ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ جہات وسمت سے پاک ہے۔

(۴) مرئی کو رائی کے سامنے ہونا ضروری ہے (۵) مرئی نہ اتنی قریب ہو کہ غایت قرب کی وجہ سے نظر نہ آسکے، جیسے ناک وغیرہ اور نہ ہی اتنا زیادہ دور ہو کہ دوری کی وجہ سے نظر نہ آئے، (۶) قوت باصرہ کی شعاعوں سے مرئی کا اتصال اور ملا ہوا ہونا ضروری ہے (۷) شئی مرئی کا ذی جسم ہونا ضروری ہے اور اللہ جسم وجثہ سے پاک ومبرا ہے۔

ان مذکورہ دلائل عقلیہ ونقلیہ کی بنا پر معتزلہ، جہمیہ، خوراج اور مرجئیہ وغیرہ رویت باری کا سرے ہی سے انکار کرتے ہیں۔

---

[1] نووی علی مسلم جلد ا ص ۹۹، رویت کے متعلق تفصیلی بحث دیکھئے اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۴۲۳

فرق باطلہ کے دلائل کے جوابات:۔

امت کے گمراہ فرقوں نے جن دلائل کی روشنی میں عدم رویت باری کے متعلق کہا ہے ان کا جواب علامہ سعد الدین تفتازانی مصنف شرح عقائد نے ایک ہی جملہ میں ایسا مسکت اور دندان شکن جواب دیدیا ہے کہ اس کے بعد مزید تردید کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہیں وہ فرماتے ہیں، **قیاس الغائب علی الشاهد فاسد** اِ مطلب یہ ہے کہ ہمارے حواس سے غائب اللہ کی ذات کو اس عالم محسوس کی موجودات پر قیاس کرنا غلط ہے اور اگر مذکورہ چیزیں رویت کے لئے شرط بھی ہوں تو یہ دنیاوی زندگی میں رویت کے لئے شرط ہوں گی یا جوہر اور اعراض کی رویت کے لئے شرط ہوگی نہ کہ آخرت میں رویت کے لئے یہ چیزیں شرط ہوں گی، علامہ عمر نسفی مزید اس جواب کی توثیق و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ **فیری لا فی مکان ولا علی جهة من مقابلة واتصال شعاع او ثبوت مسافة بین الرائی وبین الله تعالیٰ** ۲

رویت باری کیلئے شرائط مذکورہ لازم اور ضروری نہیں ہیں بلکہ رویت محض اللہ تعالیٰ کے خلق کا نتیجہ ہے جو عقلاً جائز ہے مذکورہ شرائط موجود ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو رویت باری نہیں ہو سکتی ہے بلی اندھیری رات میں چوہے کو دیکھتی ہے ہم نہیں دیکھتے ہیں، آسیب زدہ شخص جنات کو دیکھتا ہے اور ان سے باتیں کرتا ہے مگر ہم تمام شرائط کے موجود ہونے کے باوجود نہیں دیکھتے ہیں، حضور اکرم ﷺ جبرئیل امین کو دیکھتے تھے صحابہ کرام ؓ نہیں دیکھتے تھے ہاں مذکورہ شرائط رویت کے لئے شروط عادیہ ہیں لازمہ نہیں فلا اشکال۔ ۳

رہا **لا تدرکه الابصار** سے استدلال کا تعلق تو اسکے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ، اور علامہ عمر نسفی فرماتے ہیں کہ یہ آیت عدم رویت باری کی دلیل نہیں ہے بلکہ رویت کی واضح دلیل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ادراک کی نفی کی ہے نہ کہ رویت کی یعنی بندہ ایسے طور پر اللہ کو نہیں دیکھ سکتا ہے کہ اس کے تمام جوانب کا احاطہ کرلے اس لئے کہ ادراک کہتے ہیں ایسے طور پر احاطہ کرنا کہ اسکے تمام جوانب احاطہ میں آجائے، اس طرح کے دیدار ہونے کو اہل سنت بھی قائل نہیں ہیں ہاں اللہ تعالیٰ جو بندہ کو دیکھتا وہ اس طرح دیکھتا ہے کہ اس کے تمام جوانب کا احاطہ کرلیتا ہے کوئی بھی جانب اسکے احاطہ سے خارج نہیں ہوتا ہے ۴

الغرض اہل سنت والجماعت کے نزدیک دنیا میں رویت باری ممکن اور آخرت میں یقینی ہے۔

رویت باری پر اہل سنت کے دلائل:۔

اہل سنت والجماعت رویت باری کے اثبات میں درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

---

۱ شرح عقائد ص ۷۴ ۲ شرح عقائد ص ۷۳ ۳ بیان الفوائد جلد ۲ ص ۲۳ ۴ بیان الفوائد جلد ۲ ص ۲۰ مزید تفصیل دیکھئے امداد الباری جلد ۲ ص ۵۰۱

فرق باطلہ کے دلائل کے جوابات:۔

امت کے گمراہ فرقوں نے جن دلائل کی روشنی میں عدم رویت باری کے متعلق کہا ہے ان کا جواب علامہ سعد الدین تفتازانی مصنف شرح عقائد نے ایک ہی جملہ میں ایسا مسکت اور دندان شکن جواب دیدیا ہے کہ اس کے بعد مزید تردید کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہیں وہ فرماتے ہیں، **قیاس الغائب علی الشاھد فاسد** ا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حواس سے غائب اللہ کی ذات کو اس عالم محسوس کی موجودات پر قیاس کرنا غلط ہے اور اگر مذکورہ چیزیں رویت کے لئے شرط بھی ہوں تو یہ دنیاوی زندگی میں رویت کے لئے شرط ہوں گی یا جو ہر اور اعراض کی رویت کے لئے شرط ہوگی نہ کہ آخرت میں رویت کے لئے یہ چیزیں شرط ہوں گی، علامہ عمر نسفی مزید اس جواب کی توثیق و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ **فیری لا فی مکان ولا علی جھۃ من مقابلۃ واتصال شعاع او ثبوت مسافۃ بین الرائی وبین اللہ تعالٰی** ۲

رویت باری کیلئے شرائط مذکورہ لازم اور ضروری نہیں ہیں بلکہ رویت محض اللہ تعالیٰ کے خلق کا نتیجہ ہے جو عقلاً جائز ہے مذکورہ شرائط موجود ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو رویت باری نہیں ہوسکتی ہے بلی اندھیری رات میں چوہے کو دیکھتی ہے ہم نہیں دیکھتے ہیں، آسیب زدہ شخص جنات کو دیکھتا ہے اور ان سے باتیں کرتا ہے مگر ہم تمام شرائط کے موجود ہونے کے باوجود نہیں دیکھتے ہیں، حضور اکرم ﷺ جبرئیل امین کو دیکھتے تھے صحابہ کرام ؓ نہیں دیکھتے تھے ہاں مذکورہ شرائط رویت کے لئے شروط عادیہ ہیں لازمہ نہیں فلا اشکال۔ ۳

رہا **لا تدرکہ الابصار** سے استدلال کا تعلق تو اسکے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ، اور علامہ عمر نسفی فرماتے ہیں کہ یہ آیت عدم رویت باری کی دلیل نہیں ہے بلکہ رویت کی واضح دلیل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ادراک کی نفی کی ہے نہ کہ رویت کی یعنی بندہ ایسے طور پر اللہ کو نہیں دیکھ سکتا ہے کہ اس کے تمام جوانب کا احاطہ کرلے اس لئے کہ ادراک کہتے ہیں ایسے طور پر احاطہ کرنا کہ اسکے تمام جوانب احاطہ میں آجائے، اس طرح کے دیدار ہونے کو اہل سنت بھی قائل نہیں ہیں ہاں اللہ تعالیٰ جو بندہ کو دیکھتا وہ اس طرح دیکھتا ہے کہ اس کے تمام جوانب کا احاطہ کرلیتا ہے کوئی بھی جانب اسکے احاطہ سے خارج نہیں ہوتا ہے ۴

الغرض اہل سنت والجماعت کے نزدیک دنیا میں رویت باری ممکن اور آخرت میں یقینی ہے۔

رویت باری پر اہل سنت کے دلائل:۔

اہل سنت والجماعت رویت باری کے اثبات میں درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

---

۱ شرح عقائد ص ۴۰ ۲ شرح عقائد ص ۳۰ ۳ بیان الفوائد جلد ۲ ص ۲۳ ۴ بیان الفوائد جلد ۲ ص ۰۲ مزید تفصیل دیکھئے امداد الباری جلد ۲ ص ۵۰۱

(۱)رب ارنی انظر الیک اگر رویت باری اس عالم میں ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰؑ رویت باری کی خواہش کیوں ظاہر کی،اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ نبی ناممکنات کا مطالبہ نہیں کرتا ہے اگر رویت کو محال مان لیا جاوے تو لازم آئے گا کہ نبی محال شئ کا مطالبہ کیا تھا جو بعید از قیاس ہے اس لئے کہ اس سے انبیاء کا جہل لازم آتا ہے حالانکہ انبیاء پاک و معصوم ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت کو استقرار جبل پر موقوف قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا۔

انظرالی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی اس سے بھی رویت باری کا ممکن ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۲)وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة ۔ یہ آیت کریمہ اہل جنت کے لئے دیدار کو صراحتاً ثابت کررہی ہے

(۳) لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار ۔یہ آیت شریفہ بھی اثبات رویت باری کی دلیل ہے تفصیل ماقبل میں گذرچکی ہے۔

(۴)انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون " یہ آیت کافرین کے لئے رویت باری کا انکار کررہی ہے اس کے مفہوم مخالف سے صاف ظاہر ہے کہ اس نعمت سے صرف مومن ہی بہرہ ور ہوں گے۔

(۵)انکم سترون ربکم کماترون هذاالقمر لا تضامون فی رویته ۔[۱]

امام نووی نے تصریح کی ہے کہ رویت باری کے متعلق تقریباً بیس صحابہ کرام سے روایتیں مروی ہیں ،جو متواتر یا مشہور ہیں اوراسکے متعلق قرآن کریم کی آیات بھی منصوص ہیں،[۲] علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ

ویرونه سبحانه من فوقهم نظر العیان کما یری القمران
هذا تواتر عن رسول الله لم ینکره اِلاَّ فاسد الایمان
وَاَلَّتیِنَ به القرآن تضریحاً وتعویضاً هما بسیاقه نوعان۔[۳]

شب معراج میں رویت باری کے متعلق آراء:

اب یہاں ایک بحث یہ رہ جاتی ہے کہ لیلۃ المعراج میں آنحضرت ﷺ دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے تھے یا نہیں ؟ تو یاد رکھنا چاہئے کہ اسکے بارے میں قرن اول ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے اس بارے میں صحابہ کرام کے اقوال مختلف ہیں، روایات حدیث مختلف اور قرآنی آیات محتمل ہیں اس لئے یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف رہا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت مسروق اور دیگر حضرات کا یہ کہنا ہے کہ شب معراج میں حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا ہے بلکہ حضرت جبرئیل امین کو دیکھا ہے ان حضرات کا مستدل لا تدرکه الابصار ملکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیاً ہے نیز مسلم

---

[۱] بخاری و مسلم [۲] نووی علی مسلم جلد ا ص ۹۹ [۳] الکواشف الجلیہ ص ۴۰۸ بحوالہ امداد الباری جلد ۲ ص ۳۸۵

شریف میں مسروق سے منقول ہے کہ انہوں نے ام المومنین سے **ولقد راه نزلة اخریٰ** کے متعلق سوال کیا تو ام المومنین نے فرمایا کہ اس کے متعلق سب سے پہلے میں نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں اور ابن مردویہ کی روایت کے مطابق ہے کہ **فقلت یا رسول الله هل رأیت ربك فقال لا انما رأیت جبرئیل**، نیز نسائی شریف میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے **ابصر جبرئیل ولم یبصر ربه**[1]

حضرت انس، حضرت ابن عباسؓ، حضرت کعب، حضرت ابوذر اور جمہور صحابہ اور تابعین فرماتے ہیں کہ شب اسراء میں آنحضرت ﷺ کو اللہ کا دیدار ہوا اور آپ نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یہی قول راجح ہے اور محققین علماء کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لئے کہ حدیث میں صراحت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا آپ نے پروردگا کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایاہاں میں نے شب معراج میں رب العالمین کو دیکھا ہے[2] **الاصح الراجح انه ﷺ رایٰ ربه بعین رأسه حین أسری به كما ذهب اليه اكثر الصحابة**[3] **ولكن النووی صحح الروية فی الفتاوی ونقله عن المحققين**[4] بعض لوگوں کا غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے لکھدیا کہ جمہور صحابہ کرامؓ بلکہ تمام صحابہ حضرت عائشہ کے ساتھ ہیں۔

دونوں فریق کے دلائل حافظ ابن کثیر نے سورہ نجم کی تفسیر میں علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ محمود آلوسی نے روح المعانی میں جمع کیا ہے پھر تطبیق کی صورت بیان کی ہے اور ابن حجر بند علامہ انور شاہ کشمیری نے تو تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے[5]

علامہ عصر محدث کبیر حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی قدس سرہ اور علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی رائے مع التحقیق یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ لیلۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے ایک قصیدہ بھی اس موضوع پر لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

رأی ربه لما دنیٰ بفؤاده	ومنه سری للعین مازاغ لا یطغیٰ
رأی نوره انی یراه موصل	یلوحیٰ الیه عند ذالك بماالوحیٰ
بحثنا فتل البحث اثبات روية	لحضرته صلی الله كما یریٰ
كما اختلاف الحبران بن نبینا	واحمد من بین الائمة فتقویٰ

[1] انوار الباری جلد ۱ ص ۲۸۶ [2] سیرت المصطفے جلد ۱ ص ۳۳۲ [3] نسیم الریاض جلد ۲ ص ۳۰۳ بحوالہ انوار الباری جلد دوم [4] شرح شفاء للقاری جلد ۲ ص ۲۸۶ [5] مشکلات القرآن ص ۲۲۰ تا ۲۶۲۔ فریقین کے دلائل دیکھئے۔ عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۲۰۰، فتح الباری جلد ۸ ص ۶۸ ، روح المعانی جلد ۷ ص ۵۲ معارف القرآن جلد ۸ سورہ نووی علی مسلم جلد ۱ ص ۹۷ بحوالہ انوار الباری جلد دوم

نقال لذا ما المروزح استبانه رآه رأالمولیٰ فسبحان من اسریٰ
رواه ابو ذربان قد رأيته وانی لراه لیس للنفی بل لنفیٖ

ان تمام تحقیقات وتشریحات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جمہور امت اس بات کے قائل ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو دیدار الٰہی ہوا ہے رہی وہ روایات جن سے عدم رویت کا ثبوت ملتا ہے تو ان کے درمیان تطبیق اور روایتوں کے درمیان تعارض کے دفعیہ کیلئے ملاحظہ کیجئے ۲

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم چاندنی رات میں چاند کو دیکھنے میں کوئی مزاحمت ومشقت نہیں کرتے ہو بلکہ بآسانی چاند کو دیکھ لیتے ہو اسی طرح پروردگار کو بھی دیکھ لوگے کسی طرح کی کوئی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا، مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے معلوم کیا تھا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے یعنی اس قدر اژدحام اور بھیڑ بھڑ کا میں خداتعالیٰ کو قیامت میں کیسے دیکھ پائیں گے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ جس طرح تم چاند کو دیکھتے ہو اور دیکھنے میں کوئی مشقت نہیں اٹھاتے ہو اسی طرح قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو بآسانی دیکھو گے۔

(۱۸۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى الرَّمْلِيُّ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالُوا لَا قَالَ فَكَذٰلِكَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم چودھویں رات میں چاند کو دیکھنے میں کوئی مشقت محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا اسی طرح تم لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے دیدار میں کوئی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں کروگے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی پوری تحقیق وتشریح اور اس سے متعلق مباحث پہلی والی حدیث میں گذر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں پیچھے ملاحظہ کرلیجئے۔

(۱۸۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَرَى

---

۱ البدر الساری جلد چہارم بحوالہ انوار الباری جلد ۲ ص ۳۸۹ ۲ انوار الباری جلد ۲ ص ۵۸ ۔ ۵۰۵ نووی جلد ۱ ص ۹۷

رَبَّنَا ؟ قَالَ تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ فِی الظَّهِیْرَةِ فِیْ غَیْرِ سَحَابٍ قُلْنَا لَا قَالَ فَتُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ فِیْ غَیْرِ سَحَابٍ قَالُوْا لَا قَالَ إِنَّكُمْ لَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ إِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهِمَا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا (کیا) تم دوپہر کے وقت جب کہ آسمان میں بادل نہ ہو سورج کو دیکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، (پھر) آپ نے فرمایا (کیا) تم چودھویں رات میں جب کہ آسمان پر بادل نہ ہو چاند کو دیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس کرتے ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا نہیں، (پھر) آپ نے فرمایا بیشک تم لوگ اپنے پروردگار کے دیدار میں تکلیف محسوس نہیں کروگے جس طرح تم لوگ سورج اور چاند کے دیدار میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے ہو۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف کی شرح بھی سابق میں گذر چکی ہے البتہ یہاں یہ بات جاننی چاہئے کہ ابن ماجہ نے مذکورہ تینوں حدیثوں کو اپنی کتاب میں زیر نظر باب کے تحت ذکر کر کے جہمیہ، معتزلہ، خوارج اور بعض مرجیہ پر رد کیا ہے، جو رویت باری کا انکار کرتے ہیں امام ابن ماجہ یہ احادیث ذکر کر کے بتلانا چاہتے ہیں کہ رویت باری ثابت ہے اور اس پر نصوص شاہد ہیں اس لئے رویت کا انکار حقیقت میں ضلالت وگمراہی اور صراط مستقیم سے انحراف کے لئے پیش خیمہ ہے، اس لئے ایسے باطل عقائد اور فاسد خیالات سے بچنا چاہئے۔

(۱۸۷) حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ أَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ یَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَكِیْعِ بْنِ حُدُسٍ عَنْ عَمِّهٖ أَبِیْ رَزِیْنٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ أَنَرَى اللهَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ مَا آیَةُ ذٰلِكَ فِیْ خَلْقِهٖ قَالَ یَا أَبَا رَزِیْنٍ أَلَیْسَ كُلُّكُمْ یَرَى الْقَمَرَ مُخْلِیًا بِهٖ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَاللهُ أَعْظَمُ وَ ذٰلِكَ آیَةٌ فِیْ خَلْقِهٖ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابورزینؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے معلوم کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا اے ابورزین کیا تم چاند کو صاف طور پر نہیں دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تو بہت بڑا ہے اور وہ مخلوق میں اس

کی علامت ہے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث کی بھی شرح ماقبل میں ہو چکی ہے اس لئے اعادہ کرنا طول لاطائل ہے البتہ اس حدیث سے بھی مقصود فرقِ باطلہ کی تردید ہے اور مذہبِ حق کو ثابت کرنا ہے۔

رجالِ حدیث:۔

وکیع بن حدس بعض نے حا کے بجائے عین عدس کہا ہے کنیت ابو مصعب العقیلی مقبول راوی ہیں[1]

حماد بن سلمہ بن دینار البصری ابو سلمہ کنیت ہے، ثقہ راوی ہیں۔[2]

(۱۸۸) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَأَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يَعْلَىٰ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَكِيْعِ بْنِ حُدُسٍ عَنْ عَمِّهٖ اَبِيْ رَزِيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَحِكَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوْطِ عِبَادِهٖ وَقُرْبِ غَيْرِهٖ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَيَضْحَكُ الرَّبُّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ لَنْ نَّعْدِمَ مِنْ رَّبٍ يَّضْحَكُ خَيْرًا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہنستا ہے جو اس سے تو بے نیازی اور غیر اللہ سے قرب کی خواہش مند ہوں میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) کیا اللہ تعالیٰ بھی ہنستا ہے آپ نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا پھر تو ہم نیکی بھی نہ چھوڑ کریں گے تاکہ وہ نیکی پر بھی ہنستا رہے۔

تشریح حدیث:۔ضحك ربنا من قنوط عباده وقرب غيره

ضحك کی اسناد رب تعالیٰ کی طرف اسناد مجازی کے قبیل سے ہے اور **بنی الأمير المدينة** کی طرح ہے اور یہاں فرشتوں کی ضحک مراد ہے، علامہ ابن حبان نے کہا ہے کہ یہاں فعل ضحک کی اسناد آمر کی ظرف کی گئی ہے جس طرح کبھی کبھی فاعل کی طرف بھی کر دی جاتی ہے اور **ضحك الله** کے معنی یہاں **اضحك الله ملائكته** کے ہیں۔

لیکن راقم الحروف کی سمجھ میں ایک بات آتی ہے اگر یہاں ضحک کی اسناد میں مجاز کے ارتکاب کئے بغیر ذاریک اللہ تعالیٰ ہی کی ضحک مراد لی جائے تو اس میں کسی طرح کی قباحت نہ ہو گی بلکہ ترجمۃ الباب کے عین مطابق ہو گی کیونکہ جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ نے صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب

---

[1] تقریب ص ۳۷۱　[2] تقریب ص ۶۴

فیما انکر الجهمیة کے تحت لا کر صفت ضحک کو ثابت کیا ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ضحک سے مخلوق کی طرح ضحک مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کی ضحک اس کی شان کے مطابق ہے مگر اسکی کیا کیفیت ہوگی ہمیں معلوم نہیں ہے ہم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر اجمالاً ایمان رکھتے ہیں اور اس کیفیت کے ساتھ متصف جانتے ہیں جو اسکی شایان شان ہے۔

لن نعدم من رب یضحك خیراً

جب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہنستا ہے، جو خدا تعالیٰ کے دربار کو چھوڑ کو دوسروں کے دربار جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو کر غیر اللہ سے قرب اختیار کرتا ہے ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا ہنسا تہکم اور از راہ مذاق ہے نہ کہ بر بناء رضاء خوشنودی، تو حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم تو نیکی کو بھی نہیں چھوڑیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیکی کو دیکھ کر خوش اور راضی ہو اور اس پر ہنسے، یہاں اللہ تعالیٰ کا نیکی پر ہنسا بربنائے رضامندی اور خوشنودی ہے اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب یہ ہے بسا اوقات بندہ کسی کام سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے کہ وہ ہونے والا نہیں ہے اس سوچ میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے حالانکہ وہ کام ابھی چند منٹ بعد ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ بندے کی اس حالت کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ دیکھو میرا بندہ مایوس ہو گیا ہے حالانکہ وہ کام بھی ہونے والا ہے۔

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو زیر نظر باب کے تحت ذکر کے فرقہ جہمیہ بالخصوص اور ان تمام فرقوں کو بالعموم تردید کی ہے جو صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۸۹) حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا ثَنَا یَزِیْدُ بْنُ هٰرُوْنَ اَنْبَأَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ یَعْلَی بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَکِیْعِ بْنِ حُدُسٍ عَنْ اَبِیْ عَمِّهِ اَبِیْ رَزِیْنٍ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ خَلْقَهٗ قَالَ کَانَ فِیْ عَمَاءٍ مَاتَحْتَهٗ هَوَاءٌ وَمَافَوْقَهٗ هَوَاءٌ وَمَاءٌ ثُمَّ خَلَقَ عَرْشَهٗ عَلَی الْمَاءِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابورزینؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارا رب مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا آپ ﷺ نے فرمایا وہ رقیق بادل میں تھا اس کے نیچے اوپر ہوا تھی اور پانی تھا پھر اللہ تعالیٰ (سب سے پہلے) پانی پر اپنا عرش پیدا کیا۔

تشریح حدیث:۔ **أین کان ربنا قبل أن یخلق خلقه**

لفظ این کے ذریعہ جگہ کی تعیین کی جاتی ہے کہا جاتا ہے **این زید** کہاں ہے زید یعنی زید کس جگہ ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مکان وزمان سے بالکل پاک ہے چنانچہ عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے **ولا یمکن فی مکان ولا یجری علیه زمان** اس سے معلوم ہوا کہ مکان رب کے متعلق سوال کرنا ممنوع اور فاسد ہے پھر ایک جلیل القدر صحابی اس قسم کے سوال کیوں کئے؟ اور آنحضرت ﷺ نے اسکا جواب کیوں مرحمت فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ این کے ذریعے سے ہر جگہ ہر وقت تعیین مکان ہی مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ بسااوقات این کے ذریعے شان وکیفیت کی وضاحت مطلوب ہوتی ہے حدیث شریف میں بھی این شان وکیفیت کی وضاحت کے لئے آیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے پہلے کس شان اور کس کیفیت میں تھا، اسی سوال کا جواب پیغمبرؐ حدیث ہذا میں دیا ہے۔ فخر المحدثین رأس المتقین حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہ لفظ این کی اسی اشکال کو رفع کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> **لفظ این** کے ذریعے کبھی تو مکان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور کبھی محض شان وکیفت کی وضاحت مطلوب ہوتی ہے حدیث باب میں این کی مراد یہ ہے کہ عالم کی تکوین اور اسکی ایجاد سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کیا شان اور اسکی کیا کیفیت تھی تو جواب دیا گیا **کان فی عماء** یعنی **فی شان خفی لایدرك بالأبصار ولا بالبصائر** کی وہ ایسی شان خفی میں تھا کہ بصارت وبصیرت اس کے تصور سے بھی عاجز ہیں باری تعالیٰ پر عماء کا اطلاق کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ خداوند قدوس کی وہ شان استتار واحتجاب اور اخفاء کے اس مقام پر ہے جہاں عقل وفہم کا گزر تک بھی نہیں، اور اسکے بارے میں غور وفکر کرنا اور عقلی پرواز کرنا ایسا ہی ہے (بقول ابن خلدون) جیسے ترازو سے پہاڑ کو تولنے کی کوشش کی جائے کیوں کہ عماء ایسا معاملہ ہے کہ **لایدرکه** عقول بنی آدم **ویبلغ کنهه الوصف والفطن** ۔ اور اسی کو امام ابوعبیدہ نے کہا کہ **لا ندری کیف کان ذالك العماء** کوئی عالم نہیں جانتا ہے کہ وہ عماء کیسا تھا امام ترمذیؒ بھی اسی شان کی وضاحت کرتے ہوئے احمد بن منیع کے طریق سے یزید بن ہارون کا یہ قول نقل کرتے ہیں **العماء معناه لیس معه شئی** یعنی **ان العماء کنایة عن انه لم یکن معه** [۲]
>
> امام قاضی بھی یہی فرماتے ہیں کہ عماء سے ایسی کیفیت شان مراد ہے جو نہ خیال میں آسکتی ہے اور نہ عقل وفہم ہی اس کا ادراک کرسکتی اور یہ عدم مکان کی ایسی تعبیر ہے

[۱] شرح عقائد ص ۲۹۔۳۰ [۲] تحفۃ القاری مشکلات البخاری جلد ۲ ص ۸۵۔۸۶ بحوالہ مصباح الزجاجہ، روح المعانی جلد ۳ ص ۵۱۳ تا ۵۱۸

جس کی کیفیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حدیث باب میں مکان کے متعلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان کے متعلق سوال کیا گیا ہے اور بالفرض و التقدیر لفظ این سے مکان رب ہی کے متعلق سوال ہو، اور لفظ این سے مکان ہی مراد لے لیا جائے تو اس کا جواب شارح مشکوۃ علامہ طیبی دیتے ہیں کہ یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے کہ سائل نے مکان کے متعلق سوال کیا، اور اسکا جواب لا مکان سے دیا گیا ہے۔

کان فی عماء کے اندر لفظ فی علی کے معنی میں ہے اور علی استعلاء کے معنی میں ہوتا ہے تو اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس بادل پر مستول تھا جس سے اس نے اپنی تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

اب یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس حدیث شریف کا باب فیما انکرت الجھمیة سے کیا تعلق ہے؟ اور جہمیہ کی تردید کس طرح ہو رہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرقہ جہمیہ چوں کہ تمام صفات باری تعالیٰ کا انکار اور تحیز بالمکان کے قائل ہیں اور اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کیلئے صفت تخلیق ثابت ہے اور مکان میں ہونے کی نفی کی گئی ہے لہذا جہمیہ کی تردید ہو گئی لہذا حدیث ثم خلق عرش اور وکا ن فی عماء ہی ترجمة الباب ہے

حدیث شریف میں ملتحته وملفوفه وغیرہ کے جو الفاظ آئے ہیں اس کا مرجع سحاب (عماء) ہے اور ماء کا معطوف علیہ ہوتا ہے۔

(۱۹۰) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ ثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ ثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزِ الْمَازِنِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَهُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ إِذْ عَرَضَ لَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ فِي النَّجْوٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَّبِّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ ثُمَّ يُقَرِّرُهُ بِذُنُوْبِهِ فَيَقُوْلُ هَلْ تَعْرِفُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ أَعْرِفُ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مِنْهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّبْلُغَ قَالَ إِنِّي سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ قَالَ ثُمَّ يُعْطٰى صَحِيْفَةَ حَسَنَاتِهِ أَوْ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ قَالَ وَأَمَّا الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُ فَيُنَادٰى عَلٰى رُؤُوْسِ الْأَشْهَادِ قَالَ خَالِدٌ فِي الْأَشْهَادِ شَيْءٌ مِنِ انْقِطَاعٍ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔

ترجمہ حدیث:۔

صفوان بن محرز المازنی کا بیان ہے کہ ہم عبداللہ ابن عمر کے ساتھ تھے اور وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے کہ اچانک ان کے پاس ایک شخص آکر کہنے لگا اے ابن عمر آپ نے وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے کس طرح سنی ہے جو آپ نے سرگوشی کے بارے میں فرمایا، حضرت ابن عمر جواب دیئے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپ ارشاد فرمارہے تھے کہ قیامت کے روز مومن اپنے پروردگار سے قریب ہوگا یہاں تک کہ رکھدیگا اسپر اپنا مونڈھا پھر اس کے گناہوں کا ثابت کرے گا اور اللہ دریافت فرمائے گا کیا تم فلاں گناہ کو جانتا ہے؟ وہ (مومن بندہ) عرض کریگا ہاں جانتا ہے ہوں یہاں تک کہ اقرار کرتا رہے گا جہاں تک خدا کو منظور ہوگا (وہ اپنے گناہوں کا) کا اقرار کرتا رہے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں (تمہارے گناہوں پر) پردہ ڈالدیا تھا اور آج کے دن بھی میں اس کی مغفرت کردوں گا آپ نے فرمایا کہ پھر اس کو نیکیوں کا صحیفہ یا اس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ رہے کافر اور منافق تو اس کے بارے میں تمام لوگوں کے سامنے برسر عام اعلان کیا جائیگا (خالد راوی کہتے ہیں کہ فی الاشہاد کے لفظ میں کچھ انقطاع ہے) کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا ہے سنو ظالموں پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہو،

تشریح حدیث:۔ **قال خالد فی الاشھاد شئی من الانقطاع.**

خالد سے مراد خالد بن الحارث ہیں جو حمید بن مسعدہ کے شیخ ہیں، انہوں نے کہا کہ **علی رؤس الاشھاد** کا لفظ **متصل السند** نہیں ہے بلکہ اس میں انقطاع ہے اور حدیث شریف کے بقیہ اجزاء متصل السند ہے یعنی اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہوئی ہے۔

ھولاء الذین کذبوا علیٰ ربھم

یعنی یہی کافر اور منافق لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں ایسی ایسی باتیں اور ایسے ایسے کلمات کہے ہیں جو خدا تعالیٰ کی شان کے مطابق نہیں مثلاً خدا کے لئے اولاد ثابت کرنا ان کے لئے بیویاں فرض کرنا، ان کے لئے لڑکے ماننا یا اس کی ذات وحدہ لاشریک لہ کے لئے کسی کو ذات وصفات میں شریک جاننا یہ سب کے سب ان امور میں سے ہیں جو باری تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں باری تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے **لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد** کی صفت سے متصف ہے اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا **کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الاکذبا** نہایت ہی سنگین اور خطرناک کلمات ہیں جو یہ اپنے مونہوں سے نکالتے ہیں یہ تو صرف جھوٹ کہتے ہیں،

اس حدیث پاک میں باری تعالیٰ کے لئے دو صفت ثابت کی گئی ہے ایک صفت ستاریت، دوسری صفت غفاریت، یعنی اللہ تعالیٰ دونوں صفتوں کے ساتھ یکساں متصف ہے اور فرقہ جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اس لئے یہ حدیث شریف ان پر رد ہو گئی ہے اور حدیث شریف کا **باب فیما انکرت الجهمية** سے تعلق بھی ہو گیا ہے۔

رجال حدیث:۔

حمید بن مسعدة بن المبارک السامی الباہلی صدوق راوی ہیں[1]

خالد بن الحارث بن عبیدہ سلیم ابو عثمان البصری ثقہ راوی ہیں[2]

صفوان بن محرز بن زیاد المازنی والباہلی ثقہ راوی ہیں[3]

(۱۹۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ الْعَبَّادَانِيُّ ثَنَا الْفَضْلُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَا أَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ إِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُؤُسَهُمْ فَإِذَا الرَّبُّ قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ قَالَ فَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ وَلَا يَلْتَفِتُوْنَ إِلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّعِيْمِ مَادَامُوْا يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقٰى نُوْرُهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْهِمْ فِيْ دِيَارِهِمْ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان کہ جنت والے اپنی اپنی نعمتوں میں (مست و مگن) ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہو گا چنانچہ اہل جنت اپنے اپنے سروں کو اٹھائیں گے تو رب تعالیٰ ہو گا جو ان پر اوپر سے جلوہ افروز ہو گا اور کہے گا سلامتی ہو تم لوگوں پر اے اہل جنت، اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول **سلام قولا من رب رحیم** کا، اہل جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور کسی بھی نعمت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہیں گے حتی کہ وہ ان سے چھپ جائے گا اور اس کا نور اور اس کی برکت ان کے دیار پر باقی رہ جائے گی۔

---

[1] تقریب ص ۶۵ [2] تقریب ص ۶۸ [3] تقریب ۱۱۴

تشریح حدیث:۔

اس حدیث کی صحت وعدم صحت کے متعلق حضرات محدثین کے درمیان شدید اختلاف ہے چنانچہ علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کو عبداللہ بن عبیداللہ کے طریق سے موضوعات میں شمار کیا ہے اور عبداللہ بن عبیداللہ ابوعاصم العبادانی ہیں یہ الفضل سے روایت کرتے ہیں اور الفضل روایت حدیث میں کوئی اچھا راوی نہیں ہے ائمہ جرح وتعدیل نے ان کے لئے رجل سوء کا لفظ استعمال کیا ہے اور عقیلی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا **هذا الحديث لا يعرف الابعبدالله بن عبيدالله ولا يتابع عليه** ،شاہ عبدالغنی مجددی فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب العقیلی میں دیکھا ہے کہ عبداللہ بن عبیداللہ ابوعاصم العبادانی منکرالحدیث تھے اور الفضل کے متعلق لکھتے ہیں **وكان الفضل يرى القدر كادان يغلب على حديثه الوهم لم يزدعلى ذالك التضعيف لا يقتضى الحكم على حديثهما بالوضع ثم ان طريقاً أخرمن حديث ابوهريرة** [1]

قد اشرف عليهم من فوقهم.

حق تعالیٰ شانہ کا یہ جلوہ افروز ہونا مردوں اور عورتوں تمام اہل جنت کیلئے ہوگا یا صرف مردوں کے لئے؟ تو اس بارے میں اختلاف ہے لیکن شاہ عبدالغنی مجددی کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا جلوہ افروز ہونا تمام جنتیوں کے لئے ہوگا خواہ مومن مرد ہوں یا مومنہ عورتیں، عموم لفظ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ تمام جنت والوں کے لئے ہو۔

فقال السلام عليكم يا اهل الجنة.

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل جنت کو سلام کریں گے مگر سوال یہ ہے کہ یہ سلام کرنا از راہ خود بلاواسطہ ہوگا یا بواسطہ ملائکہ؟ تو اس سلسلہ میں شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی قاضی بیضاوی کا قول نقل کرتے ہیں، ازیں حدیث خود معلوم می گردد کہ بے واسطہ است [2] اس حدیث شریف سے خود معلوم ہوا کہ یہ سلام کرنا بغیر کسی واسطہ کے ہوگا، بذات خود اللہ تعالیٰ اہل جنت کو سلام کریں گے لیکن اسکی کیفیت کیا ہوگی، اللہ تعالیٰ کس شان کے ساتھ سلام کرے گا ہمیں معلوم نہیں بس اتنا عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان عالی کے مطابق سلام کرے گا۔

امام ابن ماجہ اس حدیث کو باب فیما انکرت الجہمیۃ کے تحت لائے ہیں اس لئے حدیث شریف کے ظاہری معنی کو مراد لینا زیادہ مناسب ہے تاکہ فرقہ جہمیہ پر رد ہو سکے، نیز اس حدیث شریف سے رویت باری

[1] انجاح الحاجہ ص ۱۷۔ بر ابن ماجہ حاشیہ ۱ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۴۳۱

تعالیٰ کا بھی ثبوت ہوا جس کا معتزلہ خوارج اور جہمیہ وغیرہ انکار کرتے ہیں لہذا یہ حدیث متعدد وجوہ سے باب کے مناسب اور متعلق ہے اور جہمیہ پر رد ہے۔

ویبقیٰ نوره وبرکته. جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کی نظروں سے مستور ہو جائیں گے تو اس کے انوار و تجلیات کے اثرات اور برکات باقی رہیں گی اور اہل جنت اس سے لطف اندوز ہوں گے۔

رجال حدیث:۔

محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب الاموی البصری اور ابوالشوارب کا نام محمد بن عبدالرحمن بن ابی عثمان صدوق راوی ہیں[1] الفضل الرقاشی، انکا پورا نسب نامہ اس طرح ہے الفضل بن عیسیٰ بن ربان الرقاشی ابو عیسیٰ البصری، منکر الحدیث ہیں[2]

محمد بن المنکدر بن عبداللہ بن الهدیر ثقہ راوی ہیں[3]

(۱۹۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ عَنْ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ أَيْسَرَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ أَمَامَهُ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس سے اللہ تعالیٰ گفتگو نہ کرے گا اور تمہارے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا، پس آدمی دیکھے گا اس چیز کی طرف جو اس کی دائیں جانب ہے تو نہیں دیکھے گا مگر وہ چیز جس کو وہ پہلے بھیج ہو چکا ہے (یعنی اعمال) پھر دیکھے گا اپنی بائیں طرف تو سوائے اس کے کچھ نظر نہیں آئے گا جس کو وہ پہلے بھیج چکا ہے پھر سامنے کی طرف دیکھے گا تو آگ اس کا استقبال کریگی، پس تم میں سے جو شخص طاقت رکھے آگ سے بچنے کی اگرچہ کھجور کے ایک گٹھلی کے عوض کیوں نہ ہو تو اس سے بچنا چاہیے۔

تشریح حدیث:۔ ولو بشق تمرة

اس جملہ کے اندر دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ تمام اعمال صالحہ اور غیر صالحہ سب اللہ کے یہاں پہنچتے ہیں اور اس پر جزاو سزا کا ترتب ہوتا ہے تو پھر تم ظلم وزیادتی سے بچو

[1] المعات جلد ۳ ص ۳۴۳ [2] تقریب ص ۲۲۷ [3] تقریب ۲۰۵ [4] تقریب ص ۲۳۴

اگرچہ چھوٹا ہی ظلم کیوں نہ ہو یہی قول امام مظہری کا ہے لیکن علامہ طیبی دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ قیامت کے دن صرف اعمال صالحہ، صدقات اور خیرات ہی عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں تو پھر اعمال صالحہ کرو، صدقات وغیرہ دیکر جہنم سے بچو اگرچہ تھوڑی ہی چیز کیوں نہ ہو۔

حدیث شریف کے بقیہ الفاظ کی تشریح حدیث ہی سے واضح ہے اس لئے قصداً پہلو تہی کی جاتی ہے لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث شریف کا باب سے کیا تعلق ہے؟ اور فرقہ جہمیہ کی تردید اس حدیث سے کس طرح ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فرقہ جہمیہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کے فوائد اور اعمال سئیہ کے نقصانات کا انکار کرتے ہیں نیز صفات باری تعالیٰ کے بھی منکر ہیں اور اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ثابت کیا گیا ہے اسی طرح اعمال صالحہ کے فوائد اور اعمال سئیہ کے مضرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور ظلم وزیادتی کرنے سے اجتناب کی تاکید، اور اعمال صالحہ کرنیکی ترغیب موجود ہے لہذا اس حدیث سے جہمیہ کی تردید بھی ہو گئی اور حدیث کا باب سے تعلق بھی پیدا ہو گیا فلا اشکال۔

(۱۹۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا اَبُوْعَبْدِ الصَّمَدِ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ ثَنَا اَبُوْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ الْاَشْعَرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ اَنْ يَّنْظُرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ جَنَّةِ عَدْنٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن قیس اشعری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہو گا وہ بھی چاندی کا ہو گا، اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہو گا وہ بھی سونے کا ہو گا اور نہیں ہو گا لوگوں اور ان کے رب تبارک وتعالیٰ کے دیکھنے کے درمیان (کوئی پردہ) سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے روئے اقدس پر کبریائی کی چادر ہوں گی، ہمیشہ کی جنت میں (یعنی یہ دیدار جنت میں ہو گا)

جنتان کی تفسیر ملا علی قاری نے درجتان اور قصران سے کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں دو درجے سونے کے ہوں گے یا دو محل سونے کے ہوں گے اور ان میں جو برتن ہوں گے وہ بھی سونے ہی کے ہوں گے اور یہاں صرف مبتدا مذکور ہے خبر کو حذف کر دیا گیا ہے اصل عبارت تھی وللمومنین جنتان،

۱؎ انجاح الحاجہ ص ۱۷، اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۷۱ ۳

یعنی مومنین کے لئے دو جنتیں ہوں گی۔

اب یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سونے یا چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا از روئے شرع حرام ہے پھر جنت میں سونے چاندی کے برتن کیوں کر ہوں گے اور ان کو کیا کیا جائیگا؟

اس اعتراض کا حل یہ ہے کہ احکام تکلیفیہ صرف دنیاوی زندگی کیلئے ہیں آخرت کے لئے نہیں ،لہذا سونے چاندی کے برتنوں کا حرام ہونا اور ان کا استعمال جائز نہ ہونا یہ صرف اسی دنیا تک محدود ہے آخرت اور جنت میں سونے چاندی کا استعمال جائز ہی نہیں بلکہ ان کے لئے باعث اعزاز اور موجب فخر ہوگا فلا اشکال۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حدیث شریف کی باب سے کیا مناسبت ہے؟ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو یہاں کیوں ذکر کیا ہے؟ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو لا کر فرقہ جہمیہ پر رد کر رہے ہیں کیوں فرقہ جہمیہ رویت باری کے منکر ہیں نیز اسی طرح جنت وجہنم کے دوام اور بقاء کے منکر اور فنا کے قائل ہیں امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو ذکر کر کے بتلادیا کہ جنت میں تمام مومنین کو باری تعالیٰ کی رویت بھی ہوگی اور جنت ہمیشہ باقی رہیگی لہذا **وما بين القوم وبين ان ينظرالى ربهم الا رداء الكبرياء على وجهه فى جنة عدن** ہی ترجمۃ الباب ہے۔

رجال حدیث:۔

ابو عمران الجونی نام کے دو راوی ہیں ایک کا نام عبدالملک بن حبیب البصری ان کیلئے حافظ نے الفاظ جرح وتعدیل میں سے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ سکوت اختیار کیا ہے دوسرے میں ابو عمران الجونی جنہیں جوینی بھی کہا جاتا ہے ثقہ راوی ہیں [1]

(۱۹۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا حَجَّاجٌ ثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَقَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ نَادٰى مُنَادِيًا يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ اِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَوْعِدًا يُرِيْدُ اَنْ يُنْجِزَ كُمُوْهُ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَا هُوَ اَلَمْ يُثَقِّلِ اللّٰهُ مَوَازِيْنَنَا وَيُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَيُنْجِنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ يَعْنِيْ اِلَيْهِ وَلَا اَقَرَّ لِاَعْيُنِهِمْ

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس آیت مبارکہ للذین احسنوا ا

[1] تقریب ص ۳۰۸

لحسنیٰ وزیادۃ (بھلائی کرنے والوں کے لئے بھلائی ہے اور زیادہ ہے) کی تلاوت فرمائی اور (مزید) آپ نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا کہ اے اہل جنت تمہارے واسطے اللہ کے پاس ایک وعدہ ہے (کیا) تم چاہتے ہو کہ جلد پورا کر دیا جائے پس اہل جنت کہیں گے وہ کیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہمارے پلڑوں کو بھاری نہیں کیا اور ہمارے چہرے کو روشن نہیں کیا؟ ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور ہمیں جہنم سے نجات نہیں دی؟ آپ نے فرمایا (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ پردہ اٹھا دیگا پس اہل جنت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے پس خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے نہ انہیں اس سے زیادہ محبوب کوئی شئی عطاء کی ہو گی نہ اس سے زیادہ کسی شئی نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی ہو گی۔

تشریح حدیث:۔للذین أحسنوا الحسنیٰ وزیادۃ۔

اس آیت کریمہ کی جو تفسیر خود زبان نبوت سے ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اس جگہ اچھے بدلہ سے مراد جنت ہے اور زیادۃ سے مراد حق تعالیٰ شانہ کی زیارت اور دیدار ہے جو اہل جنت کو جنت میں حاصل ہو گا اور یہ تمام نعمتوں اور راحتوں سے بڑھکر ہو گا جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے بے مانگے بندوں کو عطا فرمائیں گے امام قرطبی نے بروایت انس زیادۃ کی یہی تفسیر نقل کی ہے۔[1]

الم یثقل اللہ موازیننا

جب اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور جنتی خوب عیش و عشرت اور راحت و آرام کی زندگی میں مست و مگن ہوں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے ایک وعدہ کیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ اس کی تکمیل فوراً کر دی جائے تو اہل جنت کہیں گے اللہ تعالیٰ نے تو ہمارے نامہ اعمال کے پلڑے کو بھاری کیا، ہمارے چہروں کو منور کیا ہمیں جنت جیسی عظیم نعمت سے نوازا اور دوزخ کے بھیانک عذاب اور دہکتے شعلوں سے بچالیا کیا اس عظیم الشان انعام و اکرام کے بعد کوئی نعمت باقی ہے جو ہمیں نہیں ملی ہے۔

فیکشف الحجاب فینظرون الیہ

اہل جنت سمجھ رہے ہوں گے جنت جیسی نعمت کے بعد کوئی اور عظیم الشان نعمت ہو ہی نہیں سکتی کہ اچانک اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دیں گے اور اہل جنت کو دیدار خداوندی ہو جائیگا، اور جب حق تعالیٰ شانہ کا دیدار ہو جائے گا اور جنتی بچشم دید تجلیات ربانی اور انوار خداوندی کا مشاہدہ کریں گے تو سوچیں گے ہمیں تو کچھ بھی نعمت نہیں ملی تھی اصلی نعمت تو باقی تھی جواب محض فضل خداوندی سے نصیب ہوئی ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ جنتیوں سے معلوم کیا جائے گا کہ کسی اور نعمت کی ضرورت تو نہیں ہے؟ اور کیا چاہیے؟ اہل جنت کہیں

[1] استفاد معارف القرآن جلد ۴ ص ۵۲۹، تفسیر مظہری مترجم جلد ۵ ص ۴۹۷

گے یا اللہ جنت جیسی عظیم الشان نعمت ہمیں مل گئی کیا اس کے بعد بھی کوئی نعمت اس سے بڑھکر ہے جو تا ہنوز ہمیں نہیں ملی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ابھی ایک نعمت اور اصلی نعمت باقی ہے جو تمہیں اب تک نہیں ملی ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کرائے گا جنتی اس سے اس درجہ خوش ہوں گے کہ اس کے سامنے جنت کی تمام نعمتوں کو ہیچ سمجھیں گے اور سب سے زیادہ محبوب و مرغوب دیدار الٰہی ہوگا۔

فیکشف الحجاب پردہ ہٹا دیا جائیگا امام قرطبی نے اس جملہ کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے تمام رکاوٹیں دور کردی جائیں گی اور جنتی اپنی آنکھوں سے نور عظمت و جلال کو اسی طرح سے دیکھیں گے جس طرح وہ ہے اور یہ حجاب صرف مخلوق کے لئے تھا خالق کے لئے نہیں وہ تو ہر وقت اور ہر آن بندوں کو دیکھتا ہے اور ان کے احوال سے باخبر رہتا ہے [۱]

یہ حدیث شریف بھی فرقہ جہمیہ معتزلہ، خوارج کرامیہ اور مرجیہ وغیرہ کی تردید کیلئے اس باب کے تحت لائی گئی ہے کیوں کہ یہ سب فرقے رویت باری کے منکر ہیں اور حدیث رویت باری تعالیٰ کو ثابت کر رہی ہے لہٰذا اس میں فینظرون الیہ کالفظ ہی ترجمۃ الباب ہے اور اسی جملے سے باب کی مناسبت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ [۲]

رجال حدیث:۔

عبدالقدوس بن محمد بن عبدالکبیر بن شعیب بن الحجاب البصری صدوق راوی ہیں [۳]

ثابت ابن اسلم البنانی ابو محمد البصری ثقہ اور عبادت گذار راوی ہیں [۴]

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ الانصاری المدنی ثم الکوفی ثقہ راوی ہیں [۵]

(۱۹۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ تَمِيْمِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَسِعَ سَمْعُهُ الْاَصْوَاتَ لَقَدْ جَاءَتِ الْمُجَادِلَةُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَاَنَا فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ تَشْكُوْ زَوْجَهَا وَمَا اَسْمَعُ مَا تَقُوْلُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے کشادہ کیا اس کی آواز کے سننے کو (یعنی ہر آواز کو سنتا ہے) بے شک ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئی اور میں گھر

---

[۱] استفادہ تفسیر مظہری مترجم جلد ۵ ص ۲۹۸ [۲] حدیث شریف کی مزید شرح نووی ملاحظہ کیجئے جلد ۱ ص ۱۰۰ [۳] تقریب ص ۱۶۳
[۴] تقریب ص ۳۸ [۵] تقریب ص ۱۵۷

کے گوشہ میں بیٹھی تھی، اس نے حضور ﷺ سے اپنے شوہر کی شکایت کی (لیکن) کیا کہا میں سن نہ سکی، پھر اللہ تعالیٰ نے **قد سمع اللّٰہ الخ** کو نازل فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات کو سنا ہے جو جھگڑا کر رہی تھی اپنے شوہر کے متعلق،

تشریح حدیث:۔ لقد جاء ت المجادلة

مقدمہ لے کر آنے والی کون عورت تھی اس کے متعلق صاحب انجاح الحاجہ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ یہ خولہ بنت ثعلبہ بن احرم انصاریہ خزرجیہ تھی بعض حضرات نے خولہ کے بجائے خویلہ تصغیر کے ساتھ کہا ہے اس کے شوہر کا نام اوس بن صامت تھا۔[1]

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ خولہ بنت ثعلبہ کا شوہر اوس بن الصامت نے پنی بیوی سے یہ کہدیا کہ **انت علی کظهر امی** یعنی تو میرے حق میں ایسے ہی حرام ہے جیسے میری ماں حرام ہے خولہ یہ واقعہ لیکر دربار نبوی میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے پہنچی چوں کہ اس وقت تک آپ پر اس کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے عرب کے عام دستور کے مطابق فرمادیا کہ **ما اراك الاقد حرمت عليه** یعنی میری رائے یہ ہے کہ تم شوہر پر حرام ہو چکی ہو، یہ سنکر خولہ واویلا مچانے لگیں، کہ ساری جوانی اس شوہر کے پاس رہ کر گذر گئی اب بڑھاپے میں کہاں جاوں گی میر اور میرے بچوں کا گذارہ کس طرح ہوگا حق تعالیٰ شانہ نے حضرت خولہ کی فریاد سنی اور احکام ظہار مکمل نازل کردیا، اور ان کے لئے آسانی پیدا کردی، حضرات صحابہ کرامؓ اسی وجہ سے خولہ کا خوب ادب واحترام کیا کرتے تھے اور قدردانی کی نگاہوں سے دیکھتے تھے کیوں کہ ان ہی کی وجہ سے امت کا ایک عظیم ترین مسئلہ حل ہوگیا تھا۔

مجادلۃ" مجادلۃ سے مراد وہ جھگڑا ہے جو ایک مرتبہ بیان کردینے کے بعد بھی اپنی تکلیف کو بار بار بیان کر کے متوجہ کیا جائے۔[2]

اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت سماع کو ثابت کیا گیا ہے جس کا جہمیہ انکار کرتے ہیں اور اس حدیث شریف کو صرف لایا ہی اس وجہ سے گیا ہے تاکہ جہمیہ کی تردید ہو لہٰذا اس حدیث میں **سمعه الاصوات** ہی ترجمۃ الباب ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۹۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيىٰ ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسىٰ عَنْ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلىٰ نَفْسِهٖ بِيَدِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ۔

---

[1] انجاح الحاجہ ص ۱۷ معارف القرآن جلد ہشتم سورہ مجادلہ ص ۳۳۲ [2] معارف القرآن جلد ۸ ص ۳۳۵

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنے دست اقدس سے لکھدیا تھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔

تشریح حدیث:۔ رحمتی سبقت غضبی

میری صفت رحمت میرے غضب پر غالب ہے اس جیسا مضمون قرآن کریم میں بھی موجود ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے وسعت کل شئی رحمة وعلماء اللہ تعالیٰ کی رحمت اور علم جملہ تمام چیزوں میں حاوی ہے انسان بڑے بڑے گناہ کرلے پھر چند قطرے ندامت کے آنسو اللہ کے سامنے بہالے اور دل سے سچی توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح سے معاف کردیتا ہے گویا کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا التائب من الذنب کمن لاذنب له ، گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا کہ گناہ ہی نہیں کیا، علامہ تورپشتی نے کہا کہ کتابت سے یہاں مراد دو معنی ہو سکتے ہیں ایک لوح محفوظ میں لکھنا مراد ہو دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کتابت سے مراد قدر و قضاء ہو امام نووی نے کہا کہ رحمت و غضب دونوں مطیع و عاصی کی جزاء و سزاء کی طرف لوٹتے ہیں اور سبقت سے مراد یہاں غلبہ ہے کتب علی نفسه الرحمة کے معنی ہیں اوجب ووعداه ان یرحم قطعاً کے

امام ابن ماجہ نے اس حدیث شریف کو باب فیما انکرت الجهمية کے تحت اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث شریف میں حق تعالیٰ شانہ کے لئے صفت کتابت بالید اور صفت رحمت و غضب کو ثابت کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جہمیہ تمام صفات باری تعالیٰ کے ساتھ صفت رحمت و غضب نیز کتابت بالید کا بھی انکار کرتے ہیں اس لئے ابن ماجہ نے اس حدیث کو لاکر جہمیہ کی کھلی تردید کی ہے حدیث پاک میں کتب بیده اور رحمتی وغضبی ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۱۹۷) حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ وَيَحْيَى بْنُ حَبِيبِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَا ثَنَا مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ الْأَنْصَارِيُّ الْحِزَامِيُّ قَالَ سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ خِرَاشٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ لَمَّا قُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ يَوْمَ أُحُدٍ لَقِيَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا جَابِرُ أَلَا أُخْبِرُكَ مَا قَالَ اللّٰهُ لِأَبِيكَ وَقَالَ يَحْيَى فِي حَدِيثِهِ فَقَالَ يَا جَابِرُ مَالِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتُشْهِدَ أَبِي وَتَرَكَ عِيَالًا وَدَيْنًا قَالَ أَفَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهِ أَبَاكَ قَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا

مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَكَلَّمَ اَبَاكَ كِفَاحاً فَقَالَ يَاعَبْدِيْ تَمَنَّ عَلَيَّ اُعْطِكَ قَالَ يَارَبِّ تُحْيِيْنِيْ فَاُقْتَلُ فِيْكَ ثَانِيَةً فَقَالَ الرَّبُّ سُبْحَانَهٗ اَنَّهٗ سَبَقَ مِنِّيْ اَنَّهُمْ اِلَيْهَا لَا يَرْجِعُوْنَ قَالَ يَارَبِّ فَاَبْلِغْ مِنْ وَّرَائِيْ قَالَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت طلحہ بن خراش کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے فرماتے ہوئے سناجب عبداللہ بن عمرو بن حرام احد کے دن شہید کردیئے گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے ملاقات کی اور فرمایااو جابر کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتلادوں جواللہ تعالیٰ نے تیرے والد سے کہاہے حضرت یحیٰی اپنی روایت میں کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایااے جابر میں تمہیں رنجیدہ اور مغموم پاتاہوں حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے کہایارسول اللہ ﷺ میرے والد شہید کردیئے گئے اورانہوں نے بہت سے عیال اور کافی قرض چھوڑا، آپ نے فرمایا کیا میں تجھے اس صورت کی خوشخبری نہ دوں جس صورت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تیر والد کے ساتھ ملاقات کی، حضرت جابر نے کہاکیوں نہیں یارسول اللہ (ضرور بتلایئے) آپ نے فرمایااللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کسی سے کلام نہیں کیامگر پردے کے ورے سے اور اللہ نے تیرے والد سے براہ راست کلام کیا، اور فرمایااے میرے بندے تو مجھ سے تمناکر میں تجھے دوں گاتوانہوں نے کہااے میرے پروردگار تو مجھے زندہ کردے تاکہ دودوبارہ تیری راہ میں قتل کردیاجاؤں پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایاکہ یہ پہلے لکھاجاچکاہے کہ دوبارہ لوگوں کودنیاکی طرف نہیں لوٹاجائیگا توانہوں نے عرض کیااے میرے پروردگار دنیاوالوں کو یہ پیغام پہنچادے، فرمایاپھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کونازل فرمایاولا **تحسبن الذین قتلو الخ** جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کیئے گئے انہیں مردہ نہ کہوبلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں وہ اپنے رب کے یہاں رزق پاتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔ **وكلمه ابا ك كفلحا۔**

كفاحاً أى مواجهة ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے والد سے روبرو کلام کیاہے ان کے درمیان نہ کوئی پردہ حائل تھااورنہ ہی کسی قاصد کاواسطہ تھا، بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ نے بات کی ہے **(كذا فى الدر النقير)**

اس حدیث شریف پر بظاہر دواشکال ہے، پہلااشکال تو یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہواکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر کے والد سے براہ راست اور بغیر کسی حجاب حائل ہوئے گفتگو کی ہے جبکہ خداتعالیٰ کاارشاد ہے **وماكان لبشر أن يكلمه الله الا وحياأو من ورائى حجاب أو يرسل رسولاً فيوحى باذنه مايشاء** نہیں ہے کسی بشر کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یاپردے کے

پیچھے سے یا بھیجے کوئی قاصد جو چاہے وحی کرے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی کی تین شکلیں ہیں (۱) بذریعہ وحی، (۲) پردہ کے پیچھے (۳) کوئی فرشتہ وغیرہ بھیجکر، اور یہاں تینوں طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے گفتگو نہیں ہوئی بلکہ براہ راست گفتگو ہوئی جو آیت قرآنیہ کے خلاف ہے؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جو ہمکلامی کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں وہ دنیاوی زندگی کے لئے ہے اور اس دنیا میں ان ہی تین طریقوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام ممکن ہے ان کے علاوہ سے نہیں، اور حضرت جابر کے والد کے ساتھ جو کلام ہوا، وہ آخرت اور وفات کے بعد ہوا لہٰذا آیت اور حدیث میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے[۱]

دوسرا اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مدیون شخص کی روح آسمان پر نہیں پہنچتی ہے بلکہ محبوس ہوتی ہے چنانچہ مسند احمد میں روایت موجود ہے کہ سعد بن اطول کے بھائی کی وفات ہو گئی اور اس نے تین سو دینار اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی چھوڑ، حضرت سعد بن اطول ان بچوں پر خرچ کرنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے فرمایا **إنّ أخاك محبوس بدينه فاقض عنه**[۲] تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد کی روح کیسے آسمان پر گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس مدیون کے بارے میں جس نے اپنے دین کی ادائے گی کے لئے کوئی مال نہ چھوڑا ہو اور حضرت جابر کے والد نے اپنے دین کی ادائے گی کے لئے مال چھوڑا تھا اسی لئے حضرت جابر فرما رہے ہیں میرے والد کا انتقال ہو گیا اور عیال اور دین چھوڑا، شاہ عبدالغنی مجددی نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت جابر کے والد کی روح محبوس نہیں ہوئی ہوگی اس لئے کہ شہادت حقوق العباد کی معافی کا ذریعہ ہے مگر دلائل کی روشنی میں یہ جواب مخدوش ہے کیوں کہ حدیث میں صراحت ہے کہ حقوق العباد شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے ہیں اس لئے پہلا جواب ہی زیادہ مناسب ہے۔

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت تکلم کو ثابت کیا ہے جس کا جہمیہ صراحۃً انکار کرتے ہیں لہٰذا حدیث پاک میں **وكلم اباك كفاحاً** ہی ترجمۃ الباب ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت تکلم کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱۹۸) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يَضْحَكُ اِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ كِلَاهُمَا دَخَلَ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هٰذَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُسْتَشْهَدُ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى قَاتِلِهٖ فَيُسْلِمُ فَيُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

---

[۱] انجاح الحاجہ ص ۱۷ [۲] مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۳

فَيُسْتَشْهَدُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ دو شخصوں کی جانب دیکھکر ہنستا ہے جن میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا اور دونوں جنت میں داخل ہوئے ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کررہا تھا پھر شہید ہو گیا پھر اس کے قاتل نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اسلام قبول کیا پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔

تشریح حدیث: ان اللہ یضحک

اللہ تعالیٰ ایسے دو شخصوں کو دیکھکر ہنستا ہے کہ جو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے تھا عداوت کی چنگاری ایک دوسرے کے سینے میں بھڑک رہی تھی لیکن ان کی قسمت میں جنت مقدر تھی چنانچہ دونوں جنت میں داخل ہوئے ایک شخص مسلمان تھا جو اللہ کی راہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑ رہا تھا یہاں تک کہ شہید ہو گیا اور جنت میں داخل ہو گیا دوسرا شخص کافر تھا جو اس کے بالمقابل لڑ رہا تھا مگر قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور اسلام کی لازوال نعمت سے مالامال ہو گیا اور نور ایمان سے قلب کو منور کر لیا اور اپنے گناہوں پر اللہ کے سامنے نادم ہوا پھر اللہ کے راستے میں لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تو یہ دونوں جنت میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ضحک فرمانا اس لئے ہو گا کہ ابھی یہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے اور ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہے لیکن اس کو اپنا انجام معلوم نہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے شیر و شکر ہو جائیں گے اور دونوں جنت میں جائیں گے۔

امام ابن ماجہ نے اس حدیث شریف کے بارے میں جہمیہ پر رد کیا ہے کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے ضحک کو ثابت کیا گیا ہے جس کا جہمیہ صراحتاً انکار کرتے ہیں لہٰذا یہ حدیث جہمیہ کے مسلک کی کھلی تردید ہو گی اور ان اللّٰہ یضحک ہی ترجمۃ الباب ہو گا۔

(۱۹۹) حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَىٰ وَيُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَىٰ قَالَا ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین و آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی میں لے لیگا پھر کہے گا میں بادشاہ ہوں اور کہاں ہیں اب دنیا کے بادشاہ۔

تشریح حدیث: یقبض اللّٰہ الارض

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیٰمۃ والسمٰوٰت مطویٰت بیمینہ** ۔دوسری جگہ ارشاد ہے **لا یخفی علی اللہ منھم شئی لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار** ۔

قیامت کے دن زمین و آسمان کا اللہ تعالیٰ کی داہنی مٹھی میں ہونا یہ متشابہات میں سے ہیں ان میں غور و خوض کرنے سے شرع نے روکا ہے لیکن متشابہات کے بارے میں متقدمین علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنوں میں ہے مگر اس کی نوعیت و کیفیت مجہول ہے بجز اللہ کے کسی کو معلوم نہیں اس میں خواہ مخواہ غور کرنا اسکی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنا بھی ممنوع ہے اور اللہ تعالیٰ کے مٹھی ہونا داہنا ہاتھ ہونا جو معلوم ہوتا ہے جو اعضاء جوارح اور جسمانی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاتمہ آیت میں اشارہ بھی کردیا ہے کہ ان الفاظ کو اپنے اعضاء پر قیاس مت کرو اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے **سبحٰنہ وتعالیٰ عما یشرکون** ۔

اور علماء متاخرین جیسے تمام الفاظ کو جو اللہ تعالیٰ کے حق میں استعمال ہوئے ہیں ایک تمثیل اور مجاز قرار دیتے ہیں کہ کسی چیز کا مٹھی میں ہونا اور داہنے ہاتھ میں ہونا کنایہ ہوتا ہے مکمل قبضہ و قدرت سے اور یہی مکمل قبضہ و قدرت مراد بھی ہے[1]

ثم یقول انا الملک واین ملوک الارض

جب اللہ تبارک و تعالیٰ زمین و آسمان کو لپیٹ کر اپنے قبضہ قدرت میں لے لیں گے ساری مخلوقات فنا ہوجائے گی پھر تمام مقرب و مخصوص فرشتوں جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، اور ملک الموت کو بھی موت آجائے گی اور صرف حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات باقی رہ جائے گی تو اس وقت حق تعالیٰ شانہ اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے اور دنیا میں جو بادشاہت کا دعویٰ کرتے تھے ان کو عاجز ظاہر کرنے کے لئے اعلان کریگا **لمن الملک الیوم** بتاؤ آج بادشاہت کس کی ہے کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا خود ہی اللہ تعالیٰ جواب دے گا **للہ الواحد القھار** ،حضرت حسن بصریؒ محمد بن کعب قرظی کا بھی یہی قول ہے کہ جواب دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ اور مسلم شریف کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ارشاد ہوگا **انا الملک این الجبارون واین المتکبرون** میں ہی مالک اور بادشاہ ہوں اور آج جبارین و متکبرین کہاں ہے[2]

[1] معارف القرآن جلد ۷ ص ۵۷۳ [2] معارف القرآن جلد ۷ ص ۵۹۰

یہ کلمہ کب کہا جائیگا؟ اس کے متعلق حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں نفخوں کے درمیان یہ اعلان کیا جائے گا، مگر حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلمہ دو مرتبہ دوہرایا جائے ایک نفخہ اولی اور فنائے عالم کے وقت دوسرا نفخہ ثانیہ اور تمام خلائق کے دوبارہ زندہ ہونے کے وقت قرآن کریم کی آیات کے قرآئن بھی اس کے مؤید ہیں [2]

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو ذکر کے اللہ تعالیٰ کیلئے صفت طی اور صفت قبض ثابت کی ہے جس کا جہمیہ صراحتاً انکار کرتے ہیں لہٰذا یہ حدیث شریف جہمیہ پر رد ہوگی اور حدیث میں يطوى اويقبض کے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں۔

(۲۰۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَىٰ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ ثَنَا اَبُوْ الْوَلِيْدِ بْنُ اَبِيْ ثَوْرٍ الْهَمْدَانِيُّ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَيْرَةَ عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ كُنْتُ بِالْبَطْحَاءِ فِيْ عِصَابَةٍ وَفِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمَرَّتْ بِهِ سَحَابَةٌ فَنَظَرَ اِلَيْهَا فَقَالَ مَا تُسَمُّوْنَ هٰذِهٖ قَالُوْا السَّحَابَ قَالَ وَالْمُزْنَ قَالُوْا وَالْمُزْنَ قَالَ وَالْعِنَانَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ قَالُوْا وَالْعِنَانَ قَالَ كَمْ تَرَوْنَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ قَالُوْا لَا نَدْرِيْ قَالَ فَاِنَّ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا اِمَّا وَاحِدًا اَوْ اِثْنَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا اَوْ سَبْعِيْنَ سَنَةً وَالسَّمَاءُ فَوْقَهَا كَذٰلِكَ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ ثُمَّ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ بَحْرًا بَيْنَ اَعْلَاهُ وَاَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ سَمَاءٍ اِلٰى سَمَاءٍ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ اَوْعَالٍ بَيْنَ اَظْلَافِهِنَّ وَرُكَبِهِنَّ كَمَا بَيْنَ سَمَاءٍ اِلٰى سَمَاءٍ ثُمَّ عَلٰى ظُهُوْرِهِنَّ الْعَرْشُ بَيْنَ اَعْلَاهُ وَاَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ سَمَاءٍ اِلٰى سَمَاءٍ ثُمَّ اللّٰهُ فَوْقَ ذٰلِكَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ (مقام) بطحاء میں تھا جن میں اللہ کے رسول ﷺ بھی تشریف فرما تھے کہ بادل کا گذر ہوا آپ نے اس کی طرف دیکھا پھر فرمایا تم لوگ اس کا کیا نام رکھتے ہو حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا سحاب، (ابر) آپ نے ارشاد فرمایا مزن بھی (نام رکھتے ہو) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا جی ہاں مزن بھی، آپ نے فرمایا عنان بھی (نام رکھتے ہو) حضرت ابو بکر نے عرض کیا جی ہاں عنان بھی (نام رکھتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ تمہارے اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے حضرات صحابہ کرامؓ نے

---

[1] انجاح الحاجہ ص ۱۷ [2] مستفاد معارف القرآن جلد ۷ ص ۵۹۰ اس حدیث کی تفصیل دیکھئے اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۳۵۸

عرض کیا ہمیں معلوم نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اور آسمان کے درمیان اکہتر یا بہتر سال کا فاصلہ ہے اور آسمان کے اوپر اسی طرح (کا فاصلہ ہے) یہاں تک کہ آپ نے اسی طرح ساتوں آسمانوں کو شمار کرایا پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے اور اس کے اوپر اور نیچے کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان اور دوسرے آسمان کے درمیان فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں جن کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے پھر ان کی پشتوں پر عرش ہے جس کے بالائی حصہ اور نیچے کے حصے میں اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ جلوہ فرما ہے۔

تشریح حدیث:۔

سحابة ابر۔ بادل **سحب وسحائب** ،**المزن والمزنة** بادل (پانی سے لبریز) سفید بادل ،حب **المزن** ،اولے۔ **العنان** بادل۔ **والعنانة** بادل کا ایک ٹکڑا عنان السماء آسمان کی بلندی، **اوعال** جمع ہے وعل کی، پہاڑی بکری **وعل** ،ض وعلا، اوپر سے جھانکنا۔

لما واحد او اثنين اوثلاثاً وسبعين سنة

اس حدیث پر بادی النظر میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہاں زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ اکہتر یا بہتر یا تہتر سال بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسری روایتوں میں تصریح ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہوا؟

اس تعارض کو حل کرنے کے لئے علماء امت نے مختلف جوابات دیے ہیں بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ اس حدیث شریف میں اکہتر یا بہتر یا تہتر سال سے مقصود تحدید نہیں ہے بلکہ تکثیر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اہل عرب اس عدد کو استعمال کرتے ہیں اور یہاں بھی تکثیر ہی مراد ہے نہ کہ تحدید، **فلا اشکال ولاتعارض بینهما** ۔حافظ ابن حجر نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ جن حدیثوں میں پانچ سو سال کی مسافت مذکور ہے وہ بطئی کے اعتبار سے ہے اور جن میں اس سے کم سال کی مسافت مذکور ہے وہ تیزی کے ساتھ چلنے پر محمول ہے یعنی آدمی اگر سست رفتاری سے چلے گا تو پانچ سو سال لگیں گے اور برق رفتاری کے ساتھ چلے گا تو ستر سال میں وہ مسافت طے کرے گا!

والسماء فوقها كك

اس جملے کا مطلب یہ ہے جس طرح زمین و آسمان کے درمیان تہتر سال کا فاصلہ ہے اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کی مسافت بھی تہتر سال ہے۔

ثم فوق ذالك ثمانية اوعال

ل انجاح الحاجہ ص ۱۸

ثمانیة اوعال سے مراد آٹھ فرشتے ہیں جو عرش رحمان کو اٹھائے ہوئے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے **ویحمل عرش ربك فوقهم یومئذ ثمانیة** یعنی قیامت کے روز عرش رحمان کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے بعض روایات حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے تو یہ کام چار فرشتوں کے سپرد ہے اور قیامت کے دن چار اور فرشتوں کا اضافہ کر دیا جائیگا۔

یہاں یہ بھی واضح ہونا ضروری ہے کہ ثمانیۃ کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک **ثمانیة** سے مراد ملائکہ کی آٹھ صفیں ہیں، فرشتوں کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہے، حضرت ابن زید کے نزدیک ثمانیۃ سے مراد آٹھ ملائکہ ہیں، اور حضرت حسن سے منقول ہے کہ اس سے آٹھ فرشتے یا آٹھ صفیں یا آٹھ ہزار فرشتے مراد ہیں مگر ان سب کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے بندے کو معلوم نہیں ہے لیکن تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے آٹھ فرشتے ہی مراد ہیں جو حاملین عرش کہلاتے ہیں روایات سے بھی اسی قول کی تائید ملتی ہے **کمالایخفیٰ علی نوی البصائر** [1]

ثم علیٰ ظهور هن العرش

عرش و کرسی اہل السنت والجماعت کے نزدیک ثابت ہیں اور قرآن کریم وسنت اس پر ناطق ہیں مگر عرش رحمان کیا چیز ہے اس کی حقیقت اور حقیقی شکل وصورت کس طرح ہے اور فرشتوں کا اس کو اٹھانا کس نوعیت کا ہے یہ چیزیں وہ ہیں کہ نہ عقل انسانی انکا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ان مباحث میں غور وفکر کی اجازت ہے اس کے متعلق سلف صالحین صحابہ اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے کہ جو کچھ اس سے مراد ہے وہ برحق ہے اس کی حقیقت وکیفیت نامعلوم ہے۔

ثم فوق ذالك تبارك وتعالیٰ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا یہ متشابہات میں سے ہے جس کے بارے میں علماء سلف کا مسلک یہ ہے **استویٰ علی العرش** برحق ہے مگر اس کی کیفیت کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے اور علماء خلف کا مسلک یہ ہے کہ **استویٰ علیٰ العرش** سے ملکیت کاملہ کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ ہی کے قبضہ وقدرت میں ساری کائنات کا نظام چلاتا ہے اور وہ اس کا مالک وخالق ہے [2]

امام ابن ماجہ نے سابقہ تمام حدیثوں کی طرح اس حدیث کو بھی جہمیہ پر رد کرنے کے لئے اس باب میں ذکر کیا ہے اور **ثم فوق ذالك ثمانیة اوعال ـ ثم علی ظهورهنّ العرش** جیسے الفاظ ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۲۰۱) حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ حُمَیْدِ بْنِ کَاسِبٍ ثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ عَمْرِوبْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِذَاقَضَی اللّٰهُ

---

[1] استفاد حاشیہ جلالین ص ۴۷۲ [2] حاشیہ جلالین ص ۲۶۰

اَمْراً فِی السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِکَۃُ بِاَجْنِحَتِھَا خُضْعَاناً لِقَوْلِہٖ کَاَنَّہٗ سِلْسِلَۃٌ عَلٰی صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِھِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ قَالَ فَیَسْمَعُھَا مُسْتَرِقُوا السَّمْعِ بَعْضُھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ فَیَسْمَعُ الْمَلَائِکَۃُ الْکَلِمَۃَ فَیُلْقِیْھَا اِلٰی مَنْ تَحْتَہٗ فَرُبَّمَا اَدْرَکَہُ الشِّھَابُ قَبْلَ اَنْ یُّلْقِیَھَا اِلَی الَّذِیْ تَحْتَہٗ فَیُلْقِیْھَا عَلٰی لِسَانِ الْکَاھِنِ اَوِالسَّاحِرِ فَرُبَّمَا لَمْ یُدْرِکْ حَتّٰی یُلْقِیَھَا فَیَکْذِبُ مَعَھَا مِائَۃَ کَذْبَۃٍ فَتَصْدُقُ تِلْکَ الْکَلِمَۃُ الَّتِیْ سَمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ.

ترجمہ حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی معاملہ کا فیصلہ فرماتا ہے تو ملائکہ عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے پروں کو ہلاتے ہیں (جس سے) ایک ایسی آواز پیدا ہوتی ہے گویا ایک زنجیر ہے جو پتھروں پر ماری جارہی ہے جب ان کے دلوں سے یہ دہشت ختم ہوتی ہے تو وہ (آپس میں) سوال کرتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا، فرشتے کہتے ہیں اس نے حق فرمایا جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے آپ نے فرمایا کہ پس گفتگو چرانے والے ان ہی میں سے کچھ سن لیتے ہیں اور فرشتے اس کلمہ کو سنتے ہیں (وہ گفتگو چرانے والے شیاطین) اس کو لے کر اپنے نیچے والوں کے پاس آتے ہیں، پس کبھی تو نیچے والوں کو (خبر) دینے سے پہلے شعلہ اس کو جلا ڈالتا ہے تو وہ ان باتوں کو کاہن اور جادوگر کی زبان پر ڈالدیتے ہیں اور کبھی (وہ چلے جاتے ہیں) شعلہ اسے نہیں جلاتا ہے یہاں تک وہ اس کو ڈال دیتے ہیں اور ملادیتے ہیں اپنی طرف سے سو جھوٹ، اور سچا تو صرف ایک کلمہ ہوتا ہے جو اس نے آسمان سے سنا ہے۔

تشریح حدیث:۔ قالو الحق هو العلی الکبیر

جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم صادر کرتا ہے تو فرشتے آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ **ماذا قال ربکم** تمہارے رب نے کیا کہا اور پھر قضاء وقدر کے متعلق کیا فیصلہ کیا وہ بتاؤ چنانچہ مقربان بارگاہ فرشتے حضرت جبرئیل ومیکائیل وغیرہ جواب دیتے ہیں **قالوا الحق** ۔ اللہ تعالیٰ نے حق فرمایا، اس کلمہ حق سے کیا مراد ہے تو اس کے متعلق محشی ابن ماجہ نے چند احتمالات لکھے ہیں کلمہ حق سے کلمہ کن مراد لیا جائے یا پھر کلمہ حق سے قول حق مراد لیا جائے جس کے مقابل باطل آتا ہے اور لفظ کن سے مراد روز مرہ پیش آنے والے حوادثات ہیں مثلاً گناہوں کی مغفرت کرنا تکالیف کو دور کرنا ہے کسی قوم کو بلند کرنا کسی قوم کو پست کرنا کسی کو عزت عطا کرنا، اور کسی کو ذلت، ذلیل شخص کو عزت بخشنا اور باعزت شخص کو ذلیل کرنا وغیرہ نیز کلمہ حق سے مراد وہ تمام باتیں مراد لی جائیں جو لوح محفوظ میں مکتوب ہیں[1]

---

[1] انجاح الحاجہ ص ۱۸

فيسمعها مسترقوا السمع الخ

اللہ رب العزت جب آسمان پر کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو جنات و شیاطین اس کو سننے کے لئے آسمان تک جاتے ہیں اور وہاں کی خبروں کو سنکر اپنے کاہنوں اور جادوگروں کو بتاتے ہیں اور سو جھوٹ کی آمیزش کر دیتے ہیں بسااوقات جب شیاطین و جنات آسمانی خبر سننے کے لئے وہاں جاتے ہیں تو شہاب ثاقب سے مار کر بھگایا جاتا ہے جو آگ کا شعلہ بن کر زمین پر گرتا ہے اور کبھی کبھار وہاں کی خبریں سنکر کاہنوں اور جادوگروں کو بتاتے ہیں جن میں زیادہ تر جھوٹ کی آمیزش کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہذا اور حضرت عباسؓ کی روایت جو مسلم شریف میں ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جناتوں اور شیطانوں کی خبروں کے سننے کا واقعہ اصل آسمان پر پیش آتا ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت جو بخاری شریف میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطانوں کی خبر سننے کا واقعہ عنان آسمان یادل میں پیش آتا ہے جو بظاہر دونوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ شیاطین آسمان پر جا کر یہ خبر چرالاتے ہیں بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ خبریں درجہ بدرجہ آسمانوں میں فرشتوں میں پھیلتی ہوں پھر فرشتے عنان سماء بادل تک آکر اس کا تذکرہ کرتے ہوں اور یہاں سے شیاطین خبروں کو چوری کرتے ہوں جیسا کہ حضرت صدیقہؓ کی حدیث میں ہے اور لفظ سماء عربی میں جس طرح آسمان کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح بادل پر بھی لفظ سماء کا اطلاق عام اور معروف ہے لہٰذا جن حدیثوں میں سماء کا ذکر ہے اس سے مراد بادل ہی ہے **فلا لشكال فيه**۔[1]

امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت قضی ثابت کر کے جہمیہ پر رد کیا ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے لئے علو و کبیر کی صفت ثابت کر کے جہمیہ پر رد کیا ہے جو صراحتاً صفات باری کے منکر ہیں، لہٰذا حدیث میں **اذا قضى الله امراً و هو العلىّ الكبير** جیسے الفاظ ترجمۃ الباب ہے

(۲۰۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِيْ مُوْسىٰ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ ﷺ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَايَنَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ أَنْ يَّنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهٗ وَيُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ وَعَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْكَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَاانْتَهىٰ إِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ.

[1] مستفاد معارف القرآن جلد ۸ سورۂ جن جلد ۵ ص ۵ ۲ جلد ۵ ص ۴۳۱

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور پانچ باتیں بیان فرمائیں، اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور سونا اس کے لئے مناسب نہیں ہے میزان کو پست و بلند کرتا ہے دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اور رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں، اس کا پردہ نور ہے اگر وہ اپنے پردہ کو ہٹادے تو تاحد نظر تمام مخلوقات کو اپنے چہرے کی روشنی سے جلاڈالے۔

تشریح حدیث:۔ **ان الله لا ینام ولاینبغی له ان ینام**

اللہ تبارک وتعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ ہی سونا اس کی شایان شان ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بھی اس طرح کا مضمون موجود ہے **لا تاخذہ سنة ولانوم** یعنی اللہ تعالیٰ کو نہ اونگھ آتی ہے نہ ہی نیند آتی ہے اور نہ ہی آپ کیلئے نوم ونعاس مناسب ہے کیوں کہ نیند موت کی بہن ہے نیز نیند قویٰ کو آرام پہنچانے کے لئے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ومبرا ہے[1]

یخفض القسط ویرفعه

اللہ تعالیٰ ترازو کو جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ ترازو کے جھکانے اور بلند کرنے سے مراد رزق تنگ کرنا اور فراخ کرنا، ذلیل کرنا اور عزت دینا ہے اور مطلب یہ ہے کہ رزق کے اندر تنگی اور فراخی پیدا کرنا سب اسی ذات وحدہ **لاشریك له** کے قبضہ وقدرت میں ہے، جس کے لئے چاہے مال ودولت کا دریا بہادے اور جسکے لئے چاہے فقر وفاقہ اور رزق کے اندر تنگی پیدا کردے اور وہ افلاس وناداری کی صعوبتوں میں گرفتار ہو جائے، اسی طرح وہ قادر مطلق ہے کہ جس کو چاہے اعمال خیر کی توفیق دے کہ اس کے اعمال صالحہ سے خوش ہو کر عزت سے نوازے اور جس کو چاہے سرکشی نافرمانی میں مبتلا کردے اور اسکی بدعملی اور معصیت سے ناراض ہو کر ذلت ورسوائی کے عمیق غار میں ڈالدے[2]

ویرفع الیه عمل النهار قبل عمل اللیل

ان الفاظ کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ بندے کے تمام اعمال بارگاہ خداوندی میں جلد پیش ہو جاتے ہیں بندہ دن میں جو عمل کرتا ہے رات کے عمل سے پہلے وہ بارگاہ خداوندی میں پیش ہو جاتا ہے اور رات میں جو عمل کرتا ہے وہ دن کے عمل سے پہلے ہی پیش ہو جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کا ہر عمل جو انسان انجام دیتا ہے وہ بہت جلد خدا کے پیش ہو جاتا ہے اس لئے انسان کو اعمال صالحہ ہی کرنے چاہیئے اور اعمال سیہ سے بچنا چاہیئے۔

حجابه النور لوکشفه لاحرقت سبحات وجهه

اللہ تعالیٰ کا پردہ نور ہے اگر اس کو ہٹادے تو ساری مخلوق اور کائنات کا ایک ایک ذرہ جل کر راکھ ہو جائے کیوں کہ اس کی نگاہ تمام عالم اور اس کی تمام مخلوقات اور ایک ایک ذرہ تک کو محیط ہے اگر اللہ تعالیٰ کے انوار

---

[1] مرقات جلد ا ص ۱۶۳ [2] مستفاد مرقات جلد ا ص ۱۶۳

وجلال جو اس نے اپنے بندوں سے حجاب میں رکھے ہیں کھل جائیں تو جن جن اشیاء عالم پر تجلیاب الٰہیہ کا عکس پڑے گا وہ تمام اشیاء جل کر بھسم ہو جائیں گی ان کا وجود تک باقی نہ رہے گا حضرت موسیٰ کے مطالبہ پر ذرا سی تجلی پر فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

سبحات ۔جمع سبحة معنی ہے پاک ذات کا جلال اس کی عظمت بعض حضرات نے کہا کہ **سبحات وجهه** کا لفظ جملہ معترضہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اور سبحان اللہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو تعجب کے وقت بولا جاتا ہے[1]

اس حدیث کے ذریعے امام ابن ماجہ نے فرق جہمیہ کی کھلی تردید کی ہے اور اس میں **ان الله لاینام ویخفض القسط ،حجابه النور** جیسے الفاظ ترجمۃ الباب ہے۔

(۲۰۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا الْمَسْعُودِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ اَبِي مُوسىٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَّنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ شَيْءٍ اَدْرَكَهُ بَصَرُهُ ثُمَّ قَرَاَ اَبُوْعُبَيْدَةَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی سونا اسکی شایان شان ہے ترازو کو پست و بلند کرتا ہے اس کا پردہ نور ہے اگر وہ اس کو ہٹا دے تو اس پاک ذات کے انوار تجلیات ہر اس چیز کو جلا ڈالے جس پر اس کی نگاہ پڑے پھر ابو عبیدہ نے یہ آیت پڑھی، برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے اور جو اسکے ارد گرد ہے اور پاکی ہے اللہ تعالیٰ کی جو سارے عالم کا رب ہے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث پاک کی تشریح اور باب سے مناسبت دونوں سابق حدیث میں گذر چکی ہیں۔

(۲۰٤) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَمِيْنُ اللّٰهِ مَلْاٰى لَا يَغِيْضُهَا شَيْءٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَبِيَدِهِ الْاُخْرىٰ الْمِيْزَانُ يَرْفَعُ الْقِسْطَ وَيَخْفِضُ قَالَ اَرَاَيْتَ مَا اَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

---

[1] تفصیل دیکھیے مرقات جلد ۱ص ۱۶۴، تحفۃ المرآۃ ص ۱۵۸

وَالْاَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ مِمَّا فِيْ يَدَيْهِ شَيْئًا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی، شب وروز خرچ کرتا ہے اور دوسرے ہاتھ (بائیں ہاتھ) میں میزان ہے جسے پست وبلند کرتا رہتا ہے آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا ہے برابر خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔

تشریح حدیث: یداللہ ملاٰی لا یغیضھا شئی

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرنے سے مراد اس کی بے شمار نعمتیں ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے **بل یداہ مبسوطتان**، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اس سے کنایہ جود وسخا کی طرف اور مظہر نے کہا کہ یداللہ سے اللہ کے خزائن مراد ہیں اور خزائن پر ید کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ ہاتھ سے اس میں تصرف کیا جاتا ہے گویا ید بولکر یہاں محل عطاء سے کنایہ کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خوب خرچ کرتا رہتا ہے اور رات ودن خرچ کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کچھ کمی نہیں آتی ہے[۱]

وبیدہ الا خری المیزان الخ

اللہ تعالیٰ کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے جو عدل وانصاف کا ذریعہ ہے اور میزان سے مراد رزق وعمل کا ترازو ہے یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا میزان گناہ اور معصیت کی وجہ سے پست کر دیتے ہیں اور کسی کا میزان طاعات وعبادات کی وجہ سے بلند کر دیتے ہیں[۲]

سحاً رواں، ہمیشہ بہنے والا، یہ نفقہ کی صفت ہے اور سح الماء، باب نصر سے مشتق ہے یعنی اوپر سے نیچے گرا اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اللہ کا عطیہ فوقیت وبلندی اور سہولت وکثرت کے ساتھ موصوف ہے[۳]

حدیث شریف کا باب سے تعلق بالکل ظاہر ہے اور حدیث شریف کے ذکر کرنے کا مقصد بھی واضح ہے کہ جہمیہ کی تردید کرنا ہے۔

(۲۰۵) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ يَأْخُذُ الْجَبَّارُ سَمٰوٰاتِهٖ وَاَرْضِيْهِ بِيَدِهٖ وَقَبَضَ بِيَدِهٖ فَجَعَلَ يَقْبِضُهَا وَيَبْسُطُهَا ثُمَّ

---

[۱] مرقات جلد ا ص ۱۶۵ [۲] تحفۃ الاحوذی ص ۱۶۵ [۳] حوالہ سابق

يَقُوْلُ أَنَا الْجَبَّارُ أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ قَالَ وَيَتَمَيَّلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتّٰى نَظَرْتُ إِلَى الْمِنْبَرِ يَتَحَرَّكُ مِنْ أَسْفَلِ شَيْءٍ مِنْهُ حَتّٰى إِنِّيْ لَأَقُوْلُ أَسَاقِطٌ هُوَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) زمین و آسمان کو اپنے دست اقدس میں لے لے گا پھر مٹھی بنائی، رسول اللہ ﷺ نے پھر اس کو اپنی مٹھی میں لے لیگا پھر اس کو پھیلائیگا میں جبار ہوں اور کہاں ہیں (دنیا کے) جبارین اور متکبرین، ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دائیں اور بائیں جانب ملاحظہ فرماتے تھے (ابن عمر کہتے ہیں) کہ یہاں تک کہ میں نے منبر کی طرف دیکھا، اس کے نیچے کچھ ہل رہا تھا یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سمیت الٹ نہ جائے۔

تشریح حدیث:۔

قبض بیده، رسول اللہ ﷺ نے بطور تمثیل اپنی مٹھی بنا کر لوگوں کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمین و آسمان کو اس طرح مٹھی میں لے لیں گے۔

قال ويتميل رسول الله ﷺ الخ

حضرت ابن عمر کا مقصد اس سے صرف رسول اللہ ﷺ کی وہ حالت اور کیفیت بیان کرنا ہے جو تقریر کرتے وقت تھی جب آپ ﷺ اس مضمون کو بیان فرما رہے تھے تو کبھی آپ دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب مڑتے تھے اور نہایت ہی جوش و خروش کے ساتھ بیان کر رہے تھے یہاں تک کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ منبر حرکت کرنے لگا اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کہیں منبر رسول اللہ ﷺ سمیت پلٹ نہ جائے۔ بقیہ کی تشریح سابق میں گذر چکی ہے۔

حدیث شریف کا تعلق باب ہذا سے بالکل ظاہر ہے اس میں **يأخذ الجبار يقبضها ويبسطها** جیسے الفاظ ترجمۃ الباب ہیں۔

(۲۰۶) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ ثَنَا ابْنُ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ بُسْرَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ أَبَا إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيَّ يَقُوْلُ حَدَّثَنِي النَّوَّاسُ بْنُ سَمْعَانَ الْكِلَابِيُّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ قَلْبٍ

اِلاَّ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمَانِ اِنْ شَآءَ اَقَامَهٗ وَاِنْ شَآءَ اَزَاغَهٗ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ یَامُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ قَالَ وَالْمِیْزَانُ بِیَدِالرَّحْمٰنِ یَرْفَعُ اَقْوَامًا وَیَخْفِضُ اٰخَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔

ترجمہ حدیث:۔ ۲

حضرت نواس بن سمعان کلابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہتے ہوئے سنا کہ ہر قلب خدا تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے تو وہ اسے سیدھا کردے اور اگر چاہے تو ٹیڑھا کردے اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے اے دلوں کو ثابت رکھنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ اور فرمایا میزان خدا کے دست اقدس میں ہے وہ ایک قوم کو بلند کرتا اور دوسری کو پست کرتا رہیگا قیامت تک،

تشریح حدیث:۔ملمن قلب الابین اصبعین من اصابع الرحمان۔

رحمان کی دوانگلیوں کے درمیان دل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلوب بنی آدمؑ پر اللہ تعالیٰ کا مکمل قبضہ ہے اور پوری طرح اس میں تصرف کا مالک ہے جس کے قلب کو چاہے طاعات وعبادات میں لگادے اور جس کے قلب کو چاہے حق سے پھیر کر بدی کی طرف جانے دے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے دعاء فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ آپ دلوں کو ثابت رکھنے والے ہیں ہمارے دلوں کو راہ حق اور دین مستقیم پر ثابت رکھ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو ہر وقت ثبات علی الدین الحنیف اور صراط مستقیم پر قائم ودائم رہنے کی دعاء کرتے رہنا چاہئے۔

والمیزان بیدالرحمان۔ کی شرح گذرچکی ہے اس حدیث شریف کا بھی باب سے تعلق بالکل ظاہر ہے بید الرحمن ویخفض آخرین اسی طرح اصابع الرحمنلو ریامثبت جے الفاظ ہی ترجمة الباب ہے اور ان ہی جملوں سے جہمیہ کی تردید ہوتی ہے۔

(۲۰۷) حَدَّثَنَا اَبُوْكُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ اَبِی الْوَدَّاكِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَیَضْحَكُ اِلٰی ثَلَاثَةٍ لِلصَّفِّ فِی الصَّلٰوةِ وَلِلرَّجُلِ یُصَلِّیْ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ وَلِلرَّجُلِ یُقَاتِلُ اَرَاهٗ قَالَ خَلْفَ الْكَتِیْبَةِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تین شخصوں

کی طرف دیکھکر ہنستا ہے ایک نماز کی صف کی جانب ، دوسرے اس شخص کی طرف ہنستا ہے جو آدمی رات کو نماز پڑھ رہا ہو تیسرے اس شخص کی طرف (دیکھکر ہنستا ہے) جو لشکر کے بھاگ نے کے بعد بھی لڑتا رہتا ہے۔

تشریح حدیث:۔ ان الله ليضحك الى ثلاثة

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ان تین چیزوں کی جانب دیکھکر ضحك فرمانا خوشی کی وجہ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور راضی ہوتے ہیں اور خوشی کی وجہ سے ہنستے ہیں۔ اراه خلف الكتيبة ۔اراہ کا لفظ غالباً حضرت ابوسعید خدری کا قول ہے کہ خیال پڑتا ہے کہ آپ نے خلف الكتيبة فرمایا ہے اور کتیبہ لشکر کی بڑی ٹولی ہے جو قتال سے بھاگ جائے، اور ان میں سے ایک شخص میدان جنگ سے مارے خوف کے بھاگنے کا ارادہ بھی کرتا ہے مگر اس کے بعد نہایت ہی دلیری سے میدان میں ثابت قدم رہا یہ نہایت مشکل کام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے عمل سے خوش ہوتے ہیں۔

امام ابن ماجہ نے حدیث ہذا کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ضحک ثابت کر کے جہمیہ پر رد کیا ہے جو صراحتاً صفات خداوندی کے منکر ہیں۔

(۲۰۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيىٰ ثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ ثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عُثْمَانَ يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيْرَةِ الثَّقَفِيَّ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَعْرِضُ نَفْسَهُ عَلَى النَّاسِ فِي الْمَوْسِمِ فَيَقُوْلُ أَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِيْ إِلىٰ قَوْمِهِ فَإِنَّ قُرَيْشاً قَدْ مَنَعُوْنِيْ أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّيْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ حج کے دنوں میں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور فرماتے کہ تم میں سے کون ہے جو مجھے بحفاظت اپنی قوم کے پاس لے جائے تاکہ میں اپنے رب کے کلام کو پہنچا سکوں اس لئے قریش نے مجھے خدا کے پیغام پہنچانے سے روک دیا۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی تشریح وتوضیح تو بالکل واضح ہے البتہ اس حدیث کا باب سے کوئی تعلق بظاہر نظر نہیں آتا ہے حدیث شریف میں کوئی ایسا لفظ مذکور نہیں ہے جو باب فيما انكرت الجهمية کے عین مطابق ہو اس لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ کلام ربی ہی ترجمۃ الباب ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے کلام اور اس کا متکلم ہونا ثابت ہوا جس کا جہمیہ انکار کرتے ہیں اسی مناسبت سے اس حدیث شریف کو

اس باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

(۲۰۹) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا الْوَزِيرُ بْنُ صَبِيحٍ ثَنَا يُونُسُ بْنُ حَلْبَسٍ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ قَالَ مِنْ شَأْنِهِ أَنْ يَغْفِرَ ذَنْبًا وَيُفَرِّجَ كَرْبًا وَيَرْفَعَ قَوْمًا وَيَخْفِضَ آخَرِينَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابودرداء سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: **کل یوم هوفی شأن** کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں کی مغفرت کرتا ہے تکلیفوں کو دور کرتا ہے کسی قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسروں کو جھکاتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

اللہ تعالیٰ کی ہر روز الگ الگ شان اور حالت ہے جن میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ خطاؤں کو معاف کرتا ہے مصیبت زدہ کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے کسی کو مال ودولت سے سرفراز کرتا ہے توکسی کو فقر وتنگ دستی میں مبتلا کرتا ہے حدیث شریف میں **ان یغفر ذنبا ویفرج کربا ویخفض** وغیرہ الفاظ ترجمۃ الباب ہیں اور ان ہی سے جہمیہ کی تردید ہوتی ہے جو امام ابن ماجہ کا مقصود بھی ہے۔

لہ ابن ماجہ
کہ نسائی
۳ ابوداؤد

(۱٤) بَابُ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً اَوْ سَيِّئَةً

امام ابن ماجہ اس باب میں ان روایات کو لائیں گے جن میں یہ مذکور ہو گا کہ اگر کسی شخص نے اچھا کام ایجاد کیا مثلاً کوئی مسجد و مدرسہ بنوادیا، مسافروں کے لئے کوئی کنواں کھودوادیا یا کوئی دینی کتاب تصنیف کر دی جس سے لوگوں کو فائدہ ہوا، اپنی زندگی کے اندر دین واسلام پیدا کر لئے صلوٰۃ وصوم کا پابند ہو گئے احکام اسلام پر عمل کرنے لگے مسجد ومدرسہ بنوایا جس میں مسلمان بچے آکر قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے ہیں نماز روزہ سیکھتے ہیں تو مسجد و مدرسہ بنانے اور کتابیں تصنیف کرنے کا بھی ثواب ملے گا اور اس پر جو لوگ عمل کریں گے اس عمل کرنے والے کا ثواب بھی اس شخص کو ملے گا۔ **الدال علی الخیر کفاعله۔**

اسی طرح اگر کوئی شخص براکام ایجاد کرتا ہے مثلاً فلم ہال بنادیا دین ودنیا کے اندر کوئی بدعت رائج کر دی ٹی وی، وی سی آر وغیرہ ایجاد کر دیا، لہو لعب اور گانے بجانے کے آلات تیار کر دیے، تو اس کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ اسی شخص کو ہو گا جو ذریعہ بنا اور منکرات ومعصیت کے ارتکاب کا سبب بنا کیونکہ جس طرح **الدال علی الخیر کفاعله** ہے اسی طرح **الدال علی الشر کفاعله** بھی ہے

امام ابن ماجہ نے اس باب کو **باب فیماانکرت الجهمیه** کے بعد ذکر کیا ہے دونوں کے درمیان مناسبت اس طرح ہے کہ امام ابن ماجہ نے اس سے قبل والے باب کے اندر جہمیہ کے باطل عقائد پر رد کیا تھا ، فرقہ جہمیہ نے دین اسلام کے اندر جو خرافات برپا کئے بے بنیاد عقائد باطل نظریات اختراع کر کے دین میں ایک بدعت سیئہ کی بنیاد ڈالدی تھی اس کا رد کیا تھا اب اس باب کے اندر یہ بیان کریں گے کہ بدعت سیئہ کی ایجاد کرنے کا وبال اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا وبال اس بانی اور موجد کے لئے بھی ہو گا لہٰذا جو لوگ بھی جہمیہ کے عقائد فاسدہ کے پیرو ہوں گے اور ان کے مذہب پر عمل کریں گے اس کا گناہ فرقہ جہمیہ کے بانی جہم بن صفوان کے حق میں بھی لکھا جائے گا اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ اچھی اور بھلی باتیں ہی لوگوں سے کہے تاکہ کہنے کا ثواب، اور اگر اس کے کہنے سے اس پر عمل کر لیا تو اس کا ثواب بھی اس کے حق میں لکھا جائے۔

(۲۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِيْ الشَّوَارِبِ ثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ لَهُ اَجْرُهَا وَمِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَايَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا

وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَايَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جریر اپنے والد (عبداللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص (دین میں) کوئی اچھا کام جاری کرے، پس لوگ اس پر عمل کریں تو اس کے لئے اس کا ثواب ہوگا اور اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو اس پر عمل کرے اور ان کے اجر و ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص (دین میں) کوئی برا طریقہ جاری کرے پس اس پر عمل کرے تو اس پر اس کا گناہ ہوگا اور اس شخص کا بھی گناہ ہوگا جو اس پر عمل کرے اور اسکے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

تشریح حدیث:۔من سن سنة حسنة كان له اجرها

راقم الحروف آغاز کتاب میں سنت کے لغوی و اصطلاحی معنی نیز وجہ تسمیہ وغیرہ بیان کر چکا ہے اس لئے اسی جگہ مراجعت کر لی جائے، اس جگہ اعادہ کی بالکل ضرورت نہیں ہے البتہ اتنی بات یہاں بیان کرنی ضروری ہے کہ اس جگہ سنت سے مراد اصطلاحی سنت نہیں ہے بلکہ سنت سے مراد دین کی بات ہے خواہ وہ از روئے شرع فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا مستحب و مندوب، سب کو سنت کا لفظ شامل ہے اور سنت سے مراد طریقہ خیر ہے خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو، مثلاً ایک جگہ ایسی ہے جہاں نکاح بیوگان کو لوگ عیب سمجھتے ہوں یا وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دینا چھوڑ رکھا ہو یا سلام و مصافحہ کو ترک کر دیئے ہوں وہاں چند اللہ کے نیک بندے کمر کس کر اس دینی چیز کو دوبارہ رواج دے اور لوگوں کو اس پر عمل کرائے تو کوشش کا ثواب اس کو ملے گا اور اس کی کوشش کے نتیجے میں جو لوگ عمل کریں گے اس کا ثواب بھی اسی کے مثل اس شخص کو ملے گا اور جو لوگ عمل کر رہے ہیں ان کے اجر میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی اسی طرح مثلاً معاشرہ میں ایک بدعت رائج ہے اور لوگ اس پر جزو دین سمجھ کر عمل پیرا ہیں ایک شخص اس بدعت کو معاشرے سے ختم کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے اور لوگوں سے بدعت ختم ہو جاتی ہے اور لوگ سنت پر گامزن ہو جاتے ہیں تو اس کوشش کرنے کا ثواب اور اس کے نتیجے میں لوگ جو سنت پر عمل پیرا ہوئے ہیں اس کا بھی ثواب اس شخص کو ملے گا۔

ٹھیک اسی طرح اگر کوئی آدمی دین کے اندر غیر پسندیدہ طریقہ ایجاد کرتا ہے مثلاً کسی غیر دین کو دین میں داخل کرتا ہے رسوم و بدعات کو دین اسلام اور مسلمانوں کے معاشرے میں رواج دیتا ہے اور لوگ اس کی کوشش سے بدعت و خرافات میں جتنا بھی ہو جاتے ہیں تو بدعت رواج دینے کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کا گناہ اس شخص کو ملے گا جس نے بدعت کو فروغ دیا اور اس کی بنیاد ڈالی، اس لئے آدمی کو طریقہ خیر ایجاد کرنا چاہیے

لوگوں کو صحیح راہ کی طرف بلانا چاہیے اور بدعت و خرافات سے لوگوں کو بچانا چاہیے تاکہ ڈبل ثواب کا مستحق ہو سکے۔

(۲۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَحَثَّ عَلَيْهِ فَقَالَ رَجُلٌ عِنْدِيْ كَذَا وَ كَذَا قَالَ فَمَا بَقِيَ فِي الْمَجْلِسِ رَجُلٌ إِلَّا تَصَدَّقَ عَلَيْهِ بِمَا قَلَّ أَوْ كَثُرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَنَّ خَيْراً فَاسْتُنَّ بِهٖ كَانَ لَهٗ أَجْرُهٗ كَامِلاً وَمِنْ أُجُوْرِ مَنِ اسْتَنَّ بِهٖ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئاً وَمَنِ اسْتَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَاسْتُنَّ بِهٖ فَعَلَيْهِ وِزْرُهٗ كَامِلاً وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْ اسْتَنَّ بِهٖ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئاً۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پس آپ نے اس کے لئے (لوگوں کو) صدقہ پر ابھارا چنانچہ ایک شخص نے کہا (یا رسول اللہ) میری طرف اتنا اتنا مال ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجلس میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا مگر یہ کہ اس نے اس پر کم یا زیادہ صدقہ کیا پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے اور اس پر لوگ عمل کریں تو اس کے لئے اپنا کامل اجر ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی اجر اس کو ملے گا اور ان لوگوں کے ثوابوں کے اندر کچھ بھی کمی نہ آئے گی اور جس نے کوئی برا کام جاری کیا پھر لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو اس کے اوپر اس کا گناہ کامل ہوگا اور ان لوگوں کا بھی گناہ اس کے اوپر ہوگا جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

تشریح حدیث:۔ فعلیه وزره کاملاً الخ

مطلب یہ ہے کہ طریقہ شر کو ایجاد کرنے والے شخص کو ڈبل گناہ ملے گا ایک تو شر ایجاد کرنے کا گناہ ملے گا ہی ساتھ ہی ساتھ اس شر پر جو لوگ عامل ہو جائیں گے اس کا گناہ بھی اسی موجد و بانی پر ہوگا مگر اس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید عمل کرنے والوں پر کوئی گناہ ہی نہ ہوگا تو اس وہم کو دور کر دیا کہ اس عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ یہ لوگ بھی گناہوں میں شریک رہیں گے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعلیه وزره ومن اوزار الذی استن به الخ کا جملہ بظاہر قرآنی آیت ولا تزر وازرة وزر اخری، کہ کوئی شخص ایک دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا بلکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا، ہر شخص سے اسی کے کئے ہوئے اعمال کے مطابق باز پرس ہوگی (گناہوں کے متعلق اور دوسروں کے عمل کا کوئی دخل نہ ہوگا ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے ورنہ پھر

کھیت کھائے جولاہا، مار کھائے گدھا اور کرے کوئی اور بھرے کوئی کا مصداق اور متر ادف ہو جانے کا جو درست نہیں؟) کے مخالف معلوم ہوتا ہے۔

جواب قرآنی آیت اور حدیث نبوی میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ دوسروں کو گمراہ کرنا اتنا بڑا سنگین گناہ ہے کہ اس کے برابر کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے تو چوں کہ شر وفساد کے موجد و بانی اس کی ضلالت و گمراہی کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کو بھی گناہ ملے گا یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی کے بہکاوے میں آکر دین اسلام سے دور جا بھٹیں ہوں گے اور صحیح ڈگر سے منحرف ہو کر غلط راہ پر چلکر جہنم میں داخل ہوں گے وہ کیا کریں گے۔ **ربنا ارنا الذین اضلانا من الجن والانس نجعلهما تحت اقدامنا لیکونا من الاسفلین** ۔ کہ اے ہمارے پروردگا ہمیں ان لوگوں کو دکھادے جناتوں اور انسانوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہم انہیں اپنے قدموں تلے کرلیں تاکہ وہ کمترین لوگوں میں ہو جائیں، یہاں جنات سے مراد ابلیس لعین ہے اور انس سے مراد قابیل ہے ان ہی دونوں نے سب سے پہلے کفر کیا ہے ابلیس نے تو سجدہ سے انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا اور قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے کفر والا عمل کیا، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ جو شخص کوئی امر خیر یا امر شر ایجاد کرتا ہے تو اسکی طرف اس کی اسناد و نسبت صحیح ہوتی ہے اس لئے ثواب وعتاب و عقاب میں برابر شریک رہیگا چوں کہ یہی شخص اصل بانی ہے۔

(۲۱۲) حَدَّثَنَا عِيسَىٰ بْنُ حَمَّادٍ الْمِصْرِيُّ أَنبأَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ أَيُّمَا دَاعٍ دَعَا إِلَىٰ ضَلَالَةٍ فَاتُّبِعَ فَإِنَّ لَهُ مِثْلُ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا وَأَيُّمَا دَاعٍ دَعَا إِلَىٰ هُدًى فَتُبِعَ فَإِنَّ لَهُ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِ شَيْئًا

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس بلانے والے نے بھی گمراہی کی جانب بلایا، پس اس کی اتباع کی گئی تو اس (داعی) کے لئے اس کے گناہ کے مثل گناہ ہو گا اور جس نے اس کی اتباع کی ہے اس کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں آئے اور جس بلانے والے شخص نے بھی ہدایت کی طرف بلایا پھر اس کی اتباع کی گئی تو اس کے لئے اسی کے مثل اجر ہو گا جس نے اس کی اتباع کی اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف کی شرح سابق میں گذر چکی ہے اس حدیث میں صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں ورنہ مضمون حدیث وہی ہے جو سابق میں حدیث گذر چکی ہے۔

(۲۱۳) حَدَّثَنَا اَبُو مَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِیُّ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ اَبِیْ حَازِمٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ فَعَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنِ اتَّبَعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے (لوگوں کو) ہدایت کی طرف بلایا تو اس کے لئے ان لوگوں کا اجر ہے جو اس کی اتباع کریں، اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے (لوگوں کو) گمراہی کی طرف بلایا تو اس کے لئے ان کا گناہ ہے جو اس کی اتباع کریں، اور ان لوگوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف کی بھی تشریح و توضیح سابق حدیث میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

رجال حدیث:۔

محمد بن عثمان خلاد الاموی ابو مروان العثمان المدنی صدوق راوی ہیں، دسویں طبقات میں سے ۲۴۱ھ میں وفات ہوئی[1]

عبدالعزیز بن ابی حازم سلمہ بن دینار المدنی صدوق راوی ہیں آپ فقیہ بھی تھے آٹھویں طبقات میں سے ہیں وفات ۱۸۴ھ میں ہوئی۔[2]

علاء بن عبدالرحمان بن یعقوب الحرقی صدوق راوی ہیں پانچویں طبقات میں سے ہیں[3]

(۲۱۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی ثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ ثَنَا اِسْرَائِیْلُ عَنِ الْحَکَمِ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً عَمِلَ بِهَا

---

[1] تقریب ص ۳۲۸ [2] تقریب ص ۲۱۱ [3] تقریب ص ۴۰۰

بَعْدَهُ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ وَمِثْلُ أُجُوْرِهِمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئاً
وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارِهِمْ مِنْ غَيْرِ
أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئاً

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے (دین میں) کوئی پسندیدہ طریقہ جاری کیا اس پر بعض لوگ عمل کریں اس کے (مرنے کے) بعد تو اس کے لئے اس (جاری کرنے) کا اجر ہو گا اور ان لوگوں کے اجر کے مثل ہو گا (جنہوں نے اس پر عمل کیا) ان کے اجر میں کمی کئے بغیر، (اسی طرح) جس نے (دین میں) کوئی برا طریقہ جاری کیا، پس اس پر (لوگ) عمل کئے اس کے (مرنے) کے بعد تو اس کے لئے اس کے (جاری کرنے کا) گناہ ہو گا اور ان لوگوں کے گناہ کے برابر ہو گا (جو ان پر عمل کئے) اور اس کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہو گی۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث کی شرح بھی باب کے شروع میں گذر چکی ہے وہیں ملاحظہ فرمالیں۔

(۲۱۵) حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نُهَيْكٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ دَاعٍ يَدْعُوْا إِلٰى شَيْءٍ إِلَّا وُقِفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَازِماً لِدَعْوَتِهِ مَا دَعَا إِلَيْهِ وَإِنْ دَعَا رَجُلٌ رَجُلاً۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے کوئی بلانے والا کسی شئی کی طرف مگر کھڑا کیا جائے گا قیامت کے روز اسی دعوت کے ساتھ جس کی طرف اس نے بلایا خواہ ایک ہی آدمی کو دعوت دی ہو۔

تشریح حدیث:۔ الاوقف یوم القیامۃ لازماً لدعوتہ

مطلب یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا بھی داعی ہو گا اور جس کی طرف بھی لوگوں کو دعوت دے گا اسی دعوت کے ساتھ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اگر کوئی خیر کی دعوت دے گا، بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے گا تو کل قیامت کے دن اسی دعوت والے کام کے ساتھ پکارا جائیگا اور اسکے ساتھ وہ تمام لوگ آئیں گے جنہوں نے اسکی دعوت پر لبیک کہا تھا اور حق کو قبول کیا تھا اور اگر کوئی شخص بدعت و خرافات، رسم و رواج کفر و شرک اور معصیات و منکرات کی طرف لوگوں کو بلائے گا تو قیامت کے روز اسی دعوت کے ساتھ پکارا

جائے گا اور خدائی عدالت میں حاضر کیا جائے گا اور اس کے ساتھ اس کے تمام متبعین و فرماں بردار ہوں گے پھر ان کا حشر اسی کے ساتھ کیا جائے گا اسی مضمون کو قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے **أحشروا الذين ظلموا و ازواجهم وماكانوا يعبدون.** فرشتوں کو حکم ہوگا جمع کرلو ظالموں کو (یعنی جو کفر و شرک کے بانی اور مقتدا تھے) اور ان کے ہم مشربوں کو (یعنی جو ان کے ساتھ تابع تھے) اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے (یعنی شیاطین اور بت) آگے مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا **من دون الله فاهدوهم الى صراط الجحيم** پھر ان سب کو دوزخ کی طرف لے جاؤ[1]

---

[1] ماستفاد معارف القرآن جلد ۷ ص ۴۳۸

(۱۵) بَابُ مَنْ اَحْيَا سُنَّةً قَدْ اُمِيتَتْ

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اس باب میں ان روایات کو لائیں گے جن میں یہ بیان کیا گیا ہو گا کہ جو سنت معاشرے سے بالکل ختم ہو گئی، لوگ اس پر عمل کرنے کو معیوب سمجھتے ہوں اور لوگوں کے دلوں سے اس کی اہمیت بالکل مٹ چکی ہو ایسے وقت میں اگر کوئی مرد مجاہد صدائے حق بلند کر کے سنت پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی دعوت بھی دیتا ہے اور سنت پر عمل کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے اور لوگ اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں تو عند اللہ اس رجل داعی کا مقام بہت اونچا اور بلند ہو گا اور عمل کرنے والے لوگوں کا ثواب بھی اس کو اتنا ملے گا جتنا عمل کرنے والوں کو ملے گا جیسا کہ اس کی تفصیل اس سے پہلی والی حدیث میں گذر چکی ہے۔

(۲۱۶) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ ثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ ثَنَا كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِىُّ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ جَدِّىْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِىْ فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ اَوْزَارُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ مَنْ عَمِلَ بِهَا شَيْئًا۔

ترجمہ حدیث:۔

کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف مزنی کہتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے میرے والد (عبد اللہ نے میرے دادا عمرو سے) کہ بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا، اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اس کے لئے عمل کرنے والے کے مثل ثواب ہو گا اور ان کے ثواب میں کچھ کمی بھی نہ ہو گی، اور جس نے کوئی بدعت ایجاد کی اور لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو اس پر عمل کرنے والے (کے مثل) گناہ ہو گا اور عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی بھی نہ ہو گی۔

تشریح حدیث:۔ من احیا سنۃ من سنتی

امام مظہری نے کہا کہ سنت سے مراد وہ دینی احکام ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے متعین کیا ہے خواہ وہ احکام از قبیل فرض ہوں یا واجب یا مستحب، احیاء سنت کے اندر تحصیل علم، قراءت قرآن، اعفاء لحیہ وغیرہ سب داخل ہیں اور احیاء سے مراد لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لئے ابھارنا، اور اسکے فضائل ماثورہ وغیرہ ان کے

سامنے بیان کرنا ہے۔

رجال حدیث:۔

زید بن الحباب ابوالحسین العکلی، بضم العین وسکون الکاف، صدوق راوی ہیں سفیان ثوری کی روایت میں خطا کرتے تھے، نویں طبقات میں سے ہیں ان کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی۔[1]

کثیر بن عبداللہ ابن عمرو بن عوف المزنی المدنی ضعیف راوی ہیں۔[2]

(۲۱۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنَ النَّاسِ لَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِ النَّاسِ شَيْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِثْلُ إِثْمِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنَ النَّاسِ لَا يَنْقُصُ مِنْ آثَامِ النَّاسِ شَيْئًا

ترجمہ حدیث:۔

کثیر بن عبداللہ اپنے والد (عبداللہ) سے وہ اپنے دادا (عوف) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عوف کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مٹ چکی تھی تو اس کے لئے اتنا ہی ثواب ہوگا جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کا ہوگا اور لوگوں کے اجر میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی اور جس نے کوئی ایسی بدعت ایجاد کی جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ راضی نہ ہوں تو اس کے اوپر اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو گناہ ہوگا اور لوگوں کے گناہ میں کچھ کمی بھی نہیں آئے گی۔ تشریح حدیث ماقبل میں گذر چکی ہے

[1] تقریب ص ۸۵ [2] تقریب ۲۸۱

(۱٦) بَابُ فَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

اس باب میں ابن ماجہؒ ان روایات کو ذکر کریں گے جن کا تعلق قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے سے ہوگا یعنی قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے کا عند اللہ کیا ثواب ہے اور اس کے پڑھنے پڑھانے والوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ ہے اس باب کی روایات کے اندر بیان کیا جائے گا اور قرآن کریم کی تعلیم و تعلم سے روگردانی والوں کے لے کیا وعیدیں آئی ہیں اور ان کے لئے کیا شقاوت و بدبختی ہے وہ اس باب میں ذکر کریں گے۔

قرآن کی تلاوت افضل العبادات اور تقرب بارگاہ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے جب تک آدمی تلاوت کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا رہتا ہے حضرت امام احمد ابن حنبل کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ننادے مرتبہ خواب میں اللہ کا دیدار کیا اور ہر دفعہ ایک سوال کیا کہ الٰہی کوئی ایسا وظیفہ اور ورد بتا جو پڑھوں اور تیرا مقرب بندہ بن جاؤں امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہر دفعہ یہی جواب ملا کہ احمد بن حنبل قرآن کی تلاوت کرتا جا اور میرا محبوب اور مقرب بندہ بنتا جا، اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن تقرب الٰہی کا بہترین سبب ہے اور عمدہ ذریعہ ہے اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں ساٹھ ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے اکابرین دیوبند بھی تلاوت کلام اللہ کا خاص اہتمام رکھتے تھے اور اس کے جملہ فضائل حاصل کرنے کی ہمہ تن کوشش کرتے تھے اللہ ہمیں بھی اور آپ کو اسکی توفیق عطا فرمائے، آمین،

(۲۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ ثَنَا شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ شُعْبَةُ خَيْرُكُمْ وَقَالَ سُفْيَانُ أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شعبہ کہتے ہیں کہ (آپ نے) خیر کم (کالفظ فرمایا اور سفیان کہتے ہیں کہ (آپ نے) افضلکم (کالفظ فرمایا۔ تم میں سے افضل وہ شخص ہے جو قرآن کریم سیکھے اور اس کو (لوگوں) کو سکھائے۔

تشریح حدیث:۔افضلکم من تعلم القرآن وعلمه

قرآن کریم کی تعلیم وتعلم کرنے والوں کیلئے ایک خوش کن اور مسرت بخش ارشاد ہے کہ لوگوں میں سب سے افضل ترین وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کی تعلیم وتعلم میں مشغول ہیں گرچہ دنیا انہیں کچھ بھی کہہ لے مگر عند اللہ اور عند الرسول انکا مقام نہایت ہی اونچا اور بلند ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ جس نے قرآن کریم کو پڑھا اس نے نبوت کو اپنے دونوں پہلوں میں لے لیا صرف فرق اتنا ہے کہ اس پر وحی نہیں آئی ہے من قرأ القرآن فقد ادرج النبوة بين جنبيه غير انه لايوحى اليه[1]

ملا علی قاری مزید لکھتے ہیں کہ جب یہ بات مسلم ہے کہ خیر الکلام کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے بڑھکر کوئی کلام نہیں ہے تو پڑھنے اور پڑھانے والوں کی فضیلت بھی تمام لوگوں پر مسلم ہوگی اس کی تعلیم و تعلم سے شغف رکھنے والے حضرات انبیاء علیہ السلام کے بعد بہترین لوگ ہیں خواہ وہ صحابہ کرام کی جماعت ہو یا صحابہ کے بعد کے لوگ ہوں وہ نبیوں کے بعد افضل ترین انسان ہوں گے بشرطیکہ اس میں اخلاص وللہیت ہو اس کی تعلیم و تعلم سے مقصود رضاء الٰہی اور خوشنودی خداوندی ہوں دل میں شہرت طلبی قطعاً نہ ہو ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔والحاصل انه اذاكان خير الكلام كلام الله فكذا لك خيرا لناس بعد النبيين من يتعلم القرآن ويعلمه لكن لا بدمن تقييد التعليم والتعلم بالاخلاص[2]

خلاصہ یہ ہے کہ خیر الکلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اسی طرح سے انبیاء کے بعد بہترین لوگ وہ ہوں گے جو قرآن کریم سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے لیکن اس میں اخلاص ہونا ضروری ہے۔

علامہ نوویؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ بقدر واجب قرآن وفقہ کو سیکھنا از روئے فضیلت برابر ہے البتہ ضرورت سے زیادہ قرآن کریم سیکھنے سے افضل فقہ کا سیکھنا ہے امام نووی کے مذکورہ قول پر نقد و جرح کرتے ہوئے شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری الحنفی لکھتے ہیں کہ امام نووی کا یہ قول قابل غور ہے اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ قرآن کریم کی شان میں سوء ادبی کا ارتکاب کر گئے اس لئے کہ بقدر واجب قرآن کی تعلیم و تعلم علم یقینی ہے اور فقہ کا تعلم علم ظنی ہے پھر دونوں افضلیت میں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں، فقہ کا سیکھنا تو اس لئے افضل ہے کہ فقہ قرآن کے معانی کے سیکھنے کا نام ہے لہٰذا معنی قرآن کو اصل قرآن کے مقابل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے ہاں اتنی بات تو ضرور ہے کہ معنی کی معرفت اور اسمیں درک و بصیرت حاصل کرنا اس کے الفاظ کی معرفت سے افضل ہے۔[3]

---

[1] مرقات جلد ۴ ص ۳۳۲ [2] مرقات جلد ۴ ص ۳۳۳ [3] مرقات جلد ۴ ص ۳۳۳

(۲۱۹) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت عثمان بن عفان کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے سب سے افضل وہ شخص ہے جو قرآن کریم سیکھے اور (دوسروں کو) سکھائے۔حدیث کی شرح سابق میں گذر چکی ہے۔

(۲۲۰) حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ ثَنَا الْحَارِثُ بْنُ نَبْهَانَ ثَنَا عَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خِيَارُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ قَالَ وَأَخَذَ بِيَدِي فَأَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هٰذَا أُقْرِئُ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کریم سیکھے اور سکھائے ،عاصم کہتے ہیں کہ مصعب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اس مقام پر (تعلیم قرآن) بٹھایا اور فرمایا یہ سب سے بڑے قاری ہیں۔(قال اخذ بیدی غالبًا یہ قول عاصم بن بہدلہ کا ہے کیوں یہ اپنے زمانے کے مشہور قراء میں سے تھے ان کی قراءت کی شہرت دور تک ہو گئی تھی)۔حدیث کی تشریح سابق میں گذر چکی ہے۔

رجال حدیث:۔

ازہر بن مروان الرقاشی آپ کا لقب فریخ ہے آپ کا شمار صدوق راویوں میں ہوتا ہے آپ رواۃ حدیث کے دسویں طبقات میں سے ہیں آپ کی وفات ۲۴۳ھ میں ہوئی [1]

حارث بن نبہان الجرمی ابو محمد البصری متروک الحدیث راوی ہیں آٹھویں طبقات میں سے ہیں [2]

عاصم بن بہدلہ ابن ابی النجود صدوق راوی ہیں ان کی مرویات صحیحین میں بھی ہیں چھٹے درجے کے راوی ہیں [3]

(۲۲۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ

[1] تقریب ص ۱۸ [2] تقریب ص ۷۴ [3] تقریب ص ۱۱۸

وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آپؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اس ترنج کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی عمدہ ہے اور خوشبو بھی اچھی ہے اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ہے کھجور کی طرح ہے جس کا مزا تو اچھا ہے لیکن کوئی خوشبو نہیں ہے اور اس منافق آدمی کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے اس ریحان کے مانند ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن ذائقہ تلخ ہے اور اس منافق آدمی کی مثال جو قرآن کریم نہیں پڑھتا ہے اس ایلوے کی طرح ہے کہ جس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے اور کوئی خوشبو بھی نہیں۔

تشریح حدیث:۔مثل المؤمن الذی یقرأ القرآن

اس حدیث شریف کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے محدث کبیر حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے مقصود ایک امر معقول اور غیر محسوس شئی کو محسوس اور معقول شئی کے ساتھ تشبیہ دے کر لوگوں کو سمجھانا ہے تاکہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور نہ کرنے کا فرق فوراً ذہن میں اتر جائے اور آدمی سمجھ لے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں کیا فوائد مضمر ہیں اور اسکو چھوڑنے میں کیا مضرت مخفی ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کلام الٰہی کی تلاوت کی حلاوت وچاشنی اور مہک سے ترنج اور کھجور کی کیا نسبت ہے اگرچہ ان اشیاء کے ساتھ تشبیہ دینے میں خاص نکات بھی پوشید ہیں مثلاً جو حضرات علوم نبویہ سے تعلق ولگاؤ رکھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کو علوم کی وسعت کی طرف مشیر ہیں مثلاً ترنج ہی کو لیجئے یہ منافع میں قرآن کریم کی تلاوت وقراءت کے ساتھ ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں کہ منہ کا خوش بودار ہونا باطن کا صاف ہونا روحانیت میں طاقت وقوت پیدا کرنا یہ تلاوت کے منافع میں ہیں [1]

ملا علیؒ قاری فرماتے ہیں کہ چونکہ لوگوں کے درجات مختلف ہوتے ہیں بعض تو وہ ہیں جو قرآن کریم سے وافر درجہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ قرآن کریم کی تلاوت سے زبان کو تر رکھنے والے لوگ ہیں اور بعض تو وہ ہیں جو قرآن کریم سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں اور یہ حقیقی منافقین کہ گروہ ہیں، اور بعض تو وہ ہیں جو قرآن کریم سے ظاہری طور پر سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر اس کے باطنی فوائد سے محروم رہتے ہیں اور بعض

[1] استفاد مصباح الزجاجہ ص ۱۵۳

اس کے برعکس ہیں، اسی لئے مختلف چیزوں سے مثال دے کر اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو ذہن میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔ [1]

اترجة، بضم الہمزۃ وسکون التاء وضم الراء وتشدید الجیم، لیموں کا درخت، ریحانة، ناز بو ایک نہایت خوشبودار۔ حنظلہ، ایلوا، اندرائن کا پھل جو نہایت کڑوا اور تلخ ہوتا ہے۔

(۲۲۲) حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ أَبُوْ بِشْرٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بُدَيْلٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ أَهْلُ الْقُرْآنِ أَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ.

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک لوگوں میں سے کچھ لوگ اہل اللہ ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا وہ اہل قرآن ہیں یہی اللہ والے اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

تشریح حدیث:۔ **هم أهل القرآن**

اللہ کے رسول ﷺ نے اہل اللہ، اہل قرآن کو قرار دیا ہے ممکن ہے کہ منکرین حجیت حدیث جو اپنے آپ کو اہل قرآن سے موسوم کرتے ہیں اس سے اپنی حقانیت پر استدلال کریں اس لئے یہاں خوب واضح ہونا چاہیے کہ حدیث پاک کے اندر جو اہل اللہ کا مصداق قرار دیا گیا ہے اس سے مراد آج کل کے منکرین حجیت حدیث ہرگز نہیں ہیں بلکہ **هم اهل القرآن** سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کے حفظ وفہم سے مشغول رہتے ہیں اور اسکے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے ہیں اور آج کل برساتی کیڑے اور مینڈک کی طرح منکرین حدیث حجیت جو زمین میں ٹرٹراتے رہتے ہیں اور شور مچاتے رہتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق ہم ہی ہیں صراحتاً مغالطہ آمیزی پر محمول ہے اس میں صداقت رتی برابر بھی نہیں ہے کیوں کہ یہ لوگ اگرچہ عامل بالقرآن کے مدعی ہوتے ہیں مگر پس پردہ منکرین قرآن ہوتے ہیں چنانچہ دیکھئے قرآن شریف میں صاف ہے **ما اٰتٰكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا، اطيعوا الله واطيعوا الرسول** ، اور **من يطع الرسول فقد اطاع الله** وغیرہ آیات قرآنیہ حجیت حدیث پر آفتاب نیم روز سے زیادہ واضح ہے مگر کوئی اہل قرآن کے مدعی ان پر عامل نہیں **كما لا يخفى فاعتبروا يا اولى الابصار** ۔

---

[1] مرقات جلد ۴ ص ۳۳۸

رجال حدیث:

بکر ابن خلف البصری ابو بشر مقری کے داماد ہیں دسویں طبقات میں سے تھے آپ کی وفات ۲۴۰ھ کے بعد ہوئی۔[1]

عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان العنبری البصری ثقہ راوی ہیں اسماء رجال اور حدیث میں مہارت تھی علی بن المدینی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے بڑا کوئی عالم میں نے نہیں دیکھا نویں طبقات میں سے ہیں ۱۹۸ھ میں وفات ہوئی کل تہتر سال کی عمر پائی۔[2]

عبدالرحمٰن بن بدیل بن میسرہ العقیلی البصری محدثین نے ان کے لئے لا بأس بہ کہا ہے آٹھویں طبقات میں سے تھے۔[3]

(۲۲۳) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ كَثِيرِ ابْنِ دِينَارٍ الْحِمْصِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ أَبِي عُمَرَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَاذَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَحَفِظَهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ وَ شَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبَ النَّارَ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسنے قرآن کریم کو پڑھا اور اسکو یاد کیا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا اور اسکی شفاعت اس کے اہل خانہ میں سے دس ایسے اشخاص کے بارے میں قبول کرے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث میں قرآن کریم کے حفظ کرنے والوں کی فضیلت اور انکا مرتبہ جو اللہ کے نزدیک ہے اس کو بیان کیا گیا ہے اور لوگوں کو اس کی ترغیب کی دی گئی ہے کہ وہ قرآن کریم کو حفظ کریں اور اپنے اپنے بچوں کو حفظ قرآن میں لگائیں تاکہ اس کی شفاعت کر کے جہنم سے نجات دلا سکے، اور جنت میں داخل کرا سکے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ حدیث معتزلہ پر رد بھی ہے کیوں کہ معتزلہ کے نزدیک حافظ قرآن صرف رفع درجات کے لئے شفاعت کر سکتا ہے ان لوگوں کے حق میں ہرگز شفاعت نہیں کر سکتا ہے جن

---

[1] تقریب ص ۳۶ [2] تقریب ص ۱۵۸ [3] تقریب ص ۱۳۹

پر جہنم گناہوں کی وجہ سے واجب ہو چکی ہے کیوں مرتکب کبیرہ انکے یہاں مخلد فی النار ہے۔ لہذا اس حدیث میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حافظ قرآن دس ایسے اپنے خاندان والوں کی شفاعت کرے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔

رجال حدیث:۔

محمد بن حرب نام کے چار راوی ہیں یہاں کون مراد ہیں واللہ اعلم
کثیر بن زاوان النخعی الکوفی مجہول راوی ہیں[1]

(۲۲۴) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَوْدِيُّ ثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَطَاءٍ مَوْلٰى اَبِيْ اَحْمَدَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَعَلَّمُوْا الْقُرْآنَ وَاقْرَأُوْهُ وَارْقُدُوْا فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ وَمَنْ تَعَلَّمَهُ فَقَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مُحْشُوٍّ مِسْكًا يَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَرَقَدَ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اسے پڑھو اور راتوں کو (اس کے ذریعے) جاگتے رہو، اسلئے کہ قرآن کریم کی مثال اور اس شخص کی مثال جو اسکو سیکھ کر اس کے ذریعے قیام کرے اس مشک کی طرح ہے جو مشک سے بھری ہو جس کی خوشبو پھوٹ رہی ہو ہر جگہ، اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن کریم کو سیکھا اور رات بھر سوتا رہا اس مشک کی طرح ہے جس میں مشک بھر کر اس کا منہ بند کر دیا گیا۔

تشریح حدیث:۔ تعلموا القرآن

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم سیکھنے سے مراد صرف الفاظ کا سیکھنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد الفاظ و معانی دونوں کو سیکھنا ہے، امام نووی ابو محمد جوینی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا سیکھنا اور سکھانا فرض کفایہ ہے تاکہ قرآن کریم کی عدد تواتر منقطع نہ ہو، امام زرکشیؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شہر یا گاؤں میں کوئی تلاوت قرآن کرنے والا نہ ہو تو گاؤں کے سارے لوگ گناہ گار ہوں گے امام نوویؒ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ سے زائد قرآن کریم کے حفظ کرنا نفل نماز سے بہتر ہے کیوں کہ حفظ قرآن فرض کفایہ ہے اور تمام علماء متاخرین کا اس بات پر فتویٰ ہے کہ قرآن کریم کے حفظ میں مشغول ہونا جملہ تمام فرض کفایہ علوم سے

---

[1] تقریب ص ۲۱۱

افضل ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام زرکشی کے قول پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلموا صیغہ امر کا مخاطب پوری امت ہے یعنی پوری امت میں کچھ ایسے حضرات ہوں جو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم اور حفظ میں مشغول ہوں اور ان میں تواتر کی عدد موجود ہو لہٰذا کسی گاؤں میں یا شہر میں اگر کوئی حافظ قرآن نہیں ہے تو وہ گاؤں والے گناہ گار نہ ہوں گے بشرطیکہ امت میں اور مختلف ممالک میں اتنے لوگ قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہوں جو حد تواتر سے کم نہ ہوں[1]

کمثل جراب محشومسکاً الخ

جو شخص قرآن کریم کو سیکھا اور اس کو پڑھا اور اس کے ذریعے سے راتوں کو جاگا یعنی تلاوت وغیرہ کی یا قرآن کو راتوں کی نمازوں میں پڑھا تو اس کی مثال اس مشک کی سی ہے جس میں مشک بھری ہو اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہو اور اسکا فائدہ عام ہو رہا ہو، یہاں ابن الملک نے کہا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے شخص کے سینے کو بھی مشک کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور سینے میں جو قرآن کریم ہے وہ مشک کی طرح ہے چنانچہ یہ جب قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو اس کی برکت تالی اور سامع دونوں کو پہنچتی ہے اور یہاں کل مکان کا لفظ مبالغہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

اور جو لوگ قرآن کریم کو سیکھتا ہے مگر اس کی تلاوت سے زبان کو تر نہیں رکھتا ہے تو اس کی مثال اس مشک کی ہے جس میں مشک بھری پڑی ہو اور اس کا منہ بند ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی خوشبو لوگوں تک نہیں پہنچے گی بلکہ خود وہ شخص بھی اس کی برکات سے محروم رہے گا جس طرح مشک کے اندر خوشبو بھری ہو مگر اس کا منہ بند کر دیا گیا تو اسکی خوشبو کسی کو بھی نہیں پہنچتی ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ قرآن کریم سیکھنے کے بعد تلاوت پر مداومت رکھنی چاہیے، تاکہ اس کی برکات سے مستفید ہوتا رہے۔

(۲۲۵) حَدَّثَنَا اَبُوْمَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِیُّ ثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ اَبِی الطُّفَیْلِ عَنْ نَافِعِ بْنِ عَبْدِ الْحَارِثِ لَقِیَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بِعُسْفَانَ وَكَانَ عُمَرُ اِسْتَعْمَلَهُ عَلٰی مَكَّةَ فَقَالَ عُمَرُ مَنِ اسْتَخْلَفْتَ عَلٰی اَهْلِ الْوَادِیْ قَالَ اِسْتَخْلَفْتُ عَلَیْهِمْ اِبْنَ اَبْزٰی قَالَ وَمَنِ ابْنُ اَبْزٰی قَالَ رَجُلٌ مِنْ مَّوَالِیْنَا قَالَ عُمَرُ فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَیْهِمْ مَوْلًی قَالَ اِنَّهٗ قَارِئٌ كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ قَاضٍ قَالَ عُمَرُ اَمَا اِنَّ نَبِیَّكُمْ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ۔

[1] مرقات جلد ۴ ص ۳۶۱۔ ۳۶۲

ترجمہ حدیث:۔

حضرت نافع بن عبدالحارث کہتے ہے کہ وہ مقام عسفان میں حضرت عمر بن الخطاب سے ملاقات کی اور حضرت عمرا نہیں مکہ کا عامل بنایا تھا، حضرت عمر نے (ان سے معلوم کیا) کہ تم اہل وادی پر کس کو خلیفہ مقرر کیے، میں نے جواب دیا کہ ابن ابزی کو خلیفہ مقرر کیا، اس نے معلوم کیا کون ابزی میں نے کہا ہمارے غلاموں میں سے ایک شخص ہے حضرت عمر نے فرمایا کہ غلام کو خلیفہ بنانے کا کیا سبب ہے میں نے کہاں وہ کتاب اللہ کا قاری ہے فرائض کا جاننے والا ہے اور فیصلہ کرنے والا ہے حضرت عمر نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعے کچھ قوموں کو بلندی عطا کرے گا جب کہ دوسرے لوگوں کو اسکی وجہ سے گرائے گا۔

تشریح حدیث:۔ان اللہ یرفع بھذالکتاب اقواماً۔

قرآن کریم کے ذریعہ جہاں لوگ ایمان واسلام کی لازوال دولت حاصل کرتے ہیں اور اس کے قوانین واحکام پر عمل کرکے رفعت وبلندی کی منزل کو طے کرتے ہیں، عزت ووقار کے ساتھ معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہیں وہیں اس قرآن کریم کے ذریعے بعض لوگ گمراہ بھی ہوتے ہیں اور ذلت وپستی کی زندگی گذارتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو قرآنی اصول واحکام سے گریز کرکے خود ساختہ اصولوں پر عمل کرتے ہیں، اور قرآن مجید کے دیئے ہوئے احکام کو پس پشت ڈالکر رحمانی زندگی کے بجائے شیطانی اور من مانی زندگی گذارنی پسند کرتے ہیں، اسی مضمون کو خداوند قدوس نے اس آیت کریمہ یضل به کثیراویھدی به کثیراومایضل به الاالفاسقین میں خوب اچھی طرح واضح فرمایاہے تفصیل کے لیے اس آیت کی تفسیر ملاحظہ کیجئے۔

(۲۲۶) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْوَاسِطِيُّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ غَالِبٍ الْعَبَّادَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ الْبَحْرَانِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَااَبَاذَرٍّ لِاَنْ تَغْدُوْا فَتَعَلَّمَ اٰيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ وَلَاَنْ تَغْدُوْ افَتَعَلَّمَ بَاباً مِنَ الْعِلْمِ عَمِلَ بِهٖ اَوْلَمْ يَعْمَلْ خَيْرٌمِنْ اَنْ تُصَلِّيَ اَلْفَ رَكْعَةٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر صبح کے وقت کتاب اللہ میں سے ایک آیت سیکھنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم سو رکعت نفل نماز پڑھو اور صبح کے وقت علم کا کوئی باب سیکھو عمل کرو یا نہ کرو تمہارے ایک ہزار رکعات نفل نماز سے بہتر ہے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث پاک سے مقصود قرآن سیکھنے کی ترغیب اور علوم قرآن کے حصول پر ابھارنا اور لوگوں کو اس پر امادہ کرنا ہے۔باقی تشریح خود الفاظ حدیث سے واضح ہے۔

(۱۷) بَابُ فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلٰی طَلَبِ الْعِلْمِ

گذشتہ باب اور اس کے باب کے درمیان مناسبت اور رابطہ بھی واضح ہے پہلے خاص کا تذکرہ تھا پھر عام علماء کی فضیلت کا بیان ہے امام ابن ماجہؒ اس باب کے اندر ان روایات کو درج کریںگے جن میں علماء کرام کی فضیلت کا بیان ہوگا اور طلب علم پر لوگوں کو ابھارنے والوں کی فضیلت کا تذکرہ ہوگا اس سے پہلے والے باب میں امام نے ان روایات کو لایا تھا جو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم کی فضیلت سے متعلق تھیں اور اشتغال بالقرآن رکھنے والے لوگوں کے مقام و مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ان کی محبوبیت اور قدر و منزلت ہے اس کا تذکرہ تھا۔

(۲۲۷) حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ أَبُوْبِشْرٍ ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دین کے اندر سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔

تشریح حدیث:۔

خیراً نکرہ برائے تفخیم ہے اور مراد خیر کثیر ہے

یفقهه فی الدین، اس کو دین میں سمجھ عطا کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم دین میں اس قدر مہارت اور درک عطا فرمائے گا کہ جو کتاب و سنت سے حق شناسی کا مالک بنادے اور مسائل و احکام کی بنیادی حقیقتوں اور اسکے اصل حکم شرع پر مطلع کردے، کیوں کہ جو آدمی اپنی زندگی کے شب و روز صرف قرآنی علوم کے افہام و تفہیم میں گذارتا ہے اور کتاب و سنت سے احکام و مسائل کے استخراج و استنباط کو اپنی مقصد حیات بنالیتا ہے انہیں کتاب و سنت میں غوطہ زنی کے علاوہ دوسرا اور کوئی مشغلہ نہیں ہوتا ہے تو ایسے شخص کو استخراج مسائل میں ایک خاص قسم کا ملکہ اور درک ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے وہ صحیح ہی مسئلہ نکالتا ہے اگرچہ دوسروں کے ذہن کی رسائی اس مقام اور اس کی گہرائی و گیرائی تک علی الفور نہ پہنچ سکے، اسی کا نام تفقہ فی الدین ہے اور اس صفت جلیلہ سے متصف ہونے والوں کو فقیہ النفس کہا جاتا ہے اس مفہوم کو اجاگر کرنے کے لئے ہم شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کی تحریر کردہ ایک واقعہ درج کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے والد محترم کے متعلق لکھا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علیل تھے مجلس کا دن آگیا اور شرکائے مجلس دارالعلوم تشریف لے آئے حضرت

والد صاحب نے بذات خود شرکت سے معذرت فرمائی لیکن ہم لوگوں سے فرمایا کہ کام ملتوی نہ کریں چنانچہ ہم سب کام میں لگے گئے اتفاق سے مسئلہ کوئی پیچیدہ قسم کا تھا اور صبح سے شام تک کا پورا وقت اسی ایک مسئلے کی تحقیق اور اس پر بحث و مباحثہ میں گذر گیا اس دوران تمام حاضرین نے فقہ و فتوٰی کی تمام متعلقہ کتابیں بھی دیکھیں شروح حدیث کی طرف بھی رجوع کیا اور شام کو تمام حضرات ایک فیصلے پر متفق ہوئے اور اس کی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں نقل کرلیں۔ البتہ پوری بحث کو قلم بند کرنے کا کام مؤخر کردیا گیا۔

عصر کے بعد جب حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ نے دن بھر کی کارروائی کا خلاصہ معلوم فرمایا ہم جس نتیجے پر پہونچے تھے، ہم نے وہ عرض کردیا حضرت نے سن کر فرمایا نہیں یہ بات دل کو نہیں لگتی عرض کیا کہ تمام فقہی کتب سے اس کی تائید ہوتی ہے فرمایا، دوبار غور کرنا چاہیئے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہو رہی ہے اس وقت چونکہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی اور طویل گفتگو مناسب نہ تھی اس لئے ہم نے سوچا کہ کسی اور موقع پر عرض کریں گے چنانچہ ایک روز جبکہ طبیعت نسبتاً بہتر تھی ہم نے ان تمام کتابوں کے حوالے سے بات کرنی چاہی تو آپ نے وہ حوالے دیکھے بغیر فرمایا کہ نہیں بھئی وہ بات بالکل غلط ہے پھر سے دیکھو ہمیں خیال ہوا کہ آپ نے وہ حوالے دیکھے بغیر فیصلہ کیسے فرمادیا؟ چنانچہ ہم نے مکرر عرض کیا کہ کتب فقہ کی یہ عبارتیں آپ ملاحظہ فرمالیں، ان سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے اس مرتبہ آپنے قدر تکدر کے ساتھ فرمایا نہیں بھئی یہ بات بالکل غلط ہے اور اگر تم لوگ متفق ہو چکے ہو تو کم از کم میں اس پر دستخط نہیں کروں گا بات بظاہر بڑی عجیب تھی کہ نہ آپ وہ حوالے دیکھنے پر آمادہ تھے اور نہ آپ نے موقف کے لئے دلیل بیان فرمارہے تھے لیکن اس موقف پر خلاف معمول جزم اتنا تھا کہ اس سے سر مو ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے آپ کا عام معمول یہ تھا اگر ہم جیسے طفل مکتب بھی کوئی معقول بات کہہ دیتے تو اسے فوراً قبول فرمالیتے تھے اور دلیل کے مقابلے میں اپنی رائے پر جمنے کا تو وہاں سوال ہی نہ تھا لہٰذا یہ طرز عمل ہمارے لئے عجیب اور حیران کن ضرور تھی لیکن ساتھ ہی اس بات پر بھی یقین تھا کہ جزم بلاوجہ نہیں ہے چنانچہ جب آئندہ مجلس میں تمام ارکان نے مسئلے پر مکرر غور کیا اور دوبارہ کتابیں دیکھنی شروع کیں تو آخر میں نتیجہ وہی نکلا جو حضرت والد صاحب کا موقف تھا اور اس وقت اندازہ کہ ہوا اگر ہم اپنے سابقہ موقف پر قائم رہتے تو کتنی سنگین غلطی ہوتی[1]!

معلوم ہوا کہ فقاہت فی النفس ایک ملکہ راسخہ اور کیفیت کا نام ہے محض فقہی جزئیات پر عبور حاصل کرلینے سے آدمی فقیہ نہیں بنتا ہے فقیہ جب بنتا ہے کہ طبیعت غلط بات پر آمادہ ہونے کے لئے تیار ہی نہ ہو۔

---

[1] میرے والد میرے شیخ ص ۶۳

(۲۲۷) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا مَرْوَانُ بْنُ جَنَاحٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَيْسَرَةَ بْنِ حَلْبَسٍ أَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ الْخَيْرُ عَادَةٌ وَالشَّرُّ لَجَاجَةٌ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت یونس بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے حدیث بیان کر رہے تھے آپ نے فرمایا کہ خیر ایک عادت ہے (یعنی فطرت میں داخل ہے) اور برائی نفس کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا کرتا ہے۔

تشریح حدیث:۔ الخیر عادة والشر لجاجة

خیر عادت ہے اور شر جھگڑا فساد ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کی تخلیق و پیدائش خیر اور بھلائی پر ہوئی ہے اس کی خمیر اور فطرت کے اندر نیکی رشد وہدایت، اطاعت و فرماں برادری اور رب کی معرفت ودیعت کردی گئی ہے اس کی وجود کی ابتداء قالو ابلیٰ کے اقرار وعدہ، اطاعت اور معرفت رب کے ذریعے کرائی گئی نوع انسانی کی جبلت میں خالق ارض وسماء نے وہ صلاحیت ولیاقت اور طہارت وپاکیزگی رکھی کہ جب بھی اسے کفر وشرک کا دباؤ بلکا ہوتا ہے فطرت وجبلت پکار اٹھتی ہے اور اظہار حق وابطال باطل کے لئے اس کی ضمیر جنجھوڑتی ہے مگر معاشرے کے رسم ورواج خاندانی روایتیں وبندشیں اور لوگوں کا بیجا دباؤ قبول فطرت سے باز رکھتے ہیں۔

الخیر عادة ۔کی تشریح کرتے ہوئے آقاء دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا **مامن مولود الا وقد یولد علی فطرة فابواہ یہودانہ وینصرانہ اویمجسانہ**[1] ہر انسان اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے اسلام اور ایمان پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماحول کا اثر، قوموں کا رسم ورواج اور خاندانی روایات اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنادیتا ہے اگر وہ ہر طرح کے رسم ورواج اور خاندانی روایات وخرافات سے علیحدہ رہے تو یقیناً وہ اسلام قبول کرے گا اور ہدایت کی دولت سے مالامال ہوتا۔

الشر لجاجة ۔جب نوع انسانی کی تخلیق وپیدائش فطرت اسلام پر ہوئی اور اس کی جبلت میں صلاح وتقویٰ اور رشد وہدایت رکھدی گئی ہے تو کفر وشرک اور بدعت وضلالت سے تنفر جبلی اور فطری طور پر

---

[1] بخاری و مسلم

انسان کے اندر ہوگا فطرتاً معصیات و منکرات سے کوئی تعلق نہ ہوگا بلکہ ایک قسم کی نفرت ہی ہوگی یہی وجہ ہے جب انسان کوئی معصیت و گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو طبیعت کے اندر بے چینی اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے سکون نصیب نہیں ہوتی ہے اس کے برخلاف جب کوئی آدمی اعمال صالحہ بجالاتا ہے افعال حسنہ کرتا ہے تو اسے ایک عجیب قسم کا سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے اور طبیعت کے اندر فرحت و مسرت کی وجہ سے تازگی آتی ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے۔

من یرد اللہ خیراً یفقھه فی الدین

حدیث پاک کے اس ٹکڑے کی تشریح سابق میں گذر چکی ہے ہاں یہ بات جان لیجئے کہ اس حدیث اور گذشتہ حدیث کا باب ہذا سے کیا تعلق ہے؟ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو **باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم** میں ذکر کی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری رقمطراز ہیں **وفی ذالك بیان ظاهر لفضل العلماء علی سائر الناس ولفضل التفقه فی الدین علی سائر العلوم**[1] یعنی وہ لوگ جو تفقہ فی الدین کی اعلیٰ صفت سے متصف ہیں اور علم جیسی لازوال نعمت سے آراستہ ہیں اللہ تعالیٰ لاریب ان سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا اس لئے یہ حضرات افضل الناس ہیں لہٰذا تمام لوگوں کو اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس علم کو حاصل کرنا چاہئے جو باعث قرب الٰہی کے ساتھ ساتھ جملہ شر و رو فتن سے حفاظت کا سبب بھی ہے اور خیر کا ضامن بھی ہے۔

(۲۲۸) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا رَوْحُ بْنُ جُنَاحٍ أَبُوْ سَعِيْدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان کے اوپر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

تشریح حدیث:۔ **فقیه واحد اشد علی الشیطان الخ**

وہ عالم دین جو اپنے کمال علم و فہم کی بنا پر دین کی حقیقتوں سے آشنا ہوتا ہے اور احکام و مسائل کے ہر ہر پہلو پر گہری بصیرت رکھتا ہے، شریعت و اسلام کے اسرار و رموز سے واقف ہوتا ہے اور اسکے نوک و پلک سے

---

[1] فتح الباری جلد ا ص ۱۳۴ مطبوعہ مصر

باخبر ہوتا ہے وہ شیطان کے مکروفریب کو خوب اچھی طرح پہچانتا ہے شیطان لعین جب لوگوں پر ہوائے نفسانی اور خواہشات فاسدہ کا دروازہ کھولتا ہے تو عالم دین اور فقیہ کو اس کی چال کو سمجھنے میں ذرا برابر بھی دیر نہیں لگتی ہے بلکہ فوراً اس کی چال سے واقف ہو جاتا ہے اور لوگوں کو اس سے بچانے کے لئے سعی کرتا ہے اور ایسی دینی تدابیر اور ناوانی کی باتیں بتادیتا ہے جن پر عمل کر کے وہ شیطان کو اپنے اوپر قابو ہونے نہیں دیتے ہیں، اور شیطان کی برائیوں سے محفوظ رہتے ہیں اسکے برخلاف وہ شخص جسکا دامن علوم دینیہ سے یکسر خالی ہو وہ شیطان کے مکروفریب کو نہیں سمجھ سکتا ہے، اور شیطانی تدابیر کو توڑ نہیں سکتا ہے خواہ کتنی عبادت گذار کیوں نہ ہو اسی لئے ایک عالم فقیہہ کو ہزار عابدوں پر بھاری قرار دیا گیا ہے۔

الف عابد سے کثرت مراد ہے تحدید مقصود نہیں ہے کمافی المرقات، حدیث شریف کا باب ہذا سے تعلق ظاہر ہے۔

(۲۲۹) حَدَّثَنَانَصرُ بنُ عَلِیِّ الجَهضَمِیُّ ثَنَا عَبدُاللّٰهِ بنُ دَاوٗدَ عَن عَاصِمِ بنِ رَجَاءِ بنِ حَیوَةَ عَن دَاوٗدَ بنِ جُمیلٍ عَن کَثِیرِ بنِ قَیسٍ قَالَ کُنتُ جَالِساً عِندَاَبِی الدَّردَاءِ فِی مَسجِدِدِمَشقَ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ یَااَبَا الدَّردَاءِ اَتَیتُكَ مِنَ المَدِینَةِ مَدِینَةِ الرَّسُولِ ﷺ لِحَدِیثٍ بَلَغَنِی اَنَّكَ تُحَدِّثُ بِهٖ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ فَمَا جَاءَ بِكَ تِجَارَةٌ قَالَ لَا قَالَ وَلَا جَاءَ بِكَ غَیرُهٗ قَالَ لَا قَالَ فَاِنِّی سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ مَن سَلَكَ طَرِیقاً یَلتَمِسُ فِیهِ عِلماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِیقاً اِلَی الجَنَّةِ وَاِنَّ المَلَائِکَةَ لَتَضَعُ اَجنِحَتَهَا رِضاً لِطَالِبِ العِلمِ وَاِنَّ طَالِبَ العِلمِ یَستَغفِرُ لَهٗ مَن فِی السَّمَاءِ وَالاَرضِ حَتّٰی الحِیتَانِ فِی المَاءِ وَاِنَّ فَضلَ العَالِمِ عَلَی العَابِدِ کَفَضلِ القَمَرِ عَلٰی سَائِرِ الکَوَاکِبِ اِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الاَنبِیَاءِ وَاِنَّ الاَنبِیَاءَ لَم یُوَرِّثُوادِینَاراً وَلَا دِرهَماً اِنَّمَاوَرَّثُوا العِلمَ فَمَن اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت کثیر بن قیس فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں ابودرداء کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوداؤد کی خدمت میں ایک شخص کہنے لگا کہ اے ابوداؤ میں آپ کی خدمت میں مدینہ رسول ﷺ کے شہر سے ایک حدیث کی وجہ سے حاضر ہوا مجھے معلوم ہوا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس حدیث کو بیان کرتے ہیں حضرت ابودرداء نے اس سے فرمایا کہ تجھے تجارت نے تو نہیں لایا اس نے جواب دیا نہیں حضرت ابودرداء نے معلوم کیا کہ تجارت کے علاوہ کوئی اور دوسری چیز نے تو نہیں لایا اس نے جواب

دیا نہیں، تو حضرت ابو درداء نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص علم کی تلاش کرنے کے لئے راستہ چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور اس طالب علم کی رضامندی کے لئے فرشتے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور آسمان و زمین کی تمام مخلوقات اس کے لئے دعاء مغفرت کرتی ہیں یہاں تک مچھلیاں پانی میں دعائیں کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد کے اوپر ایسی ہی ہے جیسی چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر، بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑتے ہیں بلکہ وہ علم کو وراثت میں چھوڑتے ہیں پس جس نے اسے لیا اس نے ایک بڑا حصہ لیا۔

تشریح حدیث:۔قال جاء بك تجارة قال لا

حضرت کثیر بن قیس جب اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ میں آپ سے ایک حدیث سیکھنے کی غرض سے آیا ہوں جو آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بیان کرتے ہیں تو حضرت ابو درداء نے ان سے معلوم کیا کہ تجارت وغیرہ کی غرض سے تو تم یہاں نہیں آئے ہو؟ اگر تمہارے آنے کی غرض تجارت وغیرہ ہے تو تمہارا یہ سفر زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے حضرت کثیر بن قیس نے فرمایا میری آمد کا مقصد سوائے حصول حدیث کے اور کچھ نہیں ہے یعنی میں جو اتنا دور دراز کا سفر طے کر کے آیا ہوں اس کا مقصد صرف اس حدیث کی سماعت ہے جس کو آپ نے رسول ﷺ سے سنی ہے اور بیان کرتے ہیں۔

بلغنی انك تحدث به ۔اس کے اندر دو احتمال ہیں ایک احتمال تو یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت کثیر بن قیس کسی اور راوی سے سن چکا ہو گا مگر طلب علم کے شوق و جذبہ کی وجہ سے انہوں نے یہ چاہا کہ اس حدیث کی تفصیل حضرت ابو درداء سے بھی سنیں اس لئے اس قدر دور دراز کا سفر کیا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ کسی اور راوی سے سن چکا ہے مگر انہوں نے چاہا کہ براہ راست اس کو حضرت ابو درداء سے بھی سننے کا شرف حاصل کر لیں۔

قال فانی سمعت رسول الله ﷺ

یہاں حضرت ابو درداءؓ نے جو حدیث بیان کی ہے اس کے بارے میں دو احتمال ہے ایک یہ کہ اسی حدیث کے بارے میں حضرت کثیر بن قیس درخواست کی ہو گی اور ان کی طلب و خواہش کے مطابق اس حدیث کو حضرت ابو درداء نے بیان کیا، دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ حدیث اس شخص کا مطلوب و مقصود نہیں تھی ایک دوسری حدیث کی طلب میں آئے تھے مگر حضرت ابو درداء نے اس حدیث کو ان کی حوصلہ افزائی کے لئے بیان فرمائی کہ تمہار آنا اور راستوں کی صعوبتوں، مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا سب باعث اجر و ثواب اور نہایت مبارک کام ہے۔

من سلك طريقاً يلتمس فيه علما الخ

جو شخص طلب علم کے لئے دور دراز کا سفر طے کرتا ہے اللہ تعالی اس کے لئے جنت کے راستے آسان فرمادیتا ہے شرح السنہ کے اندر سفیان ثوری کا قول منقول ہے کہ **ماعلم اليوم شيأافضل من طلب العلم قيل له ليس لهم نية قال طلبهم له نية،** یعنی علم دین کے حصول سے بہتر کوئی عمل اس وقت میں نہیں جانتا ہوں اور طالب علم کی طلب علم کرنا ہی اس کی نیک نیتی کی دلیل ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہے کہ **طلب العلم افضل من صلاة النافلة لانه اما فرض عين اوفرض كفاية وهما افضل من النافلة** [1] یعنی علم دین کا حاصل کرنا نفل نماز سے افضل ہے کیوں کہ طلب علم فرض عین کا ہو یا کفایہ اور دونوں ہی نوافل سے افضل ہیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کا راستہ علم کے راستے میں منحصر ہے کیوں کہ بغیر علم و معرفت کے عمل صالح کا تصور ہی نہیں ہوتا ہے جب تک آدمی کے پاس علم نہ ہوگا اس وقت تک وہ صحیح طریقہ سے دین اسلام اور مزاج شریعت کو پہچان ہی نہیں سکتا ہے اور نہ ہی دین و شریعت کے تقاضوں کے مطابق زندگی گذار سکتا ہے اس لئے طلب علم افضل عبادت اور معرفت خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے۔

وان الملائكة لتضع اجنحتها

الملائکۃ کے اندر الف لام عہد کے لئے ہے یا جنس کے لئے ہے اور اس سے مراد ملائکہ رحمت ہیں حافظ ابن حجر کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ یہاں تمام فرشتے مراد ہیں اور یہی معنی مراد لینا مقام کے اعتبار سے انسب بھی ہے اور فرشتوں کے پر بچھانے کی تفسیر میں علماء کرام کے پانچ اقوال ہیں۔

قول اول:۔ اس کے حقیقی معنی مراد ہوں کہ واقعۃً فرشتے طالب علم کے اعزاز کیلئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں۔

قول ثانی:۔ وضع جناح سے کنایہ ہے اس بات سے کہ فرشتے اڑنے سے رک جاتے اور زمین پر اتر کر مجلس علم میں شریک ہو جاتے ہیں۔

قول ثالث:۔ وضع جناح سے مقصود تواضع ہے یعنی فرشتے طالب علم کی عزت کرتے ہیں اور اس کے علم کی توقیر و تعظیم کے لئے اپنے پروں کو جھکا دیتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے **واخفض لهما جناح الذل من الرحمة** پ ۱۵. میں تواضع کے معنی مراد ہیں۔

قول رابع:۔ **وضع جناح** فرشتوں کی سلامی جس طرح فوج شاہی مہمان کو سلام دیتی ہے اس طرح

[1] مرقات جلد اص ۴۷۹

فرشتے بھی مہمان رسول کے لئے اپنے پروں کو جھکا کر سلامی دیتے ہیں۔

قول خامس:۔ فرشتوں کے پر بچھانے سے مراد یہ ہے کہ فرشتے راستے بھر میں غیبی طور سے طالب علم کی مدد و خدمت کرتے رہتے ہیں اور اس کا سفر آسان کرتے ہیں حفاظت اور عافیت کے ساتھ اس کو منزل تک پہنچاتے ہیں[1]

یستغفر له من فی السماء والارض.

طالب علم کے لئے آسمان وزمین کی تمام مخلوقات بحر و بر کی تمام چیزیں دعاء مغفرت کرتی ہیں حتی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی طالب علم کے لئے دعائیں کرتی رہتی ہیں۔ یہاں پر حتی الحیتان کا ذکر بظاہر زائد معلوم ہوتا ہے کیوں جب زمین کی ساری مخلوق کا ذکر ہو گیا تھا جس میں مچھلیاں بھی شامل تھیں پھر الگ سے اس کو ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ حتی الحیتان فی الماء کا لفظ زائد نہیں ہے بلکہ اس سے اس نکتہ کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ دراصل بارش کا برسنا، کھیتوں کا لہلہانا، کھلیانوں کا غلہ اور پیداواروں سے بھر جانا غذائی اشیاء میں ارزانی وفراوانی کا ہو جانا اور بارش سے جو بے شمار فائدے آسانیاں اور راحتیں اس روئے زمین پر بسنے والوں کے لئے حاصل ہوتی ہیں یہ سب علماء دین اور طالب علم ہی کی برکت ہے یہاں تک پانی کے اندر مچھلیوں کا زندہ رہنا علماء ہی کی برکت ہے اس لئے مچھلیاں بھی دعاء مغفرت کرتی ہیں۔

وان فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب.

ایک عالم دین کی فضیلت ایک عابد پر ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے عالم کو افضل اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ عالم دین کا فائدہ متعدی ہوتا ہے اس کے علم کا فائدہ صرف اس کی ذات کے ساتھ محدود نہیں رہتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے جس طرح چاند کی روشنی دوسروں تک پہنچتی ہے اور اسکا فائدہ بالکل عام ہوتا ہے عابد کی عبادت کے فوائد صرف اس کی ذات کے ساتھ مختص ہوتے ہیں دوسروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جیسا کہ ستاروں کی ضیاء اور روشنی خود ان کی ذات تک محدود رہتی ہے دوسروں تک فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہیکہ جو عالم دین ہو گا وہ عبادت سے کنارہ کش نہیں ہو گا کیوں کہ وہی علم باعث فضیلت و برتری ہے جو عبادت و عمل کا جذبہ پیدا کرے اور جو علم عبادت و عمل سے کورا رکھے وہ باعث فضیلت ہی نہیں ہے اسی طرح جو عابد ہو گا وہ علم سے خالی نہ ہو گا کیوں کہ بدون العلم اعمال صالحہ صحیح طور سے انجام نہیں پاتا ہے کہ اس کو عابد کہا جا سکے لہذا عالم و عابد دونوں ایک ہونا چاہئے کیوں کہ جو واقعۃً عالم دین

---

[1] استفاد مرقات جلد ۱ ص ۲۷۹، تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰، مظاہر حق جدید جلد ۱ ص ۲۷۰

ہو گا وہ عبادت گذار بھی ہو گا اور جو واقعۃً عبادت گذار ہو گا وہ عالم دین بھی ہو گا اس لئے عالم و عابد میں کوئی فرق نہ ہوا پھر فرق کیوں بیان کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عالم دین سے مراد وہ شخص ہے جو علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد عبادت ضروریہ فرائض وواجبات اور سنن پر اکتفا کر کے اپنے اوقات کو علمی مشغولیتوں (درس و تدریس، تالیف و تصنیف اور وعظ نصیحت) میں صرف کرتا ہے اور اشاعت دین کے کاموں میں لگا رہتا ہے اور عابد سے مراد وہ شخص ہے جو علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد اپنی مشغولیتوں کو صرف عبادت کے دائرہ میں محدود کر لیتا ہے ترویج علم، اور دین کی اشاعت میں دلچسپی نہیں رکھتا ہے اور ایسے کاموں میں ساتھ دیتا ہے چوں کہ اس کا فائدہ خود اس کی ذات تک محدود ہے اس لئے عابد مفضول ہوئے اور عالم کے فوائد متعدی ہیں اس سے دوسروں کو بھی نفع ہوتا ہے اس لئے عالم افضل اور برتر ہوئے۔

ان العلماء ورثة الانبياء

علماء کرام انبیاء کرامؑ کے وارث ہیں وارث ہونے کا مطلب یہ ہے جو کام انبیاء کرام کے ذمے تھا وہ کام اب علماء کرام کے ذمہ ہے یعنی دین اسلام کی توضیح وتشریح پیچیدہ مسائل کی گرہ کشی اور نت نئی روزمرہ کے پیش آمدہ مسائل کا حل کرنا علماء کرام کے ذمہ ہیں اور جس دین ومذہب کو انبیاء کرام لے کر جلوہ افروز ہوئے تھے اور امت کو جس مذہب کی طرف بلاتے تھے اسکی نشر واشاعت اور پورے عالم میں عام کرنا علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔

وان الانبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهما

حضرت انبیاء کرامؑ اپنی وفات کے بعد وراثت میں دینار ودرہم نہیں چھوڑتے ہیں بلکہ علم اور دین چھوڑتے ہیں اس پر اشکال ہو گا کہ بہت سے انبیاء کرام اپنی وفات کے بعد کثیر مقدار میں مال وراثت میں چھوڑے پھر یہ کہنا کہ انبیاء کرامؑ دینار ودرہم وراثت میں نہیں چھوڑتے ہیں کس طرح درست ہو گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وراثت چھوڑ کر نہ مرنے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اموال میں ان کی وفات کے بعد رشتے داروں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی ہے بلکہ پوری امت کے لئے وقف ہوتے ہیں تاکہ شبہ نہ ہو کہ انبیاء کنبہ پروری کے لئے مال جمع کئے تھے اس لئے کہدیا گیا کہ انبیاء کرامؑ اپنی وراثت میں مال ودولت نہیں چھوڑتے ہیں بلکہ علم کی دولت چھوڑتے ہیں جس سے امت مستقل فائدہ اٹھاتی ہے اور الی **یوم القیامة** فائدہ اٹھاتی رہے گی [1]۔

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو علماء دنیا کے طالب ہیں اور دنیاوی جاہ ومنصب کے لئے مرتے ہیں اور دنیاوی مال ودولت کی محبت ان کے قلوب میں جاگزیں ہیں تو ایسے علماء

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۲۸۱

است ورثۃ العلماء میں سے نہیں ہیں واشعار بان طالب الدنیا لیس من العلماء الورثۃ [1]

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علم اور ایمان کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ دنیا فانی ہے اور باقی رہنے کی جگہ آخرت ہے پھر دنیاء فانی سے روگردانی کرے اور آخرت کی طرف بڑھے [2]

(۲۳۰) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا حَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ ثَنَا كَثِيرُ بْنُ شِنْظِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا (بقدر مالا بدمنہ) ہر مسلمان پر فرض (عین) ہے اور غیر اہل کے پاس علم رکھنا ایسے ہی ہے جیسے کہ سور (کے گلے میں) جوہر، موتی، اور سونے کا ہار ڈالدیا جائے۔

تشریح حدیث:۔طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم

علم سے مراد شرعی علم ہے نہ کہ دنیاوی علم، اور فریضۃ کی تاء برائے مبالغہ ہے اور علی کل مسلم ہر مسلمان مرد وعورت کو شامل ہے جیسا کہ بعض دوسری روایتوں میں مسلمۃ کا لفظ آیا ہے۔ جو علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، وہ ایمان اور دینی فرائض واجبات، وضروریات کا وہ علم ہے جس سے عاری رہ کر کوئی مسلمان اپنی زندگی کی کشتی کو صحیح سمت نہیں لے جاسکتا ہے مثال کے طور پر اگر کوئی نیا مسلمان ہوا ہے تو اس کے لئے لازم وضروری ہے بلکہ فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے خالق ومالک اور معبود کو جان لے، خالق عالم کی صفات کیا ہیں اس کا رسول اور نبی کون ہے اور ان کے علاوہ ان ضروری باتوں کا علم سیکھنا فرض ہے جن پر نجات اخروی موقوف ہے اسی طرح ایک شخص جب دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو گیا اب اس پر ایمان کے تعلق سے نماز، روزہ، حج، زکوۃ فرض ہو گا لہٰذا ان کے اوقات کا علم اور ادائے گی نماز کی صحت جن پر موقوف ہے اسی طرح روزوں کا وقت حج کے ایام اور زکوۃ کے ضروری مسائل کا علم ضروری اور لازم ہے اسی طرح جب نکاح وشادی کی باری آئی تو اس پر نکاح، طلاق، حیض ونفاس کے ضروری احکام، خرید وفروخت کا وقت آیا تو اس کے لابدی مسائل کا جاننا فرض ہو گا، غرضیکہ کہ مسلمان ہو جانے کے بعد جو جو مرحلہ سامنے آئے گا اس کے شرعی احکام سے واقف ہونا فرض ہو گا اگر کوئی اس قدر علم حاصل نہیں کرتا ہے تو وہ گنہگار ہو گا۔ ہاں البتہ مکمل عالم بننا مفتی اور درجہ اجتہاد

---

[1] مرقات جلد اص ۲۸۱ [2] مرقات جلد اص ۲۸۱

پر فائز ہونا ہر ایک کے لئے ضروری اور فرض نہیں ہے بلکہ یہ فرض کفایہ کے درجے میں ہے کما فی المرقاۃ [1]
ملا علی قاریؒ شارح مشکوٰۃ نے شیخ عارف، عالم ربانی، شیخ سہروردی کا قول نقل کیا ہے جس علم کی تحصیل کو شرعا فرض قرار دیا گیا اس سے کون سا علم مراد ہے اس میں اختلاف ہے چنانچہ شیخ سہروردی نے اس اختلاف معنی کو بیان کرتے ہوئے سات اقوال نقل کیے ہیں۔

(۱) جس علم کی تحصیل کو شرعا فرض بتایا ہے اس سے مراد علم اخلاص ہے نیز وہ علم بھی اس میں داخل ہے جس سے اعمال صالحہ بیکار ہونے سے بچ جائے (۲) خواطر اور اس کی تفصیل کی معرفت فرض ہے (۳) علم حلال کا طلب کرنا فرض ہے اس لئے کہ اکل حلال واجب ہے (۴) بعض نے کہا اس سے مراد خرید و فروخت اور نکاح کا علم ہے (۵) بعض نے کہا اس سے مراد فرائض خمسہ کا علم ہے (۶) بعض نے کہا نظر واستدلال اور دلائل نقلیہ کے ذریعے توحید کا علم ہے (۷) بعض نے کہا اس سے مراد باطنی علوم کا سیکھنا ہے جن سے یقین وایمان میں زیادتی ہوتی ہے جن کو سلوک واحسان سے تعبیر کرتے ہیں [2]

ان اقوال کے برخلاف علامہ بغوی حدیث پر اصولی طور سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علوم شرعیہ کی حقیقۃ دو قسمیں ہیں (۱) علم اصول (۲) علم فروع علم اصول تو یہ ہے کہ توحید و صفات باری کی معرفت اور انبیاء ورسل کی تصدیق طلب العلم فریضۃ میں داخل ہے اور علم فروع فقہ اور احکام دین کی معرفت کو کہتے ہیں اور اسکی دو قسمیں ہیں فرض عین، و کفایہ، طہارت ونجاست نماز روزہ کے مسائل اور روز مرہ کے دینی ضروری مسائل کا جاننا ضروری ہے اور عالم ومفتی اور درجہ اجتہاد پر فائز ہونا ہے فرض کفایہ ہے دلائل کی روشنی میں علامہ بغوی کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے [3]

وواضع العلم عند غير اهله الخ

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر جس درجے کا تلقی علم کی صفت ہو اس کے سامنے اس کی استعداد وصلاحیت اور فہم وذکاوت کے مطابق ہی علم سکھانا چاہیئے، یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جو لوگ معمولی باتوں کو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اور آپ ان کے سامنے ایسی باریکیاں اور نکات بتاتے چلے جا رہے کہ ان کو صرف اعلیٰ استعداد ولیاقت اور اونچے درجے کا فہم رکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے اور اس سے ٹھیک سے علم حاصل کر سکتا ہے اگر کسی کوررمغز ناقص الفہم اور سئی الدماغ شخص کے سامنے تصوف، علم کلام اور فلسفہ کے رموز نکات بیان کئے جائیں تو وہ کیا خاک سمجھ پائیں گے اس لئے ایسے لوگوں کے سامنے ایسی قیمتی باتیں کرنا بالکل ایسی ہے جسطرح سور کے گلے میں لعل وجواہر کے ہار پہنائے جائیں ظاہر ہے کہ اس میں حماقت کے سوا کچھ

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۲۸۴ [2] انظر مفصلا المرقات جلد ۱ ص ۲۸۴ [3] شرح السنہ ص ۱۹۰

نہیں کہا جاسکتا ہے اسی طرح غیر اہل کے سامنے علمی نکات بیان کرنا بھی حماقت کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے بے موقع وبے محل تعلیم دینا نااہلوں کو علم سکھانا علم پر ظلم ہے۔

صاحب مشکوٰۃ المصابیح خطیب تبریزی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث از روئے متن تو مشہور کے درجے کے ہیں لیکن سندوں کے اعتبار سے ضعیف ہے شیخ محی الدین علامہ نووی نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ان کے شاگرد رشید حافظ جمال الدین اس حدیث کو درجہ شہرت تک پہنچایا ہے اور کہا کہ یہ روایت پچاس طرق سے مروی ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طرق سے مروی ہیں مگر تمام ہی طرق خطیب تبریزی کے قول کے مطابق ضعیف ہیں۔[1]

البتہ علماء اسماء رجال اور محدثین کے نزدیک ایک اصول ہے کہ اگر کوئی روایت متعدد سندوں سے مروی ہو اور تمام سندیں ضعیف ہوں مگر حدیث قوی مانی جاتی ہو تو متعدد طرق اور مختلف سندیں ایک دوسرے کو تقویت پہنچادیتی ہیں اور حدیث قابل عمل ہو جاتی ہے۔

(۲۳۱) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ ابْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالاَ ثَنَااَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّ نْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسَرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِىْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَاكَانَ الْعَبْدُ فِىْ عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقاً اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِىْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلاَّ حَفَّتْهُمُ الْمَلاَ ئِكَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ اَبْطَأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی مشقتوں میں سے کوئی مشقت دور کردے اللہ تعالی اس سے قیامت کے دن مشقت کو دور کردیگا اور جو شخص کسی مسلمان کے (عیب کو) پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالی اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا اور جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا (مدد کر کے) اللہ تعالی اس پر آسانی پیدا کریگا اور اللہ تعالی اس وقت تک بندے کی مدد

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۳۴

فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرتا ہے اور جو شخص ایسے راستے کو طے کرتا ہے جس میں وہ علم تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ ہموار کر دیتا ہے جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں مذاکرہ کرتی ہے تو فرشتے اپنے پروں سے انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا تذکرہ اپنے مقرب فرشتوں میں کرتا ہے جو اسکے پاس ہوتے ہیں اور جس نے عمل میں تاخیر کی تو نسب کام نہ آئیگا۔

تشریح حدیث:

من نفس عن مسلمکربۃ مِنکرب الدنیا الخ

اللہ کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اس جملہ کے اندر یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے مؤمنین کے لئے ایک قیمتی بات بتائی ہے کہ اگر تم قیامت کے دن پریشانیوں، تکلیفوں اور مشقتوں اور حساب وکتاب وغیرہ کی پریشانیوں سے نجات چاہتے ہو، تو تم اس دنیا میں اگر کسی مسلمان بھائی کو پریشان حال دیکھو، مصیبت میں مبتلا پاؤ اور کسی کو دکھ درد میں پاؤ تو ان کی مدد کرو اور ان سے ان تکالیف کو حتی المقدور دور کرو تو انشاءاللہ تمہارے ساتھ قیامت کے دن شفقت مہربانی کا معاملہ کرے گا اور تم سے حساب کتاب اور مواخذہ کی سختی کو اٹھالے گا۔

ومن یسر علی معسر الخ

یعنی اگر تم اپنے لئے قیامت کے دن آسانی اور راحت و آرام چاہتے ہو تو تم اس دنیا میں جب کسی تنگ دست، پریشان حال اور مجبور لاچار کو دیکھو تو اسکی مدد کرو اور اسے راحت اور آرام پہونچاؤ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی کا مقروض ہو مگر اپنی تنگ دستی اور فقر وفاقہ، قلاشی دیوالیہ پن اور غربت کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر سکتا اور تم اس کی مالی امداد کے ذریعہ مدد کر سکتے ہو تو مدد کے ذریعہ قرضہ ہلکا کر دو یا تمہارا ہی قرض ہو اور تم معاف کر سکتے ہو تو تم اسے معاف کر دو، اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں قیامت کے دن تمہارے لئے آسانیاں پیدا کر دیگا جب بندہ اپنے مسلمان بھائیوں یا کسی بھی مصیبت زدہ انسان کی مدد کرتا ہے تو اللہ اسکی بھی مدد فرماتا ہے اور جب وہ مدد کرنا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسکی مدد کرنی ترک کر دیتا ہے لہٰذا آدمی کو چاہئیے کہ وہ اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں کی نصرت امداد کرتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا رہے۔

ومن ستر مسلما ستره الله

حدیث شریف کے اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے عیوب، تمہاری کمزوریوں اور گناہوں کی پردہ پوشی دنیا اور آخرت دونوں جگہ کرے تو تم اپنے مسلمان بھائیوں کے عیوب وگناہ کی پردہ پوشی اور راز میں رکھو اسکی افشاءنہ کرو جو تمہارے علم میں ہے دوسروں کے سامنے اس عیوب کو

بیان کر کے اسے رسوا اور ذلیل نہ کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے بھی عیوب پر قیامت کے دن پردہ ڈالے گا اور قیامت کی ذلت رسوائی سے حفاظت کرے گا۔

شرح مسلم میں اسکا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے اگر تم قیامت کے دن اپنے عیوب پر پردہ پوشی کرانا چاہتے ہو تو اس دنیا میں مفلوک الحال و غریب اور تنگ دست لوگوں کو لباس پہنا کر اسکے ستر کی پردہ پوشی کرو، اللہ تمہارے عیوب کی قیامت کے دن پردہ پوشی کرے گا [1]

ومن سلك طريقا يلتمس فيه علما الخ

اس جملہ کی تشریح اور توضیح اس سے پہلی والی حدیث میں گزر چکی ہے۔

وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله الخ

یہاں **بیت من بیوت اللہ** لا کر یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں سے احتراز کیا گیا ہے اسلئے کہ یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں میں داخل ہونا مکروہ ہے اور یہاں لفظ مساجد کے بجائے لفظ بیوت کا استعمال اس لئے کیا گیا ہے تاکہ ہر متبرک جگہ شامل ہو جائے مثلاً مساجد مدارس وغیرہ حدیث شریف کے اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی جماعت یا کوئی قوم اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں مذاکرہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اس کے فرشتے اس کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت خداوندی اسے گھیر لیتی ہے اس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے جس سے تسکین قلب و دماغ اور نشاط طبع نصیب ہوتی ہے ذہنی انتشار اور طبعی کسل و سستی ختم ہوتی ہے اور اس کے اندر وہ نورانیت پیدا ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قربت و حضوری کے بلند و برتر مقام تک پہنچاتی ہے [2]

ومن ابطأ به عمله لم يسرع به نسبه

اس جملے کا مطلب یہ ہے جس شخص نے اس دنیا میں عبادات و طاعات کے ذریعے نیکی کرنے میں کوتاہی کی۔ اور بد عملی یا بے عملی کے ساتھ روز محشر میں پیش ہوا دنیا کے اندر عیاشی، فحاشی نافرمانی کی اور فرمان خداوندی سے روگردانی کر کے زندگی گذارتا رہا اور رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے بالکل بغاوت کرتا رہا تو ایسا شخص خواہ کتنا ہی عالی خاندان کے ہو اس کا حسب و نسب خواہ کتنا ہی اونچا ہو اور خواہ کتنے ہی بڑے ولی بزرگ کی اولاد ہو، محض خاندانی عظمت و شرافت اور آبائی فخر و وجاہت کی وجہ سے اسے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حسب و نسب، خاندان کے اونچ نیچ، اور جاہ و منصب کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں فلاح و کامیابی کی چیز تقویٰ ہے ان **اکرمکم عند اللہ اتقاکم** لہٰذا آدمی کو خاندانی عظمت و شرافت کے غرور میں پڑ کر آخرت کی ناکامی کو مول نہ لینا چاہئے بلکہ اسے تقویٰ، اور خشیت الٰہی اپنے

---

[1] مرقات جلد ا ص ۲۷۰ [2] مزید شرح دیکھئے مرقات جلد ا ص ۲۷۱

اندر پیدا کرنا چاہئے جو آخرت میں کام دے گی نجات اور جنت میں دخول کا ذریعہ بنے گی۔

(۲۳۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَأَ مَعْمَرٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ اَبِي النَّجُودِ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ اَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ الْمُرَادِيَّ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ قُلْتُ اُنْبِطُ الْعِلْمَ قَالَ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ خَارِجٍ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ اِلَّا وَضَعَتْ لَهُ الْمَلَائِكَةُ اَجْنِحَتَهَا رِضًى لِمَا يَصْنَعُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت زر بن حبیس کہتے ہیں کہ میں حضرت صفوان بن عسال مرادی کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کس لئے آئے ہو؟ میں نے کہا حصول علم کیلئے، تو حضرت صفوان نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب بھی کوئی شخص طلب علم کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے لئے اس عمل کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں اپنے پروں کو بچھاتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔

اُنْبِطُ باب افعال سے واحد متکلم کا صیغہ ہے اَنْبَطَ ۔ انباط ۔ البئر۔ کنویں سے پانی نکالنا الشیٔ پوشیدگی کے بعد ظاہر کرنا۔ نبط نبطا ونبوطا (ن۔ض) الماء زمین یا چشمہ سے پانی ابلنا۔ یہاں مراد تحصیل علم ہے یعنی آپ کی خدمت میں صرف علم حاصل کرنیکی غرض سے حاضر ہوا ہوں کوئی اور دوسرا مقصد نہیں۔

حدیث شریف کی بقیہ تشریح گذر چکی ہے، اور حدیث شریف کی مناسبت باب سے بالکل ظاہر ہے

(۲۳۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ ثَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ صَخْرٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هٰذَا لَمْ يَأْتِهٖ اِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهٗ اَوْ يُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰى مَتَاعِ غَيْرِهٖ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میری اس مسجد (نبوی) میں کسی خیر سیکھنے یا سکھانے کی غرض سے آئے تو وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے درجہ میں ہے اور جو شخص اس (مقصد) کے علاوہ آئے تو وہ ایسا ہی ہے کہ غیر کے مال کی طرف دیکھ رہا ہو۔

تشریح حدیث: مَن جاء مسجدی هذا

جو شخص تعلیم و تعلم کی غرض سے میری مسجد یعنی مسجد نبوی آئے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے گویا کہ ایسا شخص اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے اور دشمنوں سے مقابلہ کر رہا ہے۔ یہاں پر مسجدی ہذا کا ذکر بیان واقع کیلئے اور قید اتفاقی ہے مسجد نبوی ہی کی یہ خصوصیت نہیں ہے بلکہ جس مسجد میں بھی کوئی تعلیم و تعلم کے مقصد سے آئے گا اور علمی مذاکرہ کریگا تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے میں ہوگا ہاں اتنی بات ضرور ہے مسجد نبوی کے ساتھ یہ فضیلت بالاصل ہے اور مسجد نبوی کے علاوہ دیگر مسجدوں کے ساتھ یہ فضیلت بالتبع ہے (کمافی انجاح الحاجہ)

حدیث شریف کا تعلق باب ہذا سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ دین سیکھنے والوں کو مجاہد فی سبیل اللہ کے قرار دے رہے ہیں اور تحصیل علم پر ابھار رہے ہیں کہ علم حاصل کرو حدیث شریف میں **فهو بمنزلة المجاهد فی سبیل الله** ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۲۳۴) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ عَاتِکَةَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْعِلْمِ قَبْلَ اَنْ یُّقْبَضَ وَقَبْضُهٗ اَنْ یُّرْفَعَ وَجَمَعَ بَیْنَ اِصْبَعَیْهِ الْوُسْطٰی وَالَّتِیْ تَلِی الْاِبْهَامَ هٰکَذَا ثُمَّ قَالَ الْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ شَرِیْکَانِ فِی الْاَجْرِ وَلَا خَیْرَ فِیْ سَائِرِ النَّاسِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس علم کو لازم پکڑو قبض کرنے سے پہلے پہلے اور اس علم کا قبضہ کرنا یہ ہے کہ اٹھالیا جائے گا اور آپ ﷺ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی ملا کر فرمایا اس طرح، پھر علم سیکھنے اور سکھانے والا دونوں اجر میں شریک ہیں اور بقیہ لوگوں کے لئے کوئی چیز نہیں۔

تشریح حدیث: علیکم بهذا العلم قبل ان یقبض۔

اللہ کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا اور اس کے اٹھانے کی نوعیت یہ ہوگی کہ بڑے بڑے علماء اور قرآن وحدیث کے ماہر لوگوں کو اٹھالیا جائیگا اور اس کی جگہ پر کوئی دوسرا عالم اس جیسا پیدا نہیں ہوگا جو اس خلاء کو پر کرے اور اس کے منصب وذمہ داری کو سنبھالے، نتیجہ یہ ہوگا علماء کے اٹھانے کی وجہ سے جہل کی کثرت اور برائیاں عام

ہوجائیں گی اور لوگ طاعت وعبادات کی طرف جانے کے بجائے معصیت ومنکرات کیطرف دوڑیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے گی اس لئے حضور ﷺ اس حدیث میں لوگوں کو تحصیل پر ابھار رہے ہے کہ اور ترغیب دے رہے ہیں کہ اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے علم کو حاصل کرلو ورنہ پھر جب وہ وقت آجائے گا تو حاصل کرنا مشکل ہوجائیگا۔

العالم والمتعلم شريكان في الاجر

آگے مزید ترغیب دیتے ہوئے اور اس علم کی تحصیل پر برانگیختہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھنے ور سیکھانے والا دونوں ثواب واجر میں شریک ہیں یعنی جسطرح علم کے سیکھانے والوں کو ثواب ملیگا اسی طرح سیکھنے والوں کو بھی ثواب ملیگا اس کے علاوہ جو لوگ ہیں انہیں کچھ بھی ثواب نہیں ہے اور ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے لہذا اسکی تحصیل کیطرف سبقت کرو، اور زیادہ سے زیادہ حاصل کرو، تاکہ ثواب میں شریک ہوسکو

ہماری اس توضیح وتشریح سے باب سے حدیث پاک کی مناسبت بھی ظاہر ہوگئی **العالم والمتعلم شريكان في الاجر** ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۲۳۰) حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ ثَنَا دَاوُدُ بْنُ الزِّبْرِ قَانَ عَنْ بَكْرِ بْنِ خُنَيْسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ بَعْضِ حُجَرِهٖ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَإِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ إِحْدٰهُمَا يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَالْاُخْرٰى يَتَعَلَّمُوْنَ وَيُعَلِّمُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلٌّ عَلٰى خَيْرٍ هٰؤُلَاءِ يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ فَإِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَهٰؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُوْنَ وَيُعَلِّمُوْنَ وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ مَعَهُمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی حجرے سے باہر تشریف لاتے اور مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں دو حلقوں کو پایا جن میں سے ایک قرآن کی تلاوت اور اللہ سے دعائیں کر رہا تھا، اور دوسرا حلقہ علم سیکھنے اور سیکھانے میں (مشغول) تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک خیر پر ہے یہ لوگ قرآن کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہا ہے اگر خدا چاہے تو اپنا فضل عطا کردے اور چاہے تو روک دے، اور یہ لوگ تعلیم وتعلم میں مشغول ہیں اور میں بھی معلم بناکر مبعوث فرمایا گیا ہوں یہ فرماکر آپ ﷺ ان کے ساتھ بیٹھ گئے

تشریح حدیث:۔

آں حضرت ﷺ مسجد نبوی تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد میں دو حلقے الگ الگ لگے ہوئے ہیں ان میں سے ایک تلاوت قرآن، ذکرواذکار اور دعامیں مشغول ہے اور دوسرا حلقہ علمی مذاکروں کا ہے لوگ اسمیں بیٹھے ہوئے ہیں اور خود بھی علم سیکھ رہے ہیں اور دوسروں کو بھی سیکھا رہے ہیں، مسئلے مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے آپ ﷺ نے ان دونوں حلقوں کو دیکھ کر فرمایا کہ دونوں ہی حلقے کے لوگ نیکی و بھلائی کے کام میں مشغول ہیں البتہ مذاکرہ علم والا حلقہ دوسرے حلقہ سے افضل ہے اس لئے کہ میری بعثت کا مقصد بھی تعلیم ہی ہے بعثت معلما میں معلم بناکر ہی مبعوث کیا گیا ہوں پھر مذاکرۂ علم والا حلقہ میں تشریف فرماں ہوگئے پس ایک عالم دین کی فضیلت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنخضرت ﷺ نے علماء اور والی مجلس کو ترجیح دی اور اس میں بیٹھ گئے اور اپنے آپ کو انہی میں شمار کیا۔

اس توضیح و تشریح کے بعد ترجمۃ الباب بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آنخضرت ﷺ کا اس سے مقصود علم کے حصول پر ابھارنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینی ہے **کمالا یخفی علیٰ اولی البصائر۔**

(۱۸) بَابُ مَنْ بَلَّغَ عِلْمًا

اس باب کے تحت امام ابن ماجہ ان روایات کو ذکر کریں گے جن میں علم دین کو ترویج واشاعت اور اس کی نشر واشاعت کرنے کی فضیلت کا بیان ہوگا اور جو لوگ علم دین، علم قرآن اور آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے علوم کی نشر واشاعت نہیں کرتے ہیں ان کے حق میں کیا وعیدیں آئی ہیں ان کا بیان ہوگا تا کہ لوگ دونوں پہلوں کو سامنے رکھکر اپنے لئے علم دین کی نشر واشاعت کو طریقہ ہموار کر سکے اور اپنے لئے کوئی ایک راستہ متعین کر سکے۔

(۲۳۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ ثَنَا لَيْثُ بْنُ اَبِيْ سُلَيْمٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ اَبِيْ هُبَيْرَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ زَادَ فِيْهِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنُّصْحُ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تروتازہ رکھے اللہ اس شخص کو جس نے میری بات کو سنا اور دوسروں تک پہونچایا پس بسا اوقات بہت سے فقہ کو اٹھانے والا خود فقیہ نہیں ہوتا ہے جتنا کہ وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس فقہ پہونچایا جارہا ہے اور علی بن محمد نے اس پر یہ زیادتی کی کہ تین باتوں میں کسی مسلمان کے دل کو خیانت نہیں کرنی چاہئے (۱) اخلاص نیت کے ساتھ اللہ کے واسطے عمل کرنا، (۲) مسلمان کے حکام کے ساتھ خیر خواہی کرنا (۳) اور مسلمان کی جماعت کو لازم پکڑ لینا۔

تشریح حدیث:۔نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فبلغها

یہ کلمات دعائیہ ہیں جو زبان نبوت سے نکلی ہوئی ہیں اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کی قدر منزلت، عظمت ورفعت کو بلند سے بلند تر کرے اور دونوں جہاں میں اسے خوش وخرم رکھے جو علوم دینیہ کی تحصیل اور نشر واشاعت میں مصروف ہیں بعض حضرات نے اس جملہ کو اخبار مانا ہے، بعض نے کہا نضرۃ سے مراد جاہ منصب اور قدر ومنزلت ہے[1]

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۲۸۸

فرب حامل فقه غیر فقیه

بعض حامل فقہ خود فقیہہ نہیں ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی حدیث کو سننے اور اسے بلفظہ یاد کرے مگر اس کے اندر اس حدیث کے رموز و اسرار اور اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کے استخراج و استنباط کی صلاحیت ولیاقت نہ ہو، حدیث پاک کی تہ تک پہنچنا اور اس سے احکام و مسائل کے لعل و جواہر نکالنا، اس کے نکات اور باریکیاں سمجھنا اور حدیث کی پوری موشگافیوں کی گرہ کشی کرنا اس کے بس میں نہ ہو لیکن جب یہ شخص اس حدیث کو کسی ایسے آدمی کے پاس پہنچائے گا جو علم وفہم رکھنے کی وجہ سے حدیث پاک کی جملہ نوک و پلک سے واقف ہے اور اس سے احکام و مسائل نکالنے پر قادر ہے کہ وہ حدیث پاک کے معنی و مفہوم اور مراد کو پالیگا تو اس شخص کو بھی تبلیغ حدیث کا ثواب ملے گا اور آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث اس کو بھی شامل ہوگی۔[1]

اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نے کوئی حدیث سنی اور اس کے الفاظ کو اس نے اپنے ذہن و دماغ میں پوری طرح محفوظ رکھا اور اس کے معانی و مفاہیم کو بھی سمجھا پھر اس نے اس حدیث کو کو ایسے شخص کے پاس پہنچایا جو اس سے زیادہ علم وفہم کا مالک ہے تو چوں کہ اس حدیث کی منفعت بڑھ گئی ہے اس لئے اب اس شخص کو حدیث پہنچانے اور پھیلانے دونوں کا ثواب ملے گا اور حضور اکرم ﷺ کی دعاء مبارکہ کے فیض بھی شامل ہوگا۔

ثلاث لا یغل علیهن قلب امرأمسلم

لا یغل کا لفظ اگر بضم الیاء و بفتح الغین لا یغل ہے یا فتح الیاء و بضم الغین لا یغل ہے تو اس کے معنی خیانت کے ہوں گے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مؤمن و مسلمان ہے اس کا قلب ان تین باتوں میں خیانت نہیں کر سکتا ہے یعنی ان تین باتوں کو اپنے قلب کی صفائی ستھرائی کے لئے ضرور اپنے اندر پیدا کرے گا اور ان کا اختیار کرنا اپنے لئے لازم تصور کرے گا۔

اور اگر لفظ لا یغل کو بفتح الیاء و بکسر الغین لا یغل پڑھا جائے تو اس کے معنی حسد کینہ کے ہوں گے اور اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مؤمن و مسلمان ہے جب وہ ان باتوں کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو اس کے قلب و جگر بغض و حسد اور کینہ سے بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ بنیادی اور اصل تقاضوں سے سرمو بھی تجاوز نہیں کرتا ہے بلکہ مطلوب و مقصود پر ہمہ وقت گامزن رہتا ہے۔[2]

اخلاص العمل لله

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی نیکی اور اچھا عمل کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی مقصود ہو کوئی دنیاوی فائدہ بلکہ اخروی لالچ بھی غرض میں شامل نہ ہو فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ غیر اللہ

---

[1] مظاہر حق جدید جلد ا ص ۲۷۹ [2] تفصیل دیکھئے مرقات جلد ا ص ۲۸۹

کے لئے عمل کرنا شرک ہے اور غیر اللہ کے لئے عمل کو ترک کرنا ریاء ہے اس لئے صرف عمل سے خداتعالیٰ کی رضاجوئی مقصود ہو۔

والنصح لائمة المسلمين

یعنی مسلمان حکام کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کرنا، ان کا معاون ومددگار بننا، اور علم دین کی ترویج واشاعت میں ساتھ دینا، بعض روایت میں ائمۃ کا لفظ نہیں آیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اہل ایمان کا معاون ومددگار بننا، تعلیم دین، اور وعظ ونصیحت کے ذریعے ان کی آخرت درست کرنا اور کسی بھی مسلمان کے لئے اس چیز کو پسند کرنا اور اچھا جاننا جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اسی طرح جس چیز کو اپنے لئے دینا و آخرت کے خسران کا باعث جانتا ہے اور اس سے بچتا ہے اسی طرح ہر مسلمان کے حق میں بھی اس کو برا جانے اور مسلمان کو اس سے بچائے۔

ولزوم جماعتهم

مسلمان کی جماعت کو لازم پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ عقائد وخیالات، افکار ونظریات، اور عبادات ومعاملات میں انہی علماء دین اور صلحاء امت کی پیروی اور اتباع کو لازم جانے جن کے عقائد واعمال قرآن وسنت کے موافق اور حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور ائمہ مجتہدین کے روشن طریق اور پاکیزہ روش کے مطابق ہوں اور نماز جمعہ، ونماز عیدین، صلوۃ کسوف وغیرہ ان ہی کے پیچھے ادا کرنا اور مسلمان راہنما سے کسی بھی مسئلہ میں علیحدگی اختیار نہ کرنا اور علماء امت کو اپنا پیشوا اور مقتدا ماننا ہی لزوم جماعت ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثلاث الخ کا جملہ ماقبل کے جملے سے کیا مناسبت رکھتا ہے بظاہر دونوں جملے الگ الگ معلوم ہوتے ہیں؟

دونوں جملوں کے درمیان مناسبت ظاہر کرتے ہوئے ملا علی قاری شارح مشکوۃ حافظ ابن حجر کا قول نقل کرتے ہیں

> قال ابن حجر ووجه المناسبة بين قوله ثلاث المستانف وماقبله انه عليه الصلوة والسلام لما حرض سامع سنة على ادائها بين ان هناك خصالاً من شانه ان ينطوى قلبه عليها لا ن كلامنها محرض له على ذلك التبليغ وجوزكون ثلاث بيانا للمقالة التى لكد فى تبليغها وكان سائلاً قال ماتلك المقالة فقيل هى ثلاث جامعة لتعظيم امرالله والشفقة على خلق الله[۲]

[۱] مرقات جلد ا ص ۲۸۹ [۲] مرقات جلد ا ص ۲۸۹

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو سنت اور علم دین کی ترویج و اشاعت پر ابھار اور اسکی ادائے گی پر برانگیختہ کیا، اور فرمایا کہ کچھ خصلت ایسی ہیں جس سے متصف ہونا ہر مبلغ دین کے لئے ضروری ہے تو سوال ہوا کہ وہ خصلتیں کیا ہیں، ؟ جن سے متصف ہونا ضروری ہے تو آپ نے مذکورہ تین خصلتوں کو بھی واضح کیا، جن سے دونوں جملوں میں مناسبت بھی ظاہر و نمایاں ہیں اور حدیث شریف کا تعلق بھی باب سے بالکل ظاہر ہے کہ اس میں اشاعت علم اور دین کی تبلیغ کی ترغیب ہے۔

ورب حامل فقه الی من هو افقه منه ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۲۳۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ ثَنَا اَبِیْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًی فَقَالَ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَاً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مقام خیف (جو منیٰ میں واقع ہے) میں کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے، جو میری بات کو سنے اور اس کو (دوسروں) تک پہنچائے کیوں کہ بہت سے حامل فقہ فقیہہ نہیں ہوتے ہیں اور بعض حامل فقہ اس شخص کو پہنچاتے ہیں کہ وہ اس سے زیادہ فقیہہ ہوتا ہے (تشریح حدیث گذر چکی ہے)

(۲۳۸) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا خَالِیْ يَعْلٰی ح وحَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيٰی قَالَا ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ بِنَحْوِهٖ۔

(۲۳۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ومُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيْدِ قَالَا ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَاً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَبَلَّغَهٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَحْفَظُ مِنْ سَامِعٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو ہم سے حدیث سنے اور اسکو (دوسروں تک) پہنچائے کیوں کہ بعض مرتبہ جس کی طرف حدیث پہنچائی گئی وہ سامع سے زیادہ حافظ ہوتا ہے۔

حدیث شریف کی تشریح و توضیح گذر چکی ہے۔

(۲۴۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ أَمْلَاهُ عَلَيْنَا ثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ هُوَ أَفْضَلُ مِنْ نَفْسِي مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلَّغٍ يُبَلِّغُهُ أَوْعَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبدالرحمان بن ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ دسویں ذی الحجہ کے دن تقریر کی اور فرمایا کہ چاہیے کہ حاضر غائب تک پہنچاوے اس لئے کہ بہت سے لوگ جن کے پاس حدیث پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

تشریح حدیث:۔لیبلغ الشاهد الغائب

یہ ایک طویل حدیث شریف کا ٹکڑا ہے جو آپؐ نے حجۃ الوداع میں دسویں ذی الحجہ کو بیان فرمایا آپؐ نے اصول اسلام پر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور مذہب و سیاست کے ان بنیادی اصولوں کو بیان فرمایا جن کا ایک ایک کلمہ و را ایک ایک حرف آج بھی دنیا والوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے نمونہ تھا، آپ خطبہ دینے کے لئے اونٹ پر سوار ہیں حضرات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مہار شتر تھامے ہوئے ہیں، حمد و ثنا کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور حاضرین صحابہ کرامؓ سے معلوم کیا، کہ یہ کون سا دن ہے؟ حضرات صحابہ کرامؓ خاموش رہے یہاں تک صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپ کوئی دوسرا نام تجویز کریں گے آپ نے فرمایا کیا یہ یوم نحر نہیں ہے؟ حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ آج یوم النحر ہی ہے پھر حضور اکرم ﷺ نے پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ حضرات صحابہ کرامؓ خاموش رہے اور خیال کیا کہ شاید آپ کوئی دوسرا نام تجویز کریں گے پھر آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا بلیٰ یا رسول اللہ ﷺ یہ ذی الحجہ ہی کا مہینہ ہے یا رسول اللہ ﷺ، جب آپؐ نے مجمع کو متوجہ کر لیا اور تمام صحابہ کرام آپ کی تقریر سننے کے لئے بے تاب و بے قرار ہو گئے اور ہر ایک کی نگاہیں آپ کی تقریر سننے کے لئے ماہی بے آب کی طرح بے تاب تھیں اور آپ نے لوگوں میں شوق و جذبہ دیکھ لیا، تو ارشاد فرمایا۔

لوگو! میری بات غور سے سنو، میں چاہتا ہوں کہ آج تمہارے سامنے ضروری باتیں بیان کر دوں

نہیں معلوم آئندہ سال اس میدان میں میری تم سے ملاقات ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

لوگو! تم پر مسلمانوں کی جان و مال قیامت تک اس طرح حرام ہے جس طرح کے اس دن اس مہینہ اور اس شہر میں، کیا میں نے یہ پیغام تم کو نہیں سنا دیا؟ اے خدا تو شاہد ہے کہ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اس کو چاہیے کہ صاحب امانت کے حوالے کر دے، زمانہ جاہلیت میں سود کا رواج تھا آج اسلام نے اس کو مٹا دیا میں سب سے پہلے اس سود کو معاف کرتا ہوں جو کسی کے ذمہ میرے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا واجب تھا۔

اور آج میں سب سے پہلے اس خون کو معاف کرتا ہوں جو ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے قاتلین کے ذمہ تھے یعنی آج کے بعد خون بہا کے سلسلہ میں جو قبائل میں خونریزیاں نسلاً بعد نسلٍ چلی آتی تھیں وہ اسلام نے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور قتل عمد کا مجرم قابل قصاص ہے زمانہ جاہلیت کے تمام رسوم ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکیں۔ البتہ خدمت کعبہ۔ اور خدمت زمزم اسی طرح باقی ہیں

لوگو! اگرچہ شیطان اس سرزمین سے ناامید ہو چکا ہے کہ اب یہاں صنم پرستی اور شرک پھیلے لیکن اس کو یہ تمنا باقی ہے کہ تم شرک کے علاوہ دوسری باتوں میں اس کے جال میں پھنس جاؤ جن کو تم اپنے نزدیک معمولی سمجھتے ہو (یعنی گناہ چھوٹے سے چھوٹا بھی نہ کرو) عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اس لئے کہ ان کو تم نے خدا کی امانت بنا کر حاصل کیا ہے میں تمہارے پاس وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اس پر مضبوطی سے قائم رہے تو پھر تم سے گمراہی کوسوں دور رہے گی وہ کتاب اللہ ہے کیا میں نے تم کو خدا کا حکم پہنچا دیا اے خدا تو شاہد کہ میں حق رسالت ادا کر چکا۔

لوگو! تمہارا خدا ذات واحد ہے اور تم ایک ہی باپ کی اولاد ہو تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں خدا کے نزدیک وہی برگزیدہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں فضیلت صرف پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے کیا میں نے خدا کا حکم سنا دیا اے خدا تو گواہ ہے کہ میں اپنا حق رسالت ادا کر چکا ہوں۔

میرے بعد کافروں کا شیوہ اختیار نہ کر لینا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو جو موجود ہیں وہ غائب تک پہنچا دیں اس لئے کہ اکثر سننے والوں سے زیادہ کلام کو وہ محفوظ رکھتے ہیں جو سننے والوں سے سنتے ہیں۔

یہ اس خطبہ کا خلاصہ اور ما حصل ہے جس میں خدا کے پیغمبر نے فدا کاران اسلام کو دین و دنیا کے بہترین اصول سمجھائے اور ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے یہ آخری کلمات تھے جو بطور وصیت آپ نے امت مرحومہ کی تلقین فرمائی۔[1]

---

[1] ماخوذ از سیرت رسول کریم ﷺ ص ۱۳۹ کذا استفاد ایضاح البخاری جلد اص ۳۸۳

حدیث شریف کا تعلق باب سے بالکل ظاہر ہے اس میں لیبلغ الشاهد الغائب ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۲۴۱) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ ح وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَنْبَا النَّضْرُ بْنُ شُمَیْلٍ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِیْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ مُعَاوِیَةَ الْقُشَیْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنو چاہیے کہ حاضر غائب تک پہنچاوے۔ تشریح حدیث گذر چکی ہے

(۲۴۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ اَنْبَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِیُّ حَدَّثَنِیْ قُدَامَةُ بْنُ مُوْسٰی عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُصَیْنِ التَّیْمِیِّ عَنْ اَبِیْ عَلْقَمَةَ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ یَسَارٍ مَوْلٰی ابْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِیُبَلِّغْ شَاهِدُكُمْ غَائِبَكُمْ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاہیے کہ تم میں موجود حضرات (ان باتوں کو) اپنے ان لوگوں تک پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں۔

حدیث شریف کی شرح ابھی دو حدیث پہلے گذر چکی ہے

(۲۴۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ الدِّمَشْقِیُّ ثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ الْحَلَبِیُّ عَنْ مُعَانِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ بُخْتٍ الْمَكِّیِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّیْ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَیْرُ فَقِیْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش و خرم رکھے جو میری بات کو سنے اور اسکو یاد رکھے پھر میری جانب سے اس کو (دوسرے لوگوں تک) پہنچائے اس لئے کہ بہت سے حامل فقہ فقیہہ نہیں ہوتے ہیں اور بہت سے حامل فقہ اس شخص کو بتلاتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف کی مکمل تشریح باب کے شروع میں گذر چکی ہے۔

رجال حدیث:۔

مبشر بن اسماعیل الحلبی صدوق راوی ہیں نویں طبقات میں سے ہیں ۲۰۰ھ میں وفات ہوئی[۱]

معان بن رفاعہ السلامی الشامی لین الحدیث اور کثیر الارسال تھے[۲]

عبدالوہاب بن بخت المکی ثقہ راوی ہیں پانچویں طبقات میں سے ہیں[۳]

---

[۱] تقریب ص ۲۴۰ [۲] تقریب ص ۲۴۹ [۳] تقریب ص ۱۴۷

(۱۹) بَابُ مَنْ كَانَ مِفْتَاحاً لِلْخَيْرِ

اس باب میں ابن ماجہ ان روایات کو لائیں گے جن میں بھلائی اور خیر کی طرف دعوت دینے والوں کے فضائل و مناقب بیان کئے جائیں گے اور اس باب میں اس بات کی تعیین کی جائے گی کہ خیر اور بھلائی کی کنجی کون لوگ ہیں اور شر و برائی کی کنجی کون لوگ ہیں؟ اور خیر کی طرف راہ نمائی کرنے والوں کے کیا فضائل ہیں اور خیر سے روک کر شر کی جانب دعوت دینے والوں کے حق میں کیا وعیدیں آئی ہیں اور ان کا کیا انجام ہے۔

(٢٤٤) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ أَنْبَأَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ ثَنَا حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلْخَيْرِ مَغَالِيقَ لِلشَّرِّ وَإِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيقَ لِلْخَيْرِ فَطُوبَى لِمَنْ جَعَلَ اللهُ مَفَاتِيحَ الْخَيْرِ عَلَى يَدَيْهِ وَوَيْلٌ لِّمَنْ جَعَلَ اللهُ مَفَاتِيحَ الشَّرِّ عَلَى يَدَيْهِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لوگوں میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو بھلائی کی کنجیاں ہیں اور برائی کو بند کرنے والے ہیں اور لوگوں میں سے کچھ لوگ برائی کی کنجیاں ہیں اور بھلائی کو روکنے والے ہیں پس خوش خبری ہے اس شخص کے لئے جسکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے دروازے کھولتے ہیں اور ہلاکت و بربادی ہو اس شخص کے لئے جس کے ساتھ برائی کے درواز کھولتے ہیں۔

تشریح حدیث:۔ ان من الناس مفاتیح للخیر

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ مخصوص بندوں کو نیکی اور بھلائی کے کام کی اشاعت و ترویج کے لئے منتخب کر لیتا ہے جو ملک کے طول و عرض اور دنیا کے مختلف خطوں میں پھیل جاتے ہیں اور لوگوں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں بھلائی کی دعوت دیتے ہیں شرعی احکام پر عمل کی پابندی اور رسول اللہ ﷺ کے فرمودات و ارشادات، اور اقوال و افعال پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں یا وہ لوگ کوئی ایسی چیز ایجاد کرتے ہیں جس سے خیر کا رواج اور برائی کا انسداد ہو تا رہتا ہے ایسے لوگوں کے لئے مبارک بادی اور جنت کی خوش خبری ہے اور یہ ان کے لئے بہت بڑی سعادت ہے جو اسی عالم فانی مل گئی جو عام لوگ کو روز قیامت میں ملے گی۔

اس کے برخلاف کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو خیر کا انسداد اور شر و فساد کے رواج دینے میں پیش پیش رہتے

ہیں نیکی اور بھلائی کے کام سے روک کر برائی پر لگادیتے ہیں یا کوئی ایسی چیز بنوادیتے ہیں جس کا گناہ اس شخص کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا رہتا ہے مثلاً کسی نے کیمرہ تصویر کشی کے لئے تیار کر دیا فیلم ہال بنوادیا کسی کو ناحق قتل کروادیا کسی نے رنڈی خانہ، اور شراب نوشی کا اڈا بنایا نیز جوابازی قمار وغیرہ کسی کو سکھایا تو اس کے گناہ اس کے مرنے کے بعد اس بانی و موجد کے حق میں لکھا جاتا رہے گا ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے نبی ﷺ نے سخت وعید فرمائی اور ہلاکت کی بددعا فرمائی لہٰذا آدمی کو خیر اور بھلائی کا ذریعہ بننا چاہئے اور شر اور برائی کا ذریعہ نہیں بننا چاہئے اور اپنی عاقبت کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔

(۲۴۵) حَدَّثَنَا هٰرُوْنُ بْنُ سَعِيْدِالْاَيْلِيُّ اَبُوْجَعْفَرٍثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ هٰذَاالْخَيْرَ خَزَائِنُ لِتِلْكَ الْخَزَائِنِ مَفَاتِيْحُ فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحاً لِلْخَيْرِ مِغْلَاقاً لِلشَّرِّ وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحاً لِلشَّرِّ مِغْلَاقاً لِلْخَيْرِ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ بھلائی کے خزانے ہیں اور ان بھلائیوں کے خزانے کو کھولنے کے لئے بہت سی کنجیاں ہیں پس خوش خبری ہے ایسے بندے کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے خیر کی کنجی بنایا ہے اور برائی کو بند کرنے والا بنایا اور ہلاکت و بربادی ہے ایسے بندے کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ برائیوں کی کنجی اور خیر کو بند کرنے والا بنایا۔

تشریح حدیث:۔ان هذه الخير خزائن

خزائن سے مراد امور دینیہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اقرار توحید و رسالت اور اسلام کی کی دیگر تمام عبادتیں اور اطاعتیں جن کے انجام دہی سے آدمی آخرت کے خزانے حاصل کرلیگا کیوں کہ یہی اعمال کی بجاآوری سے انسان خزانہ جنت کے مستحق بنتا ہے۔

مفتاح للخیر:۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تعلیم و تربیت اور جہاد، وغیرہ کی تحریک دیگر اعمال کے انجام دہی پر ابھاکر جنت تک پہنچاتے ہیں۔

مغلاقاللشر اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو برائی اور فساد کو لوگوں کے درمیان رواج دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے گمراہی اور ضلالت کا ذریعہ اور سبب بنتے ہیں۔

(۲۰) بَابُ ثَوَابِ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ

اس باب میں امام ابن ماجہ ان روایات کو لائیں گے جن میں لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی دعوت دینے والوں کی فضیلت، عند اللہ اس کا مقام و مرتبہ، اور اس پر ملنے والا ثواب کا ذکر ہوگا۔

(۲۴۶) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّهُ لَيَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْبَحْرِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ عالم کے لئے آسمان و زمین کی تمام مخلوقات دعائیں کرتی ہیں یہاں تک سمندر کی مچھلیاں بھی دعائیں کرتی رہتی ہیں (حدیث شریف کی مکمل تشریح اس سے پہلے گذر چکی ہے وہیں ملاحظہ کریں)

(۲۴۷) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى الْمِصْرِيُّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهُ أَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهِ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الْعَامِلِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کو کوئی (علم کی بات) سکھایا تو اس کے لئے اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا اور عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی (اس حدیث شریف کی تشریح بھی باب من سن سنة حسنة کے تحت گذر چکی ہے وہیں ملاحظہ فرمالیں)۔

(۲۴۸) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي كَرِيمَةَ الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ مَا يُخَلِّفُ الرَّجُلُ مِنْ بَعْدِهِ ثَلَاثٌ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ وَصَدَقَةٌ تَجْرِي يَبْلُغُهُ أَجْرُهَا وَعِلْمٌ يُعْمَلُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ

(۲۴۹) قَالَ أَبُو الْحَسَنِ وَحَدَّثَنَا أَبُو حَاتِمٍ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ

الزُّهْلِيُّ ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ سَنَانٍ يَعْنِيْ اَبَاهُ حَدَّثَنِيْ زَيْدُ بْنُ اَبِيْ اُنَيْسَةَ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن قتادۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انسان اپنے مرنے کے بعد جو کچھ چھوڑتا ہے ان میں سب سے بہترین تین چیزیں ہیں اول نیک لڑکا جو اس کیلئے دعاء کرے، دوم صدقہ جاریہ کہ اس کا اجر اس کو ملتا رہے، سوم وہ علم جس پر لوگ اس کے بعد عمل کریں۔

تشریح حدیث:۔ولد صالح یدعواله

انسان اپنی زندگی میں جو اعمال (مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، وغیرہ) کرتا رہتا ہے اس کا اجر وثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے اور مرنے کے بعد اس اعمال کا ثواب بھی ملے گا مگر جوں ہی عرصہ زندگی کو مکمل کر کے اس فانی جہاں سے دار البقاء کی طرف رحلت کرتا ہے ان کے اعمال کا ثواب لکھے جانے کا بھی سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور اسکے مرنے کے بعد ان اعمال صالحہ مذکورہ کا اجر و ثواب ملنا بند ہو جاتا ہے مگر ہاں اسلام نے کچھ اعمال ایسے بتائیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے اور الی یوم القیامۃ اس کو ان اعمال کا ثواب ملتا ہے اور اس کے برکات سے مستفید ہوتا رہتا ہے اور ایسے تین اعمال ہیں جو اس حدیث پاک میں مذکور ہیں اول، اگر کوئی شخص کوئی نیک اور صالح اولاد چھوڑی جو اسلام اور قوانین اسلام کے مطابق زندگی گذارتی ہے اور اپنے والد کے حق میں برابر دعائیں کرتی ہیں اور ایصال ثواب کرتی رہتی ہیں تو اس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد ملتا رہے گا دوم، صدقہ جاریہ ہے مثلاً کوئی شخص کسی زمین و جائیداد وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دی یا مسجد و مدرسہ بنوادیا یا کسی شخص کو دینی تعلیم دیدی، یا کنواں اور تالاب بنوادیا یا نہر کھودوادی، یا سرائے مسافر خانے تعمیر کرادی وغیرہ وغیرہ تو اس کار خیر کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہے گا اور وہ اس کے برکات سے فائدہ اٹھاتا رہے گا سوم، وہ علم ہے جس پر لوگ عمل کریں مثلاً کوئی عالم دین نے کوئی کتاب تصنیف و تالیف کی ہے، تعلیم و تدریس کے ذریعے کسی کو دین کا عالم بنادیا ہے تو اب اس کا ثواب متعدی ہے مرنے کے بعد بھی اسے برابر ملے گا اس کے فیوض و برکات پہونچتی رہیں گی اور اسے ثواب ملتا رہے گا۔

رجال حدیث:۔

اسماعیل بن عبید بن ابی کریمۃ الاموی الخرانی ثقہ راوی ہیں گیارہویں طبقات میں سے ہیں ۲۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی[1]

---

[1] التقریب ص ۲۵

زید بن اسلم العدوی مولیٰ عمر ابو عبداللہ اور ابو اسامہ ثقہ راوی ہیں۔[1]
محمد بن یزید بن سنان الجزری ابو عبداللہ بن ابی فروہ الرہاوی یہ کوئی مضبوط راوی نہیں ہیں۔[2]
فلیح بن سلیمان بن المغیرۃ الخزاعی الاسلمی صدوق راوی ہیں۔[3]

(۲۵۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَهْبِ بْنِ عَطِیَّةَ ثَنَا الْوَلِیْدُ بْنُ مُسْلِمٍ ثَنَا مَرْزُوْقُ بْنُ اَبِی الْهُذَیْلِ حَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ حَدَّثَنَا اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ الْاَغَرُّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنُ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْماً عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَداً صَالِحاً تَرَكَهٗ وَمُصْحَفاً وَرَّثَهٗ اَوْمَسْجِداً بَنَاهُ اَوْ بَیْتاً لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْراً اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَّالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیَاتِهٖ یَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مؤمن کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور اسکی نیکیوں میں سے جو چیز لاحق ہوتی ہے (یعنی نفع پہنچاتی ہے) (ان میں سے) ایک تو علم ہے جس کو وہ (دوسروں کو) تعلیم دے اور اس کی اشاعت کرے، دوسرا نیک لڑکا ہے جسے وہ چھوڑ کر مرا ہو، تیسرا قرآن کریم ہے کہ اس نے کسی کو وارث بنایا ہو، چوتھی مسجد ہے جس کی اس نے (اللہ کی رضامندی کے لئے) تعمیر کی ہو، پانچواں وہ مکان جس کو اس نے مسافروں کے قیام کے لئے بنایا ہو چھٹی نہر ہے جو اس نے جاری کی ہو (اور لوگ اس سے سیراب ہوتے ہوں) ساتویں وہ صدقہ ہے جو اس نے اپنی زندگی اور بحالت صحت اللہ کی راہ میں نکالا ہو یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کا ثواب موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

تشریح حدیث اس سے قبل گذر چکی ہے اور حدیث شریف کے الفاظ سے تشریح خود واضح ہے۔

(۲۵۱) حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ حُمَیْدِ بْنِ كَاسِبٍ الْمَدَنِیُّ حَدَّثَنِیْ اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ صَفْوَانَ ابْنِ سُلَیْمٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ طَلْحَةَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ یَّتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْماً ثُمَّ یُعَلِّمَهٗ اَخَاهُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ مسلمان کسی علم کی بات سیکھ کر اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو سکھادے۔

حدیث شریف کی تشریح بالکل واضح ہے۔

---

[1] تقریب ص ۸۳ [2] تقریب ص ۳۲۷ [3] تقریب ص ۲۰۶

(۲۱) بَابُ مَنْ كَرِهَ اَنْ يُوطَأَ عَقِبَاهُ

اس باب میں امام ابن ماجہ ایسی روایتوں کو لائیں گے جن میں کسی کو پیچھے پیچھے چلنے کی کراہت معلوم ہو گی
،ایک شخص آگے ہو اور دوسرے لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلیں یہ مکروہ ہے کیوں اس میں آگے چلنے والے کے دل
میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو گی، اور عجب و خود پسندی میں مبتلا ہو جائے گا اس لئے مکروہ قرار دیا گیا ہے

(۲۵۲) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَارُئِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ وَلَا يَطَأُ عَقِبَيْهِ رَجُلَانِ.

ترجمہ حدیث:۔

شعیب بن عبداللہ بن عمرو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نہ کبھی ٹیک لگا کر
کھاتے دیکھا گیا نہ ہی آپ کے پیچھے کبھی دو آدمی کو چلتے دیکھا گیا۔

تشریح حدیث:۔ مارئی رسول اللہ ﷺ یاکل متکئاً قط

ٹیک لگا کر کھانے سے مراد چہار زانوں بیٹھکر کھانا ہے اور اس طرح بیٹھکر کھانا چوں کہ متکبرین کا شیوہ
ہے اس لئے مکروہ ہے اسی طرح آج کل ہمارے زمانے میں شادی بیاہ میں لوگ کرسیوں، ٹیبلوں، اور جہالت
کی حد تو یہ ہو گئی کہ جانوروں کی طرح گھوم گھوم کر کھاتے ہیں اور اس کو تہذیب و شرافت اور باعث فخر سمجھتے
ہیں حالاں کہ یہ طریقہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کے علاوہ خود سنت و شریعت اور طریقہ رسول کے
خلاف ہے اسلئے علماء امت نے اس طرح کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے ہاں اگر کوئی شخص کسی جگہ مبتلا ہو جائے او
ربچنے کا کوئی چارہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن خلاف سنت تو بہر حال ہے یہی رائے حضرت مولانا مفتی
رشید احمد صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی
مدظلھم العالی کی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے [1]

کھانے کا سنت طریقہ یہ ہے دو زانوں یا اکڑوں بیٹھ کر کھایا جائے کیوں کہ یہ طریقہ متواضعین اور صالحین
کے ہے اور احترام طعام کے زیادہ مناسب بھی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آکل کمایاکل العبد
میں اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے مالک کی خدمت میں مشغول رہتا ہے جب
اسے کچھ موقع ملتا ہے تو جسطرح موقع ملتا کھانا کھالیتا ہے کوئی تکلف اور تصنع نہیں کرتا ہے۔

[1] احسن الفتاوی جلد ۸ ص ۱۲۱، آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۸ ص ۲۴۷، اصلاحی خطبات

ولایطاء عقبیه رجلان

لوگ پیچھے پیچھے چلیں اور ایک شخص آگے رہے یہ مکروہ ہے کیوں کہ اس سے آگے چلنے والے کے دل میں کبر پیدا ہوگا اور اپنے آپ کو دوسروں سے افضل تصور کریگا جو ایک طرح سے موجب ہلاکت و بربادی ہے اس لئے ایسا کرنا بھی از روئے حدیث مکروہ ہے۔

(۲۵۳) قَالَ اَبُوْ الْحَسَنِ وَحَدَّثَنَا حَازِمُ بْنُ يَحْيىٰ ثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْحَجَّاجِ السَّامِيُّ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ اَبُوالْحَسَنِ وَحَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ نَصْرِ الْهَمْدَانِيُّ صَاحِبُ الْقَفِيْزِ ثَنَا مُوْسىٰ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ۔

(۲۵٤) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيىٰ ثَنَا اَبُوالْمُغِيْرَةِ ثَنَا مُعَانُ بْنُ رِفَاعَةَ حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ يَزِيْدَ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُحَدِّثُ اَنَّ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ يَوْمٍ شَدِيْدِ الْحَرِّ نَحْوَ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ وَكَانَ النَّاسُ يَمْشُوْنَ خَلْفَهُ فَلَمَّا سَمِعَ صَوْتَ النِّعَالِ وَقَرَّ ذٰلِكَ فِيْ نَفْسِهٖ فَجَلَسَ حَتّٰى قَدَّمَهُمْ اَمَامَهُ لِئَلَّا يَقَعَ شَيْئٌ مِنَ الْكِبْرِ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ سخت گرمی کے دن میں بقیع غرقد تشریف لے جارہے تھے اور یہ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے تھے جب آپ نے جوتوں کی آواز سنی تو اپنے دل میں توقیر محسوس کی، چنانچہ بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپ نے لوگوں کو آگے کیا تاکہ (دل میں) کبر کا کچھ شائبہ نہ پیدا ہو جائے (تشریح حدیث گذر چکی ہے البتہ اتنی بات جان لیجئے کہ اس کی سند میں علی بن زید اور قاسم بن عبدالرحمٰن ہیں اور دونوں ضعیف راوی ہیں اس لئے حدیث از روئے سند ضعیف ہے)

(۲۵۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ نُبَيْحٍ الْعَنَزِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا مَشٰى اَصْحَابُهٗ اَمَامَهٗ وَتَرَكُوْا ظَهْرَهٗ لِلْمَلَائِكَةِ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب چلتے تو آپ کے صحابہ آپ کے آگے آگے ہوتے اور پچھلا حصہ فرشتوں کے لئے چھوڑ دیتے۔

(۲۲) بَابُ الْوُصَاةِ بِطَلَبَةِ الْعِلْمِ

اس باب کے تحت امام ابن ماجہ ان روایات کو لائیں گے جن میں طالبان علوم نبوت کے ساتھ ، بھلائی ، خیر خواہی حسن سلوک ، رواداری شفقت ، محبت ، نرم گفتگو ، شیریں کلامی اور ان کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال کرنے کا ذکر ہو گا ، اللہ کے رسول ﷺ نے طالبان علوم نبوت کے ساتھ خیر اخواہی کرنے کا حکم دیا ، ان کی اچھی تعلیم اور اچھی تربیت کرنے کی وصیت کی ، تاکہ آگے چلکر یہ طالبان علوم نبوت دین اسلام کا پاسبان اور سچا محافظ بن سکیں اور انبیاء کرامؑ کی حقیقی اور صحیح معنی میں وارث بن سکیں اور دین اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر باطل طاقت و قوت کے سامنے دیوار آہنی اور فولادی لشکر بن کر کھڑے ہو جائیں اور دشمنان اسلام کے ساتھ پنجہ آزمائی کر کے ، اسلامی علم کو پورے عالم میں نصب کریں۔

(۲۵۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ رَاشِدٍ الْمِصْرِيُّ ثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عَبْدَةَ عَنْ أَبِي هَارُونَ الْعَبْدِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ سَيَأْتِيكُمْ أَقْوَامٌ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَقُولُوا لَهُمْ مَرْحَباً مَرْحَباً بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَاقْنُوهُمْ قُلْتُ لِلْحَكَمِ مَا اقْنُوهُمْ قَالَ عَلِّمُوهُمْ

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس طلب علم کے لئے بہت سی قومیں آئیں گی چنانچہ جب انہیں تم دیکھو تو انہیں رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق مبارکبادی دینا اور انہیں تلقین کرنا ، میں نے حکم سے تلقین کے مطابق معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا انہیں علم سکھانا۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث پاک میں طالب علموں کے ساتھ خیر خواہی اور حسن وسلوک کرنے کا ذکر ہے اور ان سے معروف اور بھلی بات کرنے کا حکم ہے اور ان کی اچھی تعلیم و تربیت دینے کا امر ہے باقی تشریح تو خود الفاظ حدیث سے واضح ہے۔

(۲۵۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ ثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ هِلَالٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى الْحَسَنِ نَعُودُهُ حَتَّى مَلَأْنَا الْبَيْتَ فَقَبَضَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ نَعُودُهُ حَتَّى مَلَأْنَا الْبَيْتَ فَقَبَضَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى مَلَأْنَا الْبَيْتَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ لِجَنْبِهِ فَلَمَّا رَآنَا قَبَضَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ سَيَأْتِيكُمْ أَقْوَامٌ مِنْ بَعْدِي يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ فَرَحِّبُوا بِهِمْ وَحَيُّوهُمْ وَعَلِّمُوهُمْ قَالَ فَأَدْرَكْنَا وَاللّٰهِ أَقْوَاماً مَا رَحَّبُوا بِنَا وَلَا

حَيُّوْنَا وَلَا عَلَّمُوْنَا اِلَّا بَعْدَ اَنْ كُنَّا نَذْهَبُ اِلَيْهِمْ فَيَجْفُوْنَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت معلی بن ہلال حضرت اسماعیل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسن کے گھر عیادت کے لئے گئے یہاں تک کے ان کا گھر بھر گیا، چنانچہ انہوں نے اپنا پاؤں سمیٹ لیے پھر کہا کہ ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس ان کی عیادت کے لئے گئے یہاں تک کے گھر بھر گیا چنانچہ انہوں نے اپنا پاؤں سمیٹ لیا، پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے یہاں تک گھر بھر گیا، اور آپ پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے جب آپ نے ہمیں دیکھا تو پائے مبارک سمیٹ لیے اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس بہت سی قومیں تحصیل علم کے لئے آئیں گی تو تم انہیں مرحبا کہنا، مبارک بادی دینا اور انہیں تعلیم دینا، حضرت حسن کہتے ہیں بخدا ہم نے ان لوگوں کو پایا کہ (جب ہم ان کے پاس گئے) تو نہ ہمیں مرحبا کہا اور نہ ہی مبارک بادی دی اور نہ ہی تعلیم دی، بلکہ جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے ہم پر ظلم کی۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث پاک کے اندر بھی طلباء کرام کے ساتھ بھلائی کرنے کا ذکر ہے جیسا کہ سابق میں تھا حیوھم انہیں مبارک بادی دو، طول عمر کی دعاء دینا، دور جاہلیت میں اہل عرب اس کے ذریعے طول عمر کی دعا دیتے تھے مگر یہاں تحیۃ شرعیہ السلام علیکم کہنا اور مصافحہ کرنا مراد ہے جو لوگوں میں مروج ہے۔

فادركنا والله لقواما مارحبونا

یہ صحابہ کرام کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے کہ لوگ طالب علموں کو قدردانی کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے (جیسا کہ آج کل بعض نام نہاد مدارس کا حال ہے کہ قوم کی امانت کو امانت نہ سمجھتے ہوئے جس طرح چاہتے ہیں اموال مدرسہ میں تصرف کرتے ہیں اور طلباء کرام جن کے لئے قوم روپے پیسے دیتی ہے ان کی تعلیم وتربیت، ان کے طعام وقیام پر اس طرح خرچ نہیں کیا جاتا ہے جس طرح صرف کیا جانا چاہیئے) حضرات صحابہ کرام کے دور میں تو اس طرح کی بات قطعانہ تھی، بلکہ وہ حضرات تو طالب علموں کی راہوں پر اپنی پلکیں بچھانا اور ان کی خدمت کو باعث سعادت اخروی جانتے تھے اے کاش وہی صورت آج بھی پیدا ہو جائے۔

(۲۵۸) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَنْقَزِيُّ اَنْبَاَ سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ هَارُوْنَ الْعَبْدِيِّ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَنَا اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ

تَبَعٌ وَاَنَّهُمْ سَيَاتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا جَاءُ وْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہارون عبدی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس (بغرض تعلیم) حاضر ہوئے تو وہ فرماتے ہیں کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ کی وصیت مبارک ہو، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہارے فرماں بردار ہیں اور وہ لوگ تمہارے پاس زمین کے مختلف خطوں سے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنیکے لیے آئیں گے۔ پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں بھلائی کی تلقین کرنا (حدیث شریف کی شرح واضح ہے)۔

(۴۳) بَابُ الْاِنْتِفَاعُ بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلُ بِهٖ

شریعت کی نظر میں علم وہی معتبر ہے جس پر عمل ہو، اور وہی علم فائدہ مند اور نفع رساں ہے جس پر عمل کیا جائے اگر کوئی عالم مفتی قاضی بن گیا، کتابیں بھی بہت پڑھ لی، صلاحیت بھی غضب کی ہے لوگ انہیں مولانا اور مفتی کے خطاب بھی دیتے ہیں دنیا میں ان کی خوب شہرت اور چہار دانگ عالم میں خوب چرچا بھی ہے مگر بایں ہمہ اس علم کے تقاضہ پر عمل نہیں، عمل شریعت کے بالکل خلاف، اس کا حلیہ اس کا لباس، اس کا طور و طریقہ، اس کے اخلاق عادات، اس کے معاملات اور اس کا رہن سہن مزاج اسلامی کے بالکل خلاف اور تقاضاء علم کے بالکل متضاد ہے۔ تو وہ علم اس کے لئے بجائے کہ وہ نفع دے گا الٹا ہی وبال جان ہو جائے گا اسلئے امام ابن ماجہ اس باب کے اندر ان روایتوں کو لائیں گے جن میں علم کے تقاضے پر عمل کرنے کے فوائد اور نہ عمل کرنے کے نقصانات کا بیان ہو گا امام ابن ماجہ ہمیں اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ دیکھو علم تم حاصل کر رہے ہو اور بڑی بڑی کتابیں بھی پڑھ رہے ہو قرآن کریم وحدیث کے علوم تمہارے سینے میں ہیں یہ بہت اچھا، تمہارا اشغلہ بہت مبارک اور قابل داد تحسین ہے مگر یہ اسی وقت قابل مبارک باد اور خراج تحسین کے لائق ہے جب اس علم پر عمل ہو اور اس کے تقاضے کے مطابق تمہاری زندگی بسر ہو قرآن وحدیث کے علوم کا مطالبہ تمہاری زندگی کے اندر آجائے اور اگر نہیں تو پھر یہ علم حاصل کرنا، اور عالمیت کی ڈگری حاصل کر لینا لاحاصل، لافائدہ، اور بیکار ہے قیامت کے روز وبال جان بن کر سامنے آئے گا اس لئے میرے عزیزو! اس علم کے تقاضے پر عمل کرو اور اس کو ذریعہ معاش بنانے کے بجائے مقصد حیات بناؤ اور اس علم کے تقاضوں کو اپنی زندگی کے لیل ونہار کے عمل میں مکمل طور سے اتار لو اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں اس کی توفیق بخشے۔ آمین

(۲۵۹) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنِ اَبِیْ شَيْبَةَ ثَنَا اَبُوْخَالِدِ الْاَحْمَرُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ النَّبِیِّ ﷺ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں ایک یہ تھی یا اللہ بے شک میں پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، اور اس دعاء سے جو سنی نہ جائے اور اس دل سے جو نہ ڈرے، اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو۔

تشریح حدیث:۔

علم اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کے مطابق اپنی زندگی کے شب وروز، صبح وشام، قیام وقعود اور رہن سہن پورے طور سے ہونے لگے اور اسلامی طور وطریقہ ہمارے اندر آجائے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگیوں کا عکس جمیل اپنی زندگی میں اتار ڈالیں اور ان مقدس ہستیوں کی سیرت اپنے اندر پیدا کرلیں اگر یہ بات پیش نظر ہے تو تحصیل علم سے بڑھکر کوئی فعل اچھا اور مبارک نہیں لیکن اگر یہ مقصد نہیں ہے تو پھر یہ تحصیل علم وبال جان ہے اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے نفع نہ دینے والے علم سے پناہ مانگی ہے اللہ سے نہ ڈرنے والا قلب سے پناہ چاہی ہے اور ایسے نفس سے پناہ طلب کی ہے جو سیراب نہ ہو۔

حدیث پاک کا باب سے تعلق ظاہر ہے **اللهم انی اعوذبك من علم لا ينفع** ترجمۃ الباب ہے۔

(۲٦٠) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ ثَنَاعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍعَنْ مُوْسىٰ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَاعَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَايَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْماً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلىٰ كُلِّ حَالٍ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ یااللہ تو مجھے نفع دے اس علم سے جو تم نے سکھلایا، اور مجھے وہ علم دے جو مجھے نفع پہچائے اور میرے علم کو اضافہ فرما اور ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں (حدیث شریف کی شرح واضح ہے) اس دعاء کو مسلمان اور طالب علم کو اپنے لئے لازم کرلینا چاہیئے، اور پہلی والی حدیث پاک میں جو دعاء آئی ہے اسے بھی نمازوں کے بعد پڑھنی چاہیئے۔

(۲٦١) حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ ثَنَايُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍوَشُرَيْحُ بْنُ نُعْمَانَ قَالاَ ثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ مَعْمَرٍ عَنْ اَبِیْ طَوَالَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغىٰ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لاَ يَتَعَلَّمُهٗ اِلاَّ لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِیْ رِيْحَهَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرے خالصتاً اللہ کی رضامندی کے لئے (اور جو شخص) علم کو خالصتاً اللہ کی رضامندی کے لئے نہیں بلکہ دنیاوی مقاصد کے

لئے حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

تشریح حدیث:۔من تعلم علماً مما یبتغی به وجه الله

علم دین کو خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کے لئے حاصل کرنا ہے اس علم کو جاہ منصب اور دنیا طلبی کے مقصد کے واسطے حاصل نہ کیا جائے، دین کے علم کو دنیا کا وسیلہ بنا کر حاصل کرنا شرعاً ممنوع ہے اور وہ علم عنداللہ قطعاً مقبول نہیں ہے جو دنیا کمانے، مال جمع کرنے اور دولت کی انبار کرنے کی حرص میں حاصل کیا جائے ایسے شخص پر جنت حرام ہے باوجود کہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے پہلے محسوس ہوگی مگر یہ شخص جنت کی خوشبو تک بھی نہیں پاوے گا شارح مشکوۃ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں **لم یجد عرف الجنة** کی تعبیر میں عدم دخول جنت پر مبالغہ مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جنت سے اتنا دور ہوگا کہ جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر اس سے اہل ایمان مراد ہوں تو ایسی صورت میں حدیث شریف تشدید و تغلیظ پر محمول ہوگی کیوں کہ ہر مؤمن جنت میں جائے گا اور مطلب یہ ہوگا مؤمن کو عمل آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی طلب میں ہرگز نہ پڑنا چاہیے، حافظ ابن حجر کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے کہ یہ وعیدیں درحقیقت ان لوگوں کیلئے ہیں جو طلب دنیا کے لئے علم دین حاصل کرنے کو حلال سمجھتے ہوں دنیا کے لئے علم دین حاصل کرنا بالاتفاق حرام ہے دوسرے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ وعید کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے مقرب و مخلص بندوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا بلکہ اپنے عمل کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔[1]

عرضا : علامہ جیلی فرماتے ہیں کہ عرض را کے سکون کے ساتھ سونے چاندی کے علاوہ پر بولا جاتا ہے اور راء کے حرکت کے ساتھ سونے چاندی اور اس کے علاوہ تمام سامانوں پر بولا جاتا ہے یہی قول علامہ ابہری کا بھی ہے اور امام طیبی نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص علم تو رضاء خداوندی کے لیے حاصل کررہا ہے اور دنیا تبعاً حاصل ہو رہی ہے تو وعید کے اندر یہ داخل نہ ہوگا مگر اس علم سے مقصود دنیا طلبی نہ ہو، بعض علماء زاہدین نے کہا ہے کہ جس نے علوم دینیہ کے ذریعے دنیا طلب کیا وہ اس شخص سے زیادہ ذلیل ہے جو دیگر علوم کے ذریعہ دنیا حاصل کررہا ہے حضرت حسن بصریؒ نے ایک شخص کو دیکھا جو پہاڑ کے اوپر کھیل رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے ساتھیوں سے اچھا ہے کیوں یہ دنیا کو دنیا کے ذریعے حاصل کررہا ہے اور ہمارے اصحاب دین کے ذریعے دنیا طلب کررہا ہے۔[2]

(۲۶۲) قَالَ اَبُوالْحَسَنِ اَنْبَأَ نَا اَبُوْ حَاتِمٍ ثَنَاسَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ ثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

(۲۶۳) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثَنَا اَبُوْكَرِبٍ

[1] استفاد مرقات جلد ا ص ۲۸۷ـ۲۸۸، مظاہر حق جدید جلد ا ص ۲۷۹ [2] مرقات جلد ا ص ۲۸۷

الْاَزْدِیُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ لِیُبَاهِیَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِیُصْرِفَ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَیْهِ فَهُوَ فِی النَّارِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جہلاء سے جھگڑا، علماء پر فخر کرنے اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے علم حاصل کیا تو وہ دوزخ میں جائیگا۔

تشریح حدیث:۔ من طلب العلم لیماری به السفهاء

مطلب یہ ہے کہ علم جیسی عظیم دولت اور لازوال نعمت کو علمنی ماینفعنی کے مصداق بنانے کے بجائے اس لئے علم حاصل کرتا ہے تاکہ جہلا پر اپنا رعب جمائے علماء سے بحث و مباحثہ کرے اور لوگوں کو اپنی طرف توجہ مبذول کرائے اور مقصود یہ ہو کہ لوگ میرے علم کی بنا میری طرف رجوع کریں اور ہمیں اپنا رہبر اور مقتداء سمجھیں اور پھر ان کے ذریعے سماجی عزت و بڑائی حاصل کر کے اپنی دنیا درست کروں مال کو جمع کروں اور دنیاداری کے تقاضے اور خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کروں پس اس طرح کے عالم دین کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جہنم کی وعید سنائی ہے کہ ایسا شخص جہنم میں جائے گا لیکن یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ وعید اس شخص کے لئے ہے جو خالص دنیاوی غرض کے لئے علم دین کو طلب کیا ہو چنانچہ اگر کسی کی نیت پہلے خالصتاً اللہ کی رضامندی رہی ہو اور صدق نیت اور خلوص و جذبہ کے ساتھ علم دین کے راستے کو اختیار کیا ہو لیکن بعد میں بتقاضائے بشریت اور جبلت اس میں سمعہ اور ریاء آجائے تو وہ اس وعید کے تحت داخل نہ ہوگا بلکہ اس کو معذور سمجھا جائیگا۔

(۲۶۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی ثَنَا ابْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ اَنْبَانَا یَحْیٰی ابْنُ اَیُّوْبَ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَاتَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلَا تُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلَا تُخَیَّرُوْا بِهِ الْمَجَالِسَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَالنَّارُ فَالنَّارُ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم اس غرض سے مت حاصل کرو کہ تم اس کے ذریعے علماء پر رعب جماؤ، اور جہلاء سے جھگڑو اور نہ اس لئے (علم حاصل کرو) کہ مجلسوں میں بڑے بنائے جاؤ جو شخص ایسا کرے گا اس کے لئے آگ ہے آگ ہے۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف کی شرح اس سے پہلی والی حدیث میں گذر چکی ہے۔

(۲٦۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ أَنْبَأَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُسْلِمِ عَنْ يَحْيَىٰ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكِنْدِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أُنَاساً مِنْ أُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَأْتِي الْأُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَأَنَّهُ يَعْنِيْ اَلْخَطَايَا.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں گے اور قرآن کریم کی تلاوت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم امیروں کے پاس اس لئے جاتے ہیں کہ تاکہ ہم ان سے دنیا حاصل کریں اور اپنے دین کو ان سے علیحدہ رکھتے ہیں حالانکہ یہ نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ کانٹے دار درخت سے پھل نہیں توڑا جا سکتا ہے مگر کانٹیلکیں گے ہی، اسی طرح اس کے قرب میں نہیں حاصل کریں گے مگر گناہ محمد ابن صباح کہتے ہیں کہ سوائے گناہ کہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

تشریح حدیث:۔ إن أناسامن أمتي سيتفقهون في الدين۔

اس حدیث پاک کے اندر ان علماء کی مذمت کی گئی ہے جو دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے حکمرانوں کے یہاں آمدورفت رکھتے ہیں حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو دین کا علم حاصل کریں گے، جو عالم و قاری اور مفتی بنیں گے تفقہ فی الدین میں ید طولیٰ رکھیں گے مگر بایں ہمہ وہ حکمرانوں کے یہاں آمدورفت رکھیں گے ایوان واقتدار اور پارلیمنٹ کے چکر لگائیں گے اور اس سے ان کا مقصد کسی واقعی حاجت وضرورت کی تکمیل نہ ہوگی بلکہ اپنی دینی اہمیت وحیثیت کا اظہار کر کے مال ودولت بٹورنا جاہ ومنصب لینا اور اعزاز وخطابات پانا ہوگا اور جب ان سے کوئی اسلام سے ہمدردی رکھنے والے پوچھیں گے کہ تم ایوان واقتدار کے سامنے اپنا کاسہ گدائی کیوں پھیلاتے ہو اور تفقہ فی الدین اور ایوان واقتدار کی رضاء مندی اور خوشنودی دو متضاد چیزوں کو اپنے دامن میں ایک ساتھ کیسے رکھ لیتے ہو؟

تو وہ یہ کہیں گے کہ ہم ایوان واقتدار میں آمدورفت اور حکمرانوں کی مصاحبت وہم نشینی کو اپنے دین وایمان میں اثر انداز ہونے نہیں دیتے ہیں ان سے ہماری دینی زندگی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ہم تو دنیاوی

معاملات میں ان سے کچھ فوائد حاصل کر رہے ہیں اور اس حد تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو ان سے بچائے رکھتے ہیں کہ بالکل کوئی نقصان ہی نہیں ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ان کا یہ کہنا خام خیالی یا ایک ناقابل التفات تاویل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھے گا کیوں کہ جس طرح ایک کانٹے دار درخت سے پھل توڑنے میں کانٹا لگتا ہی ہے چاہے لاکھ بچانے کی کوشش کرے اسی طرح حکومت وایوان میں آمد و رفت سے بہر حال ایمان پر اثر پڑے گا دین کو نقصان میں پڑنے سے بچا نہیں پائے گا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علماء کو مالداروں، حکومتوں، دنیاداروں اور ایوان واقتدار کے یہاں آمد و رفت نہ رکھنا چاہئے ان سے اپنے دامن کو بچائے رکھنا چاہئے۔

الا قال محمد بن الصباح كانه الخطايا

محمد بن صباح حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلم جیسے ائمہ حدیث کے استاذ اور شیخ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے آخر میں لفظ الا کے بعد کوئی لفظ ارشاد نہیں فرمایا اور جملہ کو نامکمل چھوڑ دیا تو گمان یہ ہے کہ آپ لفظ الا کے بعد خطایا کا لفظ ارشاد فرمانا چاہتے تھے مگر آپ نے زبان سے تلفظ نہیں فرمایا بلکہ حذف کر دیا اور اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ حکمرانوں کی قربت و نزدیکی کا نقصان و ضرر اس قدر خطرناک، بھیانک اور ہلاکت خیز ہے کہ اس کو زبان سے ادا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ذرا برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ کسی بھی عالم دین کا حکام و سلاطین اور ارباب اقتدار و حکومت کی قربت و نزدیکی اختیار کرنا اپنے دین وایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور اتنی بڑی برائی مول لینا ہے جو آخرت میں رسوائی، ذلت اور بربادی سے دوچار کرا سکتی ہے خصوصاً اس وقت جب حکومت کے باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو اور منصب حکومت پر ایسے لوگ متمکن ہوں جو ظالم خدا اور رسول کے باغی اور قوانین اسلامیہ کو پامال کرنے والے ہوں، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غلاظت پر بیٹھی ہوئی مکھی اس عالم و قاری سے افضل و بہتر ہے جو ظالم و جابر حکمرانوں کے در پر قدم رکھتے ہیں ایک شارح نے لکھا ہے کہ میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں عالم دین بناؤ کہ کیوں کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ عالم دین بنکر حکمرانوں کے دروازوں پر نہ جانے لگو۔

(٢٦٦) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَا ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُحَارِبِيُّ ثَنَا عَمَّارُ بْنُ سَيْفٍ عَنْ اَبِيْ مُعَاذٍ الْبَصْرِيِّ

(٢٦٧) ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ سَيْفٍ عَنْ اَبِيْ مُعَاذٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ﷺ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَدْخُلُهُ قَالَ أُعِدَّ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِيْنَ بِأَعْمَالِهِمْ وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَى اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَزُوْرُوْنَ الْأُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِيُّ الْجَوَرَةَ۔

(۲٦٨) قَالَ أَبُوْالْحَسَنِ حَدَّثَنَا حَازِمُ بْنُ يَحْيٰى ثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَا ثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ النَّصْرِيِّ وَكَانَ ثِقَةً ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ نَحْوَهٗ بِإِسْنَادِهٖ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے جب الحزن (غم کا کنواں) سے پناہ مانگو حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخ میں ایک وادی ہے جس سے خود دوزخ روز آنہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کون لوگ اس میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ان قاریوں کے لئے تیاری کی گئی ہے جو اپنے اعمال دکھاد کھا کر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ قراء ہیں جو امیروں کے یہاں آمدورفت کرتے ہیں حضرت محاربی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ظالم امراء ہیں۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث پاک کے اندر ان قراء کے لئے سخت وعید اور دھمکی ہے جو ریاء اور سمعہ کے لئے اعمال کرتے ہیں خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے بجائے لوگوں کو خوش کرتے ہیں اسی طرح ان قراء کے لئے بھی سخت ترین وعید ہے جو ایوان واقتدار اور ارباب دولت وثروت کے یہاں محض دنیا طلبی کے لئے جاتے ہیں اس لئے کہا گیا ہے **بئس الفقير على باب الأمير ونعم الأمير على باب الفقير**۔ کیا ہی برا ہے وہ فقیر جو امیروں کے دروازوں پر پڑے رہتے ہیں اور کیا ہی اچھا ہے وہ امیر جو فقیروں کے دروازوں پر پڑے رہتے ہیں پہلا شخص چوں کہ دنیا کا طالب بنکر امیر کی چوکھٹ پر پڑا ہوا ہے اس لئے برا ہے اور دوسرا شخص جو امیر ہے فقیروں کے دروازوں پر پڑا ہوا ہے آخرت حاصل کرنے کے لئے اس لئے اس کو اچھا کہا گیا ہے لہذا کسی بھی عالم دین اور قراء حضرات کو دنیاداروں کے یہاں دنیا طلبی کے لئے ہرگز نہیں جانا چاہیئے اس سے خود علماء کا وقار مجروح ہونے کے ساتھ دین وایمان کے لئے سم قاتل ہے اور اپنی عزت وعظمت کو خود اپنے ہاتھوں ختم کرنا ہے اور عوام کی نظر میں رسوا اور ذلیل ہونا ہے اس لئے امراء سے احتراز کی از حد ضروری ہے۔

رجال حدیث:۔

عبدالرحمٰن بن محمد بن زیاد المحاربی ابو محمد الکوفی حضرات محدثین نے لاباس کا صیغہ استعمال کیا ہے تدلیس کرتے تھے [۱]

عمار بن سیف الضبی کنیت ابو عبدالرحمٰن عبادت گذار شخص تھے مگر ضعیف الحدیث راوی ہیں [۲]

ابو معاذ البصری ان کا نام سلیمان ارقم البصری ابو معاذ ہیں ضعیف راوی ہیں [۳]

معاویہ بن عمرو بن خالد غلاب النصر ثقہ راوی ہیں [۴]

(۲۶۹) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ نَصْرٍ ثَنَا اَبُوْغَسَّانَ مَالِكُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ ثَنَا عَمَّارُ بْنُ سَيْفٍ عَنْ اَبِيْ مُعَاذٍ قَالَ مَالِكُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ عَمَّارٌ لَا اَدْرِيْ مُحَمَّدًا وَاَنَسَ بْنَ سِيْرِيْنَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَالْحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَا ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ النَّصْرِيِّ عَنْ نَهْشَلٍ عَنِ الضَّحَّاكِ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهِ لَسَادُوْا بِهِ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهِ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهِ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ فِيْ اَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ.

(۲۷۰) قَالَ اَبُوالْحَسَنِ حَدَّثَنَا حَازِمُ بْنُ يَحْيٰى ثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ النَّصْرِيِّ وَكَانَ ثِقَةً ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِهِ بِاِسْنَادِهِ.

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر علماء کرام (علم حاصل کرنے کے بعد) اس کی حفاظت کرتے اور اسے اس کے اہل لوگوں کے سامنے رکھتے تو وہ اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار بن جاتے، لیکن انہوں نے اس علم کو دنیا والوں کے سامنے ان سے دنیا حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا، اس لئے وہ ذلیل ہوگئے میں نے تمہارے نبی ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مختلف غموں کو اپنے آخرت کے واسطے صرف ایک غم کر دیا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے غم سے اس کی کفایت فرمائے گا اور جو شخص دنیاوی احوال وامور کے

[۱] تقریب ص۱۵۷ [۲] تقریب ص۱۸۷ [۳] تقریب ص۹۹ [۴] تقریب ۲۳۹

غموں میں پریشان ہوتا رہا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ کس وادی میں گر کر مرے۔

تشریح حدیث:۔لو أن أهل العلم صانوا العلم

مطلب یہ ہے کہ علم دین کی عظمت ورفعت، عزت ووقار کا تقاضا تو یہ تھا اس کا حامل بھی باعظمت باوقعت اور عزت ووقار کے ساتھ ہوتا، لیکن جب عالموں نے اس علم سے آراستہ ہو کر مال ودولت کی طمع اور جاہ ومنصب کی طلب میں ظالم لوگوں اور دنیاداروں کی صحبت اختیار کی، ارباب حکومت واقتدار کے در کے بھیکاری بن گئے اور ان کی دنیاوی مجلسوں، پروگراموں، کانفرنسوں کے رکن بنے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ علم کی توہین کا ارتکاب کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود کو بھی ذلت ورسوائی اور بے قدری سے دوچار کیا۔

لسادوا اهل زمانه

مطلب یہ ہے کہ اگر علماء تحصیل علم کے بعد اپنا مطمع نظر صرف خدمت دین، اشاعت اسلام اور ترویج علم کو قرار دیں اور کسی بھی دنیاوی اغراض ومقاصد سے بالاتر ہو کر محض خدا کی رضاء رجوئی اس کی خوشنودی کیلئے اپنے علم کو لوگوں کی دینی ہدایت وبھلائی میں خرچ کریں تو پھر وہ اپنے فضل وکمال اور اپنی بزرگی کے اعتبار سے اپنے زمانے کے لوگوں کے مقتداء اور پیشواء بن جائیں اور لوگ ان کو اپنا آقاء اور قائد تسلیم کرنے لگیں ، یہاں آقاء اور سردار بننے سے مراد دنیاوی حکومت وسیادت کا حاصل ہو جانا نہیں ہے بلکہ دینی فضل وکمال اور بزرگی کا حاصل ہونا ہے اور جن حضرات کو یہ مقام ومرتبہ مل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات کو ان کے زیر قدم، زیر قلم اور ان کے عقل وفہم اور احکام کے تابعدار بنا دیتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے۔

يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات.(پ۲۸ مجادله) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے درجات بلند فرماتا ہے جو ایمان لائے اور جن کو دین کا علم عطا کیا گیا۔

من جعل الهموم هما واحداهم اخرته

مطلب یہ ہے کہ دنیا کے تمام تفکرات وخیالات، دنیا کے تمام جھگڑوں، قصوں اور دنیا کے تمام مقاصد ومعاملات سے قطع نظر کر کے صرف دل کے اندر ایک ہی فکر ایک ہی مقصد فکر آخرت کو اپنا مطمع نظر اور مقصود اصلی بنالے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام تفکرات دنیا کے لئے کفایت فرمائے گا۔

ومن تشعبت به الهموم احوال الدنيا

لیکن معاملہ برعکس ہے اپنا مقصود اصلی آخرت کی فکر کے بجائے دنیاوی امور واحوال کی فکر کو اپنا مقصود بنالیا اور دنیاوی معاملات کے جھگڑوں قصوں میں الجھکر رہ گیا اور اسی فکر میں برابر لگا رہا آخرت کی

چنداں فکر نہیں کی تو ایسا شخص رحمت خداوندی، شفقت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت و عنایت سے محروم رہیگا نہ تو ان کو دنیاوی تفکرات وخیالات میں حق تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور نہ فکر آخرت میں رحمت الٰہی معین ومددگار ہوگی اس طرح یہ شخص دونوں جہاں میں خسارے میں رہے گا اور پریشانیوں سے دوچار رہے گا اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے بارے میں کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں گر کر مرے۔

(۲۷۱) حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ اَخْزَمَ وَعَبَّادُ بْنُ الْوَلِیْدِ قَالَا ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْهُنَائِیُّ ثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْمُبَارَكِ الْهُنَائِیُّ عَنْ اَیُّوْبَ السَّخْتِیَانِیِّ عَنْ خَالِدِ بْنِ دُرَیْكٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰهِ اَوْ اَرَادَ بِهٖ غَیْرَ اللّٰهِ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے غیر اللہ کے لئے علم حاصل کیا یا اس سے رضاء خداوندی کے علاوہ کا قصد کیا تو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مختصر مطلب یہ ہے کہ دین کے علم کو غیر اللہ کی رضامندی کے لئے یا کسی دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے حاصل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس علم کو صرف خداوند تعالیٰ ہی کی رضاجوئی اور اسی کی خوشنودی کے لئے حاصل کرنا چاہیئے اگر کوئی شخص حصول دنیا اور دوسروں کی رضامندی کے واسطے علم دین کو حاصل کرے گا یا اس سے دنیا کمائے گا تو اس کے لئے آپؐ نے سخت وعید فرمائی ہے اور فرمایا کہ ایسے لوگ تو جہنم کے لائق ہیں اسے جہنم میں جلنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

(۲۷۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَاصِمٍ الْعَبَّادَانِیُّ ثَنَا بَشِیْرُ بْنُ مَیْمُوْنٍ قَالَ سَمِعْتُ اَشْعَثَ بْنَ سَوَّارٍ عَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ لِتَصْرِفُوْا وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَیْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ فِی النَّارِ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ علم اس لئے مت حاصل کرو کہ اس کے ذریعہ علماء پر فخر کرو، جہلاء کے ساتھ جھگڑو یا لوگوں

کو اپنی طرف متوجہ کرو جس نے ایسا کیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی مکمل شرح گذر چکی ہے اور باب سے بھی مناسبت ظاہر ہے کہ علم صرف عمل اور ابتغاء لوجہ اللہ حاصل کرنا چاہیئے ریاء سمعہ کے لئے حاصل نہیں کرنا چاہیئے اگر کوئی ریا، شہرت اور سمعہ کے لئے علم دین سیکھے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

(۲۷۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ اَنْبَأَوَهْبُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْاَسَدِيُّ ثَنَاعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدِالْمُقْبِرِيُّ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَيَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ جَهَنَّمَ۔

ترجمۂ حدیث:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے علم دین کو اس مقصد سے سیکھا تاکہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے، اور جہلاء سے جھگڑے اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرائے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کی شرح گذر چکی ہے اور باب سے مناسبت بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

(۲۴) بَابُ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اس باب میں ان روایات کو ذکر کریں گے جن میں کتمان علم کی حرمت اور ضروری دینی مسائل کے چھپانے پر وعیدیں آئی ہیں، یہاں یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہونی چاہیے کہ ہر طرح کے علم کو چھپانا حرام نہیں ہے بلکہ عوام کو جن مسائل شرعیہ کی روز مرہ ضرورت پڑتی ہے ان کو چھپانے پر وعیدیں آئی ہیں وہ علوم جن کے بتانے سے گمراہی وضلالت میں پڑنے کا اندیشہ ہو ایسے علوم عوام کے سامنے نہ بیان کرنا اور ان کو نہ بتانا وعید میں داخل نہیں بلکہ ایسے علوم کو عوام کے سامنے بیان کرنا ہی جرم ہے۔

(۲۷۴) حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ ثَنَا أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ ثَنَا عُمَارَةُ بْنُ زَاذَانَ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ ثَنَا عَطَاءٌ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَامِنْ رَجُلٍ يَحْفَظُ عِلْماً فَيَكْتُمُهُ إِلَّا أُتِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْجِماً بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم کی بات کو یاد کرتا ہے پھر اس کو چھپاتا ہے تو اسے قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کے منہ میں آگ کی لگام لگی ہوگی۔

تشریح حدیث:۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سائل دین کا کوئی مسئلہ پوچھے اور وہ اسے جانتا ہو تو اسے چھپانا اور سائل کو نہ بتانا سخت ترین گناہ ہے مگر یہاں یہ واضح رہے کہ کتمان علم کی وعید کا تعلق دین اسلام کے ان ہی احکام ومسائل سے ہے جن کو سیکھانا اور بتلانا ازحد ضروری ہو مثلاً ایک شخص مسلمان ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ معلوم کرتا ہے کہ مجھے بتاؤ کہ اسلام کیا ہے اور ایمان کس طرح لایا جاتا ہے یا کوئی شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے اور وہ پاکی وطہارت کے مسائل معلوم کرتا ہے یا نماز کے ضروری مسائل معلوم کرتا ہے تو بتانا لازم اور ضروری ہے اگر معلوم ہوتے ہوئے نہ انہیں بتایا جائے تو کتمان علم کی وعید میں داخل ہوگا اور عذاب الٰہی کا مستحق بنے گا۔

کتمان علم کے مسئلے کو تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا و مفتی شفیع صاحب دیوبندی ثم الباکستانی تحریر فرماتے ہیں کہ

> علم کو چھپانے کی یہ سخت وعید انہیں علوم ومسائل کے متعلق ہے جو قرآن کریم میں واضح بیان کئے گئے ہوں اور ان کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے وہ

باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل واحکام کا عوام کے سامنے نہ بیان کرنا بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے آیت مذکورہ میں من البینات والهدیٰ سے اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم اگر عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری نہ سمجھ سکیں تو تم ان کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے [1]

ان تشریحات وتوضیحات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث باب میں کتمان علم کا حکم مطلقاً نہیں ہے بلکہ ضروری علم کے متعلق ہے اور یہ وعید حالات کے تقاضے پر بھر منحصر ہے اس مسئلے کی مزید شرح کے لئے ملاحظہ کیجئے [2]

(۲۷۵) قَالَ اَبُوالْحَسَنِ اَیْ اَلْقَطَّانُ وَحَدَّثَنَا اَبُوْحَاتِمٍ ثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ ثَنَا عُمَارَةُ بْنُ زَاذَانَ فَذَکَرَ نَحْوَهٗ

(۲۷۶) حَدَّثَنَا اَبُوْمَرْوَانَ الْعُثْمَانِیُّ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ ثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ الْاَعْرَجِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَیْرَةَ یَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَوْلاَ آیَتَانِ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَاحَدَّثْتُ عَنْهُ یَعْنِیْ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ شَیْئاً اَبَداً لَوْلاَ قَوْلُ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَااَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتَابِ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَتَیْنِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ہرمز کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں نبی کریم ﷺ کی حدیث میں سے کچھ بھی بیان نہیں کرتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان الذین یکتمون ماانزل الله من الکتاب (بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں کتاب میں سے اس چیز کو جو نازل کیا اللہ تعالیٰ نے) اور دوسری آیت ہے۔

اس حدیث پاک کی ضروری تشریح وتوضیح بھی ماقبل والی حدیث کے تحت گذری چکی ہے اور حدیث ہذا کا باب سے تعلق ظاہر ہے، کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کتمان علم کی وعید سے بچنے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے ورنہ روایت حدیث کا معاملہ اس قدر سنگین ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ہرگز حدیث بیان نہ کرتے، جیسا کہ اس کی پوری تفصیل باب التوقی فی الحدیث کے تحت گذر چکی ہے۔

---

[1] معارف القرآن جلد ا ص ۳۰۳ [2] مرقات جلد ا ص ۲۸۶ تعلیق الصبیح جلد ا ص ۱۵۲، اشعۃ اللمعات جلد ا ص ۱۷۵

(۲۷۷) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ اَبِي السَّرِيِّ الْعَسْقَلَانِيُّ ثَنَا خَلَفُ بْنُ تَمِيْمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَ لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّ لَهَا فَمَنْ كَتَمَ حَدِيْثًا فَقَدْكَتَمَ مَااَنْزَلَ اللّٰهُ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب اس امت کے اخیر لوگ پہلوں پر لعنت کرنے لگیں گے تو اس وقت جس نے ایک حدیث کو چھپایا تو تحقیق کہ اس نے اللہ کا نازل کردہ حکم کو مخفی رکھا۔

تشریح حدیث:۔ اذالعن لخرهذه الامة لولها

حدیث پاک کے اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ جب بعد کے لوگ پچھلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں گے ان پر لعن وطعن کرنے لگیں گے اور ان کے خلاف زہر افشانی کرنے لگیں گے اور انہیں ہدف ملامت بنانے لگیں گے اور انہیں تنقید و تنقیص کا نشانہ بنانا شروع کردیں گے تو ایسے وقت میں اظہار حق کے لئے حدیث بیان کرنا ضروری ہو جائے گا اور ان کے فضائل ومناقب کو بیان کرنا لازم ہو جائے گا لعن اخرهذه الامة سے مراد اہل باطل، فرقہ خوارج اور روافض خزلهم الله ہے جنہوں نے بغض معاویہ اور حب علی میں غلو کر کے جادہ مستقیم سے دور جا پڑے، اسی طرح خوارج حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی تکفیر کر کے صراط مستقیم اور معتدل شاہراہ سے ہٹ گئے۔ آپؐ فرمارہے ہیں کہ جب تم ایسی حالت پاؤ تو صحابہ کرام کے فضائل ومناقب سے متعلق حدیثیں بیان کرو ان کے فضائل ومناقب سے متعلق حدیث چھپانا اور انہیں مخفی رکھنا ایسی ہے جیسے کہ قرآنی حکم کو مخفی رکھنا ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام کی عدالت وثقاہت کی گواہی تو قرآن نے دیا ہے اس لئے انہیں چھپانا مت بلکہ صحابہ کرامؓ کی فضیلت والی احادیث خوب بیان کرو۔

(۲۷۸) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ ثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ جَمِيْلٍ حَدَّثَنِيْ عَمْرُوبْنُ سُلَيْمٍ ثَنَا يُوْسُفُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ جس

سے کسی علم کے متعلق سوال کیا گیا پھر اس نے اس کو چھپالیا تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

تشریح حدیث:۔

اس حدیث شریف کی شرح بھی ماقبل میں گذر چکی ہے اور حدیث شریف کا باب سے تعلق بھی ظاہر ہے۔

رجال حدیث:۔

احمد بن الازہر بن منیع ابوالازہر العبدی النیسابوری صدوق کان یحفظ ثم کبر فصلر کتابه اثبت من حفظه من الحادیة عشر مات سنة ثلاث وستین[1]

الهیثم بن جمیل بفتح الجیم البغدادی ابوسهل نزیل انطاکیة ثقة من اصحاب الحدیث الخ[2]

عمرو بن سلیم نام کے دو راوی ہیں ایک عمرو بن سلیم بن خلاہ الانصاری، دوسرے عمرو بن سلیم المزنی البصری دونوں ہی ثقہ راوی ہیں[3]

یوسف بن ابراہیم التیمی ابوشیبۃ الجوہری الواسطی ضعیف ہیں[4]

(۲۷۹) حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ حِبَّانَ بْنِ وَاقِدِ الثَّقَفِيُّ اَبُوْاِسْحَاقَ الْوَاسِطِيُّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَاصِمٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَابٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَتَمَ عِلْمًا مِمَّا يَنْفَعُ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ اَمْرِ النَّاسِ اَمْرِ الدِّيْنِ اَلْجَمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ۔

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے علم کی وہ بات چھپائی جس سے اللہ تعالیٰ دین کے کام میں لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائے گا۔

تشریح حدیث:۔ من کتما علماً مما ینفع اللّٰه به

مطلب یہ ہے کہ کتمان علم کی وعید مطلق نہیں ہے بلکہ کتمان علم کی وعید روزمرہ پیش آنے والے مسائل واحکام کو نہ بتانے میں ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے البتہ دنیاوی صنعتوں اور فنون کو مخفی رکھنا تو یہ جائز ہے اگرچہ مستحسن اور بہتر نہیں اور صناعات دنیویہ کو چھپانے سے اس وعید میں داخل نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی

---

[1] تقریب ص ۱۴ [2] تقریب ص ۳۶۹ [3] تقریب ص ۱۹۴ [4] تقریب ۲۸۵

ایسی چیز ہو جو دنیاوی اعتبار سے فائدہ مند ہو مگر اخروی اعتبار سے نقصان دہ ہو تو ایسی چیزوں کو نہ بتانا مستحسن اور بہتر ہے ۱

رجال حدیث:۔

اسماعیل بن حبان بکسر المهمله بعدها موحدة الثقفی ابواسحاق القطان الواسطی صدوق من الحادية عشرة ۲

عبدالله بن عاصم الجملنی بکسر المهمله وتشدید المیم ابوسعید البصری صدوق من التاسعة ۳

محمد بن داب بغیر همز المدنی کذبه ابوزرعة من الثامنة ۴

صفوان بن سلیم المدنی ابوعبدالله الزهری مولاهم ثقة مفت عابدرمی بالقدر من الرابعة مات سنة اثنتین وثلاثین وله اثنان وسبعون سنة ۵

عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری، حضرت ابوسعید خدری صحابی رسول ہیں، اور ابوعبدالرحمٰن ان کے لڑکے ہیں

(۲۸۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَفْصِ بْنِ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنَا أَبُوْ إِبْرَاهِيْمَ ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الْكَرَابِيْسِيُّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ يَعْلَمُهُ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ.

ترجمہ حدیث:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس سے کوئی علم کی بات دریافت کی جائے جس کو وہ جانتا ہے پھر وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن (اس کے منہ) میں آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

تشریح حدیث:۔ ألجم یوم القیامة بلجام من نار

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری الحنفی لکھتے ہیں کہ کتمان علم کرنے والے لوگ کے منہ میں آگ کی لگام داخل کی جائے گی کیوں کہ علم اور بات چیت کی جگہ منہ ہی ہے جس طرح جانوروں کے ناک میں نکیل ڈالکر اسے کھینچتے ہیں اسی طرح اس عالم دین کو منہ میں آگ کی لگام ڈالکر کھینچا جائے گا جو مسائل اور احکام جانتے ہوئے بھی مسائل کو نہیں بتاتے ہیں اور حدیث شریف کی اس وعید کے اندر طالب علموں سے اسلامی کتابوں کو روکنا بھی داخل ہے خصوصا وقف شدہ کتب کو روکنا بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے۔ ۶

۱ حاشیہ ابن ماجہ ۲ تقریب ص ۲۴ ۳ تقریب ۱۳۲ ۴ تقریب ص ۲۱۹ ۵ تقریب ۱۱۴ ۶ مرقات جلد ۱ ص ۲۸۶

حدیث شریف کی حیثیت:۔

اس حدیث شریف پر ائمہ جرح وتعدیل نے نقد کیا ہے چنانچہ بعض علماء محدثین نے اس حدیث کو ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے مگر امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے اور حاکم نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے کیوں کہ مختلف محدثین نے اس حدیث کی تخریج کی ہے چنانچہ امام ابوداؤد، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی اور علامہ سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ میں اس حدیث شریف کی تخریج کی ہے[۱]

رجال حدیث:۔

محمد بن عبدالله بن حفص بن هشام بن زید بن انس بن مالك الانصاری البصری صدوق من الحادية عشرة[۲]

اسماعیل بن ابراهیم الکرابیسیؒ ابوابراهیم البصری صاحب القوهی بضم القاف لین الحدیث من الثامنة مات سنة اربع وتسعین[۳]

ذکر الحافظ فی تقریبه باسم عبدالله عون راويين الاول عبدالله بن عون بن ارطبان ابوعون ثقة فاضل من اقران ايوب فی العلم والعمل والسن من السادسة مات سنة خمسين على الصحيح والثانی عبدالله بن عون ابی عون بن یزید الهلالی ابومحمد البغدادی ثقة عابد من العاشرة مات سنة اثنتين وثلاثين على الصحيح[۴].

محمد بن سیرین الانصاری ابوبکر بن ابی عمرة البصری ثقة ثبت عابد کبیر القدر کان لایریٰ الرواية بالمعنیٰ من الثالثة مات عشرومائة[۵]

آج شب پیر چار بجکر پندرہ منٹ بوقت تہجد بتاریخ ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷/ ستمبر ۱۹۹۹ء بمقام مدرسہ اسلامیہ عربیہ مرادیہ حوض والی مسجد مظفر نگر یوپی میں تکمیل الحاجہ شرح اردو ابن ماجہ جلد اول مکمل ہوئی فالحمدالله اولا واخرا

خدایا اس حقیر سی خدمت کو اپنی رضامندی اور اپنے محبوب کی خوشنودی کا ذریعہ بنا اور محض اپنے فضل وکرم سے اور اپنے محبوب ﷺ کے صدقہ طفیل میں اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور بندہ ہیچ مندان کے والدین اور حضرات اساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت بنا اور اس شرح کو قبولیت عامہ نصیب فرما اور مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرما، حاسدین کی حسد، مفسدین کے فتنہ وفساد سے حفاظت فرما۔

وصلی الله علی سیدالانبیاء والمرسلین وخاتم النبین وعلى آله واصحابه الطاهرين المطهرين والائمة المحدثين والمجتهدين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين۔

العبد غلام رسول منظور پھتروای القسمی

۱۶/ ۰۶/ ۱۴۲۰ـ۲۷ـ۹ـ۹۹/ ليلة الاثنين

---

[۱] مرقات جلد ا ص ۲۸۶ [۲] تقریب ص ۲۲۴ [۳] تقریب ص ۲۳ [۴] تقریب ص ۱۳۸ [۵] تقریب ص ۲۲۲